



132  
A. Q. 14, 142  
"Indling Grant"

1595



حصہ ۱ صفحہ ۲۶۵ صفحہ ۱۵۰ حافظہ حفظ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

ترجمہ: اشرفیہ تہذیب و ادب اور دین، تحقیق ایمان و بیعت کے لئے ہونے لگا ہے

صوبہ مالوہ اور راجگان و سلاطین مالوہ کے تاریخی حالات کے ساتھ شہر سرونج واقعہ مالوہ متعلقہ ریاست ٹونک کا جغرافیائی تاریخی مفصل تذکرہ

موسم بہار

# آثار مالوہ

ماوہ آغاز ترتیب (۱۳۳۳ م)

ماوہ تکمیل تاریخ (۱۳۴۵ م)

مجموعہ لکھنؤ

از تالیف لطیف مورخ مالوہ جناب منشی سید احمد رضی صاحب نظر قطبی

النصیر آبادی، معافیدار وکیل عدالتہائے ریاست ٹونک مقیم ضلع

سرونج (مالوہ) ریاست ٹونک

انڈین خواجہ بکڈپو برقی پریس دہلی

قیمت فی جلد

تین روپے (ستر)



۳۸  
CHECKED 2002

# انتساب

نازم یہ انتساب نمکھواری خلیل  
شادم کہ اس کتاب بعدش تمام شد

(خلیل تخلص فرمانروائے ریاست ٹونک)

میں ناچیز اپنے ان اوراق پریشان کو حضور پر نور امین الدولہ  
وزیر الملک نواب حافظ محمد ابراہیم علی خاں بہادر صولت جنگ  
جی، آئی، ای، جی، ای، ایس، آئی، فرمانروائے ٹونک دام ملکہ و  
اقبالہ کے نام نامی سے، اُن رشحاتِ کرم کی بہار آفریں یادگار میں  
(جن کی طرب انگیز تاثیر سے چمنستانِ صحافت گلریز، اور اربابِ قلم  
کے نہال امید ٹمخیز ہیں) عمیق حُسن عقیدت کے ساتھ  
معنون کرتا ہوں

گر جلوہ نگاہِ قبولش دہد فروغ باشد، بافتابِ رسد نورِ احترام

(از مولف)

احقر سید احمد تفضیل نظر

M.A. LIBRARY, A.M.U.



U32551

# آراء بتصرہ و تعارف از تشریحی شیخ واحد علی صاحب انصاری ملک انوی متخلص بہ زرا حال گرد اور قانون گو پر گنہ سرویج ریاست ٹونک

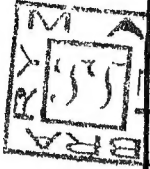
بنوان خیال خویش بامداد ہمدون ۱۰ تامل تا کجا، پائے قلم را نیز جنبانی (زار)

فرق تاریخ جھنڈا شکل ہے، اسبقہ کار آمد بھی ہے، موطن کی مساعی جمیلہ شکر یہ کی مستحق ہیں جنہوں نے عقیدت تماش  
سخت محنت، ممالک کی سیاحت، اور کثیر مصارف برداشت کر کے بعد تاریخی تحقیقات کا استفادہ کافی ذخیرہ جمع  
پہنچا دیا ہے کہ قدیم زمانہ کے تمام تاریک مطالعہ منور ہو چکے ہیں، اگرہے ارضی کی مخلوق میں اگر کتبانی قابلیت ہے تو  
گھر بیٹھے انصائے عالم کی سیر اور اہل علم و کمالات کے خیالات سے فائدہ اٹھا سکتی ہے، تاریخی دشوار گزار میدان میں  
صاحب آثار مالوہ کا قلم بھی الوان زمانہ ارادوں کے ساتھ لگا رہا آفریں رفتار دکھائی دیتا ہے اور صرف ۳۸ ہجری میں ایک سو بیس  
کی خاطر ہندوستان کے تمام صوبہ جات قدیم و جدید کو نگاہ تحقیق سے دیکھا ہوا، مالوہ کی حدود میں پہنچ کر دم لیتا ہے،  
مگر ابھی تسخیر مضامین سے پیاس نہیں بجھتی، اور آگے بڑھتا ہے اور بڑھ کر مقصود سرویج پر قصہ کرتا ہے، پھر بھی اپنی  
ہمت کے دلولہ انگیز ارادوں سے مشورہ کرتے ہوئے چاروں طرف سعی خیر نگاہیں ڈالتا ہے، کہ اب فتوحات کی تکمیل  
کیا کسر باقی ہے، تاریخی مضامین، نصف بہ نصف سامنے حاضر ہو کر کل کامیابی کا مژدہ سناتے ہیں مولف کا قلم  
احمد اللہ کہہ کر مسرور ہو جاتا ہے سجدہ سے سراٹھاتا ہے تو قلعہ کی زبان سے بار بار یہ مصرع سننے میں آتا ہے۔  
شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

کہنے کو تو اس کتاب اور اسکی جامعیت پر چند شرطیں اور چند منٹ میں مختصر سی تقریظ لکھ دی گئی مگر ناقابل معافی  
جرم ہو گا، اگر مولف کی محنت، مولف کی کاوش و داغ، مولف کی تحقیقات، مولف کی انشائیہ پر دازی، مولف  
کی تاریخی معلومات، اور مولف کی مصروفیتوں کا تذکرہ نہ کیا جائے، اعتراض آسان ہے، لیکن کوئی صاحب  
تاریخ کے دل سے پوچھے کہ عرصہ صحافت میں آپ پر کیا گزری، مولف اس کا جواب جب اپنی زبان  
داستان دردا گین کیسا تھ بیان کر لگا تو وہ الفاظ سننے کے قابل ہونگے اور یہ بقول مولف -

وہ کیا جائیں کہ دل دیکر کسی پر کیا گذرتی ہے دیا ہوتا کسی کو دل تو کرتے قدر بھی دل کی مولف میں مولف کتاب کا ابتدائی زمانہ سے ہم چلیں رہا ہوں اور آج بھی وہی نسبت ہے اوائل عمر میں مولف ایسے ہوتے ہیں، جبکہ اسلاف کے کارناموں، اور گذشتہ تمدنی حالات معلوم کرنے کا شوق رہا ہو یا جنہیں متقبل کی امتیازی رد و رد پر توجہ رہی ہو، جہاں تک مجھے یاد ہے مولف کا ابتدا سے علمی، ادبی، تاریخی اور اخلاقی کتابوں کا عین مطالعہ مشغلہ رہا ہے شعر و سخن کا شوق فطرتی ہے۔ ذہانت، طباعی، اور جودت کے ساتھ مضامین نگاری اور جرئت شمر کوئی ہیں اپنے تمام معاصرین سے ہمیشہ ممتاز رہے ہیں۔ سرکاری دفاتر اور قانون دان اصحاب کی جماعت میں بھی انکی قابلیت کا سکھ بٹھا ہوا ہے، یہی قدرتی اوصاف تھے کہ جو آج آثار مالاوہ میں گو کہ بڑا بزرگ و خوش نظر آتے ہیں، مولف کے مضامین نظم و نشر سے غالباً اخباری دنیا بھی ناواقف نہوگی، میں دیر بڑھ دو سال تک مولف کے تاریخ نگاری انہماک کو دیکھتا رہا ہوں، اور جن حالات و مشاغل میں کتاب مرتب ہوئی ہے، انکی تکمیل حقیقتاً ایک معجزہ ہے، جبکہ منظر قابل ملاحظہ ہے، مولف کی عمر ۵۲ سال ہو کر گذر گئی ہے، عیال داری، فکر معاش، قلمی معاونین کا فقدان، اور وکالت کی اہم ذمہ داریوں کے باوجود، دماغ ماشاء اللہ اسوقت تک قوی اور صحیح ہے جبکہ میں تعجب آمیز مسرت کی نظر سے دیکھتا ہوں، تعطیلات کے ایام میں، مولف سوا دہشتہر اور دیہات میں پھرتے ہوئے اور ذرہ ذرہ سے حقیقت شعاع آفتاب، تلاش کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، غیر تعطیل کے دنوں میں مولف کا کمر ہے اور ہاتھ میں قلم ہے، سامنے بیسیوں کتابیں کھلی ہوئی ہیں، ایک سطر لکھی ہے کہ گھر کے اندر سے بچے دوڑتے ہوئے آتے ہیں۔ کوئی گودی میں بیٹھا ہے، اور کوئی ضروریات کا اظہار کرتا ہے۔ مولف توجہ سے سنتے ہیں۔ اور خاگی انتظام کو مکمل کر کے پھر دو چار سطریں لکھتے ہیں۔ کہ محرر صاحب تشریف لاتے ہیں، اور کہنا شروع کرتے ہیں کہ فلاں فلاں مقدمات کی پیشی ہے، تاریخ نگاری کا قلم رکھ دیا جاتا ہے، اور قانون کی کتابیں سامنے آتی ہیں، مباحث قانون کا دور شروع ہو جاتا ہے، مسودات لکھے جاتے ہیں، اتنے میں دفتر کا وقت آگیا اور عدالت چلے گئے، پچھلادین ہوا، کمرہ میں جبکہ پھر تاریخ کی ترتیب میں مصروف ہیں، اتنے میں احباب کی اور موکوں کی آمد شروع ہو گئی، خندہ پیشانی کے ساتھ سب سے گفتگو کی، اور اپنے مشاغل میں مصروف ہو گئے، مہینوں، روزوں

بہر حال ان آنکھوں سے دیکھی ہے مورخین انصاف کریں کیا ان موانعت میں مورخ کا دماغ صحیح رہ سکتا ہے  
بہرگز نہیں، تصنیف و تالیف کا کام، یکسوئی، فراغت، اور دیکھی کا ہے، چھو اپنے مشاہدات کی رد سے  
تکمیل کتاب میں مایوسی تھی، لیکن حق یہ ہے کہ صاحب کتاب آثار مالوہ کا یہ کارنامہ انکی ذہانت اور  
طبعی کا قابل قدر کارنامہ ہے جس پر وہ مبارکباد کے مستحق ہیں، ع اللہ کرے جس رقم اور زیادہ



اور بقول مؤلف کے سچ ہے،

اسکو قسمت میں ملا سورت، ملا چھو گداز تیرے دیوانے سے نسبت نہیں پروانے کو مؤلف  
کتاب جس جامعیت اور مورخانہ تنقید کے ساتھ، برداشتہ قلم سلیس اردو، انشا پردازی میں مرتب  
ہوئی ہے، وہ کتاب کے عنوانات اور انکی تفصیل سے ظاہر ہے، سروج کے متعلق کوئی ایسا بیان نہیں  
جو مؤلف کے قلم سے رہ گیا ہو، کوئی ایسی روایت نہیں جس پر مورخانہ نقد و تبصرہ نہ ہو، بہر حال مؤلف کا  
قلم شکریہ کا مستحق ہے، جس نے سروج کو تاریخی و ادبی دنیا کے سامنے ایک تروتازہ گلدستہ کی صورت میں  
پیش کیا، اور جو کام برسوں کا تھا وہ مہینوں میں انجام دیا ہے، میں، مؤلف کی غیر متوقع کامیابی پر  
دلی مسرت کا اظہار کرتا ہوں، کتاب کے حسن قبول کیلئے دعا کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ مؤلف اپنے دیگر  
مکمل اور غیر مکمل مسودات پر نظر ثانی کر کے انکی طباعت کی طرف بھی توجہ کریں گے، جس سے انکے یادگاری نقش و نگار  
میں مزید اضافہ ہو جائیگا، فقط مرقوم یکم جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ مطابق، ۲۶ دسمبر ۱۹۳۶ء  
واحد علی انصاری، ملک انوی مقام سروج - ٹونک - ایٹٹ

از اجلاس نجم الامرا احتشام الملک جناب قاضی حاجی، قاری، مولوی، صاحبزادہ  
محمد عبدالوہاب خان نصیب بہادر صفہ جنگی اور حضو نواب صاحبزادہ والی ریا ٹونک  
ممبر کونسل عالیہ صیغہ فنانشل

کتاب (آثار مالوہ) مؤلف منشی سید احمد نقوی المتخلص بہ نظر وکیل عدالتہائے ٹونک مقیم سروج کو ہم نے  
ملاحظہ کیا، اس میں شک نہیں کہ قابل مؤلف نے تاریخی واقعات و حالات کے ہم پونچھائے ہیں، اور اسکو باقاعدہ خاص

لیاقت کے ساتھ ترتیب دینے میں پوری محنت و دھڑلج جانکا ہی و دقیق نظری سے کام لیا ہے، کتاب کو ابتدا سے انتہا تک یا محاورہ اردو زبان میں تاریخی معیار و درایت کے اصول پر مدون کیا ہے اور وہ فی تحقیق حسن کلام اور سیرایہ ادا کے لحاظ سے زبان ادب کا ایک بہترین نمونہ ہے، اور واقعات تاریخی کے اعتبار سے معلومات کا ایک بے بہا گنجینہ ہے، فٹ نوٹ کے ذریعہ سے جو کثرت نکات و تفصیلات کی گئی ہیں اُس سے اور بھی حسن کتاب دو بالا ہو گیا ہے، مؤلف کی مورخانہ تحقیقات، اور قابلہ محنت اسوجہ سے اور قابل تعریف اور لائق قدر ہے کہ باوجود دیگر ضروری مشاغل کے ایک معتد ضخیم کتاب کو ڈھائی سال کی مدت میں تیار و مکمل کر کے سرکار عالی دہلی اقبالہ کی پیشگاہ میں پیش کر دیا، جسکو ملاحظہ فرما کر سرکار عالی دہلی اقبالہ نے بھی بہ نظر پسندیدگی و قبولیت مؤلف کی محنت اور جگہزاشی کی تعریف فرمائی، اور اس تاریخی خدمت کے صلہ میں اراضی معافی بھی عطا فرمائی، اور ہم بھی مؤلف کی اس علمی خدمت و قابل قدر محنت سے محظوظ ہو کر اسکو اس کامیابی پر مبارکباد دیتے ہیں۔ ۶ مئی ۱۹۲۷ء

مقام ٹونک۔ دستخط صاحبزادہ صاحب بہادر صفدر جنگ ممبر کونسل صیف فنانشل۔

از اثر خامہ سحر نگار، ادیب روزگار جناب لوی سید علی اصغر صاحب ناظم و مورخ نیمابہرہ ریاست ٹونک، الحاح طبع عمد خاص اعتماد اختصاص امیر الانشا و دبیر الملک بہادر

نشی سید احمد مرتضیٰ صاحب نظر مصنف آثار مالوہ کو میں نے ۱۹۲۶ء میں (جبکہیں مہرچ کی ناظرین نامت) کے عہدہ پر مامور ہو کر گیا ہوا تھا) ایک خوش فکر شاعر ہونے کی حیثیت سے دیکھا، اور اپنی مجالس میں موصوف کو ہمیشہ دُوروں کے مقابلہ میں ممتاز پایا، اُسوقت سے موصوف کی قابلیت کی قدر و عزت میرے دلیں ہے۔

۱۹۲۷ء میں، میرے ناچیز قلم سے پر گنہ نیمابہرہ کی ایک مختصر تاریخ نکلی جس نے نشر و اشاعت بھی حاصل کیا۔ اسکے کچھ دُور کے بعد ادیب مؤلف موصوف نے ایک خط کے ذریعہ سے اپنا سروِ مخ کی تاریخ لکھنے کا ارادہ ظاہر کرتے ہوئے مجھ سے دوستانہ مشورہ کیا، جواب میں تاریخ نگاری کے خیال کی میں نے تائید کی اور لکھا کہ سروِ مخ میں کتب خانہ نہیں، باشندگان سروِ مخ میں ذوق تاریخی نہیں، تاریخی مواد ہم پہنچانے کیلئے سفر اور سفر کیلئے روپیہ درکار ہے، ان مشکلات پر آپ جیسے قلیل المعاش و کثیر الاشغال کا غالباً نا اتمل و خالی

نہیں، تاہم میں امکانی امداد کیلئے ہر وقت تیار ہوں، اس خط و کتابت کے تقریباً تین سال بعد مئی ۱۹۳۷ء میں اتفاقاً لائے ہوئے میری ٹونک میں ملاقات ہوئی، مسودہ کتاب ”آثار مالوہ“ میرے حوالے کرتے ہوئے اصرار کیا کہ میں شروع سے اخیر تک اسے دیکھوں، تقریباً ایک ہفتہ میں مسودہ کو میں نے غور سے دیکھا۔ میری مسرت آمیز حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہی کہ میں نے جس ہستی کو ۱۹۲۷ء میں اور اسکے بعد تک میرا شاعری میں ممتاز ترین شہسودا دیکھا تھا، آج وہی ہستی تاریخ و واقعہ نگاری کے منازل میں بھی کامیابی کیسے کا مزن ہے، مؤلف کو تسلیم، اور مجھے بھی اسکا علم ہے کہ یہ تاریخی کتاب قابل مصنف نے پہلی مرتبہ لکھی ہے اور جس شہر کی تاریخ ہے، یہ اسکی بھی ابتدائی تاریخ ہے، ان دونوں باتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے تاریخی ترتیب و تکمیل، طرز بیان، طریق استدلال، روایت کا اصول، روایت کی تنقید، مشکلات کی پروا نہ کرنا اور اس پر غالب قابل مؤلف کا ایک حیرت انگیز کا نامہ ہے، جس پر میں موصوف کو دینی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

سچ ہے۔ ع ہر کسے را بہر کارے ساختند

تمام عنوانات تاریخ پر نظر ڈالنے سے یہ ظاہر کہ نامیرا فرض ہے کہ ریاست دفترا کیلئے اسکا فراہم کیا ہوا مواد بہت زیادہ مفید ہے، اور جن اصحاب کو ذوق تاریخی ہے، انکے لئے معلومات کا ذخیرہ ہے۔ مجھے امید ہے کہ ریاست نے جس طرح مؤلف کو انکی محنت کا صلہ عطاءے الٰہی معافی کی موت میں بخشا ہے، اسی طرح کتاب کی طباعت کے مصارف کا بار بھی ریاست اپنے ذمہ لے لے گی ہیں اپنے تمام دوستوں سے کتاب کی خریداری کی پُر زور سفارش کرتا ہوں فقط ۲۵ مئی ۱۹۳۷ء مقام ٹونک۔

تقریباً اثر خامہ قہیم الملک رفیق الامرا بجناب صاحبزادہ محمد عبدالصبور خان صاحب بہادر احتشام جنگ۔ چیف مجسٹریٹ ٹونک اسٹیٹ

مولوی نثنیٰ سید احمد نقی صاحب وکیل مؤلف ”آثار مالوہ“ میرے قدیم دوست میں موصوف کی عام قانونی قابلیت، ذہانت، انصافیت، انشا پر دازی، زور قلم، اور اخلاقی و تاریخی کتب بینی کا مثال

۵۰ سالہ خطاب آپ کو ۵۰ سالہ نواب سعید الدولہ بہادر والی ٹونک کی تقریب پر ۱۰ صفر ۱۳۵۳ھ ۲۲ مئی ۱۹۳۵ء کو عطا ہو کر ۱۵ جون ۱۹۳۵ء کے گزٹ میں شائع ہوا۔ ۱۳ مؤلف

کا احساس و مشاہدہ کرتے ہوئے میں نے سرونج کی تاریخ نگاری کی طرف موصوف کو ضرور توجہ دلائی تھی۔ میرے قیام سرونج کے زمانہ میں (جبکہ میں بحیثیت سکند مجسٹریٹ، اینڈ منصف ہاں مامور تھا) اٹکا موصوف تاریخ نگاری میں مصروف ہے، ترتیب کتاب کے دوران میں موصوف کو جو کچھ مشکلات پیش آئیں وہ سب میرے علم و مشاہدہ میں ہیں، تاہم موصوف مشکلات سے مغلوب نہیں ہوئے، بلکہ غالب آکر کامیابی کے درجہ تک پہنچے، ابتداً ہر چیز کی وقت طلب ہوا کرتی ہے، سرونج کی تاریخ اس سے پہلے مدون نہیں ہوئی تھی، نہ ایسا تاریخ کا مواد جمع تھا کہ ترتیب تاریخ آسان ہوتی، اسلئے مولف کو درحقیقت مواد تاریخی فراہم کرنے میں سخت دشواریاں پیش آئیں، لیکن موصوف کی علمی قابلیت اور ہمت نے ایک معدوم شے کو عالم وجود میں لا کر ثابت کر دیا کہ

الوالعزم ان دانشمند جب کرنے پہ آتے ہیں سمند رپاٹتے ہیں کوہ سے دریا بہاتے ہیں  
مجھ کو موصوف کی بحیثیت وکالت - عدالتی کاموں کی مصروفیت دیکھ کر کتاب کی تکمیل میں شبہ بھی تھا، لیکن میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جبکہ ڈھائی سال کے اندر مولف نے مسودہ کتاب کو مکمل کر کے مجھے دکھلا دیا اور جسکے مضامین کو اس وقت میں نے جیسے جیسے پڑھا، اور موصوف کو انکی کامیابی پر مبارکباد دی۔

اب کہ موصوف نے کتاب پر نظر ثانی کر کے بہت کچھ اسمیں مضامین کا اضافہ بھی کر دیا، اور عنقریب کتاب پریس میں طباعت کے لئے جانواری ہے اسلئے میں نے موصوف کے اصرار سے کتاب کو شروع سے اخیر تک بالاستیعاب دیکھا، درحقیقت کتاب کا مورخانہ طرز لائق تعریف ہے، موصوف اپنے خاص انداز میں ادب کے رنگ کو بھی نمایاں کیا ہے، لیکن نہ اسقدر کہ مضامین تاریخ پر تاریکی کا پردہ پڑ جائے بیان کی سادگی و روانی، اور تاریخی واقعات کی ترتیب تہذیب کی کتاب کو دلچسپ بنا دیا ہے، میں بلا تصنع کتاب کے تمام محاسن پر نظر کرتے ہوئے کہوں گا کہ اردو ادب میں اس کتاب نے مفید اضافہ کیا ہے۔

سرونج کے تاریخی حالات مرودہ تھے، مولف نے اپنے سحرگاہ قلم سے اسمیں ایسی روح پھونک دی ہے کہ ہمیشہ کیلئے سرونج کے قدیم تمدن اور اسکی الوالعزم بانیوں اور حکمرانوں کے نام زندہ رہیں گے۔

رہنما سخن سے نام ہے اے دوستی حشر تک اولاد سے تویں یہی دو تین چار پشت

مزید فوجی بہ ہے کہ تمام ضروری عنوانات لئے گئے ہیں، اور ہر ایک عنوان کو تفصیل سے لکھا ہے، اہل علم اور شائقین تاریخ کے علاوہ ریاست کے دفاتر کیلئے کتاب کے خاص خاص مضامین بھی مفید ہیں، ایک نئی بات کتاب میں یہ بھی نظر سے گزری ہے کہ جہاں جہاں شعر درج ہیں، وہاں صاحبان اشعار کے نام بھی لکھ دیئے ہیں۔ یہ بات مولف کے قوی الحافظ ہونے کی دلیل ہے، جہاں مولف کو مبارکباد دیتا ہوں کہ وہ عام موزنین سے پیچھے نہیں رہے، سرکار مرحوم نواب امین الدولہ بہادر جنت آرام گاہ کے کتاب کو دیکھ کر اور پڑھ کر جس شانہ قدر دانی کا اظہار مولف کے ساتھ فرمایا تھا، وہ میرے علم میں ہے۔ اخیر میں دعا کرتا ہوں کہ میرے دوست مولف کتاب کی اس خدمت کو اللہ تعالیٰ قبول فرما کر اجر عظیم عطا فرمائے، آمین ثم آمین۔

۳۵  
حاکم محمد عبدالصبور خاں مجسٹریٹ ٹونک۔ مورخہ ۱۹ جون ۱۹۳۶ء مطابق ۱۳ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ

## ریویو

منجانب منتظم الرياست معتمد الملك جناب نشی شیخ محمد یوسف صاحب بہادر سعید جنگ بی بی الہ  
مہتمم خاص دربار عالی وقار ٹونک اسٹیٹ

کتاب آثار مالوہ کو میں نے شروع سے اخیر تک دیکھا جسکو مولوی سید احمد نقضی صاحب نظر و کمال  
سروج کے سحر نگار قلم نے اسکو تاریخی نقش نگار سے آراستہ کیا ہے، عموماً جابجا مفید مضامین خصوصاً  
انتظامی باب میں تفصیل نظام اور انقلاب حکومت کے عنوان میں معرکہ رزم کی تصویر کھینچ کر تاریخ کو  
دکھپ بنانے میں قابلیت سے کام لیا ہے، کتاب کا ہر باب مفید معلومات کا ایک بے بہا خزانہ  
ہے، اگرچہ کہنے کو سروج کی تاریخ ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ مجملہ تمام ہندوستان اور مفصلاً صوبہ مالوہ  
اور بلوچہ سروج کی ایک جامع تاریخ ہے، تاریخ کی سبب آموزی مسلم ہے کاش فاضل مولف کی  
خلصانہ دیر درد کو ششیں باآواز ثابت ہوں۔ اور یہ مرتب تاریخی ہم میں غیرت و حمیت کی حرکت پیدا کرے  
آمین، کتاب (صولت شیر شاہی) قابل مصنف کی مرتبہ تاریخ نے ادبی دنیا میں خاص امتیازی شہرت



حاصل کرنی ہے، لیکن آثارِ مالوہ میں بھی واقعات کے بیان میں جس طرح فاضل مولانا نے لطاقت کو برقرار و آشکار رکھا ہے، اسی طرح ایک تجربہ کار مورخ کی مانند تاریخ کو ادبیت سے مغلوب بھی نہیں ہونے دیا، طرزیانِ سادہ و دل نشین ہے، اور تاریخ کے لئے ایسی ہی زبان اور پیرایہ لاد کی ضرورت بھی ہے اس موقع پر میں اس حقیقت کو چھپانا نہیں چاہتا کہ قانونِ دل اور میری لائق مصنف سے پہلے کی ایک سہمی سری ملاقات تھی اور میں موصوف کو صرف ایک شاعرانہ مذاق کی حیثیت سے جانتا تھا، لیکن جس روز سے کہ موصوف کی دونوں کتابیں میری نظر سے گزر گئیں نے ادب سے استفادہ کیا ہے موصوف کی عزت و قدر میرے دلیں بہت زیادہ بڑھ گئی ہے، اور انہی اوصاف کی بنا پر آج میں مولانا کو ریاست ٹونک کا بہترین واقعہ نگار و ادیب سمجھ کر ریاست کو مبارکباد دیتا ہوں جسکی سرزمین میں آج ایسے قابلِ فخر جوہر پارے موجود ہیں۔ شرمندہ ہوں کہ میں اپنی کم علمی کی بنا پر کتاب کی کما حقہ صفات بیان نہیں کر سکتا، لیکن وعدہ کرتا ہوں کہ کتاب کی فروخت و اشاعت میں امکانی کوشش کرونگا، فقط

مورخ ۲۲ جون ۱۹۳۵ء مقام ٹونک راجپوتانہ

## شہادتہ قدر دانی کا شکریہ

میں اس کتاب کی ترتیب و تکمیل سے اپریل ۱۹۳۷ء میں فارغ ہو چکا تھا۔ یکم مئی ۱۹۳۷ء کو سروسز سے ٹونک پہنچا، علیجناب نجم الامرا احتشام الملک حافظ حاجی، قاری، مولوی صاحبزادہ عبدالوہاب خان صاحب بہادر صفدر جنگ ممبر کونسل صیغہ فنانشل کے ذریعہ سے یہ کتاب جناب مستطاب معنی القاب امین الدولہ وزیر الملک نواب حافظ سر محمد ابراہیم علیخان بہادر صولت جنگ جی، سی، ایس، آئی، جی، سی، آئی، ای افرمانہ دئے ٹونک کے ملاحظہ کراہی میں پیش ہوئی، مولف کا بھی سلام ہوا، چند ابواب میں سے بعض مضامین کو خوبسگار عالی نے ملاحظہ فرمایا، اور خاص خاص مواقع کی عبارت مولف سے پڑھ کر سماعت فرمائی، مولف کی محنت و جانفشانی کی تعریف فرماتے ہوئے ریاست کی ایک تاریخی کتاب کی تدوین و تکمیل پر اپنی خوشنودی کا سرور بار اظہار فرمایا، اسکے جواب میں مولف نے استادہ ہو کر کمال ادب

شاہانہ قدروانی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے دعائیں دیں، اور دہ بار سے اپس آیا۔ دوسرے روز تاج لگا کر  
کے صلے میں نقد انعام کے علاوہ دوسو بیگہ اراضی معانی مولف کو لسل العنسل ایک تحریری حکم کے ذریعہ  
سے عطا فرما کر معافیہ ہو چکی عزت بخشی، زمین آباد ہو چکی صورت میں عطا فرمایا کہ ایک دائمی ہی  
عطیہ ہے جسکو مولف اپنی ایتنا زانہ قدرو حیثیت پر محمول کرتا ہے۔

نازم بہ انتساب نمک خواری غلیل شادم کہ این کتاب بھدش تمام شد  
احقر سید احمد رفیع نظرہ مئی ۱۹۲۷ء

### معاونین کا شکریہ

یہ ایک صحیح حدیث شریف ہے، من لم یثکر الناس لم یثکر اللہ (ترجمہ) جس نے انسان کا  
شکریہ ادا نہیں کیا، اُس نے گویا اللہ پاک کا شکریہ ادا نہیں کیا، اسلئے تاجیز مولف پر یہ ایک فرض عاید  
ہوتا ہے کہ وہ کتاب کے خلص معاونین کا کئی قلمی و مالی اعانت پر کشادہ دلی کے ساتھ سپاس ادا کرے  
سب سے پہلے مولف اپنے محترم دوست عالیجناب صاحبزادہ محمد عبدالصبور خان صاحب بہادر الخاٹب  
رفیق الامرا فہیم الملک احتشام جنگ خاں چیف مجسٹریٹ ٹونک کا شکریہ ادا کرتے ہیں جسکی دوستانہ تحریک و شور  
سے کتاب آثار مالوہ لکھنے پر مولف مستعد ہوا، اگر موصوت کا اصرار ہمت افزائی نہ کرتا تو آج یہ مرقع تاریخی  
مولف کے نام و نمود کے بقا کا سبب نہ ہوتا جس پر مولف کو بجا طور پر فخر و ناز ہے۔ اور انہی مقدس و  
گرامی ہستی کا یہ دوسرا کا زمانہ ہے کہ مولف اور اسکی تالیف کردہ کتاب کو عالیجناب نجم الامرا احتشام الملک  
صاحبزادہ محمد عبدالوہاب خان صاحب بہادر صفدر جنگ مرحوم ممبر کونسل کی خدمتیں پیش کر کے ہزارین  
فرمائروائے ریاست ٹونک کی بارگاہ میں پہنچا نیک سبب ہوئی، لہذا کمال حسن ارادت و جذبات ممنونیت  
کے ساتھ مولف اپنے محترم غلام جناب صاحبزادہ صاحب بہادر صفدر جنگ مرحوم کے احسانات  
معاوضہ میں ارحم الراحمین سے ملتی ہے کہ مرحوم کو تاج مغفرت سے سرفراز فرما کر فردوس بریں میں  
اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

اگلے بعد اس آقا کا شکر مولف پر واجب ہے وہ مایہ ناز بی مولف نے عزیز و مقتدر دوست جناب مرزا محمد بیگ صاحب متہم توشہ خانہ سرکاری الیاطیہ بدوہ الیاست نظام ملکہ بہادر امین جنگ کی ہے جس نے اس کتاب کی نشر و اشاعت ضروری سمجھا اور مولف کی معقول اعانت و فائدہ سروس سے مستغنی کیا۔ اور حقیقت بھی یہی ہو کہ موصوف ہی کی اعانت کتاب کی طباعت کا باعث ہوئی نقطہ ۱۹۳۶ء خاکسار احمد مرتضیٰ انظر

## معذرت

اگرچہ یہ کتاب ۱۳۲۵ھ میں مکمل ہو کر طباعت کے قابل ہو چکی تھی، اور عالیجناب فیابین الدولہ بہادر و مراد خان نے ٹونک کے ملاحظہ سے گزرنیکے بعد اسید قلی کھنجر میں کسی پریس کے حوالہ کر دیا ہے لیکن بد قسمتی سے کچھ ایسے واقعات پیش آئے کہ میں تین سال تک سرورج سے ٹونک پہنچ کر صرفہ طباعت ملنے کی یاد دہانی نہ کر سکا۔

دسمبر ۱۹۲۹ء میں، میری یاد دہانی پر میرے محسن قدیم حمیل المناقب عظیم الاحسان عالیجناب نجم الامراء احتشام الملک علی رضا فاری، صاحبی، صاحبزادہ محمد عبدالوہاب خاں صاحب بہادر صفدر جنگ ممبر کونسل صیغہ فنانشل دہرا ٹونک نے مجھے اس غرض سے ٹونک آجکی تحریک فرمائی کہ صرفہ طباعت کا انتظام ریاست کرادیا جائے۔ میرے لئے اس سے بڑھ کر کیا خوشی ہو سکتی تھی، اپنے تمام ضروری کاموں کو خیر باد کہتا ہوا، سرورج سے روانہ ہو کر ۹ ستمبر ۱۹۲۹ء کو ٹونک پہنچا لیکن میرے رنج و ملامت کی کوئی انتہاء نہ رہی جب کہیں نے ٹونک پہنچ کر خیاب صاحبزادہ صاحب بہادر جمیع التہابہ کو مرض الموت میں پایا۔ دوسرے روز ۱۹ دسمبر ۱۹۲۹ء مطابق ۱۱ رجب ۱۳۴۸ھ کو موصوف نے سفر آخرت اختیار فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون،

چونکہ مرحوم کی دوا می مفارقت کا خود رئیس اعظم کی ذات معلیٰ اور تمام دیگر خاندانی و غیر خاندانی افراد و عین ازل تھا، اس لئے صرفہ طباعت کی تحریک کو اس وقت غیر مناسب خیال کرتے ہوئے مائی لباس میں سرورج واپس آ گیا۔

اس حادثہ جانکا کے چھ ماہ بعد کئی مہینے علیل رہ کر خود سرخیز فیض و کرم حضور نواب امین الدولہ وزیر الملک نواب حافظ

لے آپ، نواب امین الدولہ بہادر کے چھٹے بیٹائی تھے ۱۲ مولف

نے مولف نے مرحوم کی وفات کی تاریخ پر جو موزوں کی ہے وہ یہ ہے

مجموعہ علم فیض و برکات : : : عالی ہم و کریم و ذی شان  
لیکن از ان محسن خویش : : : عالم ہمہ گشت چاک دامان  
چون صفدر جنگ عبدالباپ : : : سرخیز فیض و جود احسان  
زین باغ برفت سوئے فردوس : : : دل شاد شد تہو و خلمان  
گشتم چون نظر بفرنگ تارنج : : : شاد شد بشتیں با گفت و نول  
۱۳۱۳ھ

تو اس عید اللہ بھاد کی قدروانی۔ اگرچہ میں اپنے دونوں قدروانوں کے اٹھ جانے سے شکستہ دل ہو کر کتاب کی طباعت سے باز رہا ہوں، لیکن یہ غلط فہمی کہ اللہ بھاد کے جانشین حضور نواب عید اللہ وزیر الملک علی غازی علیہ السلام کی عبادت علیٰ خاندان صاحب بھاد و صلواتی جنگ کی علمی تاریخی قدروانی آفتاب بنکر عالم یاس میں چمکی،

میں اپنے معزز اور محترم دوست افتخار الانشا مرثیہ الملک شہی حاجی سید محمد اسماعیل صاحب ساینس میٹری شی و بارہا حال ناظم (کلکٹر)،  
سرحد کا بیحد ممنون و مشکور ہوں جنہوں نے اس کتاب، اور کتاب کے مولف کا تذکرہ حضور ممدوح سے فرما کر مجھے اور کتاب دونوں کے  
سرکار عالی میں پیش کیا۔ تاہم مجھے جسے حبیبہ مصفا میں کو خود مطالعہ فرما کر مولف کی محنت و تلاش، اور کتاب کے مضامین کی ترتیب  
و تہذیب کی تعریف فرماتے ہوئے طباعت کی ضرورت پر اظہار خیال فرمایا، اور جو دو سو بیگہ اراضی معافی عطیہ نواب والا جاہ  
میت الدولہ بہادر مرحوم مغفور کسی غلط فہمی سے معرض ضبط میں آگئی تھی، اس کو فی الوقت باز بحال فرما کر مولف کی حوصلہ افزائی فرمائی۔  
اس طرح یہ تاریخی کتاب تقریباً ۹۳ سال کے بعد اب ۱۳۹۲ھ میں مطبوع ہو کر شائع کی جا رہی ہے، میں اپنے اُن احباب سے  
بیحد ناام ہوں جنہوں نے اس مدت میں کتاب کی طباعت کیلئے، اپنے شوق مطالعہ کے اظہار کے ساتھ بار بار جھجکایا دو دیا  
فرمائی ہے، امید ہے کہ ایسے تمام احباب میری تجویزوں اور معذوریوں پر نظر فرما کر معاف فرمائیں گے۔

سید احمد رضا نے نظر (مؤلف آثار مالوہ)  
مورخہ ۱۶ ربیع الاول ۱۲۸۳ھ مقام سرخس، یون ۱۳۰۶ھ

لحہ آپ کے وصال کی تاریخ یہ ہے۔  
چونکہ نواب ابراہیم علی حسناں  
زخاں ٹونک سوئے بزم جنت  
زلف غیش دنیا را سیہ کرد  
ہمسازان ریاست ماند بر جائے  
چہ اقلیم وچ اکلیل وچ دولت  
بہ تنہا آمد و ہم رفت تنہا  
نشد جزے مدد گار اقامت  
نہ بازئے امیری داد نصرت  
نہ وزیدہ کے رسم رفاقت  
نہ اقبال و نہیری یاوری کرد  
نہ در منزل بجز اعمال ذاتی  
نہ دنیا نام خود باخیزد و برکت  
نہ فقیرے بود در شان ریاست  
کہ با و ہر بلواں آب رحمت  
خلیل آسائے ہمیشہ خوان نعمت  
محب و عاشق ہر درار امت  
ہمیشہ مصدر افوار رحمت  
نہاں شد با تپاہ جاہ و سطوت

## فہرست مضامین آثار مالوہ

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۶۲	باتر بہادر شاہ اور روپ متی	۶۲	عمود غزنوی کے حملے	۱	انتساب آراء
۶۶	مالوہ کا اشتغال دہلی سے	۶۳	اسلامی حکومتیں	۹	شکریہ قدر دانی و اعانت
۶۸	جدول راجگان مالوہ سے		شہاب الدین غوری اور	۱۰	معذرت
	محمد شاہ تک		رائے پتھورہ کی پہلی جنگ		دیباچہ
۷۳	حصہ دوم	۶۵	رائے پتھورہ سے دوسری جنگ	۱	تاریخ کے فوائد
۷۳	سروچ کی تاریخ		سلطان شہاب الدین کی	۲	آبادی کی تاریخ
۷۳	پہلا باب جعفر اقیہ طول البلد	۶۵	وفات اور قطب الدین کی	۴	سبب تالیف
	وعرض البلد		تخت نشینی	۴	مشکلات
۷۴	رقبہ		آرام شاہ سے محمد شاہ تغلق تک	۶	ترتیب و تکمیل
۷۵	علاقہ ملحق الحدود	۳۲	تیسرا باب	۸	ماخذ
۷۴	ریلوے اسٹیشن	۳۲	سلاطین مالوہ	۹	ضروری گذارش
۷۴	آب و ہوا	۳۵	دلا ورفاں غوری	۱۳	شکریہ قدر دانی
۷۴	بارش اور زراعت کا نشوونما	۳۶	ہوشنگ شاہ	۱۵	حصہ اول
۷۵	خودروا شجار	۴۴	محمد شاہ ابن ہوشنگ	۱۶	صوبہ مالوہ کی تاریخ
۷۶	پھاڑوں کا سلسلہ	۴۵	سلطان محمود غلی	۱۶	جغرافیہ مالوہ
۷۶	مٹی کا رنگ اور اقسام	۵۱	غیاث الدین خلجی	۱۶	مالوہ کی وجہ تسمیہ
۷۷	تالاب	۵۴	ناصر الدین خلجی	۱۷	دوسرا باب
۷۷	ندیاں	۵۶	عمود ثانی	۱۹	ہندوستان اور مالوہ کی فیک
۸۰	چالان	۶۱	قادر شاہ اور سلطان شیر شاہ	۱۹	ہندی اور اسلامی حکومتیں
۸۰	کان		کاحلہ		ہندی حکومتیں
۸۰	زبان	۶۲	شجاعت خاں	۱۹	راجہ فور سے پر تاپ چند تک

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۱۵۳	شیرشاہی دور حکومت	۱۲۱	کوٹوالی	۸۰	اقوام
۱۵۳	تیموریہ خاندان کا دور حکومت	۱۲۱	چھیٹ کورہ	۸۱	سواد سرودج
۱۵۴	تیموریہ سلطنت کا زوال	۱۲۲	دارالضرب	۱۲	دوسرا باب
۶۳	مرہٹوں کی تاخت مالوہ پر			۸۲	سرودج کی وجہ تسمیہ
۶۴	باجی راؤ کا حملہ سرودج پر اور	۱۲۳	سراے	۸۲	زبانی روایت
	شاہی افواج کا تعاقب -	۱۲۴	مساجد	۸۲	تاریخی اندراج
۱۶۵	باجی راؤ کو نظام مالوہ کی سند	۱۲۸	مناور	۸۴	شیرشاہ سوری
۱۶۵	پونہ پر نظام اور باجی راؤ کا مقابلہ	۱۲۸	دارالحکومت	۸۴	سکتہ ۱۹۹
۱۶۵	اگرہ اور علاقہ دواپہ پر باجی راؤ کا حملہ -	۱۲۸	عام عمارات	۸۸	مسلمانوں کی ہندوستان
	نواب برہان الملک کی مدافعت	۱۳۰	ویران پورے		میں آمد
۱۶۶	نواب برہان الملک باجی راؤ کے تعاقب میں	۱۳۲	آباد پورے	۹۰	مولف کی تحقیقات کا نتیجہ
	دربار شاہی سے نظام الملک کی طلبی اور اس کی آمد	۱۳۶	مناظر	۱۰۰	سینگر قوم کی اصلیت اور
۱۶۸	نظام الملک کا باجی راؤ کے مقابلہ کے لئے نکلتا	۱۳۸	باغات		اس کی تاریخ
۱۶۸	گنگوئے مصالحت - اور	۱۳۸	بھوری ٹوری	۱۰۳	تیسرا باب
	نادر شاہی طوفان	۱۳۸	سرودج کی تجارتی و شہری عظمت	۱۰۳	سرودج کی آبادی اور اس کا
۱۶۹	ناصر جنگ میں نظام الملک سے	۱۴۱	سرودج کا قدیم تمدن		عروج و انحطاط
	باجی راؤ کا مقابلہ ناصر جنگ کی فتح -	۱۴۳	مسلمانوں کی آبادی	۱۰۳	تمہید
	شکست کے صدمہ سے باجی راؤ کی وفات -	۱۴۴	پٹھانوں کی شہرت	۱۰۴	دروازوں کے نام
		۱۴۶	ہندوؤں کی آبادی	۱۰۶	کھڑکیاں
		۱۴۶	آبادی و ترقی کا انحطاط	۱۰۸	فصیل شہر کا زمانہ تعمیر
		۱۵۰	دوبارہ ترقی کے آثار	۱۱۰	محلوں کے نام
		۱۵۱	چوتھا باب	۱۱۶	غیر آباد بازار
		۱۵۱	حکومتوں کا انقلاب	۱۱۶	آباد بازار
		۱۵۲	سرودج پر بھدی راجپوتوں کا قبضہ	۲۲۰	بازار کا ستہ تعمیر

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۲۰۸	فوجدار	۱۸۲	سال ولادت	۱۴۹	بالائی راؤ دنگ کو صوبہ مالوہ کی سند
۲۰۹	عدالت	۱۸۲	سفر اور ملازمت		محمد شاہ غازی کی وفات
۲۰۹	دارالافتا	۱۸۴	پچھن راؤ سے امیرالدولہ کی	۱۴۰	عالمگیر ثانی اور نجیب الدولہ
۲۱۰	عہد جاگیر		جنگ -		غازی الدین کی وزارت اور
۲۱۱	عہد شاہجہانی	۱۸۴	بالا راؤ سید ہیا کی فوج کشی		عالمگیر ثانی کا قتل
۲۱۳	عہد عالمگیری	۱۸۸	راجہ جے سنگھ کپچی کی طرف سے دغا	۱۴۰	احمد شاہ درانی کی ہندوستان
۲۱۳	عدالتی نظام عالمگیری	۱۸۴	بالا راؤ سے مقابلہ اور فتح		میں آمد اور مرہٹوں سے جنگ
۲۱۵	متفرق انتظامات عہد عالمگیری	۱۸۹	بالا راؤ کی ملازمت اور قلعہ	۱۴۲	مرہٹوں کی ہزیمت اور اونکا تہم
۲۱۶	عہد شاہ عالم ثانی و اکبر ثانی		بھوپال کی فتح -	۱۴۳	شاہ عالم ثانی اور نڈرولیک
۲۱۶	پیشوا، اورنگزیادہ کا عہد حکومت		بھوپال کی ملازمت		کی مداخلت
۲۱۸	جدول عاملان و دیگر عہد داران	۱۹۰	جہا راجہ جسونت راؤ اور نواب	۱۴۳	غلام قادر خان کی سفارت اور
	ابتدائے -		امیرالدولہ کا اشتراک اور معاہدہ		شاہ عالم کا نابینا ہونا
۲۱۸	عہد شیر شاہ تاجپور	۱۹۲	قلعہ جیسری کی فتح -	۱۴۳	شاہ عالم ثانی کا کبا ہوا مرثیہ
۲۲۴	دوسرا دور انتظامیہ نواب	۱۹۳	سروجن پریامیر الدولہ بہادر کا قبضہ	۱۴۵	اکبر ثانی اور بہادر شاہ
	امیرالدولہ کا عہد حکومت	۱۹۴	نتیجہ جنگ وجدال	۱۴۹	مرہٹوں کا راج مالوہ اور
۲۲۶	عہد امیری کے متفرق واقعات		معاہدہ صلح		سروجن پری
۲۲۶	نواب وزیر الدولہ کا عہد حکومت	۲۰۰	پانچواں باب	۱۴۷	ملہر راؤ ہلکر کا دور حکومت
۲۲۸	مالگذاری کا انتظام	۳۰۰	عام انتظامی حالات	۱۴۷	اہلیہ بابائی کی حکومت
۲۲۹	عدالتی نظام		عہد راجگان تولوز و ہنوار	۱۴۹	تکوجی اور کاشی راؤ کا عہد حکومت
۲۳۰	پولیس		وغیرہ تاجپور	۱۸۰	جسونت راؤ کی نظربندی
۲۳۰	عہد وزیر کے متفرق واقعات	۲۰۱	عہد اکبری -	۱۸۰	سروجن پری کچھویوں کا قبضہ
۲۳۶	نواب وزیر الدولہ کے علمی	۲۰۳	صیغہ مال	۱۸۰	سروجن پری سید ہیا کا عمل
	و اخلاقی اوصاف پر ایک	۲۰۴	ترخنامہ اجناس	۱۸۱	(اقبال نامہ امیری)
	نظر -	۲۰۷	کو توالی	۱۸۱	نواب امیرالدولہ کا نسب نامہ

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۳۲۸	مقبرہ غوری شاہ	۲۶۲	عدالت	۲۳۹	نواب امین الدولہ محمد علی خان بہادر
۳۲۹	مقبرہ مخدوم شہید	۲۶۲	علوم و فنون کی قدردانی		کا عہد حکومت
۳۳۰	مقبرہ حضرت ولایت	۲۶۵	مذہبی حیثیت	۲۴۰	نواب امین الدولہ محمد ابراہیم علی
۳۳۱	مقبرہ حضرت رضا علی بیگ	۲۶۹	نقشہ آمدنی سالوار		خان بہادر کا عہد حکومت
۳۳۱	مقبرہ نامعلوم	۲۷۰	نقشہ دیہات تحصیل دار	۲۴۱	ملکی اصلاحات کا پہلا دور
۳۳۲	مقبرہ خواجہ عبدالہادی		اور آن کا رقبہ	۲۴۲	اصلاحات کا دوسرا دور
۳۳۲	مقبرہ خواجہ محمد صالح	۲۷۱	فہرست ناظمین پرگنہ	۲۴۵	عدالتی نظام
۳۳۳	مقبرہ شجاع خاں	۲۹۵	فہرست پیشکاران و نائب ناظمین	۲۴۶	صیغہ پولیس
۳۳۴	چار دیواری	۳۰۴	چھٹا باب	۲۴۷	سائرس جنگلات - مال
۳۳۷	یہودی اور فرانسیسیوں کی قبریں -	۳۰۴	آثار قدیمہ	۲۴۸	اسکول - متفرقات
۳۳۷	سلسلہ منادر	۳۰۵	سلسلہ مساجد مومنوں کی مسجد	۲۵۰	اصلاحات کا تیسرا دور
۳۳۷	گردھاری جی کا مندر	۳۰۸	رکاب گنج کی مسجد	۲۵۱	متفرقات
۳۳۹	جینیوں کا مندر	۳۱۲	مسجد جامع	۲۵۲	چوتھا اصلاحی دور
۳۳۹	جینیوں کی چھتری	۳۱۳	کوٹ کی مسجد	۲۵۳	صیغہ مال -
۳۴۰	مدن موہن جی کا مندر	۳۱۴	مسجد آستان بازار	۲۵۴	اصلاحات کا پانچواں دور
۳۴۱	جینیوں کی مورت	۳۱۵	مسجد بوہران	۲۵۴	صیغہ پولیس
۳۴۲	عام عمارات	۳۱۶	مسجد جامع امان اللہ رنگرین	۲۵۶	عدالتی نظام
۳۴۲	درگاہ حضرت مولانا علی	۳۱۷	پراسانہ کرہ کی مسجد	۲۵۷	صیغہ مال و متفرقات
۳۴۴	ایوان حکومت	۳۱۸	گٹو شاہ والی مسجد	۲۵۸	نواب امین الدولہ کے عام
۳۵۲	بارہ دری	۳۲۱	پرائی عید گاہ		صفات پر تبصرہ -
۳۵۴	سرائے پختہ	۳۲۳	نئی عید گاہ	۲۵۸	قوت انتظامیہ
	ستکھنی خویلی	۳۲۵	سلسلہ مقابر	۲۶۰	فرائض جہانیاں
۳۶۰	رائے جی کی خویلی	۳۲۷	مقبرہ شاہ فخر الدین چشتی	۲۶۱	سخاوت
		۳۲۷	مقبرہ حضرت بابائی رومی	۲۶۳	علم و عفو



صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۳۲۳	خاندان جمعدار محمد پوسمت خاں	۳۸۳	تسبید	۳۶۵	سسر کر پارام کی باؤلی
۳۲۴	خاندان محمد سعید خاں بہادر	۳۸۴	سلسلہ خاندان قدیم -	۳۶۶	کوشا کی باؤلی
۳۲۵	ظفر جنگ	۳۸۵	خاندان قاضی رکن الدین	۳۶۷	شیخ سوبلی
۳۲۶	خاندان شیر محمد خاں و نظیر محمد خاں	۳۸۶	خاندان خواجہ عبدالبہادی	۳۶۸	ساتواں باب
۳۲۷	خاندان مرتضیٰ خاں بانگے	۳۹۰	خاندان خواجہ محمد صانع	۳۶۹	علاقہ سروخ کے بعض تاریخی مقامات -
۳۲۸	خاندان عبداللہ خاں قدیمی	۳۹۱	خاندان راجو خاں ترکمان	۳۷۰	دلوپورس جہا راجہ راجندر کی آمد
۳۲۹	خاندان مولوی غلام جیلانی	۳۹۲	پوہروں کا خاندان	۳۷۱	موضع ہبان میں جھگنی رشی کا
۳۳۰	خان بہادر رامپوری	۴۰۳	خاندان قاضی بیہم بیگ	۳۷۲	استہان
۳۳۱	خاندان رسالہ دارقا درخان	۴۰۴	خاندان شیخ بایزید	۳۷۳	موضع سیسل کھڑی میں تارن
۳۳۲	خاندان کپتان احمد علی خان	۴۰۵	خاندان مفتی نعل بیگ	۳۷۴	ترن جی کا استہان
۳۳۳	خاندان غلام حیدر خان	۴۰۶	خاندان ملک صاحب داد خاں	۳۷۵	چھوٹی نداگن کا مندر
۳۳۴	رسالہ دار	۴۱۰	خاندان لالہ متھرا داس قانوگلو	۳۷۶	تحصیل لیٹری کے دفتر کا مکان
۳۳۵	خاندان راجہ مان سنگھ	۴۱۱	خاندان لالہ گردیہ داس قانوگلو	۳۷۷	لکراج کوٹڑہ
۳۳۶	خاندان مرزا امیتا بیگ	۴۱۲	خاندان غلام محمد خاں عرف	۳۷۸	موضع مراریالی گڈھی
۳۳۷	منیمہ	۴۱۳	چٹو خاں جمعدار	۳۷۹	موضع یار دہ کی باؤلی
۳۳۸	مولت کی سرگذشت	۴۱۴	خاندان نواب محمد سعید خاں بہادر	۳۸۰	آٹھواں باب
۳۳۹	قطعات تاریخ	۴۱۵	غضنفر جنگ	۳۸۱	سروخ کے قدیم و جدید خاندان
۳۴۰		۴۲۲	سلسلہ خاندان جدید	۳۸۲	

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

## دیس

اے آنکہ توحید تو شاید قلم است <sup>از مولانا محمد ترازان</sup> نیز بکاغذ رسم است  
نربان لطق و بدل جو ہر ایمان دای گرشکر و سپاس تو بخوانم ستم است  
سُبْحَانَكَ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ أَعْلَمُ لَنَا الْكَافَا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ  
اشیاء کی حقیقتوں اور ساختات و واقعات عالم کا جاننا  
انسان کے لئے ضروری ہے، جس کا انحصار عقول بتیائیں  
پڑ ہے، چونکہ ہر جگہ عقل کی دسترس نہیں اس لئے بیشتر مواقع پر محسوسات سے کام لیا  
جاتا ہے، محسوسات کی بھی دو قسمیں ہیں، مشاہدات، اور مسموعات، مشاہدات کے ذرائع بھی  
محدود ہیں، ایک شخص تمام عالم کی اشیاء اور عالم کے تمام واقعات اور دیگر حالات کا  
مشاہدہ نہیں کر سکتا۔ اس لئے زیادہ تر استدراک کا انحصار مسموعات پر ہے، جن میں  
تاریخی تالیفات و تصنیفات شامل ہیں۔

محسوسات ذہنی کی ترقیاں بہت زیادہ علم تاریخ پر مبنی ہیں، عقل کو روشنی، تجربہ کو  
وسعت، خیالات میں بلندی پیدا ہو کر انسان صاحب الرائے ہونے کا درجہ حاصل کر سکتا  
ہے، اس لئے کہ جب اس کی نگاہوں سے ہر قسم کی تاریخی کتابیں گزر جائیں گی تو مانتا پڑے گا  
کہ وہ عقلائے عالم کے مشوروں سے مستفید ہو چکا ہے، جس کا مشورہ نہایت قیمتی ثابت

ہوگا، اور اگر کسی اہل نظر نے کسی تاریخ کو دیکھ کر حقائق اشیا، اور مادیات کے انکشافات کی طرف توجہ کی تو ایسا شخص میدان اختراعات میں ہرگز متناظر اگر کسی دن باہر علم طبیعیات کی شان میں جلوہ گر ہو سکتا ہے، بہر حال تاریخ کا مطالعہ فوائد سے خالی نہیں ہے اگر اس کو استفادہ کی نظر سے دیکھا جائے،

ویدہ را فائدہ آنست کہ دلبندیند

(سعدی)

ورنہ بنید چه بود فائدہ بینائی را

آبادی کی تاریخ اور اسکے اثرات کسی شہر کی تاریخ کہنے اور اس کے شائع کرنے سے اس کے گزشتہ تمدن کا اظہار

مقصود ہوا کرتا ہے، جس کو اس تفصیل سے لکھنا چاہئے کہ شہر کا جغرافیہ، طبعی و تمدنی، آبادی کی ابتداء، بانی کا نام، عہد بہ عہد کی تبدیلیوں کے اسباب، حکومتوں کا انقلاب، انقلاب اثرات طرز تعمیرات، اقسام تعمیرات، اقوام کی آبادی کی تفصیل، ان کا طرز معاشرت، صنعت و حرفت، اقتصادیات، ترقی کے بعد منزل کے اسباب، اور موجودہ آثار قدیمہ کے تمام نقش و نگار آنکھوں کے سامنے آجائیں، جب اس جامعیت کے ساتھ کسی شہر کا تاریخی نقشہ کتابی صورت میں مرتب ہو کر پیش ہوگا تو بلحاظ اختلاف طبائع لوگوں پر اثرات بھی مختلف پیدا ہوں گے،

کچھ لوگ کھنڈرات کے عبرتناک مناظر کو دیکھ کر اور ان کا حال ٹپکرا کر افسردہ و ملیں گے کیسا کہ یہ اثر لینے کے جب دنیا اور اسباب دنیا عارضات و حادثات سے ہیں، تو علوم و فنون میں ترقی کرنا تعمیرات پر پانی کی طرح روپیہ بہانا، آثار قدیمہ کو محفوظ رکھ کر امن سے درس نہ حاصل کرنا۔ اس قسم کی تمام باتیں فضول اور بے کار ہیں اس لئے قناعت کے دائرہ میں رہ کر مستعار زندگی کا زمانہ گزار دینا چاہئے، نہ یہی نقطہ خیال سے قطع نظر اس تحیل کا نام پست ہمتی ہے، ایسے لوگوں کی مثال مولانا حالی کے اس شعر کی مصداق ہے۔

ہیں تالاب میں مچھلیاں کچھہ فراہم  
وہی ان کی دنیا وہی ان کا عالم

دنیا میں کچھہ لوگ ایسے قوی الحس اور صبح الدماغ بھی ہیں، کہ وہ کتاب کو ٹپکھہ  
شہر کی گذشتہ تمدنی غفلت، ماقصدی شان و شوکت، اور اس کے مادی آثار کو ٹپکھہ  
انہی حیرتکدوسے ذمی علم، واولو العزم بانیان عمارات و منازل کے اجزائے پریشان  
پنہ لگائے میں یہ کہتے ہوئے نظر آئینگے۔

کہ ہشیار اگر مردی آہستہ تر  
کہ چشم و بنا گوش و روی ست در

(سعدی)

ایسے اصحاب کی اکتسابی نگاہ میں، اینٹ، پتھر، مٹی، دھونے کے ذرہ ذرہ سے اسکا  
کامپیکر تمدن، متشکل ہو کر سامنے دکھائی دیکھا جس سے درس حکمت و صنعت کا استفادہ  
کرتے ہوئے موجودہ نقش و نگار سے بڑھ کر عملی نمونہ قائم کرنے کی جدوجہد میں صرف نظر  
آئینگے، اس سے بہتر آثار و علوم پرستی کی مثال دوسری نہیں ہو سکتی۔ اس تجسس  
ملاش۔ اور ان عمیق تخیلات کا نام بلند ہمتی ہے۔

ناز پروردہ تنعم نہ بروراہ بہ دوست  
عاشقی شیوہ رنایان پلاکش باشد

غور کرو آج موجودہ دور میں موٹر کار، لاسکی، ہوائی جہاز، ٹرمیوے، گراموفون،  
برقی روشنی، تار پیڈو، گیس، تحت البحر کشتیاں، پچاس پچاس منازل کی بلند چوٹی  
سنگی، اور آہنی عمارات کا وجود، طرز معاشرت، حسن معاشرت، وغیرہ وغیرہ ایجاد  
وحیرت انگیز اختراعات جو ہم دیکھتے ہیں۔ یہ سب ان اولو العزم، بلند خیال، باریک بین،  
اور علوم پرست انسانوں کے دل و دماغ کے نتائج ہیں، جنہوں نے علوم کی طاقت،  
تجربات کی وسعت، اور اسلاف کے عملی نمونوں سے استفادہ کرتے ہوئے، سائنس کی

جدت کا فخر حاصل کیا ہے،

اسلاف کے گزشتہ حالات اور دور ماضی کے یادگاری نقش و نگار کو محض افسانہ اور گنج ویرانہ سمجھنا سخت غلطی ہے، اہل بصیرت کے نزدیک گنج ویرانے کی ایک ایک اینٹ افلاطون حکمت، اور ان کے علمی کارنامے بہترین مشیر ہیں،

میں نے اس کتاب کی ترتیب کے وقت حالات و اثنائیں پہنچانے اور ان کو مدون کرنے میں ان تمام مراتب کو پیش نظر رکھا ہے جس کی تصدیق مطالعہ کتاب سے ہو سکتی ہے اگر یہ تاریخی کتاب اہل بصیرت کو فائدہ پہنچا سکے، یا خود وہی علم اصحاب استفادہ کی غرض سے اس کے مطالعہ کی طرف مائل ہوں، تو یہ میری، اور کتاب، دونوں کی خوش قسمتی ہے،

بغیر دل ہمہ نقش و نگار بے معنی است

(نظریہ)

ہیں ورق کہ سیہ گشتہ مدعا نیجا است

بارغم عشق تو بہ ہر کس کہ نمودم

(حافظ)

عاجز شدہ این قرعہ بنام ز سرافنا

## سبب تالیف

میرے بعض مقامی احباب تعجب کرتے ہیں، کہ میں نے قوائے جسمانی کے انحطاط، اور پیشہ و کالت کی ذمہ داریوں اور مصروفیتوں کے زمانہ میں سرونج کی تاریخ لکھنے کا ارادہ کیسے کیا، یہ استعجاب دوستوں کا ہے، جان نہیں ہے، اس لئے کہ جس شخص کے اعضاء رئیسہ کمزور ہو چکے ہوں، شام جوانی صبح پیری سے تبدیل ہونے لگی ہو، قانونی مشاغل سے عذیم الفرصت ہو، خانگی فکروں کے جال میں پھنسا ہوا ہو، اس کی ذات تاریخ نگاری کے بار کی بٹا ہر متحمل نہیں ہو سکتی تھی اور جب میں خود بھی یہ دیکھ چکا تھا کہ ۱۸۹۶ء میں بخشی کیتان حافظ سید محمد خاں بہادر

۱۸۹۵ء میں سید نور الدین مرہوم ہدیت جنگ سادات قطیبہ بریلی سے تھے ۱۸۹۵ء میں سرونج کی نظامت پر مامور ہو کر مئی ۱۸۹۸ء میں پڑاؤہ دیال ٹونک۔ ٹونک سے نیہا بیڑہ کی نظامت پر تبدیل ہو کر ۱۳۲۵ھ میں بمقام نیہا بیڑہ انتقال کیا مولف

ظفر جنگ معتمد الملک معتمد خاص۔ اور ۱۹۰۸ء میں بیدر الامراء ضیاء الملک صاحبزادہ محمد شیر علی خاں بہادر سردار جنگ ناٹھان سرونج اقتدار حکومت کے باوجود تاریخ نگاری کا قلم ہاتھ میں لے کر مشکلات کی بنا پر چھوڑ چکے تھے، تو پھر تنہا میری ہستی کس شمار میں لیکن واقعہ یہ ہے کہ عالیجناب معتمد القاب گہبان خدیو کیواں بارگاہ امین الدولہ، وزیر الملک نواب حافظ محمد ابراہیم علی خاں بہادر صولت جنگ جی۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ جی۔ سی۔ آئی۔ امی۔ فرمانروائے ریاست ٹونک دام اقبالہ کی ہنر پروری و علوم پرستی نے، اہل قلم کے دلوں اور دماغوں کو جن حوصلہ افزا شعاعوں کی تنویر سے منور کر رکھا ہے، ان کے اثرات سے بار بار میرے دل میں بھی ولولہ پیدا ہوتا تھا کہ سرونج کی تاریخ مرتب کر کے حضور مدوح کے ملاحظہ عالی میں بطور ہدیہ پیش کروں۔ لیکن کسی قلمی معاون کے نہ ہونے سے میری تنہا طاقت جواب دے دیتی تھی۔

اس پس و پیش کی حالت میں اتفاقاً ایک ایسے شخص کی ترغیب و تحریک راہبر ہوئی جس کے مخلصانہ مشوروں اور دوستانہ اصراروں کے آگے مجھے تاریخ نگاری کے اقرار کے سوا چارہ نہ رہا۔

وہ موقر ہستی معزز ترین دوست صاحبزادہ محمد عبدالصبور خاں صاحب (نبیرہ نوا) امیر الدولہ بہادر کی ہے جو موجودہ زمانہ میں سرونج ضلع کے سکینڈ مجسٹریٹ اور منصف بھی ہیں جو خود بھی قابل انشاء پرداز، اردو علم ادب کے استثناء اور تاریخ کے عاشق ہونے کے ساتھ اپنے معاصرین میں بہ لحاظ قانون، ذاتی نکات فہمی، ممتاز حیثیت رکھتے ہیں، گو میں نے

۱۔ بن صاحبزادہ عبدالرحیم خان بن صاحبزادہ محمد جلال خاں بن نواب امیر الدولہ بہادر ۱۲ مولف  
۲۔ بن صاحبزادہ عبدالغفور خاں بن صاحبزادہ محمد اکرم خاں بن نواب امیر الدولہ بہادر۔ آپ کو اکتساب نکات قانونی کا ابتدائے سفر سے شوق رہا۔ مولوی ندیر احمد صاحب بجنوری سے دہلی میں قانون شہادت ہند کو غور سے پڑھنا پڑا جس میں بھی قانونی تعلیم حاصل کی اس کے بعد گوالیار، جاؤڑہ کی قانونی عدالتوں میں وکالت کرتے رہے۔ پھر عرصہ تک ٹونک میں بھی وکیل درجہ اول رہے۔ اب چار سال سے مجسٹریٹ ہیں ۱۲

مجموریوں و معذریوں کے دلائل بہت کچھ پیش کئے۔ مگر ایک قانون داں اور خوش تقریر کے  
برائین قاطع سے خاموش ہو کر نیک مشوروں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ترتیب کتاب میں مستعد  
و آمادہ ہو گیا، سرکار عالی دام اقبالہ نے بھی میری درخواست پر فراخ دلی کے ساتھ سرونج  
کی تاریخ نگاری کی اعجازت مرحمت فرما کر زور قومی میں برقی طاقت بخشی، جس کے سہارے پر  
عملی طور پر میں ترتیب میں بہت تن مصروف ہو گیا، جس دن میں نے ترتیب کا قلم ہاتھ میں لیکر رسم اللہ  
کی ہے۔ اس دن محرم الحرام ۱۳۳۳ھ کی ۲۵ تاریخ اور اگست ۱۹۲۲ء کی ۲۷ تاریخ تھی۔

کتاب کی ترتیب کے دوران میں معلوم ہوا کہ صاحبزادہ محمد عبدالقدوس خاں صاحب نواب  
ناظم سرونج ابن اعتبار الامراء مدبر الملک صاحبزادہ بدایت احمد خاں بہادر افسر جنگ اے ڈی  
سی حضور امین الدولہ بہادر فرمانروائے ٹونک، خلیف الرشید صاحبزادہ اسفندیار خاں بہادر  
(سابق جنرل افواج ریاست) بھی سرونج کی تاریخ لکھ رہے ہیں، یہ سرونج کر کہ ایک  
وقت میں ایک موضوع پر دو ہم مضمون تاریخوں کا مرتب ہونا غیر مناسب ہے، اس لئے کہ  
کم و ہر رنگار کسے بند و خنائے بسترا

صاحبزادہ صاحب موصوف کی خدمت میں پہنچ کر مشافعتاً گفتگو کی، اور نہایت  
خوشی کے ساتھ میں چاہا کہ صاحبزادہ صاحب کا سحر نگار قلم سرونج کی تاریخ اپنے ذمہ لے  
جواب سے معلوم ہوا کہ تاریخ کی ترتیب کی خبر صحیح نہ تھی، البتہ یہ صحیح بات تھی کہ صاحب موضوع  
کا خیال تاریخ لکھنے کا تھا، مگر مشکلات سامنے تھیں، اس کام پر مجھے مستعد دیکھ کر مسرت آمیز  
لب و لہجہ کے ساتھ مرحبا کہتے ہوئے، میرے ارادہ کو اور مستحکم کر دیا، جس کا شکریہ گزار ہوں،  
پس آساں مینود اول غم دریا بہ بوئے دُر

(خوب عادت)

غلط کر دم کہ یک موحش بصد من زرنخی ارز

**مشکلات**

لے میو کالج اجیر کے انگریزی تعلیم یافتہ اور نہایت ذہین نوجوان ہیں ۱۹۱۵ء میں ابتداءً مجسٹریٹ دوم در  
منصف پر گئے چھپڑہ مامور ہوئے، زمان بعد ٹونک کی نائب نظامت پر تبدیل ہو کر ۱۹۲۵ء میں سرونج مقرر ہوئے  
اس وقت پر گئے سرونج ہی میں کام کر رہے ہیں۔ ۲۰ مولف

اس عظیم الشان کام کے لئے مستعد و آمادہ ہو کر گو میں عرصہ تک تاریخ نگاری کے بحر عمیق میں غواہی کرتا رہا، لیکن گوہر مقصود کا ہاتھ آنا پھر بھی مشتبہ تھا، خدا خدا کر کے (۳۴۷) مہینے کی شبانہ روز محنت شاقہ اٹھانے کے بعد، گوہر مقصود تک رسائی ہوئی، تاہم یہ سودا مجھے بہت گراں ہاتھ آیا، جس نے میری بصارت اور دماغی طاقت پر گہرا اثر کیا، ترتیب کے دوران میں خواہر خاں رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مصرعہ بار بار زبان پر تھا ع۔

غلط کردم کہ یک موحش بصد من زرنمی ارزد

فارسی اور اردو تاریخوں سے سسرونج کے متعلقہ حالات کا اقتباس کرنا، شہر اور سواد شہر میں پھر کر کتبیات قدیم کو دیکھنا، اور ان کی نقلیں کرنا کچھ زیادہ دشوار کام نہ تھا، اس لئے کہ ع۔

چوں مضامین جمع گرد و شاعری دشوار نیست

تاریخی کتابوں کا ذخیرہ پہلے سے میرے پاس موجود تھا، چند ضروری کتابیں مطابح سے منگائی گئی تھیں، بعض نایاب کتابوں سے امداد حاصل کرنے کیلئے مجھے کتب خانہ بھوپال، وٹونک لعلی بھی سیر کرنی پڑی، لیکن سخت ترین مشکلات کا سامنا اس وقت ہوا جب کہ سسرونج کی آبادی اور قدیم خاندانوں کے حالات تحقیق کرنے کی غرض سے، قدیم اسناد اور کاغذات و یکینے کی ضرورت ہوئی۔ اس کے لئے در در گیا دیہہ بدیہہ پھر موجودہ خاندانی ممبروں کی خوشامدیں کیں، تاریخی فوائد بتائے، رطب و یابس، فراز و نشیب سمجھائے، پھر بھی بہ استثنائے چند روشن خیال اصحاب کے، پرانی وضع کے لوگ متاثر نہ ہوئے۔

خاطر نقاش با تصویر حسن جمع بود

(داراشکوہ ۲)

چون بہ زلف اول سید آخر پریشانی کشید

ایسے لوگوں کے دلوں میں دو طرح کے دسوس تھے، ایک یہ کہ کہیں میں اسناد پر ہا لجر قبضہ نہ کر لوں، دوسرے یہ کہ تاریخ میں خاندانی حالات درج ہونے سے نسلوں کی تشہیر کا سہ ٹونک کے کتب خانہ سے مراد صاحبزادہ عبدالرحیم خاں بہادر مظفر جنگ مرحوم کا کتب خانہ ہے، مولف



امکان ہے، ان موانع کے علاوہ ایک طرف خانگی اور وکالت کے اشتغال بڑھتے جا رہے تھے، دوسری طرف قلمی معاونین کا قحط الرجال تھا۔ بعض اوقات گھر اگر قلم ہاتھ سے رکھ دیتا تھا تاہم تاریخی صحافت کے دشوار گزار میدان میں جن احباب کی فرمائش کی تعمیل مد نظر رکھتے ہوئے، جو قدم آگے بڑھ گیا تھا، اس کو پیچھے سرکانا ہمت کے خلاف سمجھ کر اور یہ سوچ کر کہ

بہر کارے کہ بہت بسترہ گردو

اگر خارے بود گلہ سترہ گردو

برابر کام میں مشغول رہا، جس کا نتیجہ خداوند عالم کی اعانت آمیز مہربانیوں سے یہ خوش گوار نکلا، کہ محض اصحاب بھی موافق ہو کر حالات و اسناد بیان کرنے اور دکھانے میں یحییٰ و مددگار ہو گئے اس طرح

زور قی اندیشہ بہ ساحل رسید

(علامہ ضعی)

شکر کہ جہازہ بہ منزل رسید

کتاب کے دو حصے کئے گئے ہیں۔ پہلا حصہ صوبہ مالوہ کے جغرافیائی و تاریخی حالات کے لئے مخصوص ہے، بادی النظر میں اس حصہ کا تعلق سروج کی تاریخ سے نہیں پایا جاتا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ تعلقات ارضی اور حکومت کے لحاظ سے سروج کو مالوہ کی تاریخ سے معنوی نسبت ہے، اس لئے اس حصہ کا شامل کیا جانا واقفیت اور دلچسپی کی غرض سے ضروری سمجھا گیا، دوسرا حصہ سروج کی مفصل تاریخ ہے، جس میں ذیل کے عنوانات ہیں (۱) سروج کا جغرافیہ (۲) سروج کی وجہ تسمیہ اور آبادی کی تحقیقات (۳) سروج کی قدیم اور جدید آبادی اور اس کا عروج و انحطاط (۴) حکومتوں کا انقلاب سروج پر (۵) انتظامی حالات (۶) آثار قدیمہ (۷) علاقہ سروج کے بعض قدیم تاریخی مقامات (۸) سروج کے قدیم و جدید خاندانوں کے تاریخی حالات

درآیت کا اصول، واقعات کی تنقید، حالات کی تفتیش، مورخانہ تحقیقات کا التزام، کتاب کی ترتیب کے وقت جس قدر ملحوظ رکھا گیا ہے، اس کی شہادت خود اس کتاب کے اوراق ہیں، کوئی تاریخی واقعہ ایسا نہیں ہے جس کے ماخذ کا حوالہ نہ دیا گیا ہو، زبانی روایتوں سے شاذ و نادر کام لیا

گیاتے، اور جہاں ایسی روایتیں مجبوراً درج کی گئی ہیں وہاں ان لوگوں کے نام فٹ نوٹ میں درج کر دیئے ہیں، جن سے خود میں نے تصدیق کی ہے اس عام شکایت کی صداقت میں شبہ نہیں کہ تاریخی مضامین خشک ہوا کرتے ہیں، لیکن قارئین کرام ملاحظہ کریں گے، کہ میں نے بجا جنگی نقشوں کو پیش کرنے اور فٹ نوٹیں لگے بغیر مفید مضامین کے اضافہ کرنے سے حتی الامکان کتاب کو دلچسپ بنانے میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا اور بہت کچھ اس شکایت کی تلافی کر دی گئی ہے۔ تاہم نفس مصنف کی تبدیلی میرے امکان سے باہر تھی۔ اس کے لئے ہر مورخ مجبور ہے۔ اخیر میں مولف نے اپنے ذاتی حالات کا صمیمہ شامل کر دیا ہے تاکہ قارئین کو مولف کے تعارف میں آسانی ہو، تاکہ وہ کی مناسبت کے لحاظ سے اس کتاب کا نام آثار ہمالیہ رکھا گیا ہے،

**محتد** آثار ہمالیہ کی ترتیب میں جن کتابوں سے امداد لی گئی ہے ان کا نقشہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	سال اشاعت و تمام مطبع	کیفیت
۱	تاریخ فرشتہ فارسی	محمد قاسم استر	نول کشور پریس	ابوالمظفر ناصر الدین براہیم عادل شاہ سلطان آبادی مشہور فرشتہ ۱۲۸۱ھ
۲	مفتاح التواریخ فارسی۔	مسٹر ٹامس ولیم بیل صاحب	اسعد الاخبار	۱۸۴۶ھ کی تالیف ہے مولف صدر یورڈ اگرہ تھے۔
۳	ترک جہاں گیری فارسی	شہنشاہ نور الدین جہانگیر	نول کشور پریس	مشہور کتاب ہے،
۴	سیر المتاخرین فارسی	منشی سید غلام حسین طباطبائی	۱۸۹۶ھ	بعہد امیر الملک عماد الدولہ گورنر جنرل ہند کش صاحب بہادر ۱۸۱۵ھ میں تالیف ہوئی ہے مستند تاریخ ہے

۵	ماثر الامر فارسی	نواب صمصام الدولہ شاہ نواز خاں	کلکتہ ۱۸۸۸ء	مولوی عبد الرحیم صاحب ریس مدرسہ عالیہ کلکتہ تصحیح کر کے ۱۸۸۸ء میں طبع کرایا ہے، امرائے تیموریہ کے حالات میں معتبر کتاب ہے،
۶	تاج الاقبال تاریخ بھوپال فارسی	نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ	مطبع نظامی کانپور ۱۲۹۹ھ	امیر دوست محمد خاں بہادر کے زمانہ سے مصنفہ کتاب کے عہد تک کے حالات اس میں نہایت تفصیل کے ساتھ درج ہیں،
۷	تقویم البلدان فارسی	قلبی		موجودہ کتب خانہ صاحبزادہ عبد الرحیم خاں بہادر مظفر جنگ مرحوم برادر رئیس ٹونک،
۸	امینہ حقیقت نما اردو	مولوی اکبر شاہ خاں صاحب بھیک آبادی	مدینہ پریس	
۹	امین اکبری فارسی	علامہ ابوالفضل نوکشور پریس	اکبری عہد کے انتظامات میں بسط اور مستند تاریخ	
۱۰	دربار اکبری اردو	شمس العلما مولوی کیو آر ٹی ٹنگ محمد حسین مرحوم آزاد کس لاہور ۱۹۲۱ء	مؤلف مشہور ادیب مورخ گذرے ہیں عمائدین اکبری کے مفصل حالات اس میں درج ہیں،	
۱۱	آئینہ اورہ اردو	مولوی شاہ ابوالحسن مانک پوری	نظامی کانپور ۱۳۳۰ھ	ابتداء عالم سے اس میں تاریخی حالات درج ہیں مصنف نہایت ثقہ بزرگ گذرے ہیں،
۱۲	تاریخ مالوہ اردو	منشی کریم علی منشی زر پٹی گوالیار		دو جلدوں کی ضخیم کتاب ہے، ایچ۔ وی۔ ڈبلیو صاحب بہادر ایجنٹ گورنر جنرل نٹل انڈیا کے عہد میں ان کے حکم سے مرتب ہوئی،
۱۳	تاریخ ہندوستان اردو	شمس العلما مولوی ذکار احمد مرحوم دہلی	انسٹیٹیوٹ علی گڑھ ۱۹۱۶ء	دس جلدوں میں ہندوستان کی مفصل تاریخ ہے،
۱۴	سرزت العالم عرف مولوی موج حسین	قومی پریس	نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ الیہ بھوپال کے	

جامع التواریخ اردو خاں سنا بلوچی	لکھنؤ ۱۳۱۴ھ ۱۸۹۹ء	عہد میں تالیف ہو کر انہیں کے نام سے معنون ہوئی ہے کل براعظم اور اقوام کے حالات اس میں درج ہیں،
۱۵ امیر نامہ اردو مترجمہ حکیم سید سعید احمد اسعد ٹونکی	مطبع محمدی ٹونک ۱۲۹۲ھ	فارسی امیر نامہ نوشتہ ششی بساوان لال کا اردو ترجمہ ہے اس میں نواب امیر الدہلوی بہادر کے مفصل کارنامے درج ہیں،
۱۶ امیر نامہ فارسی منشی بساوان لال قلمی	محمد چہارم شوال ۱۲۸۳ھ	موجودہ کتب خانہ صاحبزادہ عبدالرحیم خاں بہادر منظر جنگ مرحوم برادر رئیس ٹونک ۱۲
۱۷ افتخار التواریخ اردو ترجمہ امیر نامہ فارسی	مترجمہ منشی دیبی پٹا رضوی ٹہلی جو دھپوری ۱۹۰۹ء	فارسی امیر نامہ کا ترجمہ ہے جو افتخار الامم فخر الملک صاحبزادہ محمد عبید اللہ خاں بہادر فیروز جنگ نامہ ریاست ٹونک کے ایمان سے کیا گیا تھا، ترجمہ کے علاوہ کثرت سے تشریحات مفید درج ہیں،
۱۸ تاریخ اندوراد	الناظر رئیس لکھنؤ ۱۹۲۵ء	ریاست اندور کی مفصل تاریخ ہے،
۱۹ صدیقہ راجستان عرف تاریخ ٹونک	مولفہ مولوی سید اصغر علی آبرو ٹونکی ۱۳۱۴ھ	ستارہ ہند گزٹ ٹونک اور پرگنات ٹونک کی ضخیم تاریخی کتاب ہے۔
۲۰ تاریخ دکن عرف تاریخ احمدی فارسی	سید احمد حسین خطیب جامع مسجد الجیوڑ ۱۲۹۳ھ ۱۸۷۷ء	نواب فضل الدولہ بہادر کے عہد کی تالیف اور دکن کی مفصل تاریخ ہے،
۲۱ عہد نامہ حیات اردو جلد چہارم	نو لکھنؤ پریس	اس میں راجپوتانہ کی ریاستوں کے عہد نامہ درج ہیں،
۲۲ وقائع دلیری	نصرت المطالع دہلی ۱۸۳۳ء	نواب دلیر محمد خاں بہادر بابائی ریاست کورو کی کے حالات میں ہے۔

۳۰	گنیمت پرنس ترجمہ کرنل میور صاحب بہادر پولٹیکل کالج شعبہ ٹونک	اس مسودہ سے مؤلف کو جغرافیہ اور انتظام حالات کی ترتیب میں کسی قدر امداد ملی ہے، ۱۸۸۶ء
۳۱	کتب علمہ پولیس ترجمہ سر اسٹیوڈنٹ ریاست ٹونک صاحب بہادر سنا ایکٹر پولیس	مطبع محمدی ٹونک
۳۵	تاریخ محمد جان لکھن مترجمہ حکیم سید مولا بخش صاحب جاوہر	سر جان نالکھ صاحب بہادر مشہور مورخ مالوہ اور ریڈیٹ صوبہ مالوہ گورنر سے ہیں، ۱۹۰۱ء
۳۶	آئینہ جہاں نما محمد وحید الدین دہلوی مطبع احمدی	
۳۷	خیابان خیال منظوم اردو مصنفہ میاں نجی فیض محمد مرحوم سر دنجی	عاشقانہ مثنوی ہے۔ اس میں مؤلف نے اپنے خاندان کا نسب نامہ بھی درج کیا ہے، قلمی
۳۸	تذکرہ آل غازی خاں عربی سید محمد حبیب شاہ بنیر سید غازی خاں	فرقہ اسماعیلیہ مستعلیہ کے ایک بڑے رکن کی تصنیف ہے، قلمی
۳۹	یدم پیران ہندی بھاگوت پیران ہندی	مطبوعہ پیشور پریس
۳۱	تام مالا ہندی تارن سوامی المتونی ۱۵۷۲ بکرمی	قلمی نہرو کتاب چین رت کی ہے۔ سوامی جی نے ۱۲ جلدوں میں اپنے نہرو تعلیم و اشاعت کے لئے کتاب تصنیف کی ہے جس کا مفصل تذکرہ باب ہفتم میں درج ہے،
۳۲	لوکیندر اکھیان ہندی سینگر ساکن اوچین سکرٹری ریاست کانیہ	مؤلف پٹنٹ شینڈل مطبوعہ بہ خط ہندی

ان کتابوں کے علاوہ، وقائع ڈاکٹر تبریز، آثار الصنادید، کتاب قلمی واقعات بہت سالہ عجز و زبیری  
اطاموں، الہارون، فاطمی دعوت، رسالہ نسیم سحر، غیاث اللغات، قاموس ماہور و راجستان،  
تاریخ سندھ، تذکرہ افغانی، امر کو س ہندی، آئینہ حقیقت نما، اور پچاسوں فرامین شاہی، کاغذ  
قدیم، اور کتبات سے فٹ نوٹ میں امداد لی گئی ہے،

منظور ہے گذارش احوال واقعی

## ضروری گذارش

(غالب)

اپنا بیان حسن طبیعت نہیں مجھے

میں زبان اردو کا ادیب ہوں، نہ فصیح اللسان ناشر ہاں صدیوں سے ہندوستان میں  
توطن اختیار کرنے سے اس کا ضرور اعتراف ہے کہ فارسی کے بعد اب اردو اپنی مادری زبان ہے  
اور اس زبان میں اپنے مطالب ادا کرنے پر قادر ہوں، میں نے جہلوں کی ترتیب میں کسی جگہ اردو کی کشش  
نہیں کی حتی الامکان ناما نوس اور ثقیل الفاظ داخل کرنے سے احتراز کیا ہے، شروع سے اخیر تک پیرایہ  
اداسا دا اور سلیس ہے، اور یہی سادگی تاریخ کے لئے موزوں بھی ہے، عبارت آرائی اور رنگیں مانی  
سے قصداً کام نہیں لیا کہ یہ طرز عاشقانہ تذکروں کے لئے مخصوص ہے،

یہ تنہا میرا ہی خیال نہیں ہے، ۱۸۸۹ء میں ڈاکٹر مسعود احمد خاں مرحوم ہائے مدرسۃ العلوم

علیگڑھ نے کتاب المامون کی تقریظ کے وقت ذیل کے خیالات ظاہر کئے ہیں،

اردو زبان نے بہت کچھ ترقی کی ہے، لیکن اس بات کا بہت کم لحاظ رکھا گیا

کہ ہر فن کے لئے زبان اور طرز بیان جدا ہے، تاریخی کتابوں میں ناول (قصے) اور

ناولوں میں تاریخیانہ طرز گو کیسے ہی فصاحت و بلاغت سے برتا گیا ہو دونوں کو برابر

کرو دیتا ہے،

ان جہلوں کی اصلیت میں کس کو کلام ہو سکتا ہے، تمام مشہور مصنفین و مولفین اردو، مولانا ذریعہ احمد

صاحب، مولانا محمد حسین صاحب آزاد، علامہ شبلی نعمانی، مولانا حامی وغیرہ نے تاریخ نگاری میں متانت  
کے ساتھ وہی سادہ طریقہ اختیار کیا ہے، اس کتاب میں اگر عبارت آرائی نہیں ہے تو اس کیلئے میں ناظرین

سے معافی کا خواستگار ہوں سے

ہر کس کہ شناسندہ راز دست ہمانا

بر لب سخن از سبجہ و زنا رند ادا

اس کلیہ میں ایک استثنا بھی ہے۔ قارئین کرام ملاحظہ کریں کہ حصہ اول میں جہاں باز بہادر شاہ اور اس کی معشوقہ روپ متی کا تذکرہ آگیا ہے، یا حصہ دوم کے انتظامی عنوان میں، جہاں محفل میلاد شریف کا منظر پیش کیا گیا ہے، وہاں بعض احباب کی فرمائش کو زیر نظر رکھتے ہوئے، ہلکا سا ناولانہ رنگ ضرور دکھایا گیا ہے، اور ان بیانات کو نفس تاریخ سے کوئی تعلق بھی نہیں ہے، میراد ماغ فرسودہ اور قلم جواب دے چکا ہے، تاہم اس حالت میں محنت و تلاش کے ساتھ دوسروں کے چمنستان صحافت سے مضامین و مطالب کی تروتازہ کلیاں چن چن کر ایک گلدستہ کی صورت میں قارئین قدرواں کے سامنے پیش کرنے کی عزت حاصل کر رہا ہوں، گلدستہ کی بندش میں بہت سی خامیاں ہیں، جس کا خود بھی مجھے اعتراف ہے، اس لئے سعدی علیہ الرحمۃ کی زبان میں یہ عرض ہے،

نہ نازم بسر مایہ فضل خویش      بدریوزہ آوروہ ام دست پیش

شنیدم کہ در روز امید و بیم      ہداں را بہ نیکان بہ بخشد کریم

تو نیز اربدی بینی اندر سخن      بہ خلق جہاں آفرین کارکن

گو کتاب آثار مالوہ کے صفحات مشہور اہل قلم کی بہار آفرینیوں کے سامنے ماند و بے رونق ہیں، تاہم اگر قدردانوں نے کتاب کی سادگی کو نگاہ قبولیت سے دیکھا تو مولف کی محنت کا وہ اصلی صلہ ہوگا، جس کے لئے پشمرودہ دل ابھی سے باغ باغ ہے، بقول مولف۔ مریدِ اعلیٰ

ہے گرچہ خزاں رسیدہ گلشن میرا      نذرانہ برقی غم ہے حسن میرا

محنت کے پھلونکے آسے پر لیکن      پھولوں سے بھرا ہوا ہے دامن میرا

نقطہ تحریر تا ریخ ۲۲ / شوال المکرم ۱۳۴۵ھ مطابق ۲۵ اپریل ۱۹۲۷ء۔

## خاکسار

شورید سر سید احمد رفیٰ نظر، نصیر آبادی، وکیل عدالت ہائے ٹونک اسٹیٹ

مقام سرونج مالوہ

(راجپوتانہ)

ضلع ریاست ٹونک

## شکریہ قدردانی

میں اس کتاب کی ترتیب و تکمیل سے اپریل میں فارغ ہو چکا تھا یکم  
مئی ۱۹۲۴ء کو سرونج سے ٹونک پہنچا، عالی جناب نجم الامراء احتشام الملک صاحبزادہ حافظ  
قاری مولوی عبدالوہاب خاں صاحب بہادر صفدر جنگ ممبر کونسل صیفہ فنانشل کے ذریعہ  
سے یہ کتاب جناب مستطاب معالی القاب امین الدولہ وزیر الملک نواب حافظ سر محمد ابراہیم  
علی خاں صاحب بہادر صولت جنگ جی، اسی، آئی، ای، ای۔ جی، اسی، اسی، آئی، ایتھلکس بہ غلیل  
فرما روئے ریاست ٹونک کے ملاحظہ میں پیش ہوئی۔ مؤلف کا بھی سلام ہوا، چند ابواب میں سے  
بعض بعض مضامین کو مؤلف سے پڑھو اگر سنا اور خود بھی حضور مدوح نے جستہ جستہ مضامین کو پڑھا  
کتاب کی ترتیب، مضامین کی تہذیب، اور زبان کی سادگی، اور پیرایہ بیان کو پسند فرماتے ہوئے  
مؤلف کی محنت و جاذبہ کی اپنی زبان مبارک سے بہت کچھ تعریف فرمائی، جس کے جواب میں مؤلف  
نے کھڑے ہو کر شاہانہ عزت افزائی اور قدردانی کا شکریہ ادا کیا،

مؤلف کی سہ سالہ محنت کے صلہ میں حضور مدوح نے نقد انعام کے علاوہ دو سو بیگہ اراضی  
نسلاً بعد نسلاً مرحمت فرما کر احکام جاری فرمائے، جس کی آمدنی آباد ہونے کی صورت میں عیسو  
ماہوار سے کم نہیں ہے،

نازم بہ انتساب، نمک خوار، غلیل

شادم کہ این کتاب بعهدش تمام شد

سید احمد رفیٰ عنہ

۵ مئی ۱۹۲۴ء



# حصہ اول

صوبہ مالوہ کے تاریخی و جغرافیائی مختصر حالات

ایں کہنہ ربا طرا کہ عالم نام است  
آرامگہ ابلق صبح و شام است  
نرمیست کہ داماندہ صد جمشید است  
قصریست کہ تکیہ گاہ صد بہرام است

سروچ (جس کی یہ تاریخی مفصل کتاب ہے) صوبہ مالوہ میں واقع ہے اسلئے ضرورت اس بات  
کی ہے کہ پہلے صوبہ مالوہ کا جغرافیہ، مالوہ کی وجہ تسمیہ بیان ہو کر، سلطانین مالوہ کی بساط سیاست  
ایوان حکومت، گلستانِ عشرت اور آسمانِ رفعت کی سیر کرائی جائے، اس کے بعد سروچ کے تاریخی  
مناظر ناظرین کتاب کے لئے زیادہ دلچسپی کا سبب ہو سکیں گے۔

## پہلا باب

جغرافیہ اور وجہ تسمیہ

بندیل کھنڈ کے مغرب میں مالوہ ایک وسیع ملک ہے جس کے مشرق میں علاقہ  
صوبہ بنگال مغرب میں علاقہ گجرات اور بمبئی، شمال میں راجپوتانہ اور صوبہ متحدہ،  
جنوب میں علاقہ ملک متوسط واقع ہیں،

صاحب آئین اکبری کی تصریح کے مطابق مالوہ کی وسعت طولاً گڑھ سے بانسواڑہ تک ۲۴۵  
اور عرضاً چند پیری سے دریائے نربدا تک ۳۰۴ کوس ہے،

عہد اکبری میں صوبہ مالوہ ۱۲ سرکار (ضلع) اور ۳۰ پرگنات (تحصیلات) پر تقسیم تھا، اور اس وقت اس کا رقبہ ۲۴ کروڑ ۸ لاکھ ۶۶ ہزار ۲۲۱ بیگہ ۶ بسوا تھا،

موجودہ ملکی انتظام کی رو سے صوبہ مالوہ میں ۳۳ ریاستیں ہیں جن میں شہور اور بڑی ریاستیں بھوپال، گوالیار، اندور، دیواس اور دہا ہیں۔ ان ریاستوں کے شمال میں دریائے جمپل، بتیوا، سون اور جنوب مغرب میں دریائے تریدا، کوہ ہندیا چل، کوہ ست پڑا واقع ہیں۔

ملک مالوہ کا سطح بلند، ہوا مرطوب، زمین سیر حاصل ہے، جنگل، پہاڑ، سرسبز و شاداب ہیں، بارش زیادہ سردی گرمی کا موسم معتدل، پچھلی رات کو خصوصاً، اور درمیانی شب میں عموماً خشکی رہتی ہے، یہی وہ وصف ہے جس کی بنا پر مالوہ کی شب، شب مالوہ کے توصیفی امتیازی نام سے اقطاع ہند میں مشہور ہے۔

خود و میوں کے اور پھولوں کے درخت جنگل میں کثرت سے ہوتے ہیں۔ فصلیں کی پیداوار کا نشو و نما بھی اعلیٰ پایا نہ پر ہوتا ہے۔

**مالوہ کی وجہ تسمیہ** | پورب بن ہند بن سام بن حضرت نوح علیہ السلام کی نسل سے اقلیم دوم ملک ہند کا دو سردار تاجدار

لے مالوہ کے اضلاع کے نام یہ ہیں، اوجین، ہنڈیا، دہار، سارنگ پور، رالیں، کوٹری، بیجا گڑھ، گاگروں، مانڈو چندیری، مند سور، شاہ آباد، (از سیر المتاخرین و آئین اکبری) سے جغرافیہ ہند مطبوعہ علی گڑھ ۱۲

۱۵۰۰ ہجری میں جب تسمیہ یہ ہے کہ حسب روایت عبرانی ہبوط آدم علیہ السلام سے ۱۶۵۶ سال بعد طوفان نوح آیا، اور بقول بیہودی ۱۰۵۰ توریت ساحری کی رو سے ۱۳۰۰۔ بقول ابوالحسن بن مسعود ۲۲۵۶۔ بقول حسین خارزمی ۱۰۵۰۔ حمزہ اسمعیلی کے قول کے مطابق ۱۰۵۶ ڈاکٹر محمد سید احمدی تحقیق کے مطابق ۲۲۲۲۔ ہبوط آدم علیہ السلام سے طوفان نوح علیہ السلام تک ہوتے ہیں، بہر حال تعین مدت میں اختلاف ہے طوفان نے حضرت نوح کی تمام نافرمانی کو غرق آب کیا۔ خود حضرت نوح علیہ السلام اپنے اہل کے ساتھ حکم خداوندی کشتی میں سوار ہو کر خود ہی رستہ میں ایک پہاڑی ہے، پر صبح و سالم پہنچے، اس کے بعد از سر نو ملک کی آبادی کا خیال ہوا، اسام اور یاقوت (پسران نوح) دیگر اطراف عالم میں بھیجے گئے، اور تمام ارض جنوب کی طرف متوجہ ہوئے، عام کے ۶ بیٹے ہوئے، ہند، سندھ، حبش، اقترج، ہرمز، بویہ، ہند پرے بیٹے نے ارض جنوب کی اس سرزمین کا انتخاب کیا جو اسی کے نام سے ہند مشہور ہے ۱۲ فرشتہ

مہاراج بن کشن گذرا ہے جس کا سپاہ سالار مال چند تھا، جو اپنی بہادری، اور وفاداری کی بنا پر  
مہاراج کا عزیز اور قابل ترین افسر تھا،

فریدیوں دارائے ایران نے جس زمانہ میں سَام و نریان مشہور پہلوانوں کو کثیر فوج کے  
ساتھ ملک ہند کی تسخیر کے لئے پنجاب کی طرف روانہ کیا ہے، اس وقت ان کے مقابلے کے لئے  
حکومت ہند کی طرف سے مال چند ہی کا انتخاب عمل میں آیا تھا، اس نے پنجاب پہنچ کر ایرانیوں سے  
بہادرانہ جنگ کی، ابھی میدان جنگ میں فریقین مصروف پیکارتے کہ مال چند کو زمیندارانِ راج  
دکن، کرناٹک، اور سنگدیب کی بغاوت، اور ان کے ہاتھوں سے شیورائے حاکم دکن بن مہاراج  
کے مقتول ہونے کی اطلاع پہنچی، مال چند نے حکمت عملی کے ساتھ سَام و نریان کو ملک پنجاب دیکر  
اور مصالحت کر کے عاجلانہ طور پر پایہ تخت آودھ (فیض آباد) واپس آگیا، مہاراج سے مشورہ کرنے  
کے بعد دکن کی طرف ہضت کی، جب آودھ اور دکن کے مابین اس سرزمین پہنچا ہے (جو آج کل  
سنٹرل انڈیا یا ملک متوسط کے نام سے معروف ہے) تو اس نے وہاں کے طرب انگیز قطعات ارضی کو  
پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھ کر آبادی کا حکم دیا، اور خود سیدھا دکن چلا گیا، دکن پہنچ کر اور باغیوں  
کو شکست دے کر لوٹا، اور عرصہ تک جدید آبادی میں مقیم رہ کر قلعہ گوالیار، بیانہ کی تعمیر کا سلسلہ  
جاری کیا، موسیقی کا بھی اس کو شوق تھا، اس سلسلہ سے ماہرینِ علم موسیقی کو اطراف ملک  
سے بلوا کر وہاں آباد کیا، غالباً یہی سبب ہے کہ گوالیار آج تک علم موسیقی کا مرکز بنا ہوا ہے، اسی

سلسلہ اس نے سات سو سال حکومت کی، فریدیوں شاہ ایران کا معاصر تھا، تعلیم کو اس نے زیادہ رواج دیا، بہار کو  
آباد کر کے وہاں مدرسہ قائم کیا جس میں اطراف ملک سے اہل علم کو جمع کر کے تعلیم جاری کی، سنسکرت میں بہار مدرسہ کہتے ہیں،  
اسی مناسبت سے بہار نام رکھا جو اب موجودہ زمانہ میں صوبہ بہار مشہور ہے۔ ۱۲۰ (از فرشتہ و آئینہ آودھ)  
سلسلہ صا حب آئینہ آودھ نے لکھا ہے کہ ہندوستان میں سب سے پہلی آبادی آودھ کی ہے، اور چونکہ یہ شہر مالک مند کے آودھ  
آودھ یعنی سچ میں واقع ہے۔ اس لئے آودھوں آودھ مشہور ہو کر کثرت استعمال سے آودھ رہ گیا، مولف کا ضمیر اس توجیہ کو قبول نہیں  
کرتا، ارا مائن جو ہندوؤں کی مشہور کتاب ہے، اس میں آودھ، اور آودھ دونوں طرح سے نام لکھا ہے، آودھ کے  
معنی سرے کے ہیں، سنسکرت میں شروع لفظ پر الف لگا دیا جائے تو فحی کے معنی دیتا ہے۔ جیسے، مرث سے مرث  
اسی طرح آودھ پر الف لگا دینے سے آودھ ہو گیا، جس کے معنی ہوئے نہ مرنے والا، یعنی بہار، غالب غیر  
اور یہ صفت مہاراج رام چند جی اور ان کے خاندان سے متعلق ہے، جنہوں نے آودھ میں حکومت کی،  
یہی توجیہ قرین قیاس ہے ۱۳

مال چند کی اسی مناسبت سے اس قطعہ ارضی کا نام مالوہ مشہور ہے۔  
یہ بیان مورخ فرشتہ کا ہے، لیکن سنسکرت کی کتابوں میں ”مالیوان“ ایک پہاڑ کا نام  
بھی درج ہے، جس کا کوئی پتہ نہیں لکھا کہ وہ کہاں پر ہے، بہت ممکن ہے کہ وہ پہاڑ مالوہ میں ہو  
اور مالیوان سے مالوہ ہو جانا، مال چند کے مقابلہ میں زیادہ قرین قیاس ہے، واللہ اعلم،

## دوسرا باب

### ہندوستان اور مالوہ کی قدیم ہندی اور اسلامی حکومتیں

ہندی حکومتیں <sup>۱۱</sup>راجہ فور، اس کے بعد راجہ جوتہ تک ہندوستان کے اکثر رایاں  
وراجاں ایک حکومت کے ماتحت رہے، جن کا دار الحکومت پہلے آوہ

اور بعد میں قنوج رہا۔ جب راجہ کلیان چند کا زمانہ آیا تو اس کی بے رحمی، سفاکی، سخت گیری  
اور حاصل وغیرہ ابواب کی زیادتیوں سے رعایا نے تنگ آکر ہر طرف باغیانہ شورش کا  
کا آغاز کیا، اور رعایا کی کثیر جماعت ہندوستان سے نقل سکونت کر کے غیر ملکوں کی طرف چلی گئی  
آیا ملک نے ویرانی اختیار کی، ہندوستان کے بااثر اور فوجی طاقت کے ماتحت راجاؤ  
اور زمینداروں نے آزادی کا پرچم اڑایا، یہ وہ مظالم اور طوائف الملوکی کا زمانہ تھا کہ جو نقش  
عبرت ہو کر صفحات تاریخ میں آج تک درج ہے، سفاکی اور بیدادگری کی جب انتہا ہو چکی تو

۱۲۔ دیکھو کتاب امرکوش دوسرا کانڈ (حصہ) تیسرا درگ (باب) اس میں پہاڑوں کا ذکر ہے۔  
۱۳۔ فور ہندی نام معلوم نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ ہندی میں حرف (ف) نہیں ہے، معلوم ہوتا ہے  
فارسی مورخوں نے اسے مفرس کیا ہے۔ نام کچھ اور ہو گا۔ فرشتہ نے بھی غور ہی لکھا ہے، دارا شاہ  
ایران اور سکندر رومی کا معاصر تھا، اسی کے عہد میں سکندر اعظم نے دریائے سندھ سے گذر کر قنوج پر فوج کشی کی تھی

غیر الہی جوش میں آئی، بکلیاں چند کا نعم البدل راجہ بکراجیت عدل و داد کی میزان ہاتھ میں لئے ہوئے پنوار قوم سے نکل کر اوجین کی گدی پر نمودار ہوا، نہروالہ، اور مالکوہ کے تمام راجاؤں نے اس کی اطاعت قبول کی، بخت و اقبال کی یاوری سے قنوج اور اودھ، قدیم پایہ تخت کو بھی اپنے محکومانہ رقبہ میں شامل کیا،

راجہ بکراجیت، ہندو راجاؤں میں پہلا راجہ ہے جس نے حضرت مسیح علیہ السلام ۵ سال قبل پیدا ہو کر، رعایا نوازی، عدالت گستری، فقیرانہ طرز زندگی، اور ہر دلعزیزی میں بڑا نام پایا، سمت بکری اسی کے عہد کا سن ہے جو آج تک ہندی حساب و کتاب میں یادگار ہے، اس راجہ کے حسن انتظام نے قنوجی مدت کے اندر ملک کو از سر نو معمور

کے اس کا وہ سرا اور صحیح نام ہندی تاریخوں میں بکراوت درج ہے جس کے معنی آفتاب حکومت کے ہیں، حال کے محققین کی رائے ہے کہ بکراجیت کے بعد جو راجہ ہوئے انہوں نے بھی یہی لقب اختیار کیا اس لئے بعض تاریخی واقعات کا اثبات مشکل ہو گیا ہے،

ابن ہنود کے اعتقاد و افسانہ کے مطابق ۲ ہجری ۲۱ سو ۵۵ سال قبل جہا با نامی ایک ریاضت کیش نے ایک آتش کدہ بنا کر پرستش شروع کی، ہزاروں آدمی گرد جمع ہو گئے، بد مذہب بھی ہندوستان میں اس وقت ترقی پذیر تھا، اس کو نوازا ہوا، اور حکومت پر زور ڈال کر آتش کدہ کی پرستش کو روک دیا، اس کے بعد جہا با کی جماعت نے ایک تیسرے طاقتور گروہ کی جستجو کی جس کے ذریعہ سے بد مذہب کو مغلوب کر کے برہمنی مذہب کو رواج دے، خدا سے سن لیا اور اس آتش کدہ سے ایک پیکر نمودار ہوا جس کا نام دھن جی تھا، یہ شخص برہمنی مذہب کا سرپرست ہو کر دکن سے نکلا، مالوہ پہنچا اور وہیں کو اس نے تخت گاہ بنایا، عرصہ تک زندہ رہا، اس کی پانچویں نسل میں چترج کی کوئی اولاد نہ تھی، اس لئے اوست پنوار کو اس نے گودے کے پنوار قوم کی حکومت کا سلسلہ قائم کیا، اس کے بعد ہمرتہ راجہ ہوا وہ لڑائی میں مارا گیا، پھر گندھرب تخت نشین ہوا، یہ وہی ہمرتہ ہے جس کو پیکر گندھرب میں بدلنے دیونا کا اوتا بنایا اور پھر انسانی قالب میں اسے ڈھالا، گندھرب اپنی فیاضی و قابلیت سے مشہور راجہ ہوا، اسی کا بیٹا بکراجیت ہے جس نے اپنے اسلاف کا نام روشن کیا، اس راجہ کے متعلق طرح طرح کے افسانے بیان کئے جاتے ہیں، لیکن مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ راجہ رعایہ پرور، رحم دل، منصف مزاج اور فقیرانہ طرز زندگی کا دلدادہ تھا، اس کے دلوں کے قلوب کو منظر کرنے میں کامل تھا (فرشتہ و سیر المتاخرین)

ملہ فرشتہ کا بیان ہے کہ قنوج کا بانی راجہ سورج ہے، اوس وقت اس کی آبادی ۲۵ کوس کے گرد میں تھی راجہ سورج کی قبا دشاہ ایران کا معاہدہ تھا، ۲۵۰ سال حکومت کی، صاحب قلموس کا قول ہے، قنوج، کسینتور بلدہ فی اہلند بنی قابیل بن آدم علیہ السلام یعنی قنوج سنور کے وزن پر قایل کا بنا ہوا شہر ہے، دالسا علم ۱۲۔

کر دیا، اس نے جس قدر تاریخ ہند میں اغوازی شہرت حاصل کی ہے، کسی ماسبق یا یا  
بعد راجہ کو نصیب نہیں ہوئی۔

تقدیر کا انقلاب دیکھو کہ ایک طرف راجہ بکرماجیت رعایا کے فلاح و بہبود کے  
انتظامات میں ہمہ تن مصروف عمل تھا، اور دوسری طرف اس کا آفتاب اقبال زوال پذیر  
ہو رہا تھا، جس کی اجمالی کیفیت یہ ہے، کہ جب راجہ مذکور کی حکومت کو سو سال پورے  
ہو چکے، دوسری صدی کا دوسرا سال شروع ہوا کہ دکن سے سالیانہ نامی ایک زمیندار  
خروج کیا، رفتہ رفتہ اس نے اس قدر طاقت بہم پہنچائی کہ بکرماجیت جیسے زبردست راجہ کے  
مقابلہ کے لئے دریائے نربدا کے کنارے پہنچ کر صف آرا ہوا، فریقین میں جنگ عظیم ہوئی آخر  
کار راجہ بکرماجیت کے قتل پر جنگ کا خاتمہ ہو کر عدل و داد کی جگہ ظلم و ستم کا قبضہ ہوا۔

چودو خزانہ درافتد بہ باغ

(نظمی)

زمانہ دید جائے بلبل بہ زار

اس کے بعد سینکڑوں سال تک نہ صرف ملک مالوہ، بلکہ ہندوستان کو بکرماجیت جیسا  
راجہ نصیب نہیں ہوا۔ ۵۴۰ سال بعد سن ۱۱۰۵ اور بقول بعض سن ۱۱۰۵ میں راجہ بھوج نے تخت

۱۱۰۵ راجہ بھوج بکرماجیت کے بعد قوم پنوار سے دسواں راجہ گذرا ہے، بھوج پال آگیر اسی نے بنو ایاجو حرف  
ج کی تالیف سے بھوپال مشہور ہے، سو سال حکومت کر کے سن ۱۱۰۵ میں فوت ہوا،  
مشہور ہے کہ راجہ بھوج معجزہ شق القمر دیکھ کر ایمان لے آیا تھا، صاحب آئینہ اودھ نے اس کے متعلق  
سنی ہوئی روایت درج کی ہے، لیکن کسی تاریخ یا حدیث و سیر میں اس واقعہ کا تذکرہ درج نہیں ہے، شاہ رفیع  
الدین مرحوم نے بھی رسالہ شق القمر میں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے، لیکن ان کے نزدیک بھی محقق نہیں۔ سنوں  
کی مطابقت کرنے سے البتہ راجہ بھوج کے عہد میں آنحضرت صلعم کا مبعوث ہونا پایا جاتا ہے، اس کے راجہ  
بھوج سن ۱۱۰۵ میں تخت نشین ہو کر سن ۱۱۰۵ میں فوت ہوا ہے، حساب سے سن ۱۱۰۵ کے مطابق ہجری کا تیسرا  
سال آتا ہے، کرنل ٹاؤ صاحب مورخ راجپوتانہ کا قول ہے کہ سن ۱۱۰۵ میں راجہ بھوج اوجین کی گدی پر وجود  
تھا، ۵۴ سال بکری سن کے بیکس عیسوی کا آغاز ہوا ۵۶۷ میں ۵۴۷ عدد کو اور شامل کر دیا جائے تو سن ۱۱۰۵  
بکری ہوتا ہے، اس وقت بیشک راجہ بھوج زندہ تھا، لیکن سن ہجری کا رواج نہیں ہوا تھا،  
سٹری آف انڈیا کے مولف سر جان مارشیل کا قول یہ ہے کہ شہاب الدین غوری کے حملہ کے وقت  
۵۹۰ سن میں راجہ بھوج اوجین کے تخت پر موجود تھا، بالکل غلط ہے، سلطان مذکور کے حملہ کے وقت مالوہ  
۱۱۹۳ میں سکت سنگھ کا راج تھا جس کے آخری زمانہ میں بہادر شاہ دکنی نے مالوہ پر قبضہ کیا، اور بہادر شاہ سلطان

نشین ہو کر پیر نام پایا، ذاتی اوصاف اور ملکی استطاعت میں قابلیت میں دوسرا بکر ماجیت تھا، تمام مالوہ اور نہروالہ (گجرات) اس کے زیر اثر رہا، اور حتی الامکان راجہ بکر ماجیت کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کی، یہی وجہ ہے کہ نیک نہاد راجاؤں کی فہرست میں اس کا نام بھی درج ہو کر آج تک محفوظ ہے، لیکن ہر کمال کی انتہا زوال ہے، جب سو سال کی حکومت کے بعد راجہ بھوج کا جام حیات لبریز ہوا تو اس کے بعد اس کے جانشینوں میں پھر اس قوت و قابلیت کا راجہ نہیں ہوا، جو متفرق اجزائے حکومت کو ایک شیرازہ میں مسلسل کر سکتا، ضعف حکومت سے فائدہ اٹھا کر چھتریوں نے ذیل کی حکومتیں جدا گانہ قائم کر لیں، پنجاب، دہلی، قنوج، میواڑ، پٹن، بنگال، ان حکومتوں کے استقلال کے بعد باس دیو راجہ فاتحانہ جوش و خروش کے ساتھ قنوج سے نمودار ہوا، لیکن موت نے عجلت کی، اور فتوحات کا کام ناتمام رہا، اس کے بعد اسی کا سپہ سالار رام دیو راٹھور نے تخت قنوج پر بیٹھا، بہت بڑا فاتح، اولوالعزم، شجاع، اور فرزانہ راجہ گذرا ہے، فتوحات کا علم جب ہاتھ میں لے کر نکلا ہے تو اس وقت تمام

(بقایہ صفحہ ۲۱) عوری سے لڑا اور مارا گیا۔

ذواب شاہجہاں نیگم رنگیہ بھوپال اپنی تاریخ تاج الاقبال میں لکھتی ہیں کہ دھار میں عام طور سے مشہور ہے کہ حضرت عبداللہ چنگل مہمکہ معظمہ سے مالوہ آئے جن کے ہاتھ پر راجہ بھوج نے اسلامی کلمہ پڑھا اور اسلام لایا، اور اس سے قبل معجزہ شتی القمر دیکھ کر دیر پردہ حضور صلعم پر ایمان لایا تھا معلوم ہوتا ہے کہ رنگیہ بھوپال کو اس قصیدہ کے اشعار سے دھوکا ہوا ہے جو حضرت عبداللہ چنگل کے مزار پر کندہ ہے، جس کے بعض شعر یہ ہیں۔ چو وقت آمد کہ خورشید حقیقت، شود طالع دریں بدلے و بجو رسید این شیر مرد از مرکز دیں، دیں ویرکین با جمع جمہور، بزد برہم تاشیل و بتاں را، مصلحا ساختہ آں معبد زور، چورائے بھوج ویدیش از فرست، مسلمان گشتہ پا اہل ہمہ سور، بنو شرع روشن گشت ایں فقر، رسوم شرک شد معدوم و معدوم، لیکن تاریخ وصال درج نہیں ہے، قصیدہ کے ایک اس شعر سے زہجرت ہفصد و پنجاہ و نہہ بود، کہ تاریخش مجد گشت مسطور، واضح ہوتا ہے کہ ۹۵۰ھ ہجری میں آپ کا دوبارہ مزار تعمیر ہوا ہے۔ بہر حال جس راجہ بھوج نے حضرت موصوف سے کلمہ توحید پڑھا ہے وہ اس وقت کوئی اور مقامی راجہ ہوگا، راجہ بھوج المتوفی ۶۲۱ھ کے عہد میں مسلمانوں کی ہندوستان میں آمد شروع نہیں ہوئی، ۱۲۰ھ مؤلف۔

۱۲۰ھ اس کا نام ہندی تاریخوں میں راجہ پلوم لکھا ہے، اور یہی درج ہے کہ گنگا میں ڈوب کر مرا ۱۲

راجگان ہند نے اس کے سایہ میں پناہ لی، مالوہ بھی فتح کیا، قلعہ نرور کی از سر نو تعمیر کرائی، نوشیروان عادل کا ہم عصر تھا، اس کے بعد اس شان و شوکت کا دوسرا راجہ ہندوستان کو نصیب نہیں ہوا، رام دیو کے بعد پرثاب چند سپاہ سالار نے حکومت کا تلج اپنے سر پر کیا۔ ۱۰ سال حکومت کی، لیکن اپنی کمزوریوں کی وجہ سے سلطنت کے اُن حدود کو جو جسے راجہ رام دیو نے بنوہ باز و قنوج کے دارالحکومت میں شامل کیا تھا، سنبھال نہ سکا، نتیجہ یہ ہوا کہ باج گزار راجاؤں نے خود سری اختیار کر کے پایہ تخت قنوج سے علیحدگی اختیار کر لی، اور بجائے خود مستقل راجگی کے پیکر میں نظر آنے لگے،

بر مرد بشیار دنیا خصل است

(سعدی)

کہ ہر مدستے جائے دیگر کس است

یہ وہ زمانہ ہے کہ جزیرہ نمائے ہند مختلف حکومتوں کے زیر اثر نظر آ رہا ہے، گو حکومتیں قوی دلی ہیں، لیکن حکمرانی کے غرور و تکنت نے دلوں میں رقیبانہ جذبات کا جوش پیدا کر رکھا ہے، بالآخر دور فلک نے چند صدی میں یہ زمانہ بھی گزار دیا،

چوتھی صدی ہجری کے اخیر میں جب سلطان محمود غزنوی نے مجاہدانہ حیثیت سے ہندوستان کی طرف رخ کیا ہے، اُس وقت قنوج میں راجہ کورمیر میں دہرم دت جہان میں گل چند، لاہور میں جیپال، کاتنجر میں بھیرا، اسی طرح مالوہ، گجرات، اجمیر اور گوالیار وغیرہ میں جدا جدا اربے تھے، جو تقریباً سب کے سب مغلوب رہے، ہندوستان پر مجاہد اعظم سلطان محمود غزنوی کے، حملے ہوئے ہیں جن میں ۱۲ حملے زیادہ مشہور ہیں جو ۳۹۱ھ

**محمود غزنوی**

۱۲۰ھ موجودہ زمانہ میں ریاست گوالیار کا مشہور ضلع ہے،

۱۲۰ھ اسی کے عہد میں نوشیروان عادل کی فوج ہندوستان آئی اور اپنا چڑھا ہوا خراج وصول کیا ۱۲۰ھ سلطان محمود شب عاشورہ ۴۴۴ھ میں پیدا ہوا، تخت نشین ہونے کے بعد خلافت بغداد سے اس کو امین الملتین الدولہ کا خطاب ملا ۳۲ سال حکومت کی جمہرات کے روز ۲۲ بیچ التی فی ۲۲۰ھ میں ۶۳ سال کی عمر یا کر دنیا سے رحلت کی شاہ باہر جناں، مادہ سال وفات ہے ۱۲۰ھ



سے شروع ہو کر ۱۲۸۱ھ میں ختم ہوئے ہیں، ان میں سے ابتدائی ایک دو حملہ کے سوا باقی تمام مجاہدانہ نوعیت رکھتے ہیں، جن کی غایت محض اشاعت اسلام و تبلیغ و حدانیت تھی، تو وسیع ملک سے اگر ان حملوں کا تعلق ہوتا تو ملوکانہ حیثیت سے اُس وقت ہندوستان میں سلطان محمود ہی کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا،

اس کے بعد غوریوں کا ستارہ اقبال افغان غور سے طلوع ہو کر رفتہ رفتہ اس قدر بلند ہوا، کہ تھوڑی مدت میں خاکِ ہند بھی اس کی تنویر سے منور ہو گئی،

## اسلامی حکومتیں رائے پتھور سے پہلی جنگ

مغز الدین محمد سام، المخاطب سلطان شہاب الدین غوری، سلاطین اسلام میں پہلا شخص ہے جس نے فتوحاتِ ملکی کے ارادہ اور نیت سے ۱۱۸۶ھ میں ہندوستان پر پہلا حملہ کیا، اس حملہ کا رخ ملتان کی طرف تھا، دو سراحملہ گجرات پر ہوا، تیسری مرتبہ ۱۱۹۱ھ میں سلطان موصوف دہلی کی طرف متوجہ ہوا، اُس وقت رائے پتھور (جسے پر تھی راج بھی کہتے ہیں) دہلی کے راج کا مالک تھا اس نے غوری و قندھاری افواج کی آمد کی خبر سن کر اپنے ہم ملک اور ہم قوم ہندی راجاؤں، مہاراجاؤں کے آگے استعانت کا ہاتھ بڑھایا، عرض دولا کہ سوار، اور ۳ ہزار ہاتھیوں کی مجموعی طاقت حاصل کر کے تھانسیر اور

سہ غور، شہر قندھار ملک افغانستان سے سات آٹھ منزل کے فاصلہ سے ہے وہاں کے حکام ہمیشہ غور و گجرات محمود غزنوی نے ان کو مطیع کر کے اتحاد پیدا کیا بعد میں بہرام شاہ، شاہ غزنی نے اپنی دختر کی شادی قطب الدین ہاکم غور سے کر دی، چند روز کے بعد خسرو امدین نا اتفاقی کی آگ مشتعل ہوئی، بہرام شاہ نے قطب الدین کو قتل کر دیا اور دوسرے بھائی سیف الدین کا لامنہ کر کے شاہ ایران کے پاس بھیج دیا، تیسرے بھائی علاء الدین غوری نے انتقام کی تلوار ہاتھ میں لی اور نہایت جوش کے ساتھ غزنی کو روانہ ہوا، اور بالآخر غزنی کو فتح کر کے سات روز سپاہ سے شہر کو غارت کر لیا۔ آگ لگا دی، لوگوں کو گرفتار کر کے ذبح کیا، مقتولین کے خون سے عمارت کے لئے گارا تیار کر لیا، خسرو ملک آخری تاجدار غزنی کو شہاب الدین غوری نے گرفتار کر کے قید کر لیا، اسی قید میں وہ مری گیا، غزنی کو غور میں شامل کیا، علاء الدین نے اپنے اعمال نامہ کے صلہ میں مخلوق خدا کی زبان سے جہاں سوز کا خطاب حاصل کیا، شہاب الدین غوری اسی علاء الدین کا فرماں بردار و امتیاز تھا، جس نے ہندوستان میں غوری سلطنت کی بنیاد ڈالی ۱۲ (فرشتہ)

کر نال کے درمیان تر اور سی کے میدان میں پہنچ کر صف آرا ہوا، ایک طرف افغان، دوسری طرف راجپوت، برابر کی چوٹ تھی، سخت اور خونریز محاربہ ہوا، کسی فریق نے جو ہر مردانگی اور جنگی قابلیت دکھانے میں کمی نہیں کی، لیکن فتح اور شکست ایک ایسی زبردست طاقت کے قبضہ اقتدار میں ہے جو کائنات کا حقیقی شہنشاہ تسلیم کیا جاتا ہے، عین معرکہ کارزار میں کھانڈے راؤ حاکم دہلی کے ہاتھ سے سلطان شہاب الدین غوری مجروح ہوا قریب تھا کہ دشمنوں کے پنجہ میں اسیر ہو، لیکن سلطانی اقبال نے وقت پر اس طرح یاد دہی کی کہ غلجی چچ غلام سلطان کا ہم روی ہو کر اور اپنے گھوڑے پر سلطان کو سوار کر کے میدان جنگ سے صاف نکال لے گیا، اور سلطانی فوج منتشر ہو کر اپنے مرکز پر چلی گئی،

سلطان کو اپنی ہر میت سے سخت افسوس و ملال ہوا،

## رائے پتھور اور دوسری جنگ

تیرہ مہینے تک استقامت طیاری میں مصروف رہ کر ۱۱۹ھ میں غزنی، کابل، قندھار اور غور کے منتخب اور کار آزمودہ جانباڑوں کی معیت میں رائے پتھور کے مقابلہ کے لئے دوبارہ حدود ہند میں داخل ہو کر آجیر کی طرف پیش قدمی کی، رائے پتھور پہلے ہی سے ہوشیار تھا، سابقہ فتح نے بہادران ہند کے حوصلوں میں جنگجو یا نہ جوش و خروش کو اور زیادہ ترقی دیدی تھی، اس لئے اس مرتبہ رائے پتھور کو راجگان ہند کی طرف سے کافی امداد ملی، ۳ لاکھ سواروں، ۳ ہزار ہاتھیوں، بے شمار پیادوں اور ۱۵۰ راہیاں و راجگان ہند کے جلو میں رائے پتھور سلطان کے استقبال کے لئے دہلی سے نکلا، سواروں اور پیادوں کی صفیں بالقابل آراستہ ہوئیں، اور آراستہ ہو کر ایک دوسرے کی طرف اس طرح بڑھیں کہ

دو کوہ آہنی از جائے جنبید

زمین گویا ز سر تا پایے جنبید

نہایت زور شور کارن پڑا، نامی اور چیدہ بہادران ہند کام آئے رانا سرسی، والی چٹوڑ بھی مقتول ہوا، افغانان غور و قندھار کی تلواریں اُس وقت نیام میں داخل ہوئیں جبکہ سامنے سے باقی ماندہ

افواج پتھور فرار ہو چکی تھیں، سر عسکر رائے پتھور ابھی میدان جنگ سے بھاگا، لیکن بہت جلد  
سلطانی قیدیوں کو قتل کر دیا گیا، اس وقت نہ راجپوتوں کی دلیری کام آئی، نہ افواج کی کثرت،  
نہ اقبال نے یاوری کی نہ زمانہ نے معاونت مقدر کا سربستہ راز کھلنا تھا وہ کھل کر رہا، سے

رکھتا ہے اوج چرخ کسی کا کب ایک دن

ہوتا ہے دو پہر میں زوال آفتاب کا

منصور و مظفر نوکر سلطان اجمیر میں داخل ہوا، کولارائے ابن رائے پتھور کو کسی  
ملکی مصلحت سے ادائے خراج کے معاہدہ پر اجمیر کا حاکم مقرر کیا، اس کے چند روز بعد،  
قطب الدین ایبک (جو بعد میں سلطان قطب الدین لکھنؤ کے القاب سے مشہور ہوا)،  
کوہندوستان میں اپنا نائب مقرر کر کے خود سلطان غزنی واپس چلا گیا،

مشہور روایت ہے کہ رائے پتھور کی مفروسی اور اس کے تعاقب کی حالت میں  
ایک سبز پوش سوار نمودار ہوا، جس نے رائے پتھور کو گرفتار کر کے متعاقب سپاہ کے  
حوالہ کیا اور خود غائب ہو گیا،

سلطان شہاب الدین جس وقت نصرت و فحمت دی کا پٹکا باندھے ہوئے حضرت خواجہ  
معین الدین چشتی سنہری رحمۃ اللہ علیہ کے سلام کو حاضر ہوا، اجمیر کی آبادی نعرہ توحید  
سے گونج اٹھی گفتگو کے سلسلہ میں خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے سلطان سے ارشاد فرمایا کہ وہ سبز  
پوش سوار میں تھا جس نے رائے پتھور کو گرفتار کر کے شاہی فوج کے حوالہ کیا، خواجہ صاحب  
کی یہ ادنیٰ کرامت ہے،

۱۱۹۰ھ مطابق جولائی ۱۷۷۶ء ذکر سلطان شہاب الدین غوری ۱۲  
۱۱۹۰ھ اجمیر راجپوتانہ میں واقع ہے، صاحب آئینہ اودھ نے بحوالہ اخبار الاخبار اجمیر کی وجہ تسمیہ یہ لکھی ہے کہ آج ایک  
راجہ کا نام تھا، اور میر ہندی زبان میں پہاڑ کو کہتے ہیں، چونکہ ابتدائے فصیل شہر پہاڑ پر تعمیر ہوئی تھی اس لئے راجہ نے اپنے  
ادارہ پہاڑ کی مناسبت سے اس فصیل کا نام آجامیر رکھا، جو الف کی تخلص سے اجمیر مشہور ہو گیا،  
۱۱۹۰ھ حضرت خواجہ صاحب نے ۶ رجب المرجب ۸۰۰ھ میں وصال فرمایا، انتقال کے وقت ذیل کی عبارت آپ کی پیشانی پر لکھی  
وہی کی حبیب اللہ مات فی حبب اللہ (آئینہ اودھ) ۱۲

دو سال بعد ۱۱۱۹ھ میں سلطان موصوف راجہ جے چند راٹھور والی قنوج کے مقابلہ کے لئے پھر عازم ہندوستان ہوا، راجہ مذکور نے بھی فوجی جمعیت کے ساتھ پیشوائی کی اہرلیوں کا اجتماع آٹاؤہ کے شمال میں دریائے جمنہ کے کنارے چند واڑے کے میدان میں ہوا، عین محرمہ کا روز میں جب کہ راجہ جے چند ہاتھی پر سوار ہو کر راجپوتوں کے حوصلے بڑھا رہا تھا، اس وقت قطب الدین ایبک نے اپنی قدر اندازی کا کمال دکھا کر ایک تیراٹھس کی آنکھ میں پیوست کیا، درد کے صدمہ سے راجہ مذکور ہاتھی سے نیچے اتر، راجہ کا سواری سے نیچے آنا تھا کہ فوج کے پاؤں اکھڑ گئے، سلطان فی سپاہ تلوار پر سوت لیں، ہزاروں آدمی تلوار کے ٹکھاٹ اتر گئے، سلطان ظفر مندانہ کو قریب قنوج میں داخل ہوا فتوحاتِ سلطانی میں یہ فتح عظیم ترین کامیابی تھی جس نے غوریوں کے لئے ہندوستان کا راستہ صاف کر دیا، اور ہیشیا رخرانہ ہاتھ آیا،

**قطب الدین ایبک کی تخت نشینی** ۱۱۹۹ھ میں سلطان، اپنے بھائی سلطان غیاث الدین کی وفات پر غزنی اور غور کے شاہی تخت کا مالک ہوا چند

سال کے بعد غرہ شعبان ۶۰۲ھ مطابق ۱۳ مارچ ۱۲۰۵ھ میں جب کہ سلطان شہاب الدین خوارزم کی جنگی تیاریوں میں مصروف تھا، دریائے اٹک کے کنارے بد معاشوں کے ہاتھ سے شہید ہو گیا، وفاتِ سلطانی کی خبر سن کر قطب الدین ایبک نے ۶۰۳ھ میں دہلی کے تخت شاہی پر جلوس کیا، سلاطین اسلام میں یہ پہلا خوش اقبال سلطان ہے جس نے دہلی کو تخت گاہ اسلام بنایا،

لے راجگان مارواڑ، اور بیکانیر اسی راجہ کے خاندان سے ہیں  
۱۱۹۹ھ قطب الدین ایبک، سلطان شہاب الدین غوری کا زریہ غلام تھا، شجاعت و دانائی میں عظیم المثال رحم و کرم میں بے نظیر سلطان تھا، فیاضی کی بنا پر مخلوق خدا کی زبان سے لکھ بخش کا لقب حاصل کیا، ایک ترکی لفظ ہے، جو شکر کا مرادف ہے، چون کہ سلطان کی بعض انگلیاں کچ اور شکستہ تھیں، اس لئے ایک مشہور ہوا، چوگان بازی کے مشغلہ میں گھوڑے سے گر کر شکستہ میں وفات کی، مدتِ امارت ۱۲ سال، مدتِ سلطنت ۴ سال، ۱۲ فرشتہ و سیر لکنا خیرین،

۱۱۹۹ھ اکثر موفعین کا اتفاق ہے کہ دہلی کا قدیم نام اندر پت ہے، فرشتہ کا بھی یہی قول ہے، وہ تسمیہ دہلی کی فرشتہ نے یہ لکھی ہے، اندر پت کے قریب دہلی نے ایک نئی آبادی کی بنیاد قائم کی اور اپنے نام سے اسے منسوب کیا، صاحبِ مرات آفتاب کا بھی یہی خیال ہے، مگر دوسری جگہ مورخ مرات آفتاب نے دہلی کو راجہ دلیپ سے منسوب کیا ہے، اور فرشتہ نے ایک جگہ دہلی کے معنی نرم زمین کے لکھ کر یہ تفسیر کی، کہ دہلی کی زمین اس قدر نرم تھی کہ اس میں میخ قائم نہیں رہتی تھی۔ اس

لیکن موت نے عجلت کی کچھ سال کے بعد ۶۱۱ھ میں اس نے وفات پائی، اسی سال اس کا بیٹا آرام شاہ کے لقب سے سریر شاہی پر جلوہ گر ہوا، چونکہ جہات سلطنت سے نا آشنا تھا، اس لئے ایک سال کے اندر ہی اسے تخت سے دست بردار ہونا پڑا، عماد الدین سلطنت کے مشورہ سے اسی سال ۶۱۱ھ میں سلطان شمس الدین التمش کو تخت شاہی پیش کیا گیا، جس نے شامانہ جلوس کے بعد سکھ و خطبہ اپنے نام سے جاری کیا، فتوحات کے سلسلہ میں سندھ، بنگال، اور ۳۳۳ھ میں مائٹو (دارالحکومت مالوہ) اور جین گوالیار کو فتح کر کے وہ شہرت حاصل کی کہ خلیفہ بغداد عباسی نے خطاب کے ساتھ سندھ شاہی بھی عطا کی، ۲۶ سال عدل و داد کے ساتھ سلطنت کر کے ۳۳۳ھ میں رحلت کی اس کے بعد رکن الدین، رضیہ بیگم، بہرام شاہ، علاء الدین محمود (بقیہ صفحہ ۲۷) نے دہلی نام ہوا، لیکن مرج قول وہی ہے کہ راجہ دہلو نے جدید آبادی کو اپنے نام سے منسوب کیا جیسا کہ حضرت امیر خسرو کے اس شعر سے ثابت ہے جس کا مخاطب جلال الدین فیروز شاہ خلجی ہے شعر: ایک ایم بخش یا زانو لغزا بارگی لیا بغیران وہ کہ گردون نیم دہلوروم، راجہ دہلو نے قنوج کے تخت پر ۲۶ سال حکومت کی ہے، بہمن و آرا شاہان ایران کا معاصر تھا، اس کے بعد راجہ فود ہوا ہے، جس کے عہد میں اسکندر اعظم نے دریائے ستلج سے گذر کر قنوج پر فوج کشی کی تھی (فرشتہ سفر نامہ اکبر فیروز شاہی خلیفہ محمد بن اکثار الضادید) عہد حکومت انگریزی میں ۱۷۱۰ء میں دار السلطنت ہونے کی عزت ملی، جس کا افتتاح قیصر ہند جارج تیسم نے خود ہندوستان آکر کیا تھا، دہلی کا رقبہ ۵۵۷ میل مربع اور مردم شمار ۱۲ لاکھ ۹۲ ہزار نفوس کی ہے، ۱۲ مہولہ

۱۱۱۱ھ التمش ترکی زبان میں ہر اول فوج کے سردار کو کہتے ہیں، فرشتہ نے لکھا ہے کہ شب خسوف میں پیدا ہوا، اس لئے التمش مشہور ہوا، نسا بان ہند نے اس کو زمرہ سادات سے بتایا ہے، بہر حال ترکی نژاد، اور سلطان قطب الدین ایبک کا نزدیک غلام اور داماد بھی تھا، اس کا باپ تیم خاں اپنی قوم کا سرخیل تھا، جس کے کئی بیٹے تھے، حضرت یوسف علیہ السلام بھائیوں کی طرح اس کے بھائیوں کو بھی اس کے حسن اور قابلیت پر بڑا رشک ہوا، اور باہر لیا کر فروخت کر دیا، خریدار نے اس کو بخارا لیا کر اچھی قیمت میں فروخت کیا، جہاں اس کی تربیت و تعلیم اعلیٰ پایہ پر ہوئی اس کے بعد منقل ہوتا ہوا جمال الدین حسین قبلہ کے ہاتھ آیا، اس نے غزنی پہنچ کر شہاب الدین غوری کے نزدیکیا لیکن بھاری قیمت کی بنا پر سلطان غوری نے انکار کیا اور حکم کیا کہ اس کو کوئی خرید نہ کرے، جب قطب الدین ایبک نہروال فتح کر کے غزنی پہنچا تو اس نے التمش کی تعریف سنی اور سلطان بن گیا اسے خرید کر کے اپنے ساتھ دہلی لے آیا، مختلف عہدوں پر ممتاز رہا اس کی ذہانت اور قابلیت نے اس کو قطب الدین ایبک کا داماد بنا دیا اور آگے چل کر سلطان شمس الدین التمش کے لقب سے بڑی شان و شوکت کا بادشاہ ہوا، فرشتہ تاریخ ہندوستان قطع تاریخ وفات یہ ہے۔ چوشش صدیقی ۱۳۷۵ سال ہجری، گذشتہ دست روز ازماہ شعبان ۱۱۱۱ھ بشد سلطان شمس الدین التمش، بسوئے حنٹ المادی خراماں، فرشتہ، آئینہ اودہ

ناصر الدین محمود ایک بعد دیگرے تخت نشین ہوئے، ان میں ناصر الدین محمود نہایت درجہ نیک خصلت اور متبع شریعت گذرا ہے، نرور اور چندیری اضلاع کو اس نے فتح کیا، لیکن پھر آزاد ہو گئے،

اس کے بعد غیاث الدین بلبن (ناصر الدین محمود کا بہنوئی اور اس کا وزیر) نے سریر سلطنت کو زینت دی، عدل و انصاف، سیاست و قابلیت میں ممتاز تھا، ۲۲ سال حکومت کرنے کے بعد ۶۸۵ھ میں فوت ہوا، بلبن کے بعد اسی کا پوتا معز الدین کی قیادت تخت نشین ہوا، عیاش اور امور جہانداری سے بے بہرہ تھا، تین سال کے اندر اپنے نوکروں کے ہاتھ سے مارا گیا، ۶۸۸ھ میں اراکین سلطنت کے مشورہ سے سلطان جلال الدین فیروز شاہ خلجی، تخت نشین ہوا، پاک باطن اور نیک خصلت پادشاہ تھا، سات سال کے بعد اسی سلطان کے بھتیجے علاء الدین خلجی نے (جودا نا بھی تھا) ۶۹۵ھ میں اسے قتل کر دیا، اور خود علاء الدین اور اسکندر ثانی کے القاب سے سریر آرائے سلطنت ہوا، ۲۰ سال سلطنت کرنے کے بعد ۷۱۶ھ میں

راہی ملک عدم ہوا، جابر، سخت گیر، لیکن بہادر، منتظم اور فاتح سلطان تھا، ملک مالوہ اسی کے ملکہ ناصر الدین محمود سلطان شمس الدین التمش کا تیسرا بیٹا تھا، اس نے صرف ایک بیوی کے ساتھ زندگی گذاری، قرآن شریف لکھتا اور اس کے ہدیہ سے اپنی اور بیوی کی گذر کرتا، شاہی خزانہ سے کبھی ایک چوہ اپنے ذاتی مصارف کے لئے اس نے نہیں لیا، متقی عابد و زاہد اور پاکیزہ خصلت پادشاہ تھا، ایک دفعہ اس کی بیگم نے امور خانہ داری کے انصرام کے لئے، ایک کینز کی استدعالی، بادشاہ نے جواب دیا کہ سلطنت کا خزانہ رعایہ کا مال ہے اور اپنی ذاتی آمدنی میں کینز کی گنجائش نہیں، بیوی بھی نیک نفس و فرماں بردار تھی، گھر کا کل کام خود انجام دیتی، خدائے پاک و نون رحمت نازل فرماتا ہے، ۱۲ (فرشتہ)

۷۱۶ھ میں، ترکوں کے ایک قبیلہ کا نام ہے، بعض کہتے ہیں کہ بلبن ترکان قراخلانی سے تھا جو مغلوں کے تھے، قید ہو کر بغداد لایا گیا، جہاں خواجہ جمال الدین بصری نے ۷۳۳ھ میں اسے خرید کیا، اور ہندوستان آکر سلطان شمس الدین التمش کے غلاموں میں داخل ہوا، اپنی ذہانت اور قابلیت سے ترقی کرتے ہوئے ہندوستان کا بادشاہ ہوا، سلطان شمس الدین التمش نے اپنی بیٹی بھی اس سے منسوب کر دی تھی ناصر الدین محمود کے عہد میں وزیر اعظم بھی تھا، اس کے سکے کی عبارت ایک طرف یہ تھی، السلطان الاعظم غیاث الدین والدین ابوالمظفر بلبن السلطان دوسری طرف، امام المستقیم امیر المومنین، ضرب ہذا الفصد دہلی، ۷۳۳ھ یہ وہی کی قیادت ہے جس کے اور جس کے باپ بغراؤں کی بلاقات کے حالات حضرت امیر خسرو (باقی صفحہ ۳۰)

عہد میں فتح ہو کر دہلی سے ملحق ہوا، اور سلطان محمد شاہ تغلق کے اخیر عہد سلطنت ۷۹۹ھ تک برابر دہلی کے ماتحت رہا، اس کے بعد دلاور خاں غوری نے تخت دہلی سے جدا ہو کر مالوہ کی سلطنت کی علیحدہ بنیاد ڈالی، جس کی تفصیل تیسرے باب میں آگے آتی ہے، یہاں یہ امر قابل اظہار ہے کہ عام مورخین نے تصریح کی ہے، کہ سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد سے، سلطان محمد شاہ تغلق کے زمانہ تک مالوہ دہلی کا ضمیمہ رہا، لیکن مؤلف کی تحقیقات کی رو سے مالوہ کا فاتح سلطان علاء الدین خلجی ہے، مورخ فرشتہ کا بیان ۶۶۲ھ کے واقعات کے تحت میں یہ ہے جس سے ثابت ہے کہ سلطان بلبن نے اپنا عہد شاہی مقبوضہ ملک کے مزید استحکام میں صرف کیا، اور دوسرے حصہ ملک کی طرف توجہ نہیں کی،

چوں در سلطنت سلطان بلبن استقلال او بکمال رسید چندے از امر اہمروض  
داشتند کہ قوت و قدرت بادشاہ زمان بدرجہ کامل است، ممالک گجرات  
و مالوہ و دیگر بلاد ہند را کہ در زمان پادشاہ قطب الدین ایبک و سلطان  
شمس الدین التمش بہ تصرف درآمدہ بود گذاستن نہ لائق بود، بادشاہ جواب دے او  
کہ درین وقت مغلان بر بلاد اسلام متصرف شدہ اند و اکثر ممالک ہند وستان خست  
می آورند، از دہلی حرکت نمودن و ولایت و در دست رفتن شرط حرم و در اندیشہ  
نیست، بلکہ ملک خود را مضبوط و امین داشتن بہتر کہ ملک دیگران پر واختن  
و ولایت قدیم را ناقص داشتن۔

مورخ فرشتہ نے بھی دوسرے مورخین کی طرح یہی لکھا ہے کہ سلطان بلبن کے عہد سے مالوہ دہلی کے زیر اثر رہا، لیکن سلطان موصوف کے کارنامہ میں مورخ مذکور نے کسی جگہ سلطان بلبن کا

(بقیہ صفحہ ۲۹) رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن السعدین میں لکھے ہیں۔  
سلجوقی کی وجہ تسمیہ یہ لکھی ہے کہ قلع خاں نامی جنگیز خاں کا داماد تھا، اپنی بیگم سے خوف زدہ ہو کر اپنے قبیلہ کے ۳۰  
ہزار اشخاص کے ساتھ کوہستان غوری کی طرف چلا آیا، شاہ غور کے یہاں ملازمت اختیار کی، جلال الدین غوری کا  
دادا شہاب الدین غوری کے عہد میں ہندوستان آیا، قلع خاں مورث کے نام کے انتساب سے اسکی اولاد قلعی،  
مشہور ہوئی، بعد میں حرف قاف خ سے بدل کر قلعی معروف ہوا۔ ۱۲

مالوہ فتح کرنا درج نہیں کیا، حالانکہ اسی کی مندرجہ صدر عبارت سے اس کی نفی ہوتی ہے،  
مولوی ذکار اللہ صاحب مرحوم نے تاریخ ہندوستان میں صاف طور سے لکھا ہے  
کہ ملک مالوہ <sup>۱۱۱۱ھ</sup> میں بہ عہد سلطان بلبن مفتوح ہوا، اس قدر تاریخی غلطی ہے، سلطان بلبن  
موصوف <sup>۶۶۶ھ</sup> میں تخت نشین ہو کر ۲۱ سال ۹ مہینے سلطنت کرنے کے بعد <sup>۶۸۶ھ</sup> میں فوت  
ہوا، <sup>۱۱۱۱ھ</sup> اس کو نصیب نہیں ہوا، یہ سن سلطان علاء الدین خلجی کا پندرہواں سال جلوس ہے  
اس لئے کہ سلطان مذکور <sup>۶۹۵ھ</sup> میں تخت نشین ہوا، اور <sup>۷۰۴ھ</sup> میں سلطان کے ایمار سے  
عین الملک ملتانے مالوہ، اوچین، چندیری کو فتح کیا، اور اس خوشی میں سات شبانہ روز منہلی  
میں جشن رہا، سلطان علاء الدین خلجی کے تذکرہ میں فرشتہ کی عبارت یہ ہے،

عین الملک ملتانے راکہ ازامرائے کبار بود بالشکر بسیار بہ تسخیر مملکت مالوہ و  
اوچین و چندیری، و جالور تعین فرمود و عین الملک مالوہ درآمد، کوکاراجہ  
آں جا پاہل ہزار سوار را چپوت و یک لک پیادہ استقبال نمودہ حربہ  
صعب در میان ہر دو سپاہ اتفاق افتاد و عین الملک را ظفر اختصاص یافت  
و بلدہ اوچین و مندو و دہارا نگری را بتاریخ دہم جمادی الاول مفتوح ست  
فتح نامہ بخدمت بادشاہ فرستاد، چنانچہ ہفت شبانہ روز در وہلی نقارہ نوا  
زدند و لشکر برگرد و نہا بار کردہ بمردم شہر قسمت نمودند،

قارئین کرام انصاف کریں کہ مالوہ کا فتح علاء الدین خلجی ہے، یا اس کا پیش رو سلطان  
غیاث الدین بلبن المتوفی <sup>۶۸۵ھ</sup> ہے، یہ ایک تاریخی حسابی غلطی تھی اس لئے صراحت کے  
ساتھ اس موقع پر اظہار اس کا ضروری سمجھا گیا،

بہر حال ملک مالوہ مستقل طور سے سلطان علاء الدین خلجی کے عہد سے <sup>۷۹۹ھ</sup>  
۱۱۱۱ھ میں وہی سلطان ہے جس کی ہوس پرستی اور رانی پداوت پر نادیدہ عاشق ہونے کی داستان ہمارا  
آب و تاب سے بیان کی جاتی ہے، مثنوی پداوت نے اور بھی عاشقانہ رنگ پڑھاویا ہے، عام مورخین بھی اس  
افسانہ کو درایت کی کوئی پہچانج کئے ہوئے بغیر تاریخوں میں درج کرتے رہے ہیں، فرشتہ نے بھی اس افسانہ



عہد محمد شاہ ابن سلطان فیروز شاہ تغلق تک دہلی کا مفتوحہ و مقبوضہ صوبہ رہا۔

## تیسرا باب

دوہین حدیقہ بہار و خزاں ہم آغوش است

سلاطین بالوہ

زمانہ جام بدست و جہاز و بردوش است

(بقیہ صفحہ ۳۱) کو درج کر دیا ہے، لیکن مصنف خراج اور حقوق مورخین نے لکھا ہے کہ اصل واقعہ کی صورت کو مسخ کر کے ..... تفریح طبع کے لئے داستان گھڑی گئی ہے، مولوی اکبر شاہ خاں نجیب آبادی مشہور مورخ اسلام اپنی کتاب اُمیہ حقیقت نامی علامہ ضیاء برنی کی تاریخ فیروز شاہی کے حوالہ سے (جوشہ ۵۸) لکھتے ہیں کہ ..... ہے اور جس نے عجیبوں کے ۳۳ سالہ واقعات کو اپنی آنکھوں سے بھی دیکھا ہے) واقعہ کی صورت اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ..... علاء الدین خلجی نے چتوڑ کے قلعہ کا محاصرہ کیا، ۶ ماہ کے طویل محاصرہ کے بعد قلعہ فتح ہوا، راجہ رتن سین قید سلطانی میں آکر عرصہ تک نظر بند رہا۔ اور سلطان اپنے دلی عہد خضر خاں کو چتوڑ کا حاکم مقرر کر کے خود دہلی چلا آیا، محاصرہ کے سختی کے دوران میں کچھ راجپوت اور راجہ رتن سین کی رانی پدماوت قلعہ سے باہر نکلنے میں کامیاب ہو چکے تھے، خضر خاں نے چتوڑ کا نام خضر آباد رکھا، اور پھر مفردوہین راجپوتوں نے رانی پدماوت کو اپنا سردار بنا کر جنگی جھاری کو مستقر بنایا، خضر خاں سے مفردوہین کا استیصال نہ ہو سکا رتن سین کا بھانجہ رائے گریز پائے (جو سلطان کا مطیع ہو کر حاضری میں تھا) کو سلطان نے حاکم چتوڑ مقرر کر کے خضر خاں کو معزول کیا، لیکن اس عزل و نصب سے قبل سلطان نے مفردوہین کی تاخت و تاراج کی خبر سن کر رتن سین کے بھانجے سے شکایت کی، اس نے کہا کہ راجہ رتن سین آپ کی قید میں ہے، اس کے ذریعہ سے رانی پدماوت کو ہدایت کی جائے تو اثر خیر ہوگی، سلطان نے قید خانہ میں اہل رتن سین کو پیغام دیا کہ تم اپنی رانی کو اپنے پاس بلا لو تا کہ غم غلط نہ ہو تا رہے، راجہ نے سنکر اور خوش ہو کر رانی کو اپنے پاس آنے کی اطلاع دی، لیکن اس فرزانہ عورت نے دہلیوں میں مسلح راجپوتوں کو بھلا کر اپنے آنے کی شہرت دی، سلطان نے خبر پکڑ کر راجہ کو بحفاظت رانی کی پیشکش کے لئے بھیجا، پردہ نشین راجپوتوں نے رانی کی ہدایت کے موافق دہلیوں سے نکل کر محافطہ سلطانی کو قتل کیا اور راجہ رتن سین کو ہمراہ لے کر فساد ہو گئے، اس کے بعد راجہ رتن سین اور رانی دونوں گمنامی کی حالت میں رہے، سلطان کو اس واقعہ سے حیرت ہوئی۔ اور غصہ سر کو بی گیا۔ خضر خاں کو معزول کیا، اور راجہ کے بھانجے کو چتوڑ گڑھ کی حکومت حوالہ کی، جس نے اچھا انتظام کیا، دوبارہ سلطان کا چتوڑ جانا، آئینہ میں رانی کا منہ دیکھتا، رانی کا سستی ہونا، اور رتن سین کا قتل ہونا، قطعی افسانہ ہے۔ ۱۲

دآ اور خاں غوری، جس کا نام اصلی حسین ہے، سلطان شہاب الدین غوری کے خاندان سے تھا، وہ سلطان فیروز شاہ تغلق اور اس کے بیٹے سلطان محمد شاہ کے زمانہ میں صوبہ مالوہ کا ناظم رہ چکا تھا۔

سلطان محمد شاہ کی حکومت خانہ جنگیوں سے جب معرض زوال میں آئی، تو اپنی جان سلامت لیکر دہلی سے کوہ سرسور، وہاں سے نگرکوٹ کی طرف چلا گیا، جب ۹۵ھ میں وہاں اسے تخت شاہی حاصل ہوا، اس وقت اس نے اپنے ان معاونین و جاں نثاروں کے ساتھ (جنہوں نے حصول سرپرستیت میں اسے امداد دی تھی) منت پذیری کے صلہ میں اعلیٰ اعلیٰ ملکی عہدے مرحمت کر کے شاہانہ فیاضی کا سلوک کیا،

رفیقان صادق میں سے، خواجہ سرور کو خواجہ جہاں کا خطاب دیکر دستور المعظم،

۸۹ھ میں سلطان فیروز شاہ نے اپنی پیرائہ سیالی کی بنیاد اپنے بیٹے شہزادہ محمد خان کو سلطان ناصر الدین محمد شاہ کا خطاب دے کر وکیل السلطنت بنایا، اور خود گوشہ نشینی اختیار کی، باپ بیٹے کے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگا، چند روز بعد سکندر خان حاکم گجرات کو جو ملک مفرج المظاہر برآستی خاں کی جگہ صوبہ دار مامور ہو کر گجرات گیا تھا، عملہ اور فوج کے اتفاق سے راستی خاں نے قتل کر دیا اور آپ بدستور حاکم گجرات رہا، سلطان محمد شاہ نے اس واقعہ سے خبردار ہونے کے باوجود بھی کوئی استقامت کا رویہ نہیں کیا اس لئے شاہی افواج میں بغاوت کی تحریک شروع ہو گئی فوج کے ساتھ بوڑھا سلطان بھی شریک کیا گیا۔ تاکہ فوج میں مردانہ جوش بڑھتا رہے، محمد شاہ میں مقابلہ کی قوت نہ تھی، اس لئے کوہ سرسور کی طرف بھاگ گیا، شعر دوجان ہرگز بہ یک پیکر نہ گنجد، دو فرمانہ بیک کشور گنجد، اس کے بعد فیروز شاہ نے اپنے پوتے لعل شاہ بن فتح خاں کو وکیل السلطنت کیا اور خود ۹۳ھ میں ۳۸ سال نیک نامی کے ساتھ حکومت کر کے راہی ملک عدم ہوا، امیر تیمور کا ہم عصر تھا، لعل شاہ اپنے دادا کی وفات پر سلطان غیاث الدین تغلق کے لقب سے تخت نشین ہوا، پھر عرصہ تک عجمی بھتیجے وغیرہ دعویٰ داران سلطنت میں خانہ جنگیاں ہوتی رہیں، بالاخر لعل شاہ کی امداد سے محمد شاہ ۹۵ھ میں دوبارہ تخت دہلی حاصل کرنے میں کامیاب ہوا، (فرشتہ)

۹۶ھ میں خواجہ جہاں نے ۹۶ھ میں سکھ و خطبہ اپنے نام کا جاری کر کے جوئیہ کو دار السلطنت بنایا، جس کی اولاد سلاطین شرقیہ کے لقب سے مشہور ہوئی، اس خاندان میں یکے بعد دیگرے ۶ سلاطین گذرے جنہوں نے ۱۰۲ سال تک شاہی پرچم اوڑھایا، ۱۲

مقرر کیا، ظفر خاں بن وجیہ الملک کو حاکم گجرات، خضر خاں کو ناظم ملتان اور دلاور خاں کو صوبہ دار مالوہ کیا، سلطان محمد کی حیات تک یہ چاروں سردار محکومانہ طریقہ کے ساتھ رہے، ۹۹۴ھ میں جب سلطان محمد شاہ نے وفات پائی اس وقت مرکزی حکومت کے ضعف کی وجہ سے چاروں صوبہ داروں نے خود سری کا لباس پہنا، جن کی اولاد مدتوں، جوہپور، گجرات، مالوہ وغیرہ میں خود مختارانہ شاہی پیکر میں جلوہ گر رہی، دلاور خاں غوری، گو سلطان محمد شاہ کے ارتحال کے بعد خود مختارانہ حیثیت سے صوبہ مالوہ پر حکومت کرتا رہا، لیکن صحیح طور پر وہ ۱۰۵۸ھ میں اس وقت مالوہ کا بادشاہ ہوا جبکہ سکھ و خطبہ اس نے اپنے نام کا جاری کیا،

اس صوبہ میں ۸۰۵ھ سے ۹۶۴ھ تقریباً ۱۶۳ سال تک (۱۰) بادشاہ گذرے ہیں جن میں سے، ہوشنگ شاہ اور سلطان محمود خلجی کے کارنامے قابل ذکر ہیں، انہوں نے صوبہ مالوہ کو بلحاظ وسعت حکومت، بلحاظ قوت و سطوت، اور بلحاظ شان و شوکت اس درجہ پر پہنچا دیا تھا کہ جزیرہ نمائے ہندوستان میں سولے سلطنت گجرات کے کوئی دوسری حکومت اس وقت اس کا حریف نہ تھی،

صوبہ مالوہ کے نام سے لوگ ضرور واقف ہونگے، لیکن سلاطین مالوہ کے کارنامے اور ان کی علمی اور تاریخی یادگاریں آج اس قدر غبار آلود ہیں کہ ان پر عام لوگوں کی نگاہیں نہیں پڑتیں ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں عام اوصاف کے لحاظ سے اگر کسی شہر

سے ظفر خاں اول، یہی شخص بانی سلطنت گجرات ہے، جو دلاور خاں غوری کا دوست صادق تھا، ناصر شاہ کے لقب سے گجرات کا مطلق العنان بادشاہ ہوا، ۸۱۲ھ میں وفات پائی، اس کے بعد احمد شاہ بانی احمد آباد، محمد شاہ قطب الدین شاہ داؤد شاہ، محمود شاہ مظفر شاہ ثانی سکندر شاہ، محمد شاہ، ہماور شاہ، میران محمد شاہ، فاروقی، محمود شاہ ثانی، احمد شاہ ثانی، مظفر شاہ ثالث کے بعد دیگرے ۱۲ بادشاہ ہوئے، ۱۰۹۲ھ سے ۱۰۹۶ھ خانقاہ عبد الرحیم خاں کی فتح تک، ۱۹ سال اس خاندان میں شاہی رہی، (تاریخ ہندوستان) ۱۲  
 ۱۱۰۰ھ امیر میور کی مدد سے اس کو دہلی کا تخت حاصل ہوا، ۲۰ بادشاہ ۲۰ سال کے اندر ہوئے اس کے بعد سلطان بہلول لودھی نے تخت حاصل کیا، ۱۲۔ فرشتہ

یہ حکومت کا نام روشن ہے تو وہ صرف دار الخلافہ شاہ جہاں آباد دہلی اور سلطنت  
 تیموریہ ہے، جہاں اکبری اقبال کی اور بہت سی اعجاز نمایاں ہیں وہاں اس جہاں گیری کا  
 اور اضافہ سمجھنا چاہیے کہ جس نے نقش اول کو نقش ثانی بن کر صفحہ شہرت سے محو کر دیا، تاہم  
 آج بھی حسرت کدہ مانڈو (دار السلطنت مالوہ) کے درہ درہ سے تاجداران مالوہ کی عظمت کی جھلک  
 علم و فضل کی شعاع، اور فیاضی کی تنویر اس قدر نظر آتی ہے کہ مبصرین نقش تصویر رہ جاتے ہیں  
 لیکن تقریباً آج تمام آثار مٹ چکے ہیں، جہاں گیری نے اپنے عہد میں ایک مرتبہ ۳ لاکھ روپیہ کے  
 صرف سے بعض آثار کی مرمت کرا دی تھی، اس طرح اگر مابعد کے سلاطین و حکام اعتنا کرتے تو  
 وہاں کی یادگاروں سے سلاطین مالوہ کا پھر بھی نام زندہ رہتا، مانڈو، گوالیہاں، زماٹہ سے آج  
 خاک کا ڈھیر ہے، اور اس کے اولوالعزم سلاطین اسی عبرت ناک مناظر کے نیچے شہید مالوہ کی خنکی  
 کے اثرات سے میٹھی نیند سو رہے ہیں، لیکن ان کے مٹے ہوئے نقش و نگار خمریہ لہجہ میں بھی کہتے  
 ہیں کہ

طبع فاتحہ از خلق ندریم نیاز  
 عشق اندر پس من فاتحہ خواہم باقی است

یہ دہلی کی خوش قسمتی ہے، ورنہ بہار بنگال، گجرات، دکن، اور مالوہ اپنے عروج کے زمانہ  
 میں دہلی سے کچھ کم نہ تھے، اور یہ انہی کی بہاریں تھیں جو دہلی میں نظر آنے لگیں، مولف کا مطلع  
 نظر جو مکہ مالوہ کا اجمالی تذکرہ ہے، اس لئے بحث و تفصیل کو نظر انداز کر کے سلاطین مالوہ کا مختصر  
 حال ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

## نمبر سلطان دلاور خاں غوری

۶۹۵ھ میں دوسری مرتبہ ناظم صوبہ مالوہ ہوا، اپنے ہم عصروں کی طرح اس نے  
 ۱۳۹۳ء میں آزادی کا علم ہاتھ میں لے کر سکھ و خطبہ اپنے نام کا جاری کر کے دھار کو پایہ  
 بھی ۸۵۰ھ میں آزادی کا علم ہاتھ میں لے کر سکھ و خطبہ اپنے نام کا جاری کر کے دھار کو پایہ  
 لے قدیم نام دھار انگری ہے جس کو راجہ دھار سنگھ پنوار نے آباد کیا تھا، آثار قدیمہ اس شہر (باقی صفحہ ۳۶)

تخت قرار دیا، اپنی سیاسی چالوں سے اس وقت قریب قریب اکثر اضلاع مالوہ کو مطیع کر چکا تھا تاہم فیاضی کے ساتھ تخت پہلی کا شکر گزار اس قدر تھا کہ جب سلسلہ میں امیر تیمور گورگان کے حملوں سے خائف ہو کر سلطان محمود شاہ دہلی سے مالوہ کی طرف آیا تو اس نے آب و نمک کے پاس و لحاظ سے اس کی بڑی خاطر مدارات کی، اور تمام نقد و جواہر سامنے رکھ کر خدمت گزاری کے لئے حاضر رہا، ۳ سال کے بعد سلسلہ میں جب محمود تغلق دہلی کی طرف روانہ ہوا اس وقت تمام لوازمات شاہی اس کے لئے جہیز کر دیئے، احسان شناسی و منیت کے یہ وہ مراتب تھے، جن کو دلاور خاں غوری کے بیٹے الف خاں (ہوشنگ شاہ) نے تو میں سمجھا اور باپ سے خفا ہو کر ماند و چلا گیا، دلاور خاں بڑا پولیٹیکل اور مدبر تھا، اس کے کارنامے سلطان محمد شاہ فیروز کے ہمت سلطنت میں دیکھنے کے قابل ہیں، ۱۶ سال امارت، اور ۴ سال کچھ ماہ شاہانہ حکومت کر کے ۸۹۹ھ میں اس نے دنیا کو خیر باد کہا،

## نمبر ۲ سلطان ہوشنگ شاہ بن دلاور خاں

الپ خاں نام تھا، باپ کی وفات پر ۸۹۹ھ میں مالوہ کے شاہی تخت پر جلوہ آرا ہو کر، ہوشنگ شاہ لقب اختیار کیا، اور اپنے چچا زاد بھائی ملک مغیث الدین کو وزیر اعظم کا عہدہ عنایت کیا، یہ وہی ملک مغیث ہے جس کو اس کے اقبال مند بیٹے سلطان محمود خلجی نے، امیر الامرا زبدۃ الملک، ملک الشرق اور اعظم ہمایوں کے معزز خطابات دیئے تھے، ہوشنگ شاہ نے دھار کی جگہ ماند و گدھ کو دار السلطنت قرار دے کر شاہی محل

(بقیہ صفحہ ۳۵) میں بکثرت ہیں، موجودہ زمانہ میں ریاست دہار کا دار الحکومت ہے، (تاریخ مراثی عالم) سلطان محمد شاہ بن فیروز شاہ کا دوسرا بیٹا تھا سلسلہ میں تیموری حملہ کے وقت دہلی سے نکلنے پر مجبور ہوا، اور پھر چند سال کے بعد دوبارہ تاج شاہی حاصل کیا، اس نے خواجہ سرور کو سلطان الشرق خطاب دے کر جو پور کا علاقہ اس کی جاگیر میں دیا تھا، سیرۃ المتاخرین سلطانہ موجودہ زمانہ میں ماند و ریاست دھار کا مقبوضہ علاقہ ہے، جس کے قلعہ کے دامن (باقی بر صفحہ ۳۷)

۴۴ کی تعمیر کا سلسلہ شروع کیا اور الوالہ فرمانہ ارادوں کے ساتھ فتوحات ملکی میں مصروف ہو گیا۔

(بقیہ صفحہ ۳۶) میں کچھ لوگ کاشتکاری پیشہ کی حیثیت سے آباد ہیں، دارالریاست دھار سے جانب مغرب، جھاؤنی مو سے تقریباً ۳۰ میل کے فاصلہ پر واقع ہے بالائے کوہ عالیستان شکستہ قلعہ اپنے بانی کا یادگار باقی ہے جس کی سنگینیت اور وسعت سیاحوں کو آج تک حیرت میں ڈالتی ہے، حصہ قلعہ بقول محمد قاسم فیضی ۱۹ کوس اور حرب سیمایش نور الدین جہاں گیر اکو س کے گرد میں ہے، جہاں شاہی نقارے بجتے تھے، اب وہاں شیروں کے گونجنے کی آوازیں آتی ہیں، آثار قدیمہ قلعہ کے اندر اور باہر بکثرت ہیں بعض عمارات مثل ہفت منظر منار، ہندو لامل، جامع مسجد شاہی، جہاز محل، اشرفی محل، وغیرہ اس اعلیٰ صنعت کے تعمیر ہوئے تھے، کہ آج ہندوستان میں ان کا جواب نہیں ہے، علماء، فقراء، اور دیگر اہل کمال کے مزارات بکثرت ہیں، جن میں مشہور بزرگان دین مثل، غوث الدہر سید نجم الدین قادری مخدوم قاضی برہم الدین پیر موشنگ شاہ، سیخ الاسلام خلیفہ شاہ، راجو قتال، مخدوم قاضی اسماعیل پشٹی، شاہ عبداللہ شہنا خراسانی، وغیرہ کے مزارات قابل الذکر ہیں جو آج شکستہ حالت میں ہیں،

شہنشاہ نور الدین جہاں گیر نے اپنے جلوس کے گیارہویں سال ۱۲۲۸ھ میں قلعہ مانڈو کی سیر کی ہے، عبد الکرم میر عمارت کے ذریعہ سے بصرف ۳ لاکھ روپیہ بعض آثار قدیمہ کی مرمت بھی کرائی تھی، جہاں گیر اپنی زبان میں لکھتا ہے، (قلعہ بر بالائے کوہ ہے واقع است اور آن دہ کردہ بہ مساحت آمد، در ایام برسات جائے بہ خوش ہوائے ولطافت این قلعہ می باشد) شبہا در قلب الاسد بربتہ سردی شود کہ بے کاف غیتواں گذرانید و روز با احتیاج بہ باد بیزن نمی شود) آگے چل کر لکھتا ہے (مانڈو مسکواریست از سرکار ہائے مقرر صوبہ مالوہ یک کروسی و نہہ لک دام جمیع اوست، اندر تہا تخت گاہ سلاطین این دیا بود، عمارات و اثر ہائے سلاطین قدیم بسیار در او بر پا و برجاست، و تا حال نقصانے بر آن جاراہ نہشت و برست چہارم بقصد سیر عمارات سلاطین سابق سوار شدم اول بہ مسجد جامع کہ از بنا ہائے سلطان شہنشاہ غورلیست در آمد بغایت عمارت عالی بہ نظر درآمد تمام از سنگ تراشیدہ ساختہ اند و بالکہ یک صد و ہشتاد سال از زمان ساختن آن گذشتہ، چنان مشاہدہ می شود کہ گویا امروز بنا راوست)

بارہویں جلوس کے حالات میں جب کہ جہانگیر نے مانڈو کی سیر کی ہے لکھتا ہے (دائرہ ہائے روز بامروم محل بہ سیر عمارت ہفت منظر متوجہ شدم) وابتدائے شام بدولت خانہ باز گشتم این عمارت از اعداد یا فہمائے حکام سابق مالوہ است کہ سلطان محمود غلیہ باشد، ہفت طبقہ قرار دادہ دور ہر طبقہ چہار صفہ ساختہ مشتمل بر چہار دریکہ بلند ی این منار، پنجادہ چہار درع و نیم است و دہ پنجادہ درع زمین از سطح زمین تا طبقہ ہفتم یک صند و ہفتاد و یک، در رفتن و آمدن یک ہزار و چہار صد روپیہ تیار شدہ) آگے چل کر ترک جہانگیری کی یہ عبارت ہے (وا ز کثرت سبزہ دیما میں خود رو چہ نویسید و زہ و دشت و کوہ و صحرا فرو گرفتہ است، در محصورہ عالم معلوم نیست کہ مثل مانڈو جائے از حیثیت خوبی مواد (باقی بر صفحہ ۳۸)

(بقیہ صفحہ ۳۷) لٹاؤتو جاو صحرا بودہ باشد بہ تحقیق در فصل برسات درین فصل کہ ماہ ہائے مقرر تابستان است شبہا در درون خانہ ہائے بے محاف نمی توان خوابید و روز ہا بنوعی کہ مطلق ببادیزین و تغییر احتیاج نمی افتد آنچہ ازین عالم نوشتہ شود منور اندکے از بسیار خوبی ہائے آن جاست، دو چیز مشاہدہ افتادہ در اینجہ جادو ہندوستان نہ دیدہ بودیم یکے درخت کیدہ جنگلی کہ اکثر صحرائے این قلعہ رستہ است، دیگر آتشیانہ مولا کہ در زبان فارسی سرچہ میگونیند، تا حال بچک از صیادان خراز آشیان او نہ دادہ بودند، حسب اتفاق در عمارتیکہ بسری بردیم آشیانہ او ظاہر شد و بچہ آورده بودیم محمد قاسم فرشتہ نے قلعہ ماندو کی تصویر ذیل کی عبارت میں کھینچی ہے،

قلعہ شادی آباد ماندو معظم قلعہ عالم است، درین وقت جملہ احوال آن جاکہ بنظر کاتب الحروف درآمدہ نوشتہ می شود و آن این است کہ سہ مرتفع است و دور آن نوردہ کردہ باشد، بلکہ زیادہ در مفاکے عمیق واقع شدہ چنانچہ جنگ انداختن بر قلعہ ممکن نیست دور اندرون قلعہ آب و علف بسیار است و چندان زمین کہ گنجایش زراعت زمین داشتہ باشد نیست، و لشکر کے کہ آنرا محاصرو نما بود بعد سافت ممکن نیست کہ تمام آنہوں میان گرفتار ممکن نیست کہ اکثر مواقع آن نواحی لائق لغزو و تسکین نیست، و درہ و روانیکہ طرف دکن میباشند بہ تائید مشہور است بقایات صعب است چنانچہ سوارہ بمشکل بری توانہ آمد۔

ماندو کی وجہ تسمیہ فرشتہ کتاب سیر المتاخرین آنرک جہانگیری وغیرہ میں اس طرح درج ہے کہ ماندو یا ماندو ایک آہن گر کا نام تھا، قدیم زمانہ میں ایک بھیل اس کے پاس ایک ہنس یا لیگر آیا اور کہا کہ پتھر پر گھسنے سے پتیل کا ہو گیا ہے۔ اس کو بدل دو، ماندو سمجھ گیا، ہنس یا اس سے لے لیا اور دوسرا دیدیا بھیل سے پتھر کا نشان پوچھا اور اس کی نشان دہی سے اٹھا لایا، جے سنگھ پرنیو اس سنگھ اوس وقت بھیلوں کے علاقہ پر قابض تھا جس کا دار الحکومت دھارتھا، ایک روز ماندو آہن گر راجہ مذکور کے پاس گیا، اور تنہائی میں کہا کہ میرا ارادہ ایک شہر اور قلعہ آباد کرنے کا ہے بشرطیکہ نام میرا ہو، اور ملکیت تمہاری۔ راجہ نے منظور کر لیا، ماندو نے سہ سال بکری میں بالائے کوہ بنیاد قائم کر کے ایک حصار کے اندر شہر بسایا جس میں ایک لاکھ مکان تھے، اوسی آہن گر کے نام سے قلعہ ماندو آج تک مشہور ہے، لیکن یہ ایک افسانہ ہے تاریخی لحاظ سے اس کی کوئی وقعت نہیں ہے صاحب جامع التواریخ معروف مرآت العالم مولوی موج حسین صاحب رئیس قصبہ سندیلہ نے ۱۱۱۱ھ میں قلعہ ماندو کو مبصرانہ نگاہ سے دیکھا ہے ان کی عبارت یہ ہے، (قلعہ ماندو کے ۱۲ دروازے ہیں)

ایک کا نام گاؤڑی دروازہ ہے، اس کے پاس ایک مسجد ہے اس پر یہ عبارت کندہ شرق خطام (ان کے مرزا علی خاں) آگے پتھر ٹوٹ گیا ہے۔ ایک سطرنا بود ہو گئی ہے، بعدہ یہ عبارت ہے (ماندو)

عالی حجام الدین والدین اعظم ہمایوں المخاطب شاہ عالم خاں) پہلوچ سنگ کا کتبہ (باقی برقی صفحہ ۳۹)

(بقیہ صفحہ ۳۸) شکستہ ہے، اور ایک سطر عمارت ندارد ہے، بعدہ یہ لکھا ہے، بتاریخ ثامن والعشرون من ربيع الآخر سنہ عشرین وثمانیتہ مائتہ بنیافت (قلوہ کے دوسرے دروازہ کا نام دہلی دروازہ ہے، اس کے سامنے شاہان غوری اور خلجی کے محلات ایک میل تک چلے گئے ہیں۔ اکثر گزرتھیں اور چونہ کا ڈھیر سو گئے ہیں۔ ان کے ہزاروں نخورو درخت آگے ہوئے ہیں، اور جو باقی ہیں ان کی کیفیت یہ ہے، کہ ایک جہاز محل ہے، اس کی ہیئت یہ ہے کہ ایک تالاب پختہ ہے، اس کے بیچ میں ایک محل عالیشان بشکل جہاز بنا ہوا ہے۔ اس مکان میں جانے کے واسطے ایک پل تھا جو ٹوٹ گیا ہے، اور اسی کے قریب ایک محل ہفت منزل ہے، اس سے متصل ہندو لال محل ہے، یہ عجیب طرح کا مکان ہے، کسی بڑے ریاضی دان نے بنایا ہے، جس طرف دیکھو ایسا ترچھا اور جھکا ہوا معلوم ہوتا ہے کہ گویا گرا پڑتا ہے، اس کے قریب اصل محل کا مکان پختہ بہت وسیع ہے جس میں ہزاروں گھوڑوں کے تھان ہیں، اس کے بعد ایک باغ اور چہرہ کہ محل تھا جو اب منہدم ہے، آگے اس کے چینی مسجد تھی، جس میں چینی کا روغن کیا ہوا تھا، وہ بھی منہدم پڑی ہے کچھ دیواروں کے آثار باقی ہیں اس کے آگے بادل محل اور نقارخانہ تھا، اور سینکڑوں مکانات کا رخانہ شاہی کے تھے، کردہ اب، انھار ویتہ علی عرفہ شاہ پڑے ہیں، اس کے آگے دو بڑی باولیاں، اور حوالی مکانات منہدم پڑے ہیں، صرف ایک بنگلہ باقی ہے، آگے اس کے تالاب ہے اور چار محل کی عمارت تھی۔ اور کئی محل بنا ہوا تھا جس میں کہ معظہ کے مسافر اترتے تھے، اس کا صرف ایک دالان باقی ہے، اس کے آگے چمپا باؤلی ہے جس کے چاروں طرف زمین میں سہ منزلہ اور چار منزلہ اتنی بڑی وسیع عمارت ہے کہ جس میں تین چار ہزار آدمی بیٹھ سکتے ہیں، باولی کی عمارت نہایت خوبصورت ہے، شاید دوسری جگہ ایسی باولی نہ ہوگی، اس کے آگے کو کا تھال کے بہت سے مکانات ٹوٹے پڑے ہیں، (غالباً یہ وہی راجہ کا کوکا ہے جس نے علاء الدین خلجی سلطان دہلی کے سپہ سالار بن کر ملک ملتان سے مقابلہ کیا تھا، اور آخر ہزیمت یا ہوا) مولف اور ایک مقبرہ عالیشان کسی امیر کا بنا ہوا ہے پھر جامع مسجد ہے جس میں سنگسرخ اور کھمبے کہیں سنگ مرمر لگا ہوا ہے، دروازہ مسجد پر گنبد ہے، باہر سے مربع اندر سے ہشت پہل مسجد کے شمال و جنوب میں دالان در دالان، مشرق کی طرف مدرسہ عالیشان جانب مغرب مسجد صحن سنگین وسط میں حوض آب شیریں، دروازہ مسجد پر حسب ذیل اشعار کندہ ہیں۔ اشعار

مسجد عالی بناں معبد گروں مقام	ہست ہر کن حطیش ہر بیت الحرام
از در تنظیم قدرش چوں کوثر در حرم	قدسیاں اندر طواف و بحر و احترام
بانی اس بیت اقدس خسرو غوری شوگ	ثانی محمود و شہاب الدین ہمام
زاقضائے حادثات وہم ز اوضاع فلک	چوں برآمد آفتاب عمر او بالائے بام
گفت با محمود خلجی نور عین مغیث	از در روشن دلی آن شاہ دارا احتشام



ورتقی ہائے عمرانات و دفع دشمنان  
 ہم برائے ایتام مسجد جامع کہ من  
 طرح آن افگندہ ام چول مسجد والائے ہما  
 منظر انوار دین مرآت حاجات انام  
 ہم حکیم ایں وصیت ایں عمارت راتنام  
 واضح رہے کہ محمود خلجی کا لقب علاء الدین تھا، اور وہ ملک مہیش الدین المصطفیٰ سند عالی عظم  
 ہمایوں، شاہ عالم خاں کا بیٹا تھا اور ہوشنگ شاہ کا برادر خالہ زاد اس مسجد کے متصل شاہ عبداللہ  
 شطار کا مزار ہے، اور بہت سی پختہ قبریں اس کے گرد احاطہ میں واقع ہیں، قبرستان کے قریب ایک بڑا  
 محل بنا ہوا ہے، مکان کے ردیف و خانہ باغ تھا جو اب سراسر راغ ہو گیا ہے، اس کے آگے اشرفی محل  
 تھا، جس میں لاکھوں طلائی اشرفیاں جڑی ہوئی تھیں، تھوڑا عرصہ ہوا کہ ایک اشرفی ایک شخص کو ملی تھی اس نے  
 اندر آکر اجمہ دھار کے نذر کی ۳۰ ماشہ وزن تھا، کلمہ طیبہ اس پر نقش تھا، اب اس مکان کا نہ درجہ  
 نہ دیوار پتھر چوہ کا بڑا انار ہے، حضرت عبداللہ شطار کا مقبرہ سنگ مرمر کا بنا ہوا تھا، وہ گر گیا ہے  
 لوگ پتھر اٹھائے گئے، گھس کا سینچو بازار قریہ ماند میں گرہا ہوا ہے، اس پر پارچہ کی جھنڈی لگی ہوئی ہے  
 لوگ آلا اول کی سانگ یعنی برجی کہتے ہیں حضرت عبداللہ شطار غیاث الدین شاہ ماندہ کے عہد  
 میں خراساں سے آئے تھے، درویش صاحب حال تھے، جامع مسجد کے پیچھے شاہ ہوشنگ کا مقبرہ ہے، جس کو  
 محمود خلجی نے ۸۳۳ھ میں بصر زکیر تعمیر کرایا، اور اب تک قائم ہے، اس مقبرہ عالی کی کرسی بلند، ہشت پل  
 سنگ مرمر کی ہے، اور مداذہ کا احاطہ سنگ سرخ کا ہے، مقبرہ کے احاطہ میں سینکڑوں قبریں سنگیں سنگ  
 ہشی کی بنی ہوئی ہیں اور متعدد حجرے ہیں اور گنبد کے لداؤ اور دیواروں میں بحساب ہندسہ اور قواعد علم ریاضی  
 باریک سوراخ ہیں ان میں ہوا نفوذ کرتی ہے اور منجھ ہو کر ہمیشہ قطرات آب گنبد سے ٹپکتے ہیں، عوام اس کو  
 شاہ ہوشنگ کی کرامت تصور کرتے ہیں، اس گنبد میں جب کوئی بات کرتا ہو تو ہوا اس قدر گونجتی ہے کہ کسی  
 اور گنبد میں نہیں سنی گئی، اس مقبرہ کے مغرب میں ایک بڑا انگر خانہ بنا ہوا ہے، جس میں ہزاروں فقراء اور  
 محتاجوں کو کھانا ملا کرتا تھا، مسجد جامع اور احاطہ مقبرہ سے ملحق ترپو کیا تھا، وہ گر گیا ہے، مگر دروازوں کے  
 نشانات باقی ہیں، آگے اس کے ساغر تالاب ہے، جس کو اب ساگر تال کہتے ہیں اس کے آگے بازار، اور  
 شہر کو سوں تک آباد تھا، جامع مسجد سے جنوب کی طرف جو شہر تھا، وہ بالکل ویران ہے، صرف دریا خاں  
 کا مقبرہ اور چند تالاب باقی ہیں۔ بھیلوں کی زبانی معلوم ہوا کہ تالاب کا نام موتی چور ہے، اور ایک کا نام رنگ  
 راکا تالاب تھا، اس تالاب پر اکبر خاں کا مقبرہ ہے اس کے ستون شکل پائے پھیل میں، اور آگے اس سے  
 دریا خاں کی بنی کا مقبرہ ہے، پھر معانی خاں کا مقبرہ پھر مسجد باوٹی پھر خلجی خاں کا مقبرہ اور اعظم ہمایوں کا مقبرہ  
 ہے، اس کے بعد لالہ باغ تھا جس کی روشوں کا کہیں کہیں پختہ نشان باقی ہے، بعدہ دور تک عمارت کے نشانات پائے جاتے ہیں

پیر ایک مسجد عالیشان ہے جس پر یہ نظم کندہ ہے

بفال خوب و وقت سعد و رخ سال و مہ انور  
سنین سی و پنج و ہشت صد سال از میں ہجرت  
کہ شد این مسجد اسلام را بنیاد و در عالم  
بنائے مسجد عالی معیث الدین والدین  
ز دست ہمت او شد مرتب این چنین مسجد  
مرتب شد بہ سلج ما و سوال این بکے خیر و بابرکت  
مزیں کرد شان خطبہ محمود شہر والا  
چہارم ماہ شہر اشد روز جمعہ سعد اکبر  
شمرده بود روز ماہ در حکم عرب یکسر  
کہ سقف و گنبد او سود سرا گنبد اخضر  
الغ اعظم ہمایوں خاں ہفت اقلیم و ہشت  
کہ کس در الاماں خواند کہے کعبہ کند باد  
کہ یاد این خیر اندر نامہ اعمال خاں مضر  
بود این بر زمین کوہ تا ماند بہ چرخ اختر

اس مسجد کے برابر ایک سرائے پختہ وسیع بنی ہوئی ہے، اور بجانب مغرب ساگر تال اور دو مقبرے  
فیل پاؤں کے ہیں اور بجانب راست ایک وسیع امام باڑہ تھا جو اب مہدم ہو گیا ہے، صرف ایک دالان  
سبیل خانہ کا باقی ہے، اس پر کندہ ہے و دم آب بخور بیا حسین، یہاں سے تھوڑی دور پر پہاڑ کے نشیب  
میں ایک مکان سنگین ہے کہ جاچا اس میں سے پانی جبر تاسے، اور حوضوں میں فراہم ہوتا ہے یہ مکان تھا  
دلچسپ اور پر فضا ہے، اس پر یہ بیت کندہ ہے

توان کردن تمامی امر و مفروض آب و گل  
کہ شاید یک دے صاحب دے این جا کند منزل

اور نیچے اس بیت کے (مظفر خاں ۹۸۲ھ) کندہ ہے، اور ایک پتھر پر یہ عبارت کندہ ہے (جلوس  
۹۸۲ھ موافق ۱۵۷۴ھ ہجری اعلیٰ حضرت جہاں پناہ فلک بار گاہ نعل اشد اکبر شاہ متوجہ فتح و کن بودند بایجا  
عبور افتاد) اور ایک جانب یہ اشعار کندہ ہیں

تا کہ کوئی بچرخ شد خانہ ما  
زافسانہ دیگران بیا عبرت گیر  
دیدم چندے شمسہ در وقت پلنگ  
فریاد کنار روئے ہجرت ے گوشت  
خندند با و بر دل دیوانہ ما  
زاں پیش کہ بشوند افسانہ ما  
برنگرہ مقبرہ نوشیدہاں شاہ  
کو آں حشمت و منال و آن جاہ

اس کے نیچے پہاڑ کے غار میں بیرم دیو کی سرائے اور شیریں بیگم دختر سلطان محمود غلجی ثانی کا سنگ مر  
کا بانی دار مقبرہ نہایت عمدہ بنا ہوا ہے، اس کے پاس دو مقبرے اور ایک مسجد اور میں اس کے یکے چھوٹا  
قلعہ بنا ہوا ہے، اس کے اندر دو حوض ایک تالاب سنگین و حمام کلاں باقی، اور بقیہ عمارت مہدم ہے  
اور ۳۴ ضرب توپیں پڑی ہیں اور پیر ایک بلند ٹیکری پر ایک مسجد اور غیبی شاہ کی قبر ہے، اور ساگر تال محل۔  
(نیل کند محل ہفت منزلہ جس کی تعریف جہاں گیر شاہ نے ترک میں لکھی ہے) (باقی بر صفحہ ۴۲)

اشتبہا مشہور ہوا کہ ہوشنگ شاہ نے اپنے باپ کو زہر دے کر شہید کر دیا  
یہ خبر سنتے ہی مظفر شاہ گجراتی، سلطان گجرات، اپنے رفیق دلاور خاں غوری کے انتقام خون  
کے حیلہ سے، فوجی سپاہ لئے ہوئے مالوہ کی طرف متوجہ ہوا،

ہوشنگ شاہ اس وقت تک قلعہ دھار میں شاہی حیثیت سے مقیم تھا، گجراتی لشکر  
کی آمد کی خبر سنکر قلعہ سے باہر نکلا، دو برابر کے حریفوں میں مقابلہ شروع ہو گیا، فریقین  
نے مردانگی اور فنون حرب کے اعلیٰ اعلیٰ جوہر دکھائے، مظفر شاہ پہلے زخمی ہوا، اس کے  
بعد میدان جنگ میں ہوشنگ شاہ زخم کھانے لگا، دونوں شیر زخمی ہو کر  
اور زیادہ پرجوش نظر آنے لگے، عرصہ تک موت کی گرم بازاری رہی، ہزاروں مہمیں کسیت  
رہیں، چونکہ مظفر شاہ کا اسم ذاتی مظفر تھا، اس لئے صفاتی جنگی کارناموں کی بدولت

(یعنی صفحہ ۴۱) اب مٹی کا ڈھیر ہے، اس کے قریب دارالشفاء سلطان محمود غزنوی کا ہے۔ جس کو سلطان  
موصوف نے ۸۹۹ء ہجری میں تعمیر کرایا تھا، اور جس میں ہزاروں مرلین زیر علاج رہتے تھے، حکیم فضل اللہ  
المخاطب حکیم الحکمران کا مقیم تھا، انتہائی قلعہ پر ناصر الدین ماندی بانی عمارت کا لیہ دیہہ اور حین  
کا محل ہے، یہ مکان بالکل منہدم ہے، پانچ بڑے دروازے باقی ہیں، اور ایک حوض جس کو  
ریوا کھنڈ کہتے ہیں، اس محل کے باب کبیر پر ایک کتبہ تھا، اس کا پتھر ٹوٹ گیا ہے، سطر آخر جو  
باقی ہے وہ یہ ہے، (السلطان العادل الاعظم الخاقان العالم ناصر الدین شاہ ۹۱۴ھ اور بہت  
سے حملات کھنڈ پر پڑے ہیں، ایک طرف پہاڑ کی ترائی میں اترنے کے لئے سات سو سنگین زینے بنے  
ہوئے ہیں، سو تالاب سے زائد ہیں، اگر فی تالاب پچاس ہزار کی لاگت سمجھی جائے تو صرف تالابوں  
کی لاگت پچاس لاکھ کی ہوتی ہے، دیگر شاہی عمارات کروڑ ہا روپیہ کی ہوں گی جن کا نشان باقی رہ گیا ہے، ہر  
سرتاجان مالک صاحب رینڈیٹ ڈپارٹمنٹ مالوہ کی یادداشت مطبوعہ ۱۸۲۳ء کے مطابق ماندو گڑھ  
کے رقبہ کی تقسیم حسب ذیل ہے،

غیر مزدع سے مزدع - معانیات - آبادی - چھوٹے تالاب - بڑے تالاب - لال باغ شاہی - سرانسی - حملات  
۲۵۵۵ بیگہ ۸۳۵ بیگہ ۱۶۵ بیگہ ۲۲۵۸ بیگہ ۲۶۳ بیگہ ۹۱۰ بیگہ ۲۰۰ بیگہ ۳۰۵ بیگہ ۵۰۰ بیگہ  
شاہی - چارباٹ - مساجد - باغات - پہاڑیاں - حمام - بازاریں - کل رقبہ  
۲۰۵ بیگہ ۳۶۳ بیگہ ۲۳۵۵ بیگہ ۱۳۴ بیگہ ۱۱۸۴۲ بیگہ

سہ یہ وہی مظفر شاہ بن وجیہ الملک ہے، جسے سلطان محمد شاہ نے ناظم گجرات مقرر کیا تھا ۹۹۹ھ میں  
اس نے خود مختاری کا اعلان کیا، اس کے خاندان میں ۱۹ سال تک بادشاہی رہی ۱۲ مولف

بھی، معرکہ جنگ میں مظفر ہوا، نصرت نے ہاتھ چومے، اقبال تسلیم کو جھکا اور ہوشنگ شاہ برابر کا حریف قید میں آیا،

سلطان گجراتی، اس فتح کے بعد اپنے بھائی خان اعظم نصرت خان کو حاکم و صابر مقرر کرے اور ہوشنگ شاہ کو ہمراہ لئے ہوئے، گجرات واپس آگیا، یہاں مالوہ میں رعایہ اور امرا نے ہوشنگ شاہ کے برادر عم زاد موسیٰ خاں کو حکومت کے لئے منتخب کر لیا، خان اعظم معطل رہ گیا، ہوشنگ شاہ، چچا زاد بھائی کی امارت کی خبر سن کر قید خانہ میں زنجیریں تڑانے لگا، شاہ گجرات سے معافی کی درخواست کی، اور آئندہ کے لئے دوستی کا عہد و پیمان کر کے باعانت احمد شاہ سردار گجراتی سید بادشاہ کو روانہ ہوا، فوجی قوت اور اس کے دباؤ سے آخر کار اپنا آبائی تخت موسیٰ خاں واپس لینے میں کامیاب ہو کر فیروز مہمانہ دوبارہ سرپر مالوہ پر جلوہ افروز ہوا،

مگر ہوشنگ شاہ بہت جلد احسان فراموش ثابت ہوا، اور مظفر شاہ گجراتی کا انتقال ہوا، اور ادھر اس نے ۱۱۳۷ھ میں احمد شاہ ابن مظفر شاہ پر فوج کشی کر دی اور یہ نہ سمجھا کہ

ہنال دوستی نشان کہ کام دل ببار آرد  
ورخت و شمنی برکن کہ رنج بے شمار آرد

گو نتیجہ جوش و خروش کے ساتھ پیش قدمی کا کچھ نہ نکلا، خود زحمت اٹھائی افواج نے تکلیف برداشت کی، فوجی نقصانات علیحدہ ہوئے تاہم تاریخ عالم کے صفحات میں احسان کشی کا یہ واقعہ یادگار باقی رہ گیا، اس کے بعد بھی چند بار ایک نے دوسرے پر حملے کئے مگر فیصلہ کن نتیجہ کچھ نہ نکلا، سلطان ابراہیم شرقی والے جو نیوے سے بھی لوگ جہونک رہی لہ احمد شاہ بڑا صاحب حوصلہ بادشاہ گزرلے، گجرات میں اس نے دریائے ساہیوتی کے کنارے احمد آباد شہر آباد کیا، جس کا اُس زمانہ میں جواب نہ تھا، محمد قاسم فرشتہ کا قول ہے، (اگر گفتہ شود کہ در تمام ہندوستان بلکہ در کل جہان باں عظمت و آراستگی شہرے موجود نہ شدہ مبالغہ نبودہ باشد ۱۲

اس میں شک نہیں کہ ہوشنگ شاہ با حوصلہ، جوان مروا، اولو العزم، ہوشمند اور فاتح، سلطان گذرا ہے، اس نے فتوحات پر مکر باندھی تو پہلے حملے میں قلعہ کبیرہ، سارنگ گڑھ فتح کیا، پھر کاپسی پر حملہ کیا اور وہاں اپنا نائب مقرر کر کے واپس آگیا تاہم اضلاع مالوہ کو اس نے زیر نگین کیا، ملک مغیث الدین کو ملک الشرق کا خطاب دے کر اپنا دستور اعظم بنایا، جہات ملکی کی طرف بھی خاص توجہ رہی، تعمیرات کا بھی شوق رہا، ۳۰ سال سلطنت کر کے ۸۳۸ھ میں دنیا سے رخصت ہو گیا، آہ ہوشنگ شاہ نمائد، مادہ تاریخ وفات ہے، ساحل نرپدا پر ہوشنگ آباد، جو ایک ضلع ہے، اسی سلطان کا آباد کیا ہوا ہے، ہوشنگ شاہ میں گو بہت سے ادعا تھے مگر زندگی کا اخیر نتیجہ فنا ہے، نظم

کجا بند شاہانِ جم اقتدار	ز ہوشنگ و جم تابا سندیار
فریدوں و کھیر و جام کو	کجا رفت شاپور و بہرام کو
ہمہ خاک و ارنہ بالینِ خشوت	خاک آنکہ جز نام نیکی نہ کشت

(فردوسی)

### (۳) محمد شاہ ابن ہوشنگ شاہ

غزنی خاں نام تھا، باپ کے ارتحال پر سلطان محمد شاہ کے لقب سے تخت نشین ہوا جو کام اس نے سب سے پہلے انجام دیا، وہ ایک حقیقی بھائی کا خون اور دوستیوں کی آنکھوں کی، بصارت کا معدوم کرنا تھا، تاج و تخت کی ہوس نے ایسے سینکڑوں واقعات تاریخ عالم کے صفحات پر نقش کئے ہیں، افسوس کہ

شریب سلطنت و جاہ چناں شیرین است، کہ شہاں از پے او خون برادر ریزند

اس قابل نفرت کام کے بعد اس نے بزم عیش و عشرت کو رونق دی، کام اچھا نہ تھا، رعایہ اور امراتے متفرس ہوئے کشیدگی بڑھتی گئی،

بالآخر محمود خاں ابن ملک الشرق وزیر نے زہر دے کر ظالم کے وجود سے ملک

کو پاک کیا، اسی لئے، حکمائے کہا ہے،  
 خون آلودہ دلاں را از پئے ملک مرین  
 کہ ترانیر ہماں جبر سے بساغریریند  
 مدت حکومت ایک سال ۵۶۶ھ،

### (۴) سلطان محمود غلجی ابن ملک الشرق اعظم ہایو

۵۶۹ھ میں محمود نے غوری سلطنت کا خاتمہ کر کے، غلجی سلطنت کی بنیاد ڈالی، فزائیگی  
 تدبیر، شجاعت، سیاست، فتوحات، شان و شوکت، شکوہ عظمت، عدل و سخاوت، میں  
 اس کو نہ صرف تمام سلاطین مالوہ بلکہ ہندوستان کے دیگر شاہان، معاصرین پر بھی شرف  
 امتیاز و تفوق حاصل تھا، اس کی حکومت کامیاب حکومت تھی تخت شاہی حاصل کرنے کے بعد  
 نابھ قلوب کے سلسلہ میں سب سے پہلے امرائے دربار اور خاندانی اراکین کو کثرت  
 سے جاگیریں دیکر اپنا رفیق بنایا، پھر سبھی خانہ جنگیوں کے کانٹوں میں سال بھر تک الجھا رہا،  
 آخر کار اقبال کی یاوری سے بساط حکومت صاف کرنے میں کامیاب ہوا،

جب اقصائے مالوہ پر اس کا کامل تسلط ہو گیا تو اس نے فتوحات کا علم ہاتھ میں لے کر  
 ملحق الحدود و علاقوں پر تاخت شروع کر دی، رفتہ رفتہ شہرت اور مقبولیت یہاں تک پہنچی کہ ۵۹۹ھ  
 میں امرائے دہلی نے اس کے ہاتھ پر بیعت خلافت کا اظہار کیا، یہ سنتے ہی سلطان فوج لے کر  
 دہلی روانہ ہو گیا محمد شاہ، شاہ دہلی نے مقابلہ کیا، باہم جنگ ہوئی آخر کار شاہ دہلی نے علما  
 کو درمیان میں ڈال کر مصالحت کرنی،

سلطان ہوشنگ شاہ کا خالہ زاد بھائی تھا، اس کی ایک بہن سلطان محمد شاہ ابن ہوشنگ شاہ  
 کو بھی منسوب تھی ۱۲  
 ۱۳ھ محمد شاہ بن فرید شاہ، بن بھڑناں، شخص ہے جسے سلطان محمد شاہ تغلق نے حاکم ملتان کیا تھا، امیر تیمور کی امداد  
 جہربانی سے دہلی کا تخت اسے نصیب ہوا، محمد شاہ نے ۵۳۹ھ میں تخت نشین ہو کر ۵۴۹ھ میں وفات پائی ۱۲

۸۶۶ھ کے آغاز میں سلطان محمود چتوڑ پر حملہ کرنے کے قصد سے نکلا، اور اس جوش و خروش کے ساتھ لکھنؤ کا جس قدر علاقہ سامنے آیا وہ فوجی سیلاب کے آگے پامال تھا، چتوڑ کے قلعوں میں سے "کوہل میر" قلعہ نہایت سنگین قلعہ تھا، پہلا حملہ اس پر ہوا، ایک ہفتہ کی متواتر یورش کے بعد اسے خالی کر لیا، رائے کنہیا، شکست کھا کر چتوڑ کے قلعہ میں متحصن ہوا، اعظم ہمایوں ملک الشرق (سلطان کے باپ) نے اسی زمانہ میں مندر سور میں انتقال کیا، سلطان پر فراق پیسی کا گہرا اثر ہوا، فوج کو اپنی جگہ چھوڑ کر مندر سور آیا اور باپ کی نصیحت کو بھلا کر مانتہ روانہ کر کے آپ خود چتوڑ واپس آگیا بارش کا آغاز تھا، مشکلات سامنے تھیں اس لئے خود بھی ماند چلا آیا،

۸۶۵ھ میں کاپی کا رخ کیا، والی جو پور سے مقابلہ ہوا اور پھر صالحت کر کے لوٹ آیا، ۸۶۶ھ میں قلعہ مندر گڑھ پر دبا و گیا، راجپوتوں سے خونریز جنگ ہوئی، آخر کار سالانہ خراج پر قلعہ سے دست بردار ہوا، اور پھر وہاں سے یلغار کرتا ہوا مشہور قلعہ بیانہ پر پہنچا، محمد خاں قلعہ دار نے نذرانہ دے کر صلح کر لی، اور بجائے شاہ دہلی کے سلطان محمود کے نام کا خطبہ بیانہ میں پڑھا جانے لگا، مراجعت کے وقت وہ قلعہ اندپور، متصل قلعہ زہنبور کو، مفتوح کیا، وہاں سے چلا تو راجگان کو قلعہ اور بوندی سے ایک لاکھ ۵۰ ہزار ٹنکہ (سکہ مروجہ) نذرانہ میں وصول کرتا ہوا، دارالسلطنت کو واپس آگیا،

۸۶۵ھ میں ایک لاکھ سواروں کی جمعیت کے ساتھ گجرات پر حملہ آور ہوا، فتح کے بعد بعض افسروں کی نادانی و غفلت سے ہرمیت نصیب ہوئی، تمام لڑائیوں میں یہ پہلی شکست ہے جو سلطان کو ہوئی، لیکن،

سلطان محمود شاہ نام تھا ۸۶۲ھ میں فوت ہوا، ۱۲۱  
 ۱۲۱ھ بیانہ موجودہ زمانہ میں ریاست بھرت پور کے علاقہ میں، بی، بی، سی، آئی ریلوے تنگش اگرہ کی شاخ پر واقع  
 اپنی ہستی کے زمانہ میں مشہور قلعہ اور رانا ساگا کا فوجی مرکز تھا، ۱۲  
 ۱۲۱ھ ٹنکہ اوس زمانہ کا سکہ ہے، جو موجودہ سکہ کلدار کے ۱۰ کے برابر تھا، ۱۲

عینے نہ بود شکست مردان ہنراست

۸۵۸ھ میں مانڈو کی چار دیواری سے پھر لکھا، نواح ہاروتی کے راجپوتوں کو زیر کرتا ہوا  
۱۷۵۴ء واپس آگیا، اور اسی سال قلعہ ماہپور ملک برابر پر فوج کشی کی، وہاں سے کامیاب ہو کر چٹوڑ،  
کی طرف دوبارہ آیا، رانا کنہیا پہلے ہی حملہ میں مرعوب ہو چکا تھا، اس لئے کثیر رقم نذرانہ میں  
دے کر اپنا ملک اس نے بچا لیا،

۸۵۹ھ میں سلطان دوبارہ منڈسور کی طرف متوجہ ہوا، وہاں پہنچ کر قلعہ کا محاصرہ  
کر لیا، ابھی مصروف محاصرہ تھا کہ اکابرین اجیر کا خط ہنود کی شکایت میں سلطان کے پاس پہنچا تو  
محاصرہ چھوڑ کر لغیرم جہاں، اجمیر کو روانہ ہو گیا، راجپوتوں سے چار روز تک خونریز جنگ رہی،  
پانچویں روز اور بھی سخت لڑائی پڑا، گجادر کی سپہ سالاری میں راجپوتوں کی تمام فوج شہر اور  
قلعہ سے نکل کر میدان میں صف آرا ہوئی، مخالف کی کثرت سے سلطان کی جبین استقلال پر نا  
امیدی کی شکن تک نہ پڑی، اسلامی سپاہ کو لڑاتا اور آگے بڑھاتا ہوا خود دفعتاً قلب  
دشمن میں پہنچ کر توحید کے زلزلہ افکن نعروں کے ساتھ کچھ ایسے جنگی کرتب دکھائے کہ دلاور راجپوتوں  
کو مغلوب ہونا پڑا، اور سلطان کو غالب، سچ ہے،

ہر سرے را کہ خود برافرازی

نا توانی ز پائیندازی

سلطان فاتحانہ اجمیر میں داخل ہو کر حضرت خواجہ صاحب کے مزار اقدس پر فاتحہ  
خوانی کو گیا، اور فتح اسلام کی مسرت میں ایک مسجد کی بنیاد ڈالی، اس کے بعد خواجہ نعمت اللہ  
کو اجمیر کی حکومت سپرد کر کے خود قلعہ منڈل گڑھ کی طرف روانہ ہو گیا۔

رانا کنہیا سے جنگ ہوئی، کشت و خون کے سوانت سچ کچھ  
نہ لکھا، بارش کا زمانہ آچکا تھا اس لئے سلطان لوٹ آیا

۱۷۵۴ء منڈسور شاہی زمانہ میں مالوہ کا ایک ضلع تھا، اب ریاست گوالیار کے محکومانہ رقبہ میں جاوڑہ کے قریب ہے، ۱۷  
۱۷۵۴ء کرنل ٹاؤ صاحب کتاب راجستان میں لکھتے ہیں، کہ رانا نے محمود پرتھوی کی (باقی بر صفحہ ۴۸)



اولو الغرمی اور فتوحات کا خوش دیکھو کہ تیسری مرتبہ پھر ۸۶۲ھ میں منڈل گڈھ پہنچا نہایت سخت محرکہ کے بعد قلعہ فتح کیا، مگر مہرت و فیاضی دیکھو کہ مفتوح قلعہ رانا کو، واپس دے کر مارتھو چلا آیا،

۸۶۳ھ میں دو نگر پور پر دھاوا کیا، اور نذرانہ لے کر واپس آگیا، اس کے بعد دو سال تک برابر ملک دکن پر حملہ کرتا رہا، نظام شاہ ہمینی نابالغ اس وقت دکن کا فرماں روا تھا، اس نے قلعہ کہیر، ایلچپور، اور علاقہ گوندوانہ سلطان کو دے کر صلح کر لی، ان حملوں کے علاوہ اور بھی متفرق محلے غیر علاقوں پر سلطان نے گئے ۱۲ اور ہمیشہ کامیاب رہا،

**انجام** سلطان محمود اول ہر آئینہ محمود اعظم کے خطاب کا مستحق ہے، اس کے کارناموں پر نظر کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ قدرت نے اس کو خاص جنگی قالب میں ڈھالا تھا، عیش و آرام فرحت و انبساط کی نصیب سے اس کا محل سرا، خالی تھا، ایک سال بھی اس نے آرام سے بسر نہیں کی، اس کی زندگی جنگی زندگی تھی اور مشغلہ فتوحات، تمام ملحق الحدود علاقے اس کی بازیگاہ تھے، اس کا محل سرا جنگی خیمہ تھا، اور بزم عیش میدان جنگ، چنگ و زباب کی جگہ جنگی تقاررے تھے، اور حسینوں کے بچے عروس تیغ رفیق و ہمد تمی،

باوجود ان تمام مشاغل کے نظام سلطنت پر قادر تھا، اور سلطنت کو اس عروج پر پہنچایا کہ اس کے معاصرین حیرت زدہ تھے، رعایہ سلطان سے مانوس، اور سلطان رعایہ کا دلدادہ تھا،

(بقیہ صفحہ ۴۹) یادگار میں ۹ لاکھ اشرفی صرف کر کے ایک منار بنوایا تھا، جو چٹوڑ میں آج بھی قائم ہے تعجب ہے کہ دانی چٹوڑ کی فتحیابی کی شہادت تاریخی اوراق میں درج نہیں ہے، کیا عجیب کہ سلطان محمود کی مراجعت کو اس نے اپنی کامیابی سمجھ کر لوگوں کو خوش کرنے کے لئے منار بنادیا ہو، ورنہ باعتبار تاریخی شہادت، رانا ہردف مغلوب ہوا ہے، ۱۲ مؤلف

انسدادی و انتظامی تدابیر میں کامل، پولیٹیکل اور سیاسی مصالح میں ماہر، علوم و فنون کا عاشق، بزم عدالت کا خوشنیر والی عادل، اور فیاضی میں بابر گوہر بار تھا، سینہ میں اسلامی درو، دل میں مظلوم و کمزوروں کی محبت، اور محبت میں جذبہ انخلاص رکھتا تھا،

تعمیرات سے بھی خاص دلچسپی تھی، ۸۳۳ھ میں روضہ ہوشنگ شاہ کی بنیاد قائم کر کے اسے ایسا لا جواب و بے نظیر بنوایا کہ شاہانِ تیموریہ بھی اپنے کمال عروج و تمدن کے زمانہ میں ویسا نمونہ قائم نہ کر سکے، کسی ریاضی داں میر عمارت نے روضہ کے گنبد کو کچھ ایسے قاعدے سے مشتبک کیا ہے کہ ہوا سوراخوں میں نفوذ ہو کر منجمد ہوتی ہے اور اس سے قطرات آب بن کر آج تک تعویذ قبر پر تقاطر ہو رہا ہے، جس کو اب تک ۵۰ سال کا زمانہ گزر چکا ہے، عوام اس کو ہوشنگ شاہ کی کرامت سمجھتے ہیں،

جامع مسجد جس کی بنیاد ہوشنگ شاہ نے قائم کی تھی، اس کو اعلیٰ صنعت و وسعت کے ساتھ مکمل کیا، جس میں ۳۳۰ منار، ۶۰ محرابیں، اور ۳ گنبد تھے، مدارس، دارالشفاء، مہمان سرائیں، شاہی آیوانات، وغیرہ، مختلف عمارات علاوہ ہیں ہفت منظر بنیاد ۲۵ گز بلند ایک ایسی بے مثل عمارت تھی کہ جس کو دیکھ کر شہنشاہ نور الدین جہانگیر حبیباً تقاد حیرت زدہ رہا، بہترین مدبر اور ناظم حکومت ہونے کے ساتھ علما، فضلا کا پرستار اور طلبہ علوم کا ملجاء و ماویٰ تھا، اپنے حدود سلطنت میں بکثرت مکاتب و مدارس قائم کئے، علما و فضلا اور دیگر کالمین فنون، سلطانی قدر دانی کی کشش سے دارالسلطنت مانڈو میں اس کثرت سے جمع تھے کہ اس وقت مانڈو شیراز ثانی تھا، فرشتہ لکھتا ہے،

(چون سلطنت یاد قرار گرفت و تربیت علما و فضلا کو شید و مدارس ساختہ از رباط اطراف عالم فرستاد و مستعدان را طلب داشت و بالجملہ بلاد مالوہ یونان ثانی گشت)

ہندوستان سے باہر بھی سلطان کے کارناموں کی جھلک پہنچی، شاہ بخارا نے سفیر بھیج کر

سلطنت ترک جہاں گیری جلوس و دوازدہم ۱۲-

فتوحات و کامیابیوں پر، مبارک باد پیش کی،  
 خلیفہ المستنیر علیہ السلام، عباسی نے مصر سے خلعت و منشور خلافت بھیج کر خطاب  
 محافظ المسلمین سے سلطان کو مفتخر کیا،

انقلاب زمانہ کی تصویر کا یہ دوسرا رخ بھی دیکھنے کے قابل ہے، کہ دارالسلطنت  
 ماندہ جہاں لاکھوں نفوس کی آبادی تھی، جہاں بے مثل و سر فلک شاہی ایوانات تھے  
 جس کا آستانہ آستانہ کرم، جس کا باب، باب رحمت تھا، جس کا گوشہ گوشہ  
 فوارہ فیض، اور جس کا سطحہ خاک چمنستان ارم کا جواب تھا، جس کا چشمہ چشمہ آفتاب  
 اور جس کا کاغذ عدل ثانی، باغداد تھا، جس کے در و دیوار پر نور سایہ فگن، اور جس کے  
 بسج مشرق پر نشان محمودی زرافشاں تھا، آج اس کی ویرانی و بربادی کا یہ عالم ہے،  
 کہ بجائے نفوس انسانی کے شیر اور چیتوں کا مسکن، اور عناد دل کی جگہ زاغ و زغن کے  
 نشین ہیں، نہ قصور شاہی کا پتہ ہے، نہ اُن کے باہمت بانیوں کا، نہ باغات ہیں، نہ  
 باغباں، نہ مجالس عشرت ہیں، نہ سلاطین عشرت کیش، کچھ شکستہ دیواریں ہیں جو دنیا  
 کے حدود کا عبرتناک منظر ہیں،

بسا کاخ کہ محمودش بنا کرد کہ از رفعت تفاخر بر ما کرد  
 نہ بینی زان ہمہ یک خشت بر پائے نعلے محضری ماند است بر جائے  
 اس شہر و مدبر سلطان نے ۳۴ سال کامیاب سلطنت کر کے ۸۶۳ھ میں  
 ولایت حیات خالق کائنات کے سپرد کی، لیکن یہ

۱۔ ابو الحسن یوسف المستنیر بالله قلعائے عباسیہ مصر کے سلسلہ سے، بادشاہوں اور خلفائے  
 عباسیہ بغداد کے سلسلہ سے انچاسواں خلیفہ گذرا ہے، ۸۵۹ھ میں تخت نشین ہو کر ۸۸۲ھ  
 میں وفات پائی، ۱۲ (الہارون)  
 ۲۔ قلعہ تاریخ وفات یہ ہے، شہر والا قدر سلطان محمود، چو شد از امر حق راحت گزینے، بہر سپید  
 ز با لاف سال تاریخ، نہ اند کہ شد حجت نشینے، (مفتاح التواریخ)

زندہ است نام فرخ نوشیرواں بعد  
گرچہ بسے گذشت کہ نوشیرواں نامد

(سعدی)

## سلطان غیاث الدین خلجی

(۵)

سلطان محمود خلجی کا بڑا بیٹا تھا، باپ کی وصیت کے مطابق ۸۴۹ھ میں سرکارا  
مالوہ ہوا، باپ نے جس جفاکشی کیساتھ حدود سلطنت کو وسعت دی تھی، اس کی فتوحات کا پھل  
بیٹے کے حصہ میں آیا، زندگی بھر عیش و عشرت سے گزری نہ خود کبھی غیروں کے ملکوں پر  
حملہ آور ہوا، نہ دوسرا اس کی بزم ناز میں خلل انداز ہوا، باپ عمر بھر علامہ سعدی شیرازی  
رحمۃ اللہ علیہ کے، اس ناصحانہ و حکیمانہ گفتار پر کار بند رہا تھا۔

نہ از ہیراں می ستانم خواجه کہ زیور کنم بر خود و تخت و تاج  
چو بچوں زناں حسد بر تن کنم بھری کجا د فح و شمن کنم  
اس کے برعکس یہاں جب شیراز سلطنت ملکی کاروبار کی طرف توجہ دلاتے،  
تو ان کو یہ جواب ملتا،

ماقتلہ سکت درو دار خواندیم از با نجر حکایت اہل وفا میسر  
دہلی کے محمد شاہ رنگیلے کا حسن کردہ اس سلطان کے یوسف کردہ کے سامنے ماندو  
بے رونق تھا، ماندو دار السلطنت کا نام، اس کی نفاست و لطافت آگین طبع نے تشاہد  
آباد سے تبدیل کیا، اس میں ذرا بھی شک نہیں، کہ اُس وقت ماندو، شاہ آباد ہی تھا، جہاں  
پری میگوں کا نقشہ یہ تھا،

ہمہ دخت ترکان پوشیدہ بے ہمہ سر و قد و ہمہ شک بے  
ہمہ رخ پر ازل، ہمہ چشم خواب ہمہ لب پُر از می بوسے گلاب  
اس سلطان کے باپ سلطان محمود خلجی کے کارنامہ رزم کے ساتھ اس کی داستان

بزم بھی سننے کے قابل ہے، تخت نشینی کے بعد ایک خاص جشن ترتیب دے کر اس نے تمام اراکین سلطنت کو مخاطب کر کے کہا کہ باپ کے ساتھ ۴۴ سال تک فتوحات میں، میں نے بھی بہت زحمت اٹھائی ہے، اب وقت آگیا ہے کہ آسائش دامن کے ساتھ میں اپنی بقیہ زندگی گزاروں یہ وعظ کہہ کر اس نے اپنے بیٹے عبدالقادر کو ناصر الدین کا خطاب دے کر وکیل سلطنت بنایا، اور خود محل سرائے شاہی میں مصروف عیش و عشرت ہو گیا، مورخین نے لکھا ہے کہ سلطان کے حرم شاہی میں آزاد، کنیز، اور راجاؤں کی لڑکیوں کی تعداد دس ہزار سے کم نہ تھی اور عورتوں کو اس نے اسی طریقے کے ساتھ مناسبت و عہدے دے کر جس طرح مردوں کو دے جاتے ہیں، شاہی محل کی چار دیواری میں ایوان حکومت قائم تھا جس کی منتظین بھی وہی مازنینان حرم تھیں، اس نے عورتوں کی محل کے اندر ایک فوج بھی مرتب کی تھی جس کی شان یہ تھی کہ (۵۰۰) ترک عورتوں کو مردانہ لباس پہنا کر اور ان کو تیر اندازی کی تعلیم دے کر اپنے میمنہ میں بٹھادی، اور ان کا نام سپاہ ترک رکھا، میسرہ کے لئے (۵۰۰) عورتیں حبشی منتخب ہوئیں جن کو قنفذ بازی، اور شمشیر بازی سکھلائی گئی،

باقی دیگر حسیان عالم کو دیگر علوم فنون مثل حکمت، نجوم، فہم، حدیث، زرگری، آہن گری، زر ووزی، محل سازی، تجارتی، گشتی گیری، تیرگری، کمان گری، کونہ گری، جامہ بانی، خیاطی، کفش دوزی، ترکش دوزی، شعبہ بازی، وغیرہ کی تعلیم دی گئی، جس میں انہوں نے کمال پیدا کیا،

خاص محل سرائے میں ایک بازار بھی قائم کیا تھا، شہر کے اندر جو چیزیں فروخت ہوتی ہیں وہ سب اور ان سے بہتر نمونوں کے سامان، اس مینا بازار میں بھی موجود ہوتے اور خود مالوہ کا تجارتی انداز اس حسن زار کے بازار میں گلگشت کرتا نظر آتا،

یہ عجیب بات ہے کہ سلطانی محل سرائے میں عہدے اور مناصب کے اقتدار کے لحاظ سے تنخواہ اور وظیفوں میں کوئی فرق نہ تھا، بلو میہ ہر ایک کو نقد و ٹکے اور وسیع غلہ دیا جاتا، یہی وظیفہ محل کے اندرونی جانوروں کا بھی معین تھا، ایک مرتبہ محل میں ایک چوہا نکل آیا، اس کے لئے بھی اسی قدر وظیفہ مقرر ہو گیا، جو اس کے بل پر ڈال دیا جاتا کرتا،

تفریح و انبساط کے وقت ممانعت تھی کہ کوئی رنج و ہمدردی اور وحشت خیز منہ سے بات نہ نکالی جائے، جس اعلیٰ اعیش و نشاط کے ساتھ اس نے اپنا ۳۳ سالہ عہد حکومت بسر کیا ہے۔ اس کی نظیر نہیں ملتی،

یہ سب کچھ ہو و لعب گوزندگی کے روزانہ مشاغل تھے، لیکن نہایت پابندِ صوم و صلوٰۃ، بیحد کریم النفس، اور انتہا درجہ کا حلیم اور رقیق القلب تھا، کچھلی رات کو روزانہ، خضوع و خشوع کے ساتھ نماز تہجد پڑھ کر سپاس کریم ادا کرتا، اور استغفار کرتا ہوا رات و قطار روتا، بلا عذر شرعی کبھی نماز کو قضا نہیں کیا،

معمول تھا کہ ہر شب ایک سو چھ طلائی اس کے سر ہانے رکھی جاتیں، اور صبح وہی مہر میں مستحقین کو خیرات کر دیتیں، یہ بھی اس سلطان کے نیک اعمال نے قرار دے دیا تھا کہ جس روز اسبابِ سلطنت دیکھ کر شکر ادا نہ کرے اس روز (۵۰) ٹکے محتاجوں کو خیرات کرے، دستور تھا کہ سواری کے وقت جس کسی سے بھی اول بات چیت کرتا اس کو ایک ہزار ٹکے دیتا، مقربان شاہی کو حکم تھا کہ جب وہ کبھی عشرت میں سبے حد منہمک ہو، اس وقت وہ پارچہ سامنے لایا جائے (جس کا نام اس نے کفن رکھا تھا)، جب سلطان کو وہ کپڑا دکھایا جاتا، استغفار پڑھتا ہوا فوراً وہاں سے اٹھتا، وٹھو کرتا، سر

سے چاندی کا سکہ تھا، جو موجودہ روپیہ سکے کے ۸۱ روپے کے برابر تھا،

سکے چم سے کی داستان کسی ظرفیہ مورخ کی طبع زاد معلوم ہوتی ہے۔ ۱۲۰ مؤلف

سجدہ ہو کر خدا سے معافی چاہتا، اور اس طرح عبرت حاصل کرتا،  
 ایک مرتبہ کسی امیر نے معشوقانہ طرز واداکا ذکر کر کے سلطان سے اجازت لی کہ وہ  
 جامع صفات حسینہ تلاش کر کے پیش کرے۔ امیر تلاش میں کامیاب ہوا، اور کسی  
 گائوں سے ایک لڑکی لاکر سلطان کی خدمت میں پیش کی، چونکہ نظر بھی ہوئی، چند روز کے  
 بعد اس لڑکی کے اولیاء سلطان کی خدمت میں فریادی پہنچے، سلطان کو سراہ روک کر  
 اپنی لڑکی کے بہکا لیجانے کا قصہ سنایا، سلطان سمجھ گیا کہ وہی لڑکی ہے، سواری کو  
 ہمیں بٹھرا کر قاضی صاحب کو بلایا، اور قصہ سنا کر کہا کہ اسی وقت، فریادیوں کے سامنے  
 میرے خلاف حکم شرعی جاری کیا جاوے، فریادی نے اصلی واقعہ سے آگاہ ہو کر راضی  
 نامہ داخل کر دیا، اس کے بعد سلطان اس قدر نادم ہوا کہ پھر کبھی اس سے کسی عورت کو  
 محل میں داخل نہیں کیا، ان تمام مشاغل کے باوجود اس نے مسکرات کو کبھی منہ نہیں لگایا  
 نامشروع اور رنج افزا گفتگو کی ممانعت تھی، ایک ہزار حفاظ کنیزیں صرف اس کام کے لئے  
 مامور تھیں کہ روزانہ صبح کو آیات کلام الہی پڑھ کر اس پر دم کیا کریں، اسلام اور مسلمانوں کا  
 عاشق، مظلوم و سبے کموں کا ہمدرد، غریب کا سرپرست، یتیموں کا مربی، اور بے حد فیاض تھا  
 اس کا عہد امن و امان کا عہد تھا ۳۳۰ سال حکمرانی کی، اور سچ یہ ہے کہ جو کچھ حکومت تھی وہ عہد  
 سلطانی کی حکومت تھی، جو سلطان کے دل اور اس کے آبائی ملک پر جاری رہی، نیک  
 ناحی کے ساتھ ۹۶ھ میں ۸۰ سال عمر کے منازل طے کرنے کے بعد دنیا سے رخصت ہوا،  
 بیان کیا جاتا ہے کہ ناصر الدین سلطان کے بیٹے نے حصول سلطنت کی آرزو میں باپ  
 کو زہر دے کر شہید کیا،

### سلطان ناصر الدین بن سلطان غیاث الدین

(۶۵)

ظالم، سخت گیر، اور شراب کا متوالا تھا، ماں سے اس نے گستاخیاں کیں، بھائی  
 شہنشاہ نور الدین چغتائی نے اپنے گیارہویں سن جلوس کے حالات میں ماں کی سیر کا (باقی بر صفحہ ۵۵)

بھتیجوں کو اس نے ذبح کیا، ضعیف باپ کو زہر دیا، شیر خاں حاکم چندیری نے  
 اگو علانیہ بغاوت کی، اور مقابلہ میں مارا گیا، پھر بھی اس کی نعش کو قبر سے نکھو اگر چندیری  
 کے میدان میں اس نے دار پر چڑھایا، یہ تمام افعال، رعایہ اور اراکین سلطنت کے متفرک باعث  
 ہوئے ۹۰۸ھ میں ولایت کھچوڑہ، اور چتوڑ پراس نے تاخت کی، رانا رسل سے نذرانہ  
 لے کر واپسی کے وقت مقام آگر میں خیمہ زن ہوا، یہاں کی آب و ہوا سلطان کو مرغوب ہوئی  
 (یعنی صفحہ ۳۸) بھی حال قلم بند کیا ہے، ناصر الدین کے مزار پر جس وقت پہنچا ہے، تو محض باپ کو زہر دینے کی کیفیت  
 تاریخوں میں دیکھ کر اور لوگوں سے سن کر اس کی قبر کو لکڑیوں سے تسکین نہیں ہوئی تو قبر سے  
 اس کی ہڈیاں نکھو کر دیئے، قریب میں ڈلواد میں جہاں گری کی زبان میں یہ واقعہ سننے کے قابل ہے، بعد ازاں  
 یہ عمارت مقبرہ حکام خلیجہ درآمد کہ قبر دسیاوا نزل داد، نصیر الدین ابن سلطان غیاث الدین فیروز در آنجا بود چوں  
 مشہور است کہ ان بے سعادت بقتل پدر خود سلطان غیاث الدین کو در سن ہشتاد و ساگی بودہ اقدام نمودہ و در  
 مرتبہ زہر داد، دو مرتبہ زہر چہرہ کہ در بازو داشت و دفع آن نمود، در مرتبہ سوم کا سہ شربت بہ زہر آمیختہ بدست خود  
 بہ پدر داد کہ این را می باید نوشید، پدر چوں اہتمام او دریں کار فہمید اول زہر مرہ از بازوئے خود بدر کردہ پیش او  
 انداخت و در دے عجز و نیا ز مندی بدر گاہ خالق بے نیا ز آوردہ زبان را ند کہ خداوند اعظم ہشتاد و ساگی رسید  
 دریں مدت زہر بدولت و عشرت و کاهرائی گزرا نیدم چنان ہیچ بادشاہ را میر نگردیدہ، و انکوں کہ زمان باز پسین  
 مراست امیدوارم کہ نصیر راجنوں میں نگیری، و موت مرا باجل مقدر حساب نمودہ باز خواست آن نہ نمائی، بعد ازاں  
 این کلمات کا سہ شربت زہر آمیختہ در دے کشید و جاں بجان آفریں سپرد، پھر اپنا حال کسی قدر بیان کر کے کہتا  
 ہے (ہر زبان ہاست کہ چوں شیر خاں افغان (مراد شیر شاہ سوری مؤلف) در ایام حکومت و سلطنت خود  
 باوجود حیوان طبیعی بر سر قبر نصیر الدین رسید، بجمہت ہمیں عمل شنیع بچھے کہ ہمراہ او بودند، فرمود کہ  
 چو بہا بر سر قبر او زدند، من نیز چوں بہ قبر او رسیدم لکڑے چند ہر گور او زدہ بہ بندہ کہ در  
 ملازمت بودند، فرمودم تا قبر او را لکڑے کا رے نمودند، چوں خاطر را باین تسلی نہ شد کہ غنیمت  
 کہ گور او را شگافتہ اجزائے ناپاک او را با آتش اندازند، باز خاطر رسید کہ آتش چوں فورست  
 از نور الہی حیف است کہ سوختن جسد کثیف او آں جوہر لطیف آلودہ گردد و تیز میا داکہ ازین سوختن  
 شاید تخفیف در عذاب رود، فرمودم کہ استخوانہائے فرسودہ او را با جسہائے خاک شدہ و ردیہ  
 تریدا، انداختند، ۱۲ (تذکرہ جہاں گیری)

قول مؤلف، جہاں گیر کو اپنی اس کارروائی پر فخر ہے تو ہوا، لیکن شرعاً و تہذیباً اس کا یہ فعل قابل نفرت  
 ہے، اگر جہاں گیر کو اس وقت اپنے اعمال نامے بھی یاد آجاتے تو غالباً اس پر فخر نہ کرتا ۱۲

۱۱ موجودہ زمانہ میں ریاست گوالیار کے علاقہ میں وہیں کے قریب واقع ہے، پہلے یہاں چاہوئی بھی ۱۱



ایک عالی شان اور دل کش عمارت اس نے آگر میں تعمیر کرائی جو نورات زمانہ سے تھی، اب اس کا وجود تک نہیں ہے، ایک دن بدستی کی حالت میں لبہ حوض مصروف خواب تھا کہ روٹلی اور حوض کے اندر گر کر غوطے کھانے لگا، موجودہ چار کینزوں نے ہاتھ، پانوں، اور سر کے بال پکڑ کر باہر نکالا، ہوشیار ہونے پر دوسری شکایت کی، کینزوں نے انعام کی امید میں سارا قصہ سلطان کے گوش گزار کیا، ہمدردی و جاں نثاری کا اُن کو یہ صلہ ملا کہ خود تلوار کے گھاٹ اُتر گئیں، ایسے ہی لوگوں کے حق میں علامہ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے،

نکوئی بابدان کردن چنان است کہ بدکردن بچسائے نیک مردان  
۱۱ سال ۴ ماہ ظالمانہ سلطنت کرنے کے بعد ۱۱۶۷ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا،  
نکوشد کہ خس کم جہاں پاک شد

## (۷) سلطان محمود ثانی بن ناصر الدین خلجی

۱۱۶۷ھ میں کمال تنزک و احتشام کے ساتھ آبائی تخت پر جلوہ افروز ہوا، چند ماہ بعد بعض امراءے دولت کے اتفاق و مشورے سے صاحب خاں (سلطان ناصر الدین کے دوسرے بیٹے) اور تنگ شاہی حاصل کیا، اور محمود ثانی واروگیر سے صاف نکل گیا، کچھ روز کے بعد حاکم چندیری وغیرہ کے اتفاق سے کثیر لشکر لے کر شادی آبا و عرف مآثر روانہ ہوا، دونوں بھائیوں میں جنگ ہوئی، اور ایک نے دوسرے پر یہ کہہ کر جارحانہ حملہ کیا کہ

جہاں بانی و پائے گاہ قوی کلاہ کیانی و کینج روی  
کسے را سز و کوہنگام جنگ شتاب و نثار و ننگ و نوحی  
محمود ثانی فتیاب ہوا، اور صاحب خاں مفرد ہو کر گجرات چلا گیا، اسی زمانہ میں سکندر

خاں حاکم بھیلہ نے بغاوت کی، سلطان محمود نے بنو رتیخ اس کو مطیع کیا، سلطان نے یہ ایک بڑی غلطی کی کہ امرائے سلطنت کے مشورہ کے خلاف میدنی رائے ایک ہندو راجپوت کو اپنا ختمہ رال ملک مقرر کیا، رفتہ رفتہ وہ تمام عائدین، اور معززین دولت پر غالب آگیا، میدنی رائے سخت متعصب ثابت ہوا، مسلمانوں سے اس نے علانیہ دشمنی کا اظہار کیا، طرح طرح کے مظالم کئے، سلطان سے جب اس کا علاج نہ ہو سکا تو حکام اضلاع نے مخالفت کا اظہار کیا، ہجرت خاں حاکم چندیری کے ایما سے سکندر شاہ لودی بادشاہ دہلی نے کچھ فوج روانہ کی جس کا مقصد یہ تھا کہ صاحب خاں دوسرے بھائی کو تخت نشین کیا جائے، بھیلہ کے حاکم سکندر خاں نے علیحدہ علم بغاوت بلند کیا، تیسری طرف سے شاہ گجرات فوج لیکر دھارمیں داخل ہو گیا،

سلطان محمود کے لئے یہ وقت نازک ترین وقت تھا، مگر چونکہ شجاع اور فنون جنگ سے واقف تھا، نیز نصرت الہی ہم رکاب تھی، اس لئے تمام معرکوں میں غالب رہا، مخالفین کی جماعت ناکامی کا داغ لئے ہوئے اپنے اپنے ملکوں کو واپس گئی، یہ سب کچھ ہوا، لیکن میدنی رائے کے وجود سے اندر ہی اندر جو آگ مخالفت کی سلگ رہی تھی وہ تدریجاً اور تیز ہوتی گئی، یہ اشتعال دیکھ کر سلطان بھی مسلمانوں سے بدظن ہو گیا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تمام مہاتملکی راجپوتوں کے ہاتھوں میں تھے، صرف دوسو مسلمان تارک کو سلطان کے اردلی میں رہ گئے، جب نوبت یہاں تک پہنچی تو سلطان کی بھی آنکھیں کھلیں، لیکن علاج کا وقت نکل چکا تھا، سلطان کے تیور بدلے ہوئے دیکھتے تو میدنی رائے سلطانی حلقہ اقتدار سے صاف نکل گیا، اور اس نے بڑھ کر چندیری اور گارڈن کے قلعوں پر اپنا قبضہ جمایا، سچ ہے،

بھیلہ شاہی زمانہ میں مثل سرورج کے ایک پرگنہ تھا، اب گوالیار سٹیٹ کا ایک ضلع ہے اور جی آئی، پی ریلوے کا اسٹیشن ہے، سرورج سے تقریباً ۳۰ کوس جنوب میں ہے۔ ۱۲ مولف  
 ۱۲ مولف  
 ۱۲ مولف  
 ۱۲ مولف

حیرت منہ شاید گرفتن میں چو پرست نشاید گرفتن میں (سعدی)  
 سلطان نے مجبور ہو کر گجرات کا رخ کیا، اور وہاں سے امدادی فوج حاصل کر کے  
 قلعہ گارون پر حملہ آور ہوا، اس وقت رالپنہ، بھیلیسہ، سارنگ پور اضلاع مالوہ سلاطین  
 راجپوتوں کے قبضہ میں جا چکے تھے، میدان فی رائے، سلطان کی آمد کی خبر سن کر پہلے  
 سے، رانا ساگا کو مع فوج اپنی امداد پر لے آیا تھا، زمانہ کی نیرنگیاں دیکھ کر تک جو  
 شخص اپنے آقا کا غلام تھا، آج وہ برابر کا حریف نظر آ رہا ہے،

کس نیا موخت علم تیرا ز من کہ مرا عاقبت نشانہ نہ کرو (سعدی)  
 آخر کار آقا اور چاکر میں چوٹیں چلیں، خونریز معرکہ ہوا، آصف خاں (جو پانسو سواروں  
 کے ساتھ گجرات سے آیا تھا) لڑائی میں کام آیا اور اس کے ساتھی جملہ سوار وہیں کٹ کر  
 سیل فضا میں ڈوب گئے، سلطان محمود کی فوج کا بھی اکثر حصہ وہیں کھیت رہا، لیکن میدان  
 رزم سے پیٹھ نہیں بھری، درحقیقت شجاعت و بسالت میں محمود و ثانی تھا، داد سے وراثت  
 میں مردانگی و بے جگری کے جو جو اہر اس کو ملے تھے، ان کو نہایت فیاضی کے ساتھ  
 کام میں لایا، گو عرصہ کارزار اس پر اتنا تنگ ہوا کہ صرف ۱۰ سوار اس کے ہمراہ باقی  
 رہ گئے تھے، پھر بھی ہمت نہیں ہارا، اور یہ کہہ کر کہ

بہ بینم کہ تا کرد گار جہاں دریں آشکارا چہ دار و نہاں (سعدی)  
 کر افسردہ از خاک بر در نہد کراتاج اقبال بر سر نہد

مع اپنے باقی ماندہ دس سواروں کے رانا ساگا کی فوج میں داخل ہو گیا، تیغ  
 محمودی نے اس روز بہت کچھ ساتھ دیا، سینکڑوں راجپوت سوار اس نے خون

سہ رانا ساگا، اس زمانہ میں سارے راجپوتوں کی ناک تھا، بیانہ قلعہ جو بھرت پور علاقہ میں واقع ہے، اس  
 فوجی مرکز تھا، چتوڑ سے اگر تک اس نے بہت بڑی فوج جمع کی تھی، جس کی کثرت دیکھ کر طہیر الدین بابر جیسا دلیر اور زور  
 دست بادشاہ مع اپنی فوج کے سہیلیں تھا، اس نے سیکری کے مقام پر بابر کی افواج سے رانا کی فوج کا مقابلہ  
 ہوا، گورانا ہر گیت یا با ہوا، تاہم اس کی امداد اس کی افواج کی بہادری میں کسی کو کلام نہیں ہے ۱۲ (تاریخ راجستان)

چوسا لیکن برش اور روانی میں ذرا بھی فرق نہ آیا، راجپوتوں نے ان دس سواروں کو بھی ایک ایک کر کے کاٹ ڈالا، اب سلطان تنہا تھا اور راجپوتوں کے ہزاروں جانباز گرداگرد تھے، ایک، اور ہزاروں کا مقابلہ تنہا ہم پائے استقلال کو جنبش نہ ہوئی، بہادر سلطان تنہا بھی لڑا، اور خوب لڑا، بالآخر زخموں سے چور چور ہو کر گھوڑے سے نیچے گرا اور اسیر ہوا،

دایہی چوڑا رانا سا لگا، حقیقت میں شریف اور بہادر راجپوت تھا، اس نے سلطان کی لاثانی جرات اور شجاعت کی سچے دل سے داد دی، اور نہایت عزت و احترام کے ساتھ سلطان کے زخموں کا علاج کرایا اور اپنا جہان رکھا، اس سے بڑھ کر قابل تعریف یہ سلوک اور کیا کہ ایک ہزار سواروں کے ساتھ، سلطان کو مائدہ روانہ کر کے قلعہ پر اس کا قبضہ کرا دیا،

سلطان چند روز کے بعد اپنے ملک کو دشمنوں سے صاف کرانے کی فکر میں ہوا <sup>۹۳۶ھ</sup> میں ایک سخت معرکہ کے بعد سارنگ پور کو سلہندی راجپوتوں سے خالی کرایا، سلطان تھک گیا تھا، اس لئے اب اس نے آرام طلبی اختیار کی،

یہی زمانہ ہے کہ سلطان ظہیر الدین بابر نے ہندوستان کا رخ کیا رفتہ رفتہ آگے بڑھتے ہوئے <sup>۹۳۶ھ</sup> میں سلطان ابراہیم لودی شاہ دہلی کو پانی پت کے مقام پر شکست دے کر دہلی کے تخت کا مالک ہوا، چونکہ میدانی رائے تک حرام کی وجہ سے حکومت مالوہ میں ضعیف آچکا تھا، اور راجپوت مختلف اضلاع مالوہ پر متصرف ہو کر مظالم کے مجسم پیکر نظر آ رہے تھے، اس لئے بابر کی بغیر نے گوارا نہ کیا، کہ مسلمانوں پر اس کے عہد میں مظالم ہوں، رگ حمیت اسلامی متحرک ہوئی،

<sup>۹۳۶ھ</sup> میں یلغار کرتا ہوا چندیری پہنچا، میدانی رائے خوف زدہ ہو کر قلعہ

لہ بابر ترکی زبان میں شیر کو کہتے ہیں اس نے چند ہزار فوج سے ابراہیم لودی کی ایک لاکھ فوج کو تہہ بالا کیا رانا سا لگا کو بھی سیکری کے مقام پر شکست دی <sup>۹۳۶ھ</sup> میں رحلت کی، بہشت روزی باد تیار بخ و فاش <sup>۹۳۶ھ</sup>

چند بری میں متخصن ہوا، اور دوسرے رز قلعہ کھول دیا گیا، چھ ہزار راجپوت مع میدنی  
رائے کے قتل ہوئے، قلعہ پاک ہوا، قلعہ راسین اور سارنگ پور کو بھی اسی طرح راجپوتوں  
سے واپس لیا، مساجد اور خانقاہوں کو نجاست سے پاک کر کے ان میں مؤذن، جازن  
کش، اور امام مقرر کئے،

زین الدین صدر الصدور ہمراہ تھے، جنہوں نے، فتح دارالحرب<sup>۱</sup>، سے مادہ تاریخی  
استخراج کیا،

۹۸۱ھ کا سال تھا کہ بہادر شاہ گجراتی نے مائدہ پر حملہ کر کے اُسے فتح کیا، اور  
سلطان محمود کو بیچ اُس کے اہل و عیال کے نظر بند کر کے گجرات کی طرف روانہ کیا، راستہ  
میں سلطان مالوہ، محافظ سپاہ کے ہاتھوں سے کسی بات پر قتل ہوا، اس کے قتل پر مالوہ  
کی خلیفہ سلطنت کا خاتمہ ہو کر کچھ مدت کیلئے گجرات کی طرف منتقل ہو گئی،  
زرنج و راحت گیتی نشوونگیں مرغبانِ فل  
کہ آئینِ جہاں گاہے چنیں گاہے چسپناں باشد

میں نہ عالم کا دُور بھی ایک عجیب دُور ہے، کہ جس کے نہ ساغر و مینا کا اعتبار ہے،  
نہ بادۂ احمر کا، کبھی اس کا جام میکشوں کو اعتدال پر رکھتا ہے، اور کبھی بدست کسی نے  
تپھٹ پانی، اور کسی نے مئے خالص، بہت ایسے بھی ہیں جو جام آرزوئے ہوئے آتے ہیں  
مگر محروم پھر جاتے ہیں، ایسے لوگ بھی آتے ہیں کہ دوسروں کے ہاتھ سے جام لیا، اور  
چلتے ہوئے، حق یہ ہے کہ کبھی انسان کو سخن نہ دنیا کا اعتبار نہ کرنا چاہئے، اس  
لئے کہ،

دینِ شیشہ ہم زہرِ ہم شکر است گے جان گزرا گاہ جاں پر و راست

۱۰ سلطان بابر نے مادہ تاریخ پر ذیل کے مصرعے لگا کر فی الوقت موزوں کیا تھا،  
بعد چندے مقامِ چندیری پُر زکفار و دارِ حرب  
فتحِ کردم بحربِ قلعہ، آں گشت تاریخِ فتحِ دارِ الحربِ دُشمن

یکے رابرفرزد نہند یکے رازکین تیغ بر نہند

## سلطان وادشاہ

(۸)

سلطان بہادر شاہ گجراتی، اضلاع مالوہ کی حکومتیں تحقیق کو دے کر گجرات واپس گیا، نصیر الدین بہائیوں شاہ اُس وقت فتوحات میں مصروف تھا، مالوہ کی طرف بھی آیا، اور بلا مشقت و خونریزی مانڈو پر قبضہ کر کے اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا، اور پھر اپنے ایک سردار کو مانڈو کی حکومت سپرد کر کے آگرہ چلا گیا، بہائیوں شاہ کی مراجعت کے بعد ۹۴۳ھ میں ملوخال (خلجیوں کے غلاموں اور امرا میں سے تھا) نے اُفتی مالوہ سے سر نکالا، اور اکثر اضلاع پر قابض ہو کر اپنا لقب سلطان قادر شاہ قرار دیا، سرحدی حاکموں نے بھی، اس کی اطاعت قبول کی،

سلطان شیر شاہ سوری کے عروج و فتوحات ملکی کا بھی یہی زمانہ ہے، قادر شاہ نے ابھی صرف ۶ سال ہی کا زمانہ حکومت پایا تھا کہ سلطان شیر شاہ سوری، نصیر الدین بہائیو شاہ کو شکست دے کر مالوہ کی طرف متوجہ ہوا، شیر شاہی رعب و جلال کے آگے ایک صوبہ کے حاکم کو جنگ و جدال کی تاب کہاں تھی، قادر شاہ گرفتار ہو کر اسیر سلطانی ہوا، اور پھر کسی حکمت سے نکل گیا،

۹۴۹ھ میں شیر شاہ نے اپنے ماتحت سردار شجاعت خاں کو مالوہ کی امارت سپرد کی، اور نوچند پیری اور رایسین کو سلہدی راجپوتوں سے پاک کرتا ہوا آگرہ ہو کر فتوحات کے سلسلہ میں دوسری طرف چلا گیا، ۹۵۲ھ میں جب کہ قلعہ کالنجیر کو محصور کئے ہوئے تھا، میگزین میں آگ لگ جانے سے دوسروں کے ساتھ خود بھی جلا، اور اسی صدمہ سے فوت ہو گیا،

تاریخ وفات یہ ہے،

زارتش مہر و  
۹۵۲ھ

## (۹) شجاعت خاں المخاطب شجاع دل خاں

اس کی حکومت مستقل حکومت تھی، اس لئے مورخین نے اس کا نام سلاطین مالوہ کے سلسلہ میں درج کیا ہے، قادر شاہ میں ابھی ہوس ملک گیری باقی تھی شاہ گجرات سے امداد لے کر ماندو پرتاخت کی، شجاعت خاں نے بہادری سے مقابلہ کیا، اور اسے شکست دی ہشیر شاہ نے خوش ہو کر ۱۲ ہزار کا منصب، اور شجاع دل خاں کا خطا اس کو عنایت کیا، اس پر مرہاجم خسروانہ کا یہ اور اضافہ کیا کہ آجین۔ سارنگ پور، مند سور شجاعت خاں کی جاگیر میں دیئے باقی، دیگر ضلاع، تالیف قلوب کے سلسلہ میں شجاع خاں کے دوسرے عزیزوں کو دیئے گئے، اس طرح بیشتر حصہ مالوہ کا شجاعت خاں کے حصہ میں آگیا، اس نے ۱۲ سال کامیاب حکومت کر کے ۹۶۲ھ میں انتقال کیا، لیکن اپنے نام کا سکھ خطبہ جاری نہیں کیا، سارنگ پور اس کا دارالحکومت تھا،

## (۱۰) باز بہادر شاہ بن شجاعت خاں

باز بہادر خاں نام تھا، باپ کی وفات پر ۹۶۳ھ میں باز بہادر شاہ کے لقب سے تخت نشین ہوا، رسم تاج پوشی بڑی دھوم دھام سے ادا ہوئی دو سال اور دو ماہ کے ایام حکومت میں صرف ایک مرتبہ راجہ کرشن والئی گونڈوانہ کے علاقہ پر پیش قدمی کی، اس وقت بیوہ راجہ کرشن گونڈوانہ علاقہ کی سرپرست تھی، اس کی غیرت نے باز بہادر کی، علاء فرشتہ کا بیان ہے کہ شجاع علی پور (واقع مالوہ) اسی کا آباد کیا ہوا قصبہ ہے، لیکن فرشتہ نے جلتے عین حرف واد سے شجاع دل پور لکھا ہے، مولف کا قیاس ہے کہ صحیح نام خطاب کی مناسبت سے شجاع وکیو تھا، حرف و کی تخمین سے شجاع علی پور لکھا، لیکن فرشتہ کے بیان کے خلاف صاحب اختیار التواریخ جو التاریخ کہتی ہے قصبہ کا نام سجالپور ہے جسے سو جاجی ولد راو گو گاجی کہتی والئی املادہ نے آباد کیا تھا، دادا علی مولف نے سارنگ پور راجہ سارنگ لکھا، لیکن مولف نے اسادات سارنگ پور میں ہوسواری میں ہوسواری، شہر اب ویران ہے، علی التواریخ سے رانی درگاؤ کی اس کا نام تھا، فرشتہ

مداخلت کو گوارا نہ کیا سپاہ فراہم کر کے نکلی اور یہ کہہ کر  
منم شیر زن گر توئی شیر مرد (نقار) چہ مادہ چہ زہر شیر وقت نہرو  
اس سختی اور جوش و خروش کے ساتھ حملہ کیا کہ باز بہادر کو سوائے بازگشت کے اور کوئی  
چارہ نہ رہا، باز کی طرح اڑ کر شکل ساز نگہو پہنچا، چونکہ اس نے ایک عورت سے شکست کھائی تھی  
اس لئے جنگی مشاغل کو چھوڑ کر حبیبیوں کے عشق و محبت میں یہ کہتا ہوا گرفتار ہو گیا۔

گرچہ بدنامیست نزد عاقلانہ نامی خواہیم ننگ و نام را  
باز بہادر اقلیم عشق کا مشہور تاجدار گذرا ہے، مالوہ میں اس وقت فن موسیقی ترقی پذیر تھا، اس  
بھی شوق کیا، اور اس قدر ترقی کی کہ اس وقت کے فن موسیقی کے استادوں سے بازی لے گیا، اس مشغلہ  
کی بدولت حسنیناں عالم کو اپنے عشرت کہہ میں جمع کر کے دوسرا آجہ اندر بن گیا تھا اسینکروں حسنیناں  
عالم عشرت خانہ کی زینت رہیں جس پرست سلطان کے صنم خانہ میں، روپ مہتی کی تصویر سب سے  
زیادہ نمایاں ہے جس نے اپنے ملائک فرحبیسن، دلربا ناز وادائوں، اور وجد آفرین ترنم ریزیوں سے  
باز بہادر کے دل اور اس کے ملک و دولت پر پورا تسلط جمالیا تھا، یہاں تک کہ باز بہادر کو مالک محمد و سکی مطلق  
خبر نہ رہی، اور اس میں شک و شبہ بھی نہیں کہ روپ مہتی حسن کی دیوی، ظاہری حسن و جمال کے زیور  
سے جس قدر آراستہ تھی، اسی قدر بلکہ اس سے زیادہ حسن سیرت اور خصائل میں بھی لاثانی تھی، علم  
موسیقی میں کامل، خوش آواز، ہیں بیٹیر معشوقانہ طرز وادائیں لاجواب تھی، شباب کی شریعتیاں، حیا کی شوخیاں  
لبوئی تلبسم ریزیاں، جمید انور کی ضیا پاشیاں، سرگلیں آنکھوں کی فتنہ زائیاں، اور بھی قیامت تھیں،

بجنہ از ثریا نور سے ریخت (از جانی علی زنجی)  
لنگر از رخس از مشک داغے گرفتہ اشیاں ز داغے بیابغے  
نکتہ ز گش از سرمہ ناز ز مژگاں بر بگر ہا تا وک انداز

لفظ عشرت کا بیان ہے کہ روپ مہتی مغنیہ یعنی گانے اور ناچنے والی قوم سے تھی جسے ہندی میں کچھنی یا پرتکیتے ہیں۔ سر جان مالک صاحب  
مورخ مالوہ لکھتے ہیں کہ سہارنپور کی رند تھی، ان دونوں بیانون کے خلاف اہل مالوہ کا زبانی یہ بیان ہے کہ روپ مہتی کسی راجہ کی  
بیٹی تھی، جس کا راج مالوہ کے قریب تھا۔ واسدا علم پٹولف۔





کر دیا، گورپ متی کے دل میں بازبہا در کے سوا اخیر کی چاہ کی گنجائش نہ تھی، مگر موقع نازک تھا، پختہ کا تھی، صاف انکار منہا سب نہ سمجھ نہ کر پہلے اپنے علاج کی طرف آہم کو متوجہ کیا، اس نے شیخ عمر درویش کا مکان روپ متی کے آرام کے لئے تجویز کر کے معالجہ کی طرف خاص توجہ کی، کبھی کبھی مزاج پُرسی کو خود بھی جاتا،

جذبات عشق کا انضباط مشکل ہے، اور اگر اندرونی کامیابی حاصل بھی ہو جائے تو ظاہری علامات کی خبری کا کوئی علاج نہیں ہے،

میں تو ان داشت نہاں در روزم، لیکن  
ز روی رنگ رخ و خشکی لب را چہ علاج

افسران ماتحت سمجھ گئے کہ ان کا سپہ سالار روپ متی کے زلف گرہ گیر میں گرفتار ہو چکا ہے گو موذبانہ اور مخلصانہ طریق کلام کے ساتھ آہم کو سمجھایا، لیکن اثر پذیر نہ ہوا، بازبہا در پر غالب آیا، مگر خود ایک پُرسی پیکر کے تیر لگاہ سے محروم ہو کر مغلوب ہو گیا،

وایمکہ زلف انداختہ در گردن سیمینش میں

خونے کہ مرگاں رنجیتہ بردا من پاکش نگر

(نظیری)

روپ متی کو کامل صحت ہو گئی، سادہ لوح آہم نے پیغام وصال بھیجا، جواب میں کا فور، مشک، عنبہ، وغیرہ خوشبودار چیزوں کی فرمائش ہوئی، تاکہ وہ معطر ہو کر بریم آہمی کے قابل ہو سکے،

فرمائش کی تعمیل فوراً ہوئی، روپ متی کے ظاہری رنجوں کا گونجی اندمال ہو چکا تھا، لیکن بازبہا در کے نشتر فراق کا زخم جو قلب نازک میں گھر کر چکا تھا وہ اندر ہی اندر تازہ ہوتا رہا،

معطر سامان پاکر اُس نے اپنے عاشق صادق کا حق محبت اس طرح ادا کیا، کہ کا فور کھا کر اور چادر اوڑھ کر بازبہا در کی خیالی تصویر کو اس طرح مخاطب کرتے ہوئے عمر بھر کے لئے میٹھی نیند

سوگئی

کشتے کہ عشق دارونہ گزاروت بدیں ساں

(ایمیر خسرو)

بہ جنازہ گرنیائی بہ مسخرار خواہی آمد

روپ متی نے جس جذبہ صادقہ اور مخلصانہ جان بازی کی مثال چھوڑی ہے، اُس کا نقش صفحات تاریخ میں آج تک باقی ہے۔

ہرگز نہ میر و آن کہ دلش زندہ شد عشق

(خواجہ حافظ)

ثبت است بر حسریدہ عالم دوام ما

اوسم گشتہ یاس و حسرت کا انجام بھی سننے کے قابل ہے،

اوسم گودولت حسن سے محروم رہا، تاہم سارنگ پور کا خزانہ بہت کچھ اُس کے ہاتھ آیا، طبع و امن گیر ہوئی، دربار خلافت میں مال غنیمت اُس نے نہ بھیجا، کافی انتظار کے بعد جلال اکبری ظاہر ہوا، معمولی سپاہ ساتھ لے کر خود مالوہ کی طرف ہفت کی راستہ میں قلعہ گاگردن نظر آیا، اُسے مفتوح کیا، اور وہاں سے سیدھا سارنگ پور پہنچا، اوسم کو اُس وقت خبر ہوئی جب کہ اکبری سپاہ حدود سارنگ پور میں داخل ہو چکی تھی، اوسم دست بستہ دربار میں حاضر ہوا، تعویق و سستی کی معافی چاہی، اس مطیعانہ اور عاجزانہ اظہار سے جلال اکبری کم ہوا، معاف کیا، اور قدامت کے لحاظ سے اُسی کو سارنگ پور کا حاکم مقرر کر کے، دارالخلافت کواپس آگیا،

چند روز کے بعد کسی ملکی مصلحت سے عہد اسد خاں کو حاکم مالوہ مامور کر کے اکبر نے روانہ کیا، اور اوسم خاں کو واپس بلا لیا،

ایک روز دربار عام میں شمس الدین محمد خاں اور اوسم خاں میں تلخ گفتگو ہوئی، اوسم خاں نے

سہ ناثر لامل کی روایت ہے کہ روپ متی اور باز بہادر کی قبریں اویں میں ہیں، بعض کہتے ہیں کہ سارنگ پور میں، تالاب کے کنارے روپ متی کی چھتری ہے، اور اسی کے پاس باز بہادر کی قبر ہے، اسد عالم ۲۰  
سہ موجودہ زمانہ میں گاگردن ریاست کوٹہ میں شامل ہے، جہاں زبردست قلعہ ہے، اسی قلعہ کے گاگردن طوطے مشہور ہیں، ۱۶ مؤلف

اس درے اقبال مندی، اگر تنہا خالی ہاتھ ہے، اور دشمن تیغ برہنہ سامنے چلا آ رہا،  
 قریب پہنچ کر، اگر نے جلائی لچ میں اوہم کو لکارا، اُس آواز نے یہ اثر کیا کہ اوہم بیہوش ہو کر  
 زمین پر گر پڑا، خیر خواہان دولت بھی سمٹ کر آگئے، حسب ایمائے شاہی اوہم کو اٹھا کر کنگرہ  
 قلعہ سے باہر پھینک دیا، زمین پر گرنے سے پہلے ہی نمک حرام کی روح پرواز کر گئی،

باو بی نعمت از بیرون آئی

گر پہری کہ رنگوں آئی

الغرض صوبہ مالوہ تقریباً ۱۶ سال تخت و سلی سے جدا رہے

کے بعد ۹۶۸ھ میں بہمد جلال الدین اکبر شاہ دوبارہ سلطنت

مالوہ کا اشتعال و پی

دہلی میں شامل ہوا، جس کا سلسلہ برائے محمد شاہ کے اخیر عہد ۱۱۵۶ھ تک (۱۸۸۱ سال قائم رہا،

چوں کہ مرثیوں کا اثر صوبہ مالوہ میں قائم ہو چکا تھا، (جس کی تفصیل کتاب کے حصہ دوم

انقلاب حکومت کے عنوان میں آگے آتی ہے، اس لئے ناصر الدین محمد شاہ کو ۱۱۵۶ھ

بالاجی راؤ دوم پیشوا کو مالوہ کی سند حکومت دینی پڑی، جس نے اضلاع مالوہ اپنے ماتحت

سرداروں بلکہ، سیدنیسیا، بھونسلہ وغیرہ کو تقسیم کر دیا، آج وہی صوبہ مالوہ مختلف ریاستوں

میں مقیم نظر آتا ہے، یہ جو کچھ ہم پچھلے صفحات میں پڑھ چکے ہو گذشتہ انقلابات کی تصویر ہے،

دورِ ایامِ آئندہ دیکھئے کیا کیا نقوش پیش کرتا ہے،

سبق آموز ہے آب و ہوائے گلشنِ عالم

عداوت آتش گل کو ہے بیل کے نشین سے  
جن راجاؤں اور بادشاہوں نے ملک مالوہ پر ابتدا سے خاندان مغلیہ کے آخری  
دور محمد شاہ تک حکومت کی ہے، ان کی قوم وار اور سلسلہ وار جدول ذیل میں درج  
کی جاتی ہے، جو غالباً بہت کچھ ناظرین کی دلچسپی کا سبب ہوگی،  
قدیم رایان مالوہ کی جدول جنہوں نے مستقل حکومت کی

نمبر شمار	نام راجہ	مدت حکومت	کیفیت
۱	دھن جی	۱۰۰ سال	
۲	چندر جیت	۸۶ سال، ۴ ماہ ۳ روز	
۳	سالباہن	ایک سال	
۴	نریاہن	۱۰۰ سال	
۵	ست راج	۱۰۰ سال	

(نوٹ) یہ پانچ راجے اس طرح تخت نشین ہوئے کہ باپ کی وفات پر بیٹا راجہ ہوا،

جدول راجگان قوم پٹوار، راجپوت

۱	اودت	۸۶ سال، ۴ ماہ ۳ روز	
۲	برمہراج	۳۰ سال، ۵ ماہ ۲ روز	
۳	آوت برہمہ	۹۰ سال	
۴	سدبروشنگہ	۸۰ سال، ۱۰ ماہ	
۵	ہمترہ	۱۰۰ سال	
۶	گندہرب	۳۵ سال	
۷	بکریا جیت	۱۰۲ سال	سمت بکرمی اسی کا یادگار ہے،
۸	چندر سین	۸۶ سال، ۳ ماہ ۲۰ روز	

۹	کمرگ سین	۸۵ سال
۱۰	چتر کوٹ	یک سال
۱۱	کنگ سین	۸۶ سال
۱۲	چندر پال	۱۰۰ سال
۱۳	ہندر پال	۷ سال
۱۴	کرم چند	یک سال و یک روز
۱۵	بجے نند	۱۰ سال
۱۶	منج	.
۱۷	بھوج	۱۰۰ سال
۱۸	جے چند	۱۰ سال ۲ روز

مشہور راجہ گزرا ہے، آگیر بھوپال اسکے نام سے منسوب ہے  
جو عرف جی کی تحریف سے بھوپال مشہور ہوا اور نہ آگیر بھوپال

پنوار قوم سے ۱۸ راجاؤں نے ۱۰۶۲ سال ۱۱ ماہ ۷ روز راج کیا،

### جدول راجگان قوم تولوہ

۱	جیت پال	۵ سال
۲	رانا راجو	۵ سال
۳	رانا باجو	یک سال ۳ روز
۴	رانا جاجو	۳۰ سال
۵	رانا جیندھر	۳۰ سال
۶	رانا بہادر	۵ سال
۷	رائے پھل	۵ سال
۸	رائے سکھن پال	۵ سال
۹	رائے کرت پال	۵ سال

۱۰	رائے نیک پال	۶۰ سال
۱۱	کنور پال	ایک سال
نوٹ: قوم تو نور میں سے گیارہ راجاؤں نے ۱۴۶ سال ۳ روز حکومت کی،		
جدول راجگان چوہان		
۱	راجہ جگدیو	۱۰ سال
۲	جگناتھ	۱۰ سال
۳	ہرویو	۱۵ سال
۴	باسدیو	۱۶ سال
۵	سریدیو	۱۵ سال
۶	دھرم دیو	۱۴ سال
۷	پہلادیو	۱۰ سال
۸	نانک دیو	۹ سال
۹	کیرت دیو	۱۱ سال
۱۰	پتھورا	۲۱ سال
۱۱	مالدیو	۹ سال
نوٹ: چوہان کی قوم میں سے گیارہ راجاؤں نے ۱۴۰ سال حکومت کی،		
جدول مختلف الاقوام راجگان و شاہان مالوہ		
۱	شیخ شاہ	۷۰ سال
۲	دھرم راج	۲۰ سال
۳	علاء الدین ابن شیخ شاہ	۳۰ سال
۴	کمال الدین	۱۲ سال
<p>تغری سے اگر مالوہ پر متصرف ہوا،</p> <p>شیخ شاہ کی وفات پر اس کا نابالغ بیٹا علاء الدین تخت نشین ہوا اور دھرم راج اس کا وزیر تھا موقع پا کر خود راج کا مالک بنا علاء الدین نے جوان ہو کر اپنا ملک اس سے واپس لیا،</p>		

۵	حیت پال چوہان	۲۰ سال
۶	ہر چند	۲۰ سال
۷	کیرت چند	۲ سال
۸	اگر سین	۱۳ سال
۹	سورج تند	۱۳ سال
۱۰	پتر سین	۱۰ سال
۱۱	جلال الدین	۲۲ سال
۱۲	عالم شاہ	۲۴ سال
۱۳	کھرک سین	۸ سال
۱۴	نرباہن	۲۰ سال
۱۵	بیر سال	۱۶ سال
۱۶	پورن مل	۲۹ سال
۱۷	ہر تند	۶۲ سال
۱۸	سکت سنگہ	۶۰ سال
نوٹ: ان ۱۸ حکمرانوں نے ۴۴۰ سال حکومت کی،		
جدول سلاطین غوری و خلجی شاہان مالوہ		
۱	بہادر شاہ دکنی	چند ماہ
۲	دلاور خان غوری	۱۶ سال
۳	ہوشنگ شاہ	۳۰ سال
۴	محمد شاہ غوری	یک سال ۶ ماہ
۵	سلطان محمود خلجی	۳۴ سال



۶	سلطان غیاث الدین	۳۳ سال
۷	سلطان ناصر الدین	۱۱ سال ۴ ماہ
۸	سلطان محمود ثانی	۲۶ سال ۶ ماہ
۹	قادر شاہ	۶ سال
۱۰	شجاعت خاں	۱۲ سال
۱۱	باز بہادر	۲ سال ۲ ماہ ۶۶ سال ۶ ماہ

امارت ۱۶ سال مدت سلطنت ۱۶۰ سال ۱۶ ماہ نوٹ یہاں تک مؤلف نے سیر المتاخرین اور

تاریخ ہندوستان سے نقل کی ہے،

### جدول شاہان مغلیہ دہلی متعلق صوبہ مالوہ

۱	جلال الدین اکبر شاہ	۸۴ سال	اکبر نے ۹۶۶ھ میں مالوہ فتح کیا اور ۱۰۱۳ھ میں وفات پائی
۲	نور الدین جہاں گیر	۲۴ سال	
۳	شہاب الدین شاہجہاں	۳۱ سال ۲ ماہ	
۴	حمی الدین اورنگ زیب	۵۰ سال	
۵	محمد معظم شاہ عالم بہادر شاہ	۵ سال یک ماہ	
۶	مغیر الدین جہاندار شاہ	۱۰ ماہ	
۷	فرخ سیر بن عظیم الشان	۶ سال ۴ ماہ	
۸	رفیع الدرجات بن رفیع الشان	۳ ماہ	
۹	رفیع الدولہ شاہجہاں ثانی	۳ ماہ	
۱۰	ناصر الدین محمد شاہ	۲۶ سال	۱۱۳۱ھ میں تخت نشین ہوا ۱۱۵۶ھ میں بالاجی راؤ پٹیشو اکوٹو کی سند حکومت حوالہ کی جب سے مالوہ تخت دہلی سے جدا ہوا
		۱۹۱ سال ۱۱ ماہ	

نوٹ، یہ جدول مؤلف کی ترتیب دی ہوئی ہے،

## حصہ دوم

سرنج کے جغرافیائی، تاریخی، انتظامی، تمدنی اور معاشرتی  
حالات کا مفصل تذکرہ

داستان مہدگل را از نظیری بشنوید  
ببلان آشفته تر گفتند این افسانہ را

## پہلا باب

جغرافیہ

سرنج، صوبہ مالوہ کی شرقی سرحد پر دارالریاست ٹونک سے  
گوشہ مشرق و جنوب میں (۲۵۰) میل کے فاصلہ پر واقع ہے  
جس کا طول البلد ۱۴ درجہ ۲۲ دقیقہ، اور عرض البلد ۲۴ درجہ ۴۸ دقیقہ ہے۔ تقویم البلدان اور عیاش وغیرہ

۱۔ زمین کو کھانے مستدیر کہلے حکیم بھائی موس کے نزدیک زمین کا قطر (۷۱۶۰) میل اور اس کا محیط (۲۲۵۰۰) اور سطح  
۱۱ کروڑ ۱۱ لاکھ میل ہے، مگر اس میں کھانے و نرس وغیرہ کا اختلاف ہے۔ جمہور کا اتفاق اس پر ہے کہ دائرہ کا محیط زمین (۲۵۰۰۰) میل  
اور قطر استواء (۷۹۶۴) اور سطح اس کا ۲۹ کروڑ ۸۳ لاکھ، ۱۰ ہزار ۶۴۰ میل انگریزی ہے، بالفاق متاخرین یک درجہ عرض زمین  
مساوی ۶۰ میل بجایا جغرافیہ اور درجہ طول خط استواء کے مواضع میں درجہ عرض کے مساوی ہے اس لئے کہ دونوں دور عظام سے ہیں  
جس موضع میں جب قدر عرض زیادہ ہوتا ہے۔ درجہ طول کم ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اقطاب کے نیچے طول باقی نہیں رہتا ۱۲ از عیاش اللغات

میں سروج کے طول البلد کے اندراج سے ثابت ہے کہ سروج بھی مثل دیگر قدیم بلاد کے پرانا شہر ہے مگر آج اسکی قدیم تاریخ معدوم ہے،

**رقبہ** پرگنہ سروج کا کل رقبہ طولاً مغرب و مشرق میں ۲۰ میل اور عرضاً شمال و جنوب میں ۲۰ میل جملہ ۴۰۰ مربع میل، اور بحساب پیمائش سروے، ۸ لاکھ ۹۳ ہزار ۶۳۰ بیگہ ۳۳ سبہ

ہے، اور بروئے پیمائش عہد عالمگیری، بحساب جریب شاہجہانی (۱۹۸۰) انچہ انگریزی، ۹ لاکھ ۲۴ ہزار ۵ سو ۲۰ بیگہ، اور خالص سروج کی آبادی کا رقبہ ۵۹۹ بیگہ ۴ سبہ اور کل کثیر الاضلاع ہے،

**علاقہات ملحق الحکومت** گوشہ شمال و مغرب میں ریاست ہائے کچھواڑہ، گوشہ جنوب مشرق میں علاقہ ریاست بھوپال، مشرق میں علاقہات

ریاست ہائے کوروائی، گوالیار جنوب میں علاقہ گوالیار واقع ہیں،

**ریلوے اسٹیشن** علاقہ سروج میں اس وقت تک ایک بھی نہیں ہے، البتہ، مشرقی و جنوبی گوشہ میں گریٹ انڈین پینیشولار ریلوے کے دو اسٹیشن، ایک

باسوڑہ (متعلقہ علاقہ گوالیار) سروج سے ۲۶ میل، اور دوسرا باتورہ، (متعلقہ ساگر ملک متوسط) ۳۳ میل کے فاصلہ پر ہیں، جہاں سے تانگہ، موٹر، اور گاڑیوں کے ذریعہ سے مال و مسافروں کی آمد و رفت ہے، اور دونوں طرف پنچہ سڑکیں ہیں،

**آب و ہوا** یہاں کی آب و ہوا، مرطوب، سردی و گرمی کا موسم معتدل، آندھری کا جوش و خروش بہت کم ہے، البتہ کسی سال تند اور تیز ہوا چلکر باد گرد کا نمونہ

بنجاتی ہے، موسم گرمی کی راتیں لطافت خیز و طرب انگیز ہیں، جنگو باد قسم کے خرام ناز نے مرطوب تر بنا کر شبِ مالوہ کے امتیازی نام سے ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں مشہور کر دیا ہے،

**بارش اور زراعت کا نشوونما** بارش عموماً زیادہ ہوتی ہے، پیداوار کے لئے اسکا اوسط (۳۵) انچہ ہے، زمین کی سیرابی کی

وجہ سے فصلیں کی نشوونما کی طاقت اعلیٰ درجہ پر رہتی ہے،

ریح کی پیداوار، گندم، نخود، اسی قابل ذکر ہے۔ گندم فی ہیکلہ کین پختہ اور نخود فی ہیکلہ  
سہ مار کاشت ہوتا ہے، چکی پیداوار کا اوسط موجودہ زمانہ میں چار اور پانچ گنا، اور مخصوص  
دیہات میں دس گنا تک ہے، گزشتہ زمانہ میں، یہاں کی سیاہ زمین اپنی انتہائی طاقت کی بنا پر  
بالعموم دس پندرہ گنا غلہ پیدا کرتی رہی ہے،

خریفہ کی پیداوار میں، جو اداکپاس، تلی، ریلی، سرسوں، مٹکا، مشہور اجناس ہیں چکی پیداوار  
معمولی بارش کے ساتھ اچھی ہوتی ہے، اگر بارش غیر معمولی اور مسلسل طور پر ہوئی تو نشوونما قوت عموماً  
دب جاتی ہے، ترکاریوں میں، پالک، تھجی، مٹی، خرفہ، آلو، اروسی، تروٹی، بھنڈی، آل، کدو،  
پرل، وغیرہ زیادہ اور گوبھی، گانٹھ کو بھی، پھندہ کی پیداوار کم ہے،

منفرد اشیاء میں شکر قند، زمین قند، مونگ پھلی، گاجر، بکثرت اور فائیز کی کاشت میں، خربزہ  
تربوڑ، لکڑی، بنگا، دکلڑی کی قسم سے ہے، اوسط درجہ پر ہے، بیشک کی کاشت زمانہ سابق میں یہاں کی  
مشہور تھی، اب بہت کم ہے، کہیں کہیں گڑ بھی بنتا ہے،

غلہ کی چاہی کاشت کا رواج یہاں بہت کم ہے، عموماً بارانی پیداوار پر مخلوق کا دار و مدار ہے، اگر اوسط  
سے زیادہ بارش ہوگی تو فصل خریفہ کو بہت زیادہ نقصان پہنچتا ہے،

**خود رو اشجار** پہاڑ اور جنگل اس علاقہ کے عموماً سرسبز و شاداب ہیں، جن میں اسگون، تینڈر، اسمیں، انوس  
نکلتا ہے، کھڑی، اجار، املٹاس، پیل، آٹولا، گولر، سالر، املی، نیب، ڈاک، پیر  
میرس، سمیل، کچی، گڑا، ساچ، تم، بیجا، کوہا، موکھا، کسم، کچور، بانس، وغیرہ کے درخت بکثرت ہیں، ان میں سے  
گڑا، نیب، آٹولا، کوہا، تم، بیجا، ساچ، کی لکڑیاں عمارتی کام میں آتی ہیں،  
کھیر کی جھاڑی بھی بکثرت ہے، جس کے گودے کا لہنا بنتا ہے،

خوشبودار درختوں میں، کرفندہ، جوحی، بکثرت اور کہیں کہیں نالوں کے کنارے خود رو سیوتی کے بھی درخت ہیں،

لہ پختہ سے مراد یہاں کامروچ وزن ہے، ۱۰ رو پیکلدار کا سیر ہے اس حساب سے ایک من پختہ کا سولہ من بری سمجھا جائیے، ۱۰ مولف

**صحرائی جانور** ششیر، تیندوہ، رچیج، بھیریا، سن کتے، خنزیر، نیل گائے، ہرن، چکارا، سانجھر، علیل، بھیر کی یہاں کے جنگلوں میں بکثرت ہیں،

**پہاڑوں کا سلسلہ** مشہور کوہ سندیا چل، کی شاخیں اس علاقہ میں پھیلی ہوئی ہیں، اکثر پہاڑ بلند، اور کمتر لست ہیں، جنگل نام بھی مختلف مقامات میں جدا جدا ہیں۔

(۱) پہاڑ کا پہلا سلسلہ موضع سیہورہ (علاقہ گوالیار) سے شروع ہو کر علاقہ مذکور میں ۲۶ میل ہوتا ہوا شمال میں بہادر پور علاقہ جاگیر سے گذر کر موضع باموری سالار گنہ سروج میں داخل ہوا ہے، وہاں سے مواضع اللت پور، پیکوئی، قاضی کھٹری، کلیا پور، ہوتا ہوا، خاص سروج کے قریب ایک میل پست ہو کر، جٹاشنکر کی مشہور ٹیکری پر نمودار ہوا ہے، یہاں سے چکر مواضع چٹاپو، رچیج، ہوتا ہوا موضع ٹوکرہ پولیس اسٹیشن کی سرحد پر پہنچا، اور وہاں سے سیہرا، مسکرا ہوتا ہوا سیمری علاقہ سروج کی جنوبی سرحد میں غائب ہو گیا اور پھر آگے چکر موضع مجید گڑھ علاقہ جھوپال میں نمودار ہو کر جھوپال کی طرف چلا گیا ہے، سلسلہ مذکور نے جانب شمال، اللت پور اور غلسرائے کے مابین ۸ میل کا عرض پایا ہے، اور سروج کے قریب گوشہ شمال و مغرب میں، قاضی کھٹری اور جٹاشنکر کے درمیان ۴ میل عرض ہو کر، موضع برہنڈہ تک چلا گیا ہے، اس طرح جٹاشنکر سے چکر ٹوکرہ اور چٹاپو کے بیچ میں ۵ میل کا ہموار سطح ہو گیا ہے، جس پر تانگے، گاڑیاں، باسانی آتی جاتی ہیں، کل ۵۰ میل سروج کے علاقہ میں اس سلسلہ کا طول ہے،

(۲) دوسرا پہاڑی سلسلہ موضع چہاری (علاقہ ریاست راکھو گڑھ سے شروع ہو کر موضع جھوکرہ علاقہ سروج میں داخل ہوا ہے، جھوکرہ سے مواضع ہری پور، تنبیا، فوجپور، مونڈلیہ، بیرا گڑھ ہوتا ہوا موضع دکن کی حد جنوبی میں ختم ہو گیا،

دونوں شاخوں کی رفتار، شمال سے جنوب کو ہے، ان پہاڑوں کے پتھروں کا رنگ کہیں سیاہ، کہیں سرخی مائل اور کہیں بھورا سیاہی مائل ہے،

**مٹی کا رنگ اور اقسام زمین** یہاں کی زمین ذیل کے پانچ اقسام پر منقسم ہے۔

۱۔ مار (سیاہ) زمین کو کہتے ہیں، گہوڑ اور چٹا اس زمین میں زیادہ پیدا ہوتا ہے، مار پڑوا  
اسکا رنگ بھورا ہے۔ ۲۔ (رائلڈ) (کنکری) مار چکنا سیاہ چکنی (مار گوردان آبادی کے قریب والی  
زمینوں کے نام ہیں، کنکری، اور تھیرلی زمین کے علاوہ اور چٹنی اقسام کی زمینیں ہیں وہ قدرتا اس قدر چکنی  
ہیں کہ معمولی بارش میں بھی گاڑیوں اور تانگوں کا چلنا دشوار تر ہو جاتا ہے،

مشہور اور بڑے تالاب پر گند میں یہ ہیں،

## تالاب

۱۔ سروخ کا تالاب، ۲۔ بیگہ، ۳۔ تروریہ کا تالاب، ۴۔ بیگہ، ۵۔ باموری  
کا تالاب، ۶۔ بیگہ، ۷۔ تال کا تالاب، ۸۔ گہ بیگہ، ۹۔ ناری کلاں کا تالاب، ۱۰۔ بیگہ، ۱۱۔ راکھوگٹ  
کا تالاب، ۱۲۔ بیگہ، ۱۳۔ مغسراے کا تال، ۱۴۔ بیگہ، ۱۵۔ روسلی ماہو کا تال، ۱۶۔ بیگہ، ۱۷۔ بیگہ  
کا تال، ۱۸۔ بیگہ، یہ وہ رقبہ ہے جو تہ آب ہے، زیر کاشت رقبہ علاوہ و سنگھاڑے تالابوں میں  
بکثرت ہوتے ہیں، کہیں کہیں گل نیلو فر خود کو بھی ہوتا ہے، آب پاشی کا کام تالابوں سے نہیں لیا جاتا،  
ان تالابوں کے علاوہ سیکڑوں تالائی بھی ہیں جنکو نظر انداز کر دیا گیا ہے،

اس علاقہ میں چار بڑی اور دو چھوٹی کل ۶ ندیاں ہیں، جنکا مخرج بھی اسی علاقہ میں ہے،

## ندیاں

۱۔ تالے بشمار ہیں جو اکثر انہیں ندیوں میں مل گئے ہیں، ندیوں کی تفصیل یہ ہے،  
۲۔ سین ندی، موضع گونی تالائی علاقہ تحصیل لیٹری کی تالائی سے نکل کر مواضعات محبت پور، موئندہ راساگر،

۳۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ سانپ کی سیاہ رنگت کی بنا پر زمین کا نام مار رکھا گیا ہے یہ تو یہ کچھ موزوں نہیں معلوم  
ہوتی، مولف کی رائے یہ ہے کہ پیداوار کے لحاظ سے مزہ زمین کو مال کہتے ہیں وہی مال لب دلچر کی خرابی سے،  
یہ تبدیل حرف (ر) مار ہو گیا جیسا کہ دیہاتی عوام مال کو ہر ہلدی کو ہر دی کہتے اور بولتے ہیں ۱۲۱۱ مولف،

۴۔ یہ تالاب قدیم ہے، نواب امیر الدولہ بہادر نے تالاب کے مشرق میں پختہ گھاٹ بنوا دیا تھا جسکے اب کچھ آثار باقی ہیں،  
۵۔ جو اہری ندی، بیگتی ندی، بیاس ندی، بھی سروخ کے علاقہ میں ہیں، اگر دراصل یہ بڑے تالے ہیں جو ندی کے نام  
سے مشہور ہو گئے ہیں، انیس بھی جا سجاوہ ہیں جنہیں چھلیاں بکثرت ہوتی ہیں، ۱۲ مولف،

ڈونڈ کھڑی، اولاکھڑی، کاچی کھڑی، جھکونت پور ہوتی ہوئی موضع بسراپور سے گذر کر موضع روستی  
(علاقہ آرون) میں داخل ہو گئی ہے، جنوب سے شمال کو اسکی روانی ہے، اور کل ۱۹ میل اس علاقہ  
میں جاری ہے، پانچ نالوں کے اشتمال نے اسکے پاٹ کو وسیع کر کے جا بجا ڈھ ڈال دیے ہیں، جنہیں بارہ  
مینے پانی رہتا ہے، مچھلیاں بھی کثرت ہوتی ہیں، علاقہ گوالیار میں اس ندی کا نام سندھ شہور ہے،  
۲۰ کیتھن ندی، مواضعات باموری اور شرورہا کے تالاب اسکے خارج ہیں، ان دونوں تالابوں  
سے دوناے نکلتے ہیں، اور میان میں اور کئی نالے شامل ہو کر خاص سروخ کی آبادی کے مغربی گوشہ سے  
نکل کر گوشہ شمال و مغرب میں ہوتی ہوئی مواضعات چاٹھولی، بھولیا، ہرگنا کھڑی سے گذر کر موضع  
بھوریا پور گنہ بہا در پور علاقہ گوالیار) میں داخل ہو گئی ہے، بہاؤ اسکا گوشہ مغرب اور جنوب سے،  
شمال میں ہو کر مشرقی سمت ہے، زمین تہ آب ریتیلی، اور ۸ میل اس علاقہ میں جاری ہے،  
۳۰ سگرڈی، مواضعات سگرڈ اور دھڑک کے بہاؤوں سے نکل کر ڈوگرہ، سحر کھڑی، دھواس، وغیرہ  
دیہات میں ہوتی ہوئی اگرہ علاقہ گوالیار میں چلی گئی ہے، گوشہ شمال و جنوب سے گوشہ جنوب مشرق  
میں جاری ہے، اور ۱۲ میل اس علاقہ میں اسکا پھیلاؤ ہے، زمین تہ آب پتھریلی ہے، اور کہیں ریتیلی ہے،  
مواضعات سوچا، اور ڈوگرہ کے نیچے بارہ مینے پانی رہتا ہے، مچھلیاں کثرت ہوتی ہیں،  
۴۰ نرین ندی، سروخ سے ۸ میل کے فاصلہ پر موضع کاگر کھڑی ہے، وہاں کے رقبہ سے  
ایک نالہ نکل کر مواضعات مونڈرا، کینرہ، لڈہورہ ہوتا ہوا اپنے ساتھ اور کئی ایک نالوں کو شامل کرتا رہا  
ہو موضع گھوگرہ، علاقہ گوالیار میں داخل ہو کر نرین ندی کے نام سے مشہور ہو گیا ہے، گھوگرہ سے چل کر  
اس علاقہ کے مواضعات عمریا، اونارسی تال رائے کھڑی، رضا کھڑی میں پھر نمودار ہوا، اور یہاں سے  
موضع مٹھولی (علاقہ گوالیار) میں چلا گیا ہے، تہ آب ریتیلی زمین کم اور مٹی زائد کل ۱۴ میل اس علاقہ  
میں مغرب سے مشرق کی سمت جاری ہے،

۵۰ ٹیم ندی، ایٹری کا تالاب اسکا خیزج ہے، مواضعات باندر سینان، احمد پور، بیجو کھڑی،  
دھیر گڈھ، دکن، کل ۱۶ میل اس علاقہ میں ہوتی ہوئی موضع بالاپور علاقہ مقصود ننگڑھ میں داخل

ہو گئی ہے۔ جس کا بہاؤ شمال سے جنوب کو ہے، اسات تالے اس میں شامل ہو گئے ہیں، بارہ  
 مہینہ پانی رہتا ہے، زمین ریتیلی ہے،

۱۷ مہٹر پندی، سروج سے ۲۰ میل کے فاصلہ پر مواضعات جھوگائی اور تندیہ اس سے دو تالے  
 نکھر مہٹر پندی کے نام سے شہرت پذیر ہو گئے ہیں، یہ تندی مواضعات بسیل گڈھ آری، تاجپور  
 چندیری ہوتی ہوئی علاقہ مقصود نکڈھ میں داخل ہو گئی ہے، مشرق سے مغرب کی طرف ۸ میل  
 اس علاقہ میں جاری ہے،

۱۸ کٹھ واقع موضع دیو پور ۶۰ گز مربع اور ۱۰ گز عمیق پختہ تھا ہوا ہے، پانی کا خرچ  
 ۱۸ کٹھ دامن کوہ ہے، جہاں سے پانی پھڑک کٹھ میں جمع ہوتا ہے، اور کٹھ سے جو پانی پھڑک رہا ہے  
 اُس سے ایک نالہ نکھر دوڑ نک چلا گیا ہے، کاتک مڈی پونم کو یہاں اہل ہندو کثرت سے جمع ہو کر  
 نہاتے ہیں، اُن کے نزدیک یہ مقام متبرک ہے،

۱۹ مڈاگن کٹھ سروج سے مغرب میں ۲۸ میل کے فاصلہ پر موضع جہاں ہے، جسکے حدود میں ہم گز  
 مربع رقبہ میں پختہ کٹھ بنا ہوا ہے، جسکی گہرائی ۱۰ گز ہے، کتبہ کوئی نہیں ہے، کٹھ کی مرمت  
 پرستارن کٹھ کی طرف سے ہوتی ہے، اشکرات کے روز نہان مہندوں کا ہوتا ہے، جس کی تیاری  
 ماگہ بدی ۱۰ ہے،

۲۰ چھوٹی مڈاگن کٹھ۔ خاص لیٹری کے رقبہ میں آبادی سے مغرب جانب ایک قدیم مندر کے  
 متصل پختہ کٹھ بنا ہوا ہے، گو موجودہ زمانہ میں تقریباً مہندم ہو کر چپ ہو چکا ہے، تاہم پانی کی مقدار  
 بھرا رہتا ہے، پہلے یہاں بھی نہان ہوتا تھا، اب موقوف ہے،

۲۱ رادہ کٹھ ۱۷ کمرش کٹھ پکستور کٹھ، خاص سروج کے اطراف میں ہیں، پہاڑوں سے  
 پانی کی آمد ہے، لیکن گرمی میں پانی کی آمد بند ہو جاتی ہے ۱۷ کمرہ مڈاگن کٹھ، سروج سے شمال  
 میں ۱۹ میل کے فاصلہ پر ہے، کٹھ پختہ ہے، جس میں پہاڑ سے پانی پھڑک جمع ہوتا ہے، بارہ مہینہ پانی  
 کی آمد رہتی ہے، کٹھ کا رقبہ ۲۴ گز مربع ہے، اور گہرائی ۴ گز ہے،



## چاہات

تمام علاقہ میں پختہ چاہات ۶۰۲ اور خام ۲۲۹ کل ۸۳۱ ہیں  
ان میں سے ۶۲۲ آب نوشی کے لئے مخصوص ہیں۔ اور ۲۰۹

آپاشی کے کام آتے ہیں۔

## کان

بانسکھیری گوگل سرونج سے ۱۰ میل کے فاصلہ پر شمال میں ایک  
موضع ہے، جہاں پھوئی مٹی کی کان ہے، اور یہ قدیم ہے، اس کے علاوہ

بعد میں ذیل کے دیہات میں بھی پھوئی مٹی کی کانیں برآمد ہوئی ہیں۔ جن کا ٹھیکہ ریاست  
کی طرف سے دیا جاتا ہے۔

موضع کانکر کھیری - موضع چنیا کھو، موضع سیل کھیری - موضع گنا بانسکھیری  
موضع باموری حوض - پتھر کی کوئی کان نہیں ہے - سیاہ پتھر کے ٹکڑے بکثرت جگہ سے نکلتے  
ہیں۔ اونہی پتھروں کو تراش کر دیواروں کی چٹائی کے کام میں لایا جاتا ہے۔ یہاں کی زبان  
میں صاف شدہ پتھروں کو چنگھاری اور کھریل کہتے ہیں،

## زبان

علاقہ سرونج کی دیہاتی مادری زبان مالوی ہے، جو ادھین کے  
اطراف میں بولی جاتی ہے، لیکن تقریباً دو صدی سے یہاں کی مالوی

زبان بہا شہ اور اردو کی آمیزش سے اس قدر صاف ہو گئی ہے کہ اسکو دیہاتی اردو کہنا  
زیادہ موزوں ہے۔ خاص قصبہ کے اعلیٰ طبقہ کے باشندوں کی زبان اردو ہے۔

## اقوام

دیہات میں، مسلمان، قومیں کم، اور ہندو زیادہ ہیں۔ مسلمانوں کی کاشتکار  
قومیں عموماً یہ ہیں۔

گدھی، میواتی، مہوتیہ - اور ہندو قومیں حسب ذیل ہیں۔

رگھنسی، وانگی، باگرھی - (جنگلوں کیلئے راجپوت بھی کہتے ہیں) برہمن، اہیر، کاچی، زیادہ

اور راجپوت، اینہ، گوجر، ہیل، صحریہ، ڈہیمیر، دکھار، دہوئی، کہاتی، لوہار، نانائی کم ہیں

قبیلہ کے چاروں طرف باغات کی کثرت ہے، جن میں اینہ،

جامن، کھرنی، امرود، تیرلیہوں، نارنگی، گولر، اینہ، گوندی

## سوادسرونج

رسلہ، انجیر، فالسہ، آرنڈکٹھی، وغیرہ اشجار ہیں، سوادسرونج ہر موسم میں شاداب و  
طرب انگیز نظر آتا ہے، آبادی کے شرقی سمت کو سوں ہموار میدان ہے، اس حصہ کو یہاں  
کی زبان میں تلہٹی یعنی نیلی حصہ کہتے ہیں، باقی اطراف میں پہاڑیوں کا سلسلہ ہے، جن پر خود  
درخت بکثرت ہوتے ہیں، موسم گرما میں کوندہ کا پھول کثرت سے پھوٹتا ہے اور خوشبودار  
ہے مغربی اور جنوبی سطح بلند ہے اس لئے اسکو اوپر ٹیٹی کہتے ہیں،

یہ بات قابل اظہار افسوس ہے کہ باغات کی تنصیب کا رواج یہاں عرصہ سے نہیں ہے۔  
کہ ثمر دار اشجار کھنگی کی وجہ سے متاثر ہوتے جاتے ہیں۔ اور ان کی  
جگہ نئے درخت قائم نہیں ہوتے۔ جو لوگوں کی بدشوقی اور عدم رغبت کی  
دلیل ہے۔ لہ

لہ جغرافیہ کے بیان اور ترتیب میں زیادہ تر گزٹیر سے مدد لی گئی ہے کہیں کہیں

مؤلف کی ذاتی تحقیقات بھی شامل ہے ۱۲۰

## دوسرا باب

### سروج کی وجہ تسمیہ اور اُسکی آبادی کی تحقیقات

**زبانی روایات** یہاں عموماً دو روایت، سروج کے استقرار نام کے متعلق مشہور ہیں، ایک کہ سلطان شیر شاہ سوری، حیو قت دورہ کرتا ہوا، سروج میں داخل ہوا اور حضرت مجنون شہید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (جن کا مزار مبارک بازار میں کوٹوالی قدیم کے متصل ہے) کے ایسار سے اُس نے سروج کو آباد کرایا، اور چونکہ تین روز یا تیس روز میں شہر آباد ہو گیا تھا، اس مناسبت سے، اسی روز یا سہ روز نام رکھا گیا کثرت استعمال سے سروج ہو گیا، یہ کہ شیر شاہ نے بلا کسی تحریک و ترغیب کے اسکو از سر نو آباد کر کے اپنے نام کے انتساب سے شیر گنج نام قرار دیا، شیر گنج کا بڑا بڑا سروج ہو گیا، سروج کی آبادی کی تحقیقات میں اسوقت تک کوئی مفصل تاریخ نظر سے نہیں گذری، اگرچہ میں البتہ کچھ جمالی حالات درج ہیں، جسکو تاریخ نہیں کہا جاسکتا، مؤلف نے کوئی تحقیقات کا ذریعہ فرو گذاشت نہیں کیا، قدیم و جدید کتابیں چھان ڈالیں، سلطان شیر شاہ کے کارناموں کا غور مطالعہ کیا، لیکن ان دونوں روایتوں کی تصدیق کسی ایک تاریخ سے بھی نہیں ہوتی،

**تاریخی اندراج** البتہ کتاب مرآت العالم عرف جامع التواریخ اردو مؤلف مولوی موج حسین خان صاحب سندیلوی مطبوعہ ۱۳۱۵ھ اور کتاب وقائع دہلی، الف نواب دلیر محمد خاں بہادر رئیس کورواٹی مطبوعہ ۱۳۱۵ھ میں شیر گنج عرف سروج لکھا ہوا نظر سے گذرا ہے، لیکن ان کتابوں کے مؤلفین نے کسی ایسی تاریخی کتاب کا حوالہ نہیں دیا جس سے انہوں نے

نقل کیا ہے، اس لئے اندراج مذکور لائق استناد نہیں ہے، شیر گنج کی وجہ تسمیہ کے متعلق ایک مابعد کی اردو تاریخ کی روایت بھی قابل اظہار ہے، جسکے مولف کو ٹونک اور تاریخ ٹونک سے خاص نسبت بھی ہے۔ مولوی سید اصغر علی صاحب آبرو ساکن ٹونک نے حدیقہ راجستان کے نام سے ایک ضخیم تاریخی کتاب مرتب کر کے شائع کی ہے، سرورج کی آبادی کی نسبت کتاب مذکور کی یہ عبارت البتہ قابل تنقید و جب شیر شاہ مذکور سرورج آیا تو سینگراجپوتوں نے شاہی رسد کو لوٹ لیا، بحکم شاہی جملہ راجپوت اپنے کینفر کردار کو پہنچے، پھر بادشاہ موصوف نے سرورج کو آباد کر کے شیر گنج سے موسوم کیا، اور ۳۵۹ دیہات اسکے متعلق کر کے پرگنہ کی حیثیت میں تبدیل کرتے ہوئے، اوجین کے ماتحت اور اوجین کو دیہی کے ماتحت کیا،

اصول فن تاریخ کے لحاظ سے مورخ کو یہ زیبا نہیں ہے کہ غیر مصدقہ بیانات کے آگے اپنا سر تسلیم خم کرے۔ اگر مورخ ایسا کرے تو ظاہر ہے کہ اسکا اعتبار مورخین کے طبقہ میں قائم نہیں رہ سکتا، مورخ کا اولین اور ضروری فرض یہ ہے کہ ہر تاریخی مسنون کو تحریری استاد کے حوالہ سے نقل کرے، اور اگر وہ کسی زبانی روایت یا غیر مصدقہ اندراجات کو بیان یا نقل کرنا چاہے تو اسکو لکھکر روایت کے اصول و معیار پر تنقید کرتے ہوئے صحت یا عدم صحت، قابل قیاس یا ناقابل قیاس ہونے پر اپنی رائے ظاہر کرتا ہوا چلا جائے،

بیان کیا جاتا ہے کہ سرورج کو سلطان شیر شاہ نے تین یا تیس روز میں آباد کر کے سی روز یا شیر گنج نام رکھا، اور ۳۵۹ دیہات اسکے شامل کر کے پرگنہ کی حیثیت سے اسکو عزت بخشی،

یہاں تک تو قریب قیاس ہے، کہ سی روز یا شیر گنج سے سرورج ہو جانا ممکنات سے ہے، حیطہ شاہ مارون پور سے، سہارنپور، جاتے بیش سے جاتیں، شالیتہ آباد سے سیر آباد، آساہیر سے آیسرا، زبیر نگر سے جٹا نگر وغیرہ وغیرہ، لیکن تصفیہ طلب یہ امر ہے کہ سلطان شیر شاہ سوری نے سرورج کو آباد بھی کیا ہے یا نہیں، اور کیا سرورج کو سلطان موصوف نے پرگنہ بنایا، یا پہلے سے سرورج پرگنہ تھا، سلطان موصوف کے عہد حکومت کے حالات فارسی وار دو تالیفوں میں درج ہیں، اسکے اساسی

آثار میں سے، شیرگڑھ، متعلقہ قنوج، قلعہ شیرکوہ (علاقہ بہرہ کند) قلعہ رہتاس خورد، شیرکوٹ، دہلی کی آبادی کی تجدید، اور سینکڑوں جہانسرے ڈاک کی چکیاں، شفا خانے، مساجد، وغیرہ ہیں۔ تاریخوں میں جنکے نام محفوظ ہیں، لیکن تعجب ہے کہ شیرگنج عرف مینج کی شہری آبادی کے نام سے صفحات تاریخ خالی ہیں۔

**شیرشاہ سوری** سلطان شیرشاہ کے کارناموں سے انکار نہیں ہو سکتا، تاریخ اس بات کی ضرورت شاہد ہے کہ ۹۴ھ میں ہمایوں شاہ کو کامل شکست دیکر سلطان موصوف

۱۰ نام فرید خاں، باپ کا نام حسن خاں، دادا کا نام ابراہیم خاں قبیلہ سود سے تھا، سلطان سکندریا خاں، بن ہتھول لودی کے عہد میں ابراہیم خاں ہندوستان آیا، موضع نندہ تاج نارنوں میں توطن اختیار کیا، تجارت شروع کی، پھر بحال خاں حاکم چنپور کے پاس ملازمت اختیار کی، حسن خاں اور اسکا فرزند جن خدمات کے صلہ میں زیادہ مقرب ہوا، پرگنہ مہسرا ڈٹانڈہ او سکواگیر میں لے، فرید خاں نے اپنے باپ کی جاگیر کا عہدہ انتظام کیا چند دن کے بعد حسن خاں اپنی کنیز منکوہ کے درغلنے سے فرید خاں سے کبیدہ خاطر ہو گیا، فرید خاں جو پورہ پنچا، حسن خاں کی وفات پر جاگیر فرید خاں کے نام منتقل ہو گئی، جس زمانہ میں باہر نے سلطان ابراہیم لودی کو شکست دی ہے اور سلطان قتل ہوا، فرید خاں سلطان محمد وائی بہار کے پاس چلا گیا۔ اور نوکر ہو گیا، کسی موقع پر فرید خاں نے شیرکوٹھ سے مارا، شیر خاں کا خطاب ملا، پھر کسی بات پر ناراض ہو کر فرید خاں سلطان جنید کے پاس پانچوڑ چلا گیا، ایک موقع پر سلطان جنید کے ہمراہ فرید خاں دہلی آیا باہر کے حالات کا تفحص کر کے ایک روز فرید خاں نے کہا کہ مغل دوسروں کے بھروسہ پر حکومت کرتے ہیں، اگر افغانوں میں اتفاق ہو تو مغلوں کا ہندوستان سے لگانا مشورہ نہیں ہے، دوستوں نے اس قسم کی گفتگو سے روکا، اسی زمانہ میں سلطان جنید کے ہمراہ ایک روز باہر کے دسترخوان پر فرید خاں بھی شریک ہوا، دہنہ کا گوشت سامنے آیا، فرید خاں چھری سے کاٹ کر گوشت پتا کھٹ کھانے لگا، باہر نے خود سے دیکھ کر سلطان جنید سے کہا کہ اس شخص کی آنکھوں نے فتنہ ٹپکتا ہے، نظر بند کر لو، سلطان جنید نے اپنے بھائی کی طرف سے معذرت کی، شیر خاں قیافہ سے گفتگو کا حلال معلوم کر کے دہانے روانہ ہو کر سید ابراہیم پنچا، او نوکر ہو گیا، کارگزاروں نے اسے ہتھیلی بنایا جب وائی بہار نے رھلت کی تو اسکا بچہ بنا لے تھا، اسلئے تمام ملکی کام شیر خاں کے ہاتھ میں رہے، اس زمانہ میں اسنے اسقدر قوت ہم پنچائی کہ ہمایوں شاہ سے بھی دوسرے جنگ کی شکست ۹۴ھ میں ہمایوں شاہ پر غالب آکر شیرشاہ کے لقب سے ہندوستان کا بادشاہ ہوا، ۱۲ (فرشتہ، مخزن افغانی)

اضلاع کے انتظام کی غرض سے ۹۴۹ھ میں مالوہ کی طرف آیا، اور ضروری انتظام کے بعد واپس گیا۔  
 ۹۵۰ھ میں دوبارہ راسین آیا، اور قلعہ مفتوح ہوا، اس واقعہ کے بعد سلطان شیر شاہ نے راسین کی حکومت شہباز خاں کے سپرد کی اور خود اگرہ چلا گیا، اسے بارہا سکنا مالوہ میں ثابت نہیں ہے،  
 ۹۵۲ھ میں جبکہ سلطان قلعہ کالجھر کے محاصرہ میں مصروف تھا، اتفاقاً آتشین حقہ پھٹنے سے شاہی سلاح خانہ میں آگ لگی، سلطان قریب تھا، دوسروں کے ساتھ وہ بھی جلا، اور اسی صدمہ سے راہی ملک بھا ہوا، کسی شاعر نے حسب حال ذیل کی تاریخ موزوں کی ہے۔

شیر شاہ ہے کہ از مہابت او شیر و بزرگ آب را ہم بخورد  
 چوں برفت از جہاں بدر بقا گفت تاریخ او، تراش مرد

اسیں شک و شبہ نہیں کہ سلطان موصوف نے اپنے ۱۶ سالہ عہد امارت، اور پانچ سالہ دورِ سلطنت میں جتنے رفاہیہ آثار یا دگار چھوڑے ہیں، ملکی نظام کے جتنے بہترین قوانین مرتب کئے ہیں، عاقلانہ کارنامے، مستعد ریادگار چھوڑے ہیں، اور بیدار مغزی و رعیت نوازی کے ساتھ جس اعلیٰ پیمانہ پر حکومت کی ہے، ان تمام اوصاف میں اگر اسکا کوئی حریف ہو سکتا ہے تو مؤلف کی رائے میں سلطان فیروز شاہ تغلق سلطان دہلی المتوفی ۹۳۳ھ ہے، جو افغانوں میں بہترین یاد شاہ گذرایا،

۱۔ موجودہ تقسیم ملکی دوسے،، کا بخر ضلع باندہ کشنری آباد میں واقع ہے،، ۱۲ مؤلف

۲۔ موزین اسکو بہترین بادشاہ کہتے ہیں اسکے عدل و داد، رعایہ پروری، نیک خصائل اور جن انتظام کے مخالفت موزین بھی قائل ہیں، اسکے عہد کے آثار کی تفصیل یہ ہے،،

۵۰ (۱) دیواروں کے باندہ آبپاشی کی غرض سے (۲) ۱۵۰ اچل (۳) ۳۶ تالاب (۴) ۲۰ محل (۵) ۴۰ مساجد  
 (۶) ۳ مدارس (۷) ۱۰۰ شفا خانے (۸) ۱۰۰ حمام (۹) ۵ مقابر (۱۰) ۱۰۰ اکار و انسرے (۱۱) ۲۰۰ قصبات (۱۲) جن کی ہر جو کرناں ہوتی ہوئی ہانسی حصار ملکی تھی،، ۱۲ (فرشتہ جامع التواریخ)

مؤلف

ابھی اوصاف کی بدولت آج تک اسکا نام بہترین بادشاہوں میں شمار ہوتا ہے ،،  
جزائے حسنِ عمل میں کہ روزگار نہوے خراب می نکند بارگاہ کسرے را  
لیکن سلطان موصوف کے کارناموں کی طویل فہرست میں شیر گنج عرف سروج کے نام کی  
کوئی آبادی درج نہیں ہے ،

سلطان شیر شاہ کے بعد شاہانِ تیموریہ کا میکڑوں برس دور دورہ رہا ، ان کے عہد کی عمارتی  
فہرستوں میں بھی اس نام کی کوئی جتنی درج نہیں ہے ، ہاں اکبری ، شاہجہانی ، محمد شاہی ، عہدیں سروج  
کا نام ضرور پایا جاتا ہے ، لیکن پھر بھی آبادی کے تذکرہ سے قالی ہے ، محض بعض تاریخی تذکرہ کے سلسلہ  
میں نام آگیا ہے ، تعجب ہے کہ اکبری عہد میں علامہ فیضی سفارت خاندیس کو جاتے ہوئے ۹۹۹ھ  
میں سروج مقیم ہوا ہے ، تو سروج کے معلق اُنہیں کے یہ الفاظ ہیں ،،

(شہر سروج کہ حکم بندر دار ، خواجہ سرا (نام مقامی حاکم) درویرانی او تقصیر نمیکند ،،)  
سروج کو شیر گنج نہیں لکھا ، حالانکہ بمقابلہ ۹۳۹ھ جو سروج کی آبادی کا زمانہ بتلایا جاتا ہے  
علامہ موصوف کے دور و سروج میں صرف ۵۰ سال کا فصل ہے ، جب بیان کئے ہوئے  
آبادی کے قریب تر زمانہ میں شیر گنج اسکا نام مشہور نہ تھا ، تو بالید کی اردو تاریخوں میں نہیں معلوم  
شیر گنج کہاں سے اذکر صفحہ قرطاس پر نمایاں ہو گیا ، تاریخ آئینہ جاں نما ، مرآۃ العالم فارسی ، اور آئین اکبری  
میں سروج ہی لکھا ہے ، نہ شیر گنج ، اب ہی دوسری یہ بحث کہ شیر شاہ نے آبادی کے بعد ۳۵۹  
دیہات اس کے شامل کر کے پرگنہ کی حیثیت میں تبدیل کر دیا تھا ، تاریخ اس بارہ میں بھی ساکت ہے ،  
جس قدیم فہرست موجودہ دفتر نظامت کی بنا پر ایسا ظاہر کیا گیا ہے ، وہی فہرست اس بیان کی  
تردید بھی کرتی ہے ،،

۱۲۰۰ھ دربار اکبری مؤلف شمس العلماء آزاد - دہلوی تذکرہ فیضی ، ۱۲ مولف

۱۲۰۰ھ یہ فہرست دفتر قانون گوئی سروج میں محفوظ ہے ، اسی فہرست کے حوالے سے گزشتہ تاریخ نوٹک میں اس روایت کا اندراج ہوا ہے

یہ تحقیق شہ امر ہے کہ شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر نے اپنے عہد حکومت میں بعض ایسیوں کے نام تبدیل کئے ہیں، اور جن کا نام دار الفتح بہلیہ کا نام عالمگیر پور، قصیدہ لٹری علاقہ سرورج کا نام اورنگشاہ پور رکھا تھا، قدیم شاہی اسناد میں یہ نام درج ہیں،

یہی اورنگ شاہ پور، فہرست مذکور میں سب سے پہلے درج ہے، غور طلب امر یہ ہے کہ اورنگ زیب بمقابلہ ۱۶۵۹ء دورہ شیر شاہی صوبہ مالوہ کے پورے ۱۱۹ سال بعد ۱۷۷۸ء میں تخت نشین ہوا ہے، شیر شاہ کو مستقبل کی کیا خبر تھی کہ ۱۱۹ سال بعد شاہجہانکا بیٹا اورنگ زیب پیدا ہو کر لٹری کا نام اپنے نام پر تبدیل کرے گا، اگر قدیم نام لٹری درج ہوتا تو قیاس کو گنجائش تھی، گو اور واقعات اسکی تکذیب میں بھی پیش کئے جاسکتے ہیں، اسلئے فہرست مذکور عہد عالمگیر یا اسکے بعد کی ہو سکتی ہے، نہ شیر شاہی عہد کی،

**کتبہ ۱۹۹ء** سرورج کی قدیم آبادی کے متعلق ایک پختہ قبر کا کتبہ (جس پر اوپر ہے ہوئے ہندو ہوں میں ۱۹۹ء نقش ہے، اور جو محلہ کٹری کے سوا میں جہنگو کے ایلیوں کے نیچے

واقع ہے) استدلال میں پیش کیا جاتا ہے، اور بیان کیا جاتا ہے کہ یہاں ۱۹۹ء سے پہلے مسلمان آباد تھے، مولف نے کتبہ کو دیکھا ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ۱۹۹ء بہت صاف کندہ ہے، لیکن تاریخ اسلام میں اس بات کی تصدیق نہیں ہوتی کہ ۱۹۹ء سے پہلے وسط ہند میں مسلمانوں کی جماعت آباد تھی، محض کتبہ پر بھروسہ کر لینا، سخت غلطی ہے، سنگ تراش کی تو غلطی ہے کہ اس نے ۱۹۹ء ہجری کے صدی کے صفر کو اڑا دیا ہے، یا ۹۹۹ء ہجری کے صدی کے عدد ۹ کو عدد ۱ کندہ کر دیا ہے، جس سے ۱۹۹ پڑا جاتا ہے، اور مدعیان ۱۹۹ء ہجری کی یہ نادانی ہے کہ وہ ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد کے سنوآت کو تاریخ سے مل کر اگر نہیں دیکھتے، نہ یہ دیکھتے ہیں کہ قبر زیر بحث کے متصل ابھی متعدد قبریں اسی نمونہ کی موجود ہیں جو دو سو سال سے تراید کی معلوم نہیں ہوتیں، نہ ان میں طرز قدامت کے آثار ہیں، اگر تسلیم کر لیا جائے کہ

۱۵ سند محمد شاہی ۲۳ جلوس مطابق ۱۱۵۳ء جبکہ ذریعہ سے صبیگہ آراضی معانی موضع انند پور قلعہ اورنگ شاہ پور میں راجا جہایت خاں باد فروش کو عطا ہوئی ہے، ۱۲ مولف،



تقریر بحث واقعی ۹۹ھ کی ہے تو اُس کے ساتھ ہی یہ بھی تسلیم کرنا پڑیگا کہ اُس وقت کافی جماعت سروج میں مسلمانوں کی موجود تھی مگر مشکل یہ ہے کہ تاریخ اسلام اس دلیل کے بالکل خلاف ہے ،

مسلمانوں کی ہندوستان میں آمد جس زمانہ میں آفتاب رسالت اُفقِ عرب سے طلوع ہو کر انوار توحید کی مینا پاشیوں میں مصروف تھا، اُس وقت

سرزمینِ عرب کا اکثر حصہ تنویر اسلام سے منور ہو چکا تھا، خلفائے راشدین کے عہدِ خلافت میں وہی روشنی استعدا پر طبعی اور بڑھکر پھیلی کہ رجبِ منکون کے تمام تالک مطالع اُس سے جگمگا اُٹھے، ہندوستان کے بعض سرحدی حصوں نے بھی بقدر استعداد فیض قبول کیا، جسکی تفصیل یہ ہے کہ خاندانِ توحید و رسالت میں سے جسے سب سے پہلے تبلیغ و اشاعتِ اسلام کے سلسلہ میں ہندوستانی حدود میں قدم رکھا ہے ، وہ ہلب بن ابی صفر ہے، ۳۳ھ کا آغاز، اور امیر معاویہ کا دورِ خلافت تھا کہ عبدالرحمن بن سمرہ نے عبداللہ بن ربیع والی بصرہ و خراسان سے اجازت لیکر کابل پر فوج کشی کی، اور اسے فتح کیا،

عبدالرحمن فاتح کابل کے ہمراہ ہلب بن ابی صفر بھی تھے، کابل سے ہلب نے ہندوستان کا رخ کیا، اسے راجہ سامری کا عہدِ حکومت تھا کہ ساحلِ مالابار پر مبلغین اسلام کی پہلی کشتی نمودار ہوئی جس نے مٹان تک توحید کا غنڈہ بلند کرتے ہوئے اسلامی پرچم اڑایا، جبکہ سایہ میں ایک کثیر جماعت اسلام لا کر پناہ گیر ہوئی، لیکن اُس نو مسلم جماعت کا وہاں سے ہندوستان کے دیگر حصص میں منتقل ہو کر آنا ثابت نہیں ہے، اس کے بعد راجہ داتہر نے جب نو مسلموں کی غیر صافی آبادی پر انواع انواع کے مظالم کئے اور تبلیغ پر بھی ستم آرائی کی تلافی نہ کی تو اُس وقت عروقی حمیتِ اسلامی حرکت میں آئیں،

خاندانِ نبی امیہ کے چھٹے خلیفہ ولید بن عبدالملک کا عہدِ خلافت، عراق پر حجاج بن یوسف ثقفی کا

ملک تاریخِ ذرشتہ وغیرہ لیکن عربی تاریخوں میں درج ہے کہ پہلا حملہ عہدِ خلافت عثمانی میں برقیات ابن ربیع حضرت عبدالرحمن بن سمرہ صحابی نے سندھ پر کیا تھا، یہ زمانہ ۲۵ھ کا ہے، اس کے بعد ربیع بعدِ خلافت جبابہ بن علیہ السلام معزول ہو کر امیر معاویہ کے عہد میں پھر کمال اور اپنے ساتھ حضرت عبدالرحمن صحابی کو لیا کر سیستان کا حاکم کیا، ۳۵ھ میں ابن سمرہ نے دوبارہ سندھ پر حملہ کیا ۱۲ (تاریخِ سندھ مولانا شریف)

دور امارت، اور ۹۳ھ کا آغاز تھا کہ محمد بن قاسم کا جنگی، پھر یہ نسیم فتح کے جھوٹوں میں لہراتا ہوا  
نومسلموں کی اعانت کے لئے ساحل سندھ پر نمودار ہوا اور اس شان سے رونما ہوا کہ

مسیحیایار و خضرش ہمار کا پ و ہمنان موسے

فتانی شہسوار من بدیں اعزاز می آید، (فتانی)

مئے توحید سے باشند و نکلے سینے لیریز ہوئے، سترت جوش شباب بنگر چہروں سے ٹپکنے لگی،

بانگ توحید نے وہ روح پھونکی کہ زنا تیر سچو نے ناکوس اذانوں سے، مناد مسجدوں سے، کفر اسلام  
سے تبدیل ہونے لگے، راجہ و اہر مقتول ہوا، اسکی فوج کچھ مقتول، واسیر، اور کچھ مغرور ہوئی، اس تخت

میں پنجاب، اور ملتان کا بیشتر حصہ مجاہدین اسلام کے دائرہ اقتدار میں آیا، ۹۶ھ میں حجاج اور خلیفہ  
ولید کی وفات پر محمد بن قاسم کی فتوحات رک گئیں، ڈہائی صدی تک مسلمانوں کا پھر کوئی حملہ ہندوستان

پر نہیں ہوا، تاہم اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ ۹۶ھ سے ۹۷ھ سلطان شہاب الدین غوری کے  
پہلے حملہ ہندوستان تک، پنجاب، ملتان، اور سندھ میں مسلمانوں کی کافی جماعت موجود تھی اور

محققین کی بعض روایت کی رو سے یہ بھی تسلیم ہے کہ ہندوستان کی جنوبی سرزمین (ملا بار) میں دوسری  
قوموں، یہود و نصاریٰ وغیرہ کی طرح اہل عرب کی بھی ظہور اسلام سے قبل آمد و رفت تجارتی سلسلہ سے رہی

ظہور اسلام کے بعد بھی مسلمانوں کا تجارتی سلسلہ برابر قائم رہا، جنہوں نے پرامن طریقہ کے ساتھ اشاعت اسلام

۱۱۱ھ محمد بن قاسم حجاج ثقفی کا چچا زاد بھائی اور اسکا داماد بھی تھا، اسال کی عمر میں صوبہ فارس کی گورنری سے سندھ کی ہم پر  
مامور ہوا، ۹۵ھ و ۹۶ھ کے وفات میں صرف کیے ۹۶ھ میں ملتان فتح کیا، اسی سال حجاج نے اور اس کے آٹھ ماہ بعد

خلیفہ ولید نے انتقال کیا، ۹۶ھ میں سلیمان بن عبدالملک خلیفہ ہوا، اسکو حجاج ثقفی سے دینی عداوت تھی، اسی رنج و عناد  
کی بنا پر محمد بن قاسم کو اس نے معزول کر کے نظر بند کر دیا اور اسی مجلس میں اس نے وفات پائی، عرب مورخین محمد بن قاسم

کے عام صفات کی بحد تعریف کرتے ہوئے اسکی عظمت پر بھی متاسف ہیں (تاریخ سندھ مولانا شرمہ ج ۱)

۱۱۱ھ حقیقت نمبر اول صفحہ ۲۸ مولفہ مولوی اکبر شاہ انصاری، بحوالہ تاریخ فرشتہ ۱۲

کی بھی خدمات انجام دیں، اس طرح ہر ایک معقول اسلامی جماعت حملہ سندھ سے قبل ملا بار میں موجود تھی، اس اسلامی جماعت کا اثر سرانندیب میں بھی پہنچا، جہاں کے راجہ نے اسلام قبول کیا، فرشتہ کی روایت یہ ہے۔

اسرائیمہ حاکم سراندیب بیشتر ازلیان دیگر مواضع ہندوستان پر حقیقت اسلام مطلع شدہ در عہد صحابہ کرام مقلد قلادہ شریعت مصطفوی گردیدہ بود، یہ بھی ثابت ہے کہ اس وقت کا راجہ مالوہ بھی ہمسائیگی کی بنا پر نسل راجہ ملا بار کے اہل عرب کی قدر و منزلت کرتا تھا، لیکن اس جماعت اسلام کا حدود مالوہ یا سروج میں اگر قیام کرنا قطعی غیر ثابت ہے، محمد بن قاسم کے حملہ سندھ کے تقریباً دہائی بعد ۴۹ھ سے ۵۵ھ تک سلطان محمود غزنوی کے ۱۶ حملے ہندوستان پر ہوئے، اور ہر حملے میں مقامی راجاؤں کو مطیع و منقاد کرتا ہوا غزنی لوٹ گیا،

ان تمام تصریحات سے ۱۹۹ھ کا محمولہ کتبہ خلاف قیاس قرار پاتا ہے تاریخ کے مقابل میں بون کی غلطی کا زیادہ امکان ہے جکی مثال سروج میں مومنوں والی مسجد کا کتبہ موجود ہے جس پر سید محمد بن عبدالعزیز خلافت شاہجہانی سنہ ۱۰۰۰ھ کنندہ ہے، حالانکہ یہ سنہ شاہجہاں کی ولادت کا سنہ ہے اور جلوس شاہجہانی سنہ ۱۰۰۰ھ ہے اس میں یہ غلطی ہوئی ہے کہ بجائے سنہ ۱۰۰۰ھ کے ۵ کے ہندسے کو صفر کی صورت میں کنندہ کر دیا ہے جس سے سنہ ۱۰۰۰ھ بڑھ جاتا ہے،

تاریخ، کاغذات قدیم، قرائین، و استاد، کہنے، سکے سی یا علی مولف کی تحقیقات کا نتیجہ مستند ذرائع ایسے ہیں جنکی روشنی میں کسی شہر کسی ملک کسی قوم

کسی بادشاہ کسی رئیس کے حالات اور اس کے عہد کے واقعات تک رسائی ہو سکتی ہے، مولف نے بھی یہی شاہراہ اختیار کی، جس سے اسکو بہت زیادہ کامیابی ہوئی، پھر بھی سروج کی ابتدائی آبادی کا مطلع اسقدر غبار آلود ہے کہ اس پر قطعیت کے ساتھ کوئی رائے قائم نہیں کی جاسکتی، تاریخ میں شہنشاہ اکبر سے قبل سروج کا نام دکھائی نہیں دیتا، کتبوں کے سلسلہ میں سب سے قدیم کتبہ جن مذہب کی اس مورت پر سمنٹ الیکٹری کا ہے جو آبادی سے باہر دھرم پور کے پاس قائم ہے، جسے ۸۷۱ سال ہوتے ہیں بدو سر کتبہ گرد ماری جی کے مندر میں مورت کے پاؤں کے نیچے نقش ہے جو سمنٹ الیکٹری کا ہے جبکو آج تک ۸۲۳ سال ہوئے ماسکے بعد تیسرے نمبر شہنشاہ جلال الدین

اکبر کے زمانہ کا کتبہ کموشاہ کی باؤنی میں نظر سے گزرا جیسے ۹۸۶ھ کنڈہ ہے جسے آج تک ۳۵۸ سال ہوئے  
چوتھے ہجر چینیوں کے مندر کا کتبہ ہے جیسے ۱۶۳۱ھ بکری نقش ہے اسے ۳۵۲ سال ہوئے، پانچویں  
ہجری پر پندرہویں ہجری کے مندر کا کتبہ ۱۶۳۵ھ بکری کا ہے جس کو ۳۴۶ سال ہوئے چھٹے ہجری پر آبادی سے باہر  
نیسویں کی چھتری ہے جو ۱۶۴۵ھ بکری کی تعمیر شدہ ہے جسے ۳۰۸ سال ہوئے، متعدد کتبے ایسے بھی ہیں  
جو تین سو سال سے کم کے ہیں، ان سب کی تفصیل آثار قدیمہ کے عنوان میں آگے آتی ہے، اسکے دستیاب نہیں  
ہوئے، قدیم فرامین کے سلسلہ میں بڑی جستجو، اور محنت سے سلطان شیر شاہ سوری کا فرمان ہاتھ آگیا ہے، اسکے  
بعد کے سلاطین مثل اکبر شاہ، جہانگیر شاہ، شاہ جہاں، شاہ غازی، شاہ شجاع، شاہ شمس، شاہ شمس، شاہ شمس، شاہ شمس  
کوئی سند ہاتھ نہیں آئی، شیر شاہی فرمان کے دیکھنے سے سروج کے متعلق بہت سے واقعات روشنی  
میں آگئے ہیں، جسکو ان سابق مؤرخین اور زبانی روایت کرتے والوں کے سامنے دعویٰ کے ساتھ پیش کرتا  
ہوں جو سروج کا نام سے روزیاسی روزیا شیر گز بتا کر اسکی آبادی کو سلطان موصوف سے منسوب  
کرتے ہیں۔

نقل فرمان مغفرت پناہ  
بادشاہ شیر شاہ

تاریخ غرہ رمضان سنہ  
تسعة واربعین و تسعمائة

اللہ اکبر ۹۹۴ھ

آنکہ عہدہ داران حال وہمہ جاگیر داران وجود ہریان و شقہ داران و کارکنان حال و استقبال و برگز  
سروج سرکار چندیری مضاف راسین بداند کہ سی صد و نو و بیگہ زمین مزروع و افتادہ بیگہ  
شیر شاہی بمحمد ایضے محال پر گنہ مذکور در وجہ مدد معاش فضائل مآب امانت

لہ فرمان کی نقل قاضی رکن الدین کے خاندان میں قاضی شیخ محمد مرتضیٰ صاحب کے پاس موجود ہے، جو کہنگی کی وجہ سے بہت  
دریدہ ہے، اس پر پانچ ہجری اس بات کی تصدیق میں ثبت ہیں کہ النقل کا صلہ، ایک ہجری نام قاضی محمد خطیب پڑھا جاتا  
ہے باقی ہجروں کے نہیں پڑھے گئے، مولف نے بشیر الدین صاحب پیروکار، مرزا الین بیگ صاحب کالہ پرتاب چند  
صاحب قانون گو و غیرہ کو دکھایا جنہوں نے دیکھ کر مضمون مندرجہ کی تصدیق کی اور کہا نقل مطابق اصل کے ہونے میں  
کوئی شک نہیں ہے اور یہ سند اس خاندان میں ملی ہے حکو فرمان مذکور کے ذریعہ سے معافی دی گئی ہے اور آج تک  
معافی بحال ہے اصلی فرمان کے دریدہ ہونے کی بنا پر غالباً اسکی نقل یا تصدیق قضاہ کرائی گئی ہے اور یہی مولف نے اکثر  
اسناد کی نقلیں مستحل بہرہ دیکھی ہیں - ۱۲ مولف

آیات تقویٰ شعار، قاضی رکن الدین محمد و بعضی ائمہ عظام دادہ شد،  
 قاضی رکن الدین محمد <sup>منجملہ سواد قصیدہ و انشا</sup> متوکل الہی <sup>منجملہ سواد قصیدہ</sup> سکندر محمد <sup>منجملہ سواد قصیدہ</sup> سواد قصیدہ من اولاد  
 محمد خلیب <sup>منجملہ سواد قصیدہ</sup> موضع و بارغ، مرغور دار محمد <sup>منجملہ سواد قصیدہ</sup> سواد قصیدہ

می باید کہ زمین مذکور چنانچہ در صدر مستطور است معین دانستہ و سپردہ تسلیم نمایند و از جمیع ابواب  
 دیوان معاف و بی طلب دانند، مشار الیہ وغیرہ مذکورین اسامی و قصیدہ مذکور آبادان و متوطن  
 باشند و طلب علم بکنند و در مسجد جمع پنج وقت نماز با جماعت بگزارند و دہہ تیسر بعد از ظہر  
 بنیاد زند - دریں بسات زیادہ تاکید نظر کنند

قرآن منقولہ صدر کے مضامین سے ذیل کی باتیں ثابت ہوتی ہیں،،

عطاے سند معافی کے وقت (جو شیر شاہ کے مالوہ میں آنے کا سال ہے) سروج  
 پرگنہ کی حیثیت سے سطح ارض پر موجود تھا، نہ شیر شاہ نے اسکو پرگنہ بنایا نہ شیر گنج نام رکھا، نہ  
 اسکو بسایا، اگر ایسا ہوتا تو ب سو پہلے سلطان شیر شاہ کے قلم سے اس کا نام شیر گنج سندیں  
 درج ہوتا،

عطاے سروج میں مسلمانوں کی اُس وقت بھی اس قدر وسیع آبادی تھی کہ سلطان مذکور کو قضاۃ مقرر  
 کرنے کی ضرورت ہوئی، تاکہ مذہبی خصوصیات اون کے ذریعہ سے فیصل ہوں -

عطاے سروج میں ائمہ عظام پہلے سے موجود تھے، جامع مسجد شاہی بھی تھی، پھر شیر شاہ سروج کا

ملہ اس دس تیر بھینکنے کی جو ہدایت اس فرمان میں کی ہے اسکے بابت محمد گرنیسے یہ بات سمجھ میں آئی کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ  
 و التسلیم نے جہاد کی تیاری کے سلسلہ میں مسلمانوں کو گھوڑے کی سواری اور تیر اندازی کی بہت زیادہ تاکید فرمائی ہے یہ بھی  
 فرمایا کہ میرے نزدیک مشق تیر اندازی، گھوڑے کی سواری سے بہتر ہے یہ بھی فرمایا کہ تیر نہانے والا تیر دینے والا اور تیر بھینکنے  
 والا تینوں جتنی ہیں چونکہ شیر شاہ ایک شہوت پرست سلطان تھا خود بھی جنگ کے لئے مستعد رہتا تھا اسلئے عام مسلمانوں کو بھی مستعد  
 کی تعلیم دیتا رہا، بعد نماز ظہر تیر اندازی کے مشغلہ سے مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے وقت بلا طلب لوگ جمع ہو جاتے ہیں  
 اگر اتحادی قوت کے ساتھ مشغلہ جاری رکھینگے تو غیر مسلموں پر اسکا اثر بڑھکا اور خود بھی مستعد رہینگے واللہ اعلم ۴۴ مولف،،

بانی کیسے قرار پاسکتا ہے ،

سے سروج کا اسوقت ضلع چندیری ، اور صدر مقام رائیں تھا اسلئے کہ سلطان محمود ثانی سلطان مالوہ کے عہد حکومت میں شیرازہ نظام درہم درہم ہو کر جا بجا راجپوتوں نے حکومت قائم کر لی تھی ، رائیں کا حاکم بہیا پور نکل مشہور راجہ گذرا ہے ، جس نے رائیں اور چندیری کے پرگنات پر قبضہ کر لیا تھا ، شیر شاہ نے بھی بعد فتح رائیں سابقہ انتظام ملکی کو بحال رکھا ، اور جین اسوقت صوبہ کا صدر مقام نہ تھا ، بعد میں اکبری حکومت نے اسکو دارالحکومت ہونے کی عزت بخشی ہے ۔  
 سلطان مذکور نے سروج کو قصبہ اور پرگنہ کے الفاظ سے یاد کیا ہے ، یہ دونوں امتیازی الفاظ اسوقت بھی سروج کی کافی آبادی پر دلالت کرتے ہیں ،

سلطان موصوف چونکہ خود متشرع سلطان تھا اسلئے دوسروں کو بھی شعائر اسلام کی پابندی کی فرمان میں تاکید کرتا رہا ،

البتہ فرمان کے اس جملہ سے کہ ”مشاور الیہ مذکورین در قصبہ مذکور آبادان و متوطن باشند“ اسقدر ضرور پتہ چلتا ہے کہ سلطان مذکور کو سروج کی ترقی کا خیال تھا ، بہر حال شیر شاہ کے بانی سروج ہونیکا کوئی ثبوت نہیں ، البتہ عام ذہابی روایت کو ملحوظ رکھ کر یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ سروج کی آبادی کو ترقی دے کر ممکن ہے کہ شیر شاہ نے شیر گنج نام رکھا ہو ، اور یہ عام اصول ہے کہ قدیم ناموں کے مقام میں جدید ناموں کو بہت کم فروغ ہوتا ہے ، اس لئے شیر گنج مشہور نہ ہو سکا ، جسکی شہادت کثرت سے موجود ہے آج اکبر آباد ، اور شاہجہاں آباد کے بجائے وہی قدیم نام آگرہ ، اور وہی معروف ہیں تحقیقات کے سلسلہ میں یہ امر پائے ثبوت کو نہیں پہنچا کہ سروج کس زمانہ میں پرگنہ قرار پایا ، البتہ ایک قدیم کاغذ سے (جو مولف کو لیٹری کے ٹپیل کے پاس سے ہاتھ لگا ہے) اس کا پتہ ضرور چلا کہ سمست ۱۵۴۵ بکری سے قبل جسے ( ۴۴۰ سال کا زمانہ گذرا ، قصبہ لیٹری اور اس کے متعلقہ

لہ رائیں موجودہ زمانہ میں ریاست بھوپال کے علاقہ میں واقع ہے جہاں سنگین قلعہ آج بھی موجود ہے ۱۲۰ مولف

متعدد دیہات، پیرگنہ، پٹان گڈھ کی حکومت کے زیر اثر تھے، جن پر سینکڑوں کا عمل رہا، دیہات کی تعداد حسب روایت زبانی ۱۴۲ ہے، ستمبر ۱۹۵۱ء میں قصبہ لیٹری کا پٹیل دزمیندار سریمان نامی تھا جس پر حکومت کو غارتگری کا شبہ ہوا، انتظامی سلسلہ میں چودہ ہزار روپیہ پٹیل مذکور پر تاوان عاید کیا گیا، اور پٹان گڈھ سے علاقہ لیٹری کو علیحدہ کر کے پیرگنہ سسرونج کے تحت میں دیا گیا، اس سے اس بات کا بھی ثبوت ہوتا ہے کہ ۱۴۲ سال قبل بھی سسرونج پیرگنہ تھا، اور یہی نام بھی تھا، اس وقت صوبہ مالوہ میں غیاث الدین سلطان کی حکومت تھی جو سلطان محمود غزنوی کا بیٹا تھا، قصبہ لیٹری پر عالمگیری دورہ سے قبل سینگر راجپوتوں کا قبضہ آثار اور کاغذات قدیم سے ضرور پایا جاتا ہے لیٹری کے محال میں ۱۴۲ دیہات شامل تھے جو بھائی، بیٹوں میں منقسم رہے، مواضع بسیل گڈھ، کوکن گڈھ، ہیر گڈھ، بیر گڈھ، لکراج، مرادیا، ٹوڑا، کالادیو، اور ناری کلاں تنسیا، میں ٹھاکروں کی گڈھی کے آثار اب تک باقی ہیں، اور خود لیٹری کے تحصیل کا دفتر جس عمارت میں آج قائم ہے یہ عمارت بھی سینکڑوں کی ہے، ان عمارت میں سے بعض کا تذکرہ علاقہ سسرونج کے آثار قدیمہ کے عنوان میں مفصل آگے آتا ہے۔

سینکڑوں کا چال چلن ہمیشہ مشتبہ رہا، اور ان کی غارتگری کی بنا پر پائیہ تخت لیٹری، لیٹری کے نام سے معروف ہوا،

شہنشاہ اورنگ زیب نے دورہ مالوہ کے سلسلہ میں لیٹری قیام کر کے سینکڑوں پر سیاسی اثر ڈالا جس کے سبب سے یہ قوم متفرق الماکن ہوئی اور لیٹری کا نام اور نکشاہ پور رکھا، یہ نام سسرونج لہ یہ پیرگنہ چندیری ضلع کے ماتحت تھا، بلکہ سارنگپور کے ماتحت ہونا پایا جاتا ہے، اور سارنگپور لیٹری سے مغرب میں ۳۰ کوس کے فاصلے پر ہے، شاہی زمانہ میں مثل چندیری کے یہ بھی ملک مالوہ کا مشہور سرکار (ضلع) تھا موجودہ دور میں ریاست دیاس کا ایک ضلع ہے۔ ۱۴۲

۱۴۲ ہیر گڈھ، بیر گڈھ، لکراج کوٹری گڈھی درہل گوشائیں کی ہیں یہ قوم مدقون ہوتی ہے، چوتروا کی قبروں پر آج تک باقی ہیں، باغات بھی گوشائیں کے نام سے مشہور ہیں بعد میں سینکڑوں نے ان پر قبضہ کیا ۱۴۱

۱۴۲ گریٹر ٹونک =

کے سرکاری کاغذات میں ۱۹۸۱ء تک درج ہوتا رہا، بعد میں وہی قدیم نام لیٹری درج  
لگا، اعراب میں صرف اس قدر تصرف ہوا کہ بجائے لیٹری کے کپٹری بالفتح مشہور ہو گیا  
کتابی روایت یہ بھی ہے کہ سنہ ۱۶۵۸ء بمکرمی میں سلطان عالمگیر نے جھکونت سنگھ ہاڈا بن شتر و سال  
کو پرگنات متو میدانا، چاچرنی، گوگورا، کھانا، کھیری جاگیر میں دیے تھے، لیکن اپنی قوت بازو  
سے اُس نے علاقہ کو اور وسیع کیا، لیٹری پر بھی فوج کشی کی، سنگروں نے چار ہزار فوج سے  
مقابلہ کیا، مگر مغلوب ہو کر منتشر ہو گئے، آگے کچھ پتہ نہیں چلتا کہ جھکونت سنگھ کا قبضہ لیٹری پر  
کب تک رہا،

یہ امر بھی تحقیق شدہ ہے کہ قبضہ لیٹری اور اُس کے متعلقہ دیہات کی قانون گوئی جدا گانہ تھی، موجود  
منشی لال پٹواری کا خاندان ۱۲ پشت سے لیٹری میں سکونت پذیر ہے، یہی خاندان محال لیٹری کا  
قانون گو رہا ہے، جب سے علاقہ لیٹری سروج میں شامل ہوا خاندان مذکور کے افراد پٹواری رہ گئے،  
سروج کے تعلق قبضہ تال (علاقہ سروج) کا ایک محال اور بھی شامل ہوا ہے، موجودہ زمانہ میں  
تال تحصیل شرقی کا وسیع الرقبہ گاؤں ہے، اور چونکہ تقریباً ۱۱۳ سال قبل پرگنہ کا صدر مقام تھا،  
اسلئے آج تک قبضہ تال مشہور ہے، اس کا الحاق ۱۲۲۲ء کے بعد نواب امیر الدولہ بہادر کے عہد  
میں ہوا، تال میں ایک مسجد آباد ہے، قدیم مسجد شہید ہو چکی ہے، جبکہ کتبہ جدید مسجد میں لگا ہوا ہے  
شاہجہاں بادشاہ غازی کے عہد میں محمد صیغے قدیم مسجد بنوائی تھی، اشعار تاریخ یہ ہیں،

بیس کہ بدور شہ عادل گیتی ستان	شاہجہاں در کرم ثانی صاحبقران
ساخت محمد صیغہ مسجد و جلے صفا	مٹھن برائے خلا مسجد کہ عابدان
پرگنہ تال را رونق و زینت فرود	قوت دیگر گرفت طبع ہمہ سالکان
بود ز ہجرت عیساں پنچہ و چار و ہزار	عقل و خرد دادہ اند قول نبی را نشان

کتبہ کو آج تک ۶۹۱ سال ہوئے، جبکہ تال کو قبضہ لکھا ہے تو سمجھ لینا چاہیے کہ اس وقت بہت



زیادہ آباد ہوگا، موجودہ زمانہ میں مہو بیا قوم گاؤں میں زیادہ آباد ہیں اس کتبہ کے علاوہ قصبہ تال کے کنارے ایک بہت بڑا تالاب ہے، اسکی پال پر ایک مستطیل نقاد کل ایک پتھر پڑا ہوا مولف کی نظر سے گذرا، جس پر موجودہ زمانہ میں لوگ ٹھیکہ بندتے اور کپڑے دھوتے ہیں، پتھر مذکور کے نقش و تصاویر سے ثابت ہے کہ کسی شے کی یادگار میں نقش ہوا ہے، لیکن پتھر جہاں پڑا ہے، یہ اسکی قدیم جگہ نہیں ہے، سواد قصبہ سے لاکر لوگوں نے پال پر رکھ دیا ہے، اور اپنے خیال میں ایک بیکار چیز کو کام میں لا رہے ہیں، تصاویر کے نیچے ہندی میں کتبہ بھی ہے جس پر ذیل کی عبارت درج ہے

سرکار چندیری پرگنہ تال قصبہ، سری سہا گوبند من  
سم ۲۳۳۵، متی ساون ہدی ۵ منگوار،

اس کتبہ سے بھی تال کا ۲۴۱ سال قبل پرگنہ کی حیثیت سے چندیری ضلع کے محکومانہ رقبہ میں قائم ہونا پایا جاتا ہے، سہ مذکور کا مطابق ۱۱۰۰ھ ہجری آتا ہے جو شہنشاہ عالمگیر کے جلوس کا سینتیسواں سال تھا، ان دونوں کتبوں کی مزید تائید و تصدیق، شاہجہانی فرمان مورخہ ۱۰۸۰ھ سے ہوتی ہے، دجلالہ پتھر اس جی قانون گئے چندیری کے نام ہے، اور جو جنبہ لالہ پر تاب چند جی قانون گئے سروج کے پاس محفوظ ہے فرمان مذکور میں چندیری کے ماتحت ۵۲ پرگنات دکھائی گئے ہیں، اس میں ایک پرگنہ تال بھی ہے، سروج پر نواب امیر الدولہ امیر الملک بہادر کے قبض و تصرف کے بعد ۱۱۰۴ھ دیہات محال قصبہ تال کے سروج میں مزید شامل ہوئے ہیں، اور ریاست کی طرف سے شمس الامراء نواب احمد سعید خاں بہادر اور نواب سرفراز الدولہ محمد سرور خاں بہادر کو جاگیر میں دیئے گئے تھے، یہ معلوم نہ ہو سکا کہ قصبہ تال کس تعلق کل کس قدر دیہات تھی لیکن طبعی الحدود پرگنات کی فہرست عہد محمد شاہی، اور احمد شاہ درانی جس قدر نظر سے گذری ہیں ان میں کمتر ایسے پرگنات ہیں جن کے متعلقہ دیہات (۵۰) سے زیادہ ہیں اور بیشتر پرگنات

لہ تال کی پال قصبہ میں بعد صاحبزادہ محمد صدیق خاں بہادر دلیرجنگ ناظم سروج قائم ہوئی ہے ۱۲ مؤلف  
لہ گزیر سروج ۱۲ ۱۱۰۵ واقعات دلیری لائف نواب دلیرجنگ خاں بہادر دلی کوروالی ۱۲

کے متعلق دیہات کی تعداد ۵۰ اور ۵۵ کے اندر ہے، اور چونکہ وہ زمانہ طوائف الملوک کا زمانہ تھا، اس لئے پرگنات کی وسعت میں کمی ہوتی چلی گئی، اور ایک پرگنہ سے کئی پرگنے بن گئے، یہاں تک کہ پرگنہ لاہور میں ۱۶ مواضع، پرگنہ ایرن میں ۳۲ پرگنے کو روائی میں ۳۸ پرگنے اور دیو پور میں ۴۹ دیہات باقی رہ گئے، اس سے قیاس ہوتا ہے کہ قصبہ تال کا پرگنہ بھی مختصر پرگنہ رہا ہوگا، تمام ملحقہ محدود پرگنات کی فہرست پر نگاہ کرنے سے واضح ہے کہ سروخ، شیر شاہی عہد سے قبل بھی چندیری کے پرگنات میں سب سے بڑا پرگنہ تھا، چنانچہ عہد عالمگیری کی پیمائش کی رو سے سروخ کے متعلق دیہات کی تعداد ۲۴۶ گزٹیر کی روایت سے ثابت ہے جسکی تصدیق دفتر قانوں کی کتب کاغذات سے بھی ہوتی ہے، اور آج سروخ کے ماتحت دیہات کی تعداد ۸۵ ہے، مزادع غیر منیری علاوہ ہیں، اب تفسیہ طلب یہ سوال باقی رہتا ہے کہ جب سلطان شیر شاہ سے قبل کی آبادی سروخ کی محقق ہے تو پھر اسکا بانی کون، اور کس سال وسعت کی آبادی ہے اور سروخ کی وجہ تسمیہ کیا ہے۔

صاحب حدیقہ راجستان مولوی سید اصغر علی صاحب آبرو ٹوٹکی لکھتے ہیں -

سمت ۱۱۵۱ بکرمی مطابق ۱۵۹۳ء میں سدھ راج راجپوت،

سولنکی والی اہلو اڑھ ملک گجرات نے رائے جے چند نیرودے راجہ ہوج والی ریاست اور چین کو گرفتار کیا، اور آپ قابض و دخیل ہو گیا، شکر سنگھ، گردہر سنگھ، رانا جی راجپوت سنگھ، قوم سولنکی (جسے اب سینگر کہتے ہیں) ہمراہیان راجہ جے چند سمت بکرمی، مطابق سن ۱۵۹۳ء میں اپنے نام سے حسب ذیل مواضع، واسن پہاڑ میں معمور کئے اور غارتگری کا پیشہ اختیار کیا۔ شکر سنگھ نے سروخ - گردہر سنگھ نے گردہر پورہ، رانا جی نے رانا پورہ،

اس اندراج کا ماخذ نہیں بتایا گیا، جس سے تطبیق کی جاتی، اگر یہ کہا جائے کہ صاحب حدیقہ راجستان نے گزٹیر سے یہ روایت نقل کی ہے، تو اس میں بھی ماخذ کا حوالہ نہیں ہے، صرف زبانی

مشہور روایت ضرور ہے، جو مورخین کے نزدیک سند کے قابل نہیں، مؤلف نے کسی کتاب میں یہ واقعات نہیں دیکھے، یہ بات تاریخ کی رو سے البتہ تسلیم ہے کہ راجہ سدھ راج وجے چند نامی گجرات اور مالوہ میں راجہ ضرور گذرے ہیں، راجہ کرن کے بعد گجرات میں سدھ راج تخت نشین ہوا ہے، اسکے تخت نشینی کا زمانہ سم ۱۱۵۱ بکری ہے، ۵۰ سال راج پاٹ کر کے سم ۱۲۰۱ بکری میں فوت ہو گیا اور راجہ جے چند پنوار والی مالوہ راجہ بھوج کی وفات پر سم ۱۲۵۱ بکری میں مسند نشین ہو کر ۱۰ سال کے بعد سم ۱۲۶۱ میں مرجکا تھا، اس حساب سے جے چند و سدھ راج ہم عصر نہ تھے، پھر دونوں کی باہم جنگ وجدال اور گرفتاری کیونکر تسلیم کی جاسکتی ہے، اسی طرح شنکر سنگھ وغیرہ ہمایان کی یہاں آمد اور آبادی مشتبہ ہے، لانا پور محلہ بادفرشوں کا آباد کیا ہوا ہے، شاہی اسناد میں جن کے ناموں کے ساتھ لفظ راجا درج ہے، اسکی تفصیلی بحث عروج و انحطاط کے عنوان میں آگے آتی ہے، ممکن ہے کہ کسی مستند کتاب یا کاغذات قدیم سے ان روایتوں کو لیا گیا ہو، کیونکہ ہر مورخ کا ماخذ جدا، طرز استدلال جدا، اور تحقیقات کا طریقہ جدا ہوتا ہے، سم ۱۱۰۹ بکری میں سروج کی آبادی کا اظہار کیا گیا ہے، اسکی تصدیق کو تاریخ سے نہیں ہوتی، لیکن مندرگہ داری جی واقع سروج کے اس کتبہ سے ضرور ہوتی ہے، جو مورت کے پاؤں کے نیچے نقش ہے اور جسکی عبارت یہ ہے،

سری سینگر میں سم ۱۱۰۹

سری سینگر میں کے معنی معزز خاندان سینگر کے ہیں، اور سینگر قوم ضرور یہاں آباد تھی، اب بھی بعض دیہات میں سینگروں کی آبادی ہے اور وہ تسلیم کرتے ہیں، کہ مورت مذکور انہی کے بزرگوں کی بنوائی ہوئی ہو، مندر میں جو خاندانی خادم (پوجاری) ہے اُس نے بھی تصدیق کی ہے کہ سینگروں کی بنوائی ہوئی مورت ہے، بہر حال کتبہ حوالہ بالا کو اپنی جگہ اگر صحیح تسلیم کر لیا جائے تاہم سمت مذکور اس بات کی سند نہیں ہو سکتا کہ سروج کا سنگ بنیاد بھی اسی سال رکھا گیا، ممکن ہے کہ اس سے قبل سروج نے آبادی کی صوت اختیار کر لی ہو جیسا کہ آگے چلکر اس کی بابت بحث کی جائیگی

تقویم البلدان وغیرہ میں اسکے طول البلد کے اندراج سے بھی اسکی قدامت پر روشنی پڑتی ہے، علاوہ اسکے سمت ۱۱ سے قبل کا بھی کتبہ حدود سروج میں موجود ہے جو سمت ۱۱۲ بکرمی کا ہے اور وہ اس امر واقع پر دلالت کرتا ہے کہ سمت ۱۱۲ سے پہلے سروج کی آبادی ہے

حقیقت یہ ہے کہ سروج کی آبادی اور بعض مقامات کی بلندی اور دیگر قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ دورِ ماضیہ میں بہت سے انقلابات ہوئے ہیں اور یہ کئی مرتبہ ویران ہو ہو کر آباد ہوا ہے، موجودہ شہری آبادی چار پانسو سال سے زیادہ کی نہیں ہے اور اسکی شرقی سرحد موجودہ نیدیل کہنڈ سے ملتی ہے۔

### نتیجہ اور وجہ

قدیم عہد میں تیار شدہ قرون کریم کا دستور تھا، جیسا کہ اب ایک ہزار سال سے رواج ہو گیا ہے، یہی وجہ ہے کہ قدیم عام تاریخی حالات تاریکی میں ہیں، اور جو کچھ بھی واقعات مشہور ہیں ان میں سے اکثر افسانے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے،

سروج پر، پنوار، تو تورا، اور سینگر راجپوتوں کا ایک ہزار سال پہلے ضرور عمل دخل رہا ہے، اسکی شہادت میں کوئی مستند تاریخ نہیں ہے، البتہ بھاولوں کی نئی پرانی بیہوشیوں میں قدیم راجاؤں، اور راجوں کے حالات ملتے ہیں، ان میں سے بعض واقعات کی موجودہ زمانہ کی تاریخوں سے بھی بہت کچھ مطابقت ہوتی ہے، یا قدیم کتبوں سے جو کہیں کہیں محفوظ ہیں، راجاؤں کے ناموں، انکا سال و بعض مختصر واقعات پر روشنی پڑتی ہے۔

موجودہ زمانہ کا تبدیل کہنڈ یا گہیل کہنڈ، اور شرقی مالوہ، راجہ بچے چند والی قنوج کے زمانہ تک سینگر راجپوتوں کے زیر عمل رہا ہے، راجہ وشنوگ دیو سینگر کو جنگا تخت کا گلن پو وال صلیع جالوں (دیو پنی) تھا، راجہ بچے چند کی لڑکی دیو کلا نامی منسوب تھی، اس امتسابے گنگا اور جٹنا

ملہ بھاٹ کو لای زبان میں جاگا بھی کہتے ہیں، یہ لوگ مارواڑ اور تبدیل کہنڈ سے تین چار سال بعد دیہات میں اپنا اپنے جہانوں کے یہاں آئے ہیں اموات دیپیش اور دیگر واقعات کا اندراج بھی کرتے ہیں اور اپنے حقوق وصول کر کے واپس جاتے ہیں ایک ہزار سال تک اندراج انکی بیہوشیوں سے مؤلف نے دیکھا ہے جبکہ غزدریدہ ہو جاتا ہے توئی ہی بنا کر اس میں نقل کر لیتے ہیں ۱۲ مؤلف

کا درمیانی علاقہ اُسکو جیت میں ملا تھا، یہ واقعہ بارہویں صدی عیسوی کا ہے، یہی وجہ ہے کہ  
 جہیزی علاقہ ملاکر تمام ملک سینگروں کا (سینگرات) ہندی تاریخوں میں درج ہے، میں اٹا وہ،  
 جالون، مین پوری، جھانسی، کانپور، جگن پور، راپڑی، وغیرہ شامل ہیں،  
 شرقی مالوہ کے سینگر راجہ جسراج دیو کا تذکرہ بھاٹوں کی بھی میں دیکھا گیا ہے، جسکی نسبت لکھا  
 ہے کہ مشہور و معروف راجہ گذرا ہے، بوندی کی تاریخ (نیش بھاسکر) میں لکھا ہے کہ راجہ  
 جسراج دیو کا زمانہ رائے پتھور مشہور راجہ دہلی سے ۳۳ پشت پہلے گذرا ہے،  
 سروج کا نام ایک راؤ (بھاٹ) نے مولف کو ایک قدیم ہی کے حوالہ سے سینگر راج بتایا،  
 اور ایک تعلیم یافتہ برہمن نے بتایا کہ سمت میں اسکا نام سن سن گنج تھا، اس اخیر نام کے تسلیم کرنے میں  
 مولف کوتاہ ہے اس لئے کہ سمت کے مطابق سن سن ہوتا ہے، گو اسوقت سلطان محمود غزنوی  
 کے حملے ہندوستان پر ختم ہو چکے تھے، ہندوستان بدستور اپنے ہندی راجاؤں کے قبضہ میں تھا  
 زبان بھی ہندی تھی، پھر سن سن گنج کے ساتھ لفظ گنج، فارسی کس طرح شامل ہوا، سن سن گنج  
 ہوتا تو اس کو گنجائش تھی، پہلا نام سینگر راج قرن قیاس ہے، اور یہ دراصل سینگر راج سے مشتق  
 معلوم ہوتا ہے حرف ر کی تخفیف سے سینگر راج ہو گیا، جیسا کہ تاریخ میں، مین پوری، اٹا وہ،  
 جالون، جھانسی وغیرہ کا علاقہ نیگرو کی آبادی کی نسبت سے ”سینگرات“ درج ہے، اسی طرح مالوہ کا  
 شرقی علاقہ سینگروں کے انتساب سے سینگر راج مشہور ہو کر کثرت استعمال سے سینگر راج اور پھر آگے  
 چلکر لفظوں کے تبدیل اور تحریف سے سروج ہو گیا، اسکے سوا وجہ تسمیہ کے متعلق مولف کو اور کوئی  
 صحیح روایت نہیں ملی اور اسی توجیہ کو مولف مرجع سمجھتا ہے

اس سے یہ بھی قیاس کیا جاسکتا ہے کہ سمت اکبری میں سروج سینگروں کا دار الحکومت بھی رہا  
 ہے، سینگروں کے زوال کے ساتھ ساتھ اسکی آبادی بھی گھٹتی ہوئی چلی گئی، یہاں تک کہ اکبری اور  
 اس کے بعد محمد شاہی عہد تک پرگنہ کی معمولی حیثیت سے اسکا درجہ آگے نہ بڑھ سکا اور سینگر قوم  
 متفرق الماسکن ہو کر مختلف پٹنے اختیار کرنے پر مجبور ہوئی، آج علاقہ سروج اور گوالیار وغیرہ

میں جہاں جہاں یہ قوم آباد ہے، اکثر زراعت پیشہ ہے، بہت ممکن ہے کہ اپنی پریشانی کے زمانہ میں اس قوم نے، گوند، تھیل، مینہ، اقوام سے رفاقت پیدا کر کے غارتگری کا پیشہ بھی اختیار کیا ہو،

سینگر قوم کی اصلیت اور انکی تاریخ

سینگروں کی جداگانہ کوئی تاریخ نظر سے نہیں گذری، ہندی پُرانوں میں کتابوں

اور راؤں کی قلمی بھی میں ضمتاً انکا تذکرہ ہے،

لیکن حال کے تعلیمیافتہ سینگروں نے قدیم کاغذات اور کتبوں وغیرہ سے اس قوم کے حالات پر روشنی ڈالی ہے، مؤلف اپنے دوست مسٹر شیوناتھ سینگھ جی سینگر ساکن اوجھین حال سکریٹری دربار بیکانیر (راجپوتانہ) کے اُس قلمی اعانت کا شکر گزار ہے جس سے اس قوم کے حالات لکھنے میں مؤلف کو بہت زیادہ امداد ملی ہے،

ہندی روایات کے مطابق، سورج بنی، چندر بنی، دوشا ضی قدیم راجپوتوں کی مشہور ہیں اور انکی ابتدا یوں بیان کی جاتی ہے کہ راجہ کشوا کو والی اجداد فیض آباد کی پرسی اولاد سورج بنی، اور دختر بنی اولاد چندر بنی کہلاتی ہیں پرسی اولاد میں ۲۶ پشت بعد مشہور راجہ دستر ہوئے جو مہاراجہ راجندر جی کے باپ تھے، ہندی پُرانوں کی روایت ہے کہ سینگر قوم چندر بنی کی شاخ ہے، جبکا وجود مہاراجہ راجندر جی سے بہت پہلے ہوا ہے، سینگر کا ابتدائی وطن انگ دیس تھا، جو مہاراجہ کے آس پاس ہے، کوروں اور پاندوں کی جنگ عظیم سے پہلے جبکہ راجہ وکرن کے بیٹے پوتے جو شٹ کرن یعنی شاہزادے مشہور ہیں، راجہ درپودہن کی سادش سے تخت سے محروم کر دیئے گئے، اسوقت وکرن کی خاندانی ایک چھوٹی شاخ نے برہمان میں حکومت قائم کی، دوسری شاخ مع افراد خاندانی کے جنوب کی طرف چل گئی، اس شاخ کے راجاؤں کے نام ڈال دیو، ڈاہل دیو، ڈاہر دیو، ڈہار دیو، مختلف رسم خط کے ساتھ ہندی کتابوں میں پائے جاتے ہیں ان راجاؤں کی حکومت اسوقت جیلپور (ملک متوسط) سے لیکر موجودہ علاقہ نبدیل کھنڈ تک تھی، یہی سبب ہے کہ اس ملک کا نام پرانی کتابوں میں ڈاہل دیس اور ڈاہر دیس

لکھا ہوا ہے، یہ واقعہ سید عیسوی سے صدیوں پہلے کا ہے، اسی شاخ میں آگے چل کر مہاراج  
شالواہن ہوئے، جنہوں نے دکن (آندھرویس) پر راج کیا، اس کے بعد دکن میں جب نئی نئی  
طاقتوں نے عروج پایا اس وقت سینگر خاندان ڈھارویں ملک متوسط ہوتا ہوا شمال کی طرف  
چلا آیا، اور مختلف مقامات مثل باندھوگڈھ (بگھیل کھنڈ میں مشہور قلعہ تھا) کانچر، بگھیل پور،  
راپٹری، بندیل کھنڈ، سروج اور شرقی مالوہ کے اکثر علاقوں میں اپنی حکومتیں قائم کیں، اور  
کنارا ب یعنی گنگا اور جہنا کا درمیانی علاقہ بھی راجہ بچے سنگھ والی قنوج کی طرف سے جین پور کے  
راجہ وشوک دیو کو اس سلسلہ سے ملا کر اسکی لڑکی دیو کلا وشوک دیو کو بیایا گئی تھی اس علاقہ کا نام  
انتر بید بھی ہے،

مالوہ کا سینگر راجہ جس راج مشہور راجہ گذرا ہے، جبکہ حال بھاٹوں کی بہتوں میں جگہ جگہ ملتا ہے  
اسکی تصدیق ایک قدیم کتبہ سے ہوتی ہے جس میں لکھا ہے کہ ۲۵ء میں جتوہرن راجہ نے ہون قوم کے راجہ  
مہرک سے گویا اور شرقی مالوہ چھین لیا تھا، غالباً جو دہرن راجہ وہی جس راج راجہ ہے جبکہ ذکر  
بھاٹوں کے بہتوں میں ہے، کیونکہ ایک راجہ اپنے مختلف صفاتی نام سے بھی مشہور ہو جاتا ہے، کیا عجب ہی  
کہ اسکا دار الحکومت سروج بھی رہا ہو، کیونکہ سروج بھی شرقی مالوہ کا مشہور مقام ہے،  
سینگروں کا خاندان "شانت کرنی" خاندان کے نام سے ابتدا میں مشہور تھا۔ یہی لفظ بگڑتے  
بگڑتے سینگر ہو گیا،

موجودہ زمانہ میں مشہور ناٹھ سنگھ سینگر ساکن اوچین حال سکڑی دربار بیکانیر اور اضلاع جالون  
وٹاواہ میں بگھیل پور، بہیرہ، روڑد، مادھوڑی کے راجہ صاحبان اور لکھاؤ تو، جھکرا، ریتا کے  
راؤ صاحبان، کرسی کے راوت صاحب، سرآون کے دیوان صاحب اسی سینگر خاندان کے معزز  
اور مشہور افراد ہیں،

# تیسرا باب

## سروخ کی آبادی کی تفصیل اور اس کا عروج و انحطاط

ہر کہ آمد عمارت نو ساخت  
رفت منزل بدیگرے پرداخت  
(سعدی)

**تعمہید** | سروخ کا وجود آثار و قرائن سے بہت قدیم معلوم ہوتا ہے جیسا کہ دوسرے باب میں اس کی مفصل بحث گذر چکی ہے، اس وقت عمارتی نقش و نگار کیا تھے، اور آبادی کی وسعت کہاں تک تھی، آج ان کے اظہار سے مورخ کا قلم سرا سرقاصر ہے، اس لئے کہ موجودہ آبادی میں کوئی عمارت چار سو برس سے پہلے کی باقی نہیں رہی، جا بجا منہدم عمارتی تودے چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کی صورت میں البتہ نظر آتے ہیں، جو اپنی گذشتہ عظمت کے ایک شے ہوئے آثار میں سطح زمین کے جا بجا بلند ہونے سے قیاس غالب کہ اس پر کئی عمارتی دور گذر چکے ہیں۔ اس زبانی روایت میں (جسکی تائید مولف کو بعض کاغذات قدیم سے بھی ہو چکی ہے) کوئی شبہ نہیں کہ شہر کا بیشتر حصہ نشیبی تھا، جہاں پانی کی تلاء تھی اور نالے بھی تھے، جس میں نرسوں کی چاڑی کثرت سے تھی، بڑا بازار خود ایک نالہ تھا، جب کسی الو العزم بانی نے شہر کی آبادی کا ارادہ کیا تو سب سے پہلے پانی کی آمد کو روکنے کی غرض سے اس نے شہر سے جنوبی سمت تالاب کھدوا کر بند باندھا اور نالہ کا رخ مغربی سمت پھیر کر سطح زمین کو سیقد رہوار کیا، جس پر آج شہر کی آبادی ہی محلہ تلیا، محلہ کھارا بازار بآزار، حاجی پور، اسی نشیبی نسبت سے آج تک یادگار ہیں، بعض بعض جگہ آبادی کے نیچے دور تک قدیم نچتہ پل نظر آتے ہیں جس میں سے بارش کا پانی گذرتا ہے،



شہر کی اندرونی و بیرونی آبادی

۱۹۳۱ء کی مردم شماری کی رو سے مکانات کی تعداد ۳۰۵۰ اور آدمیوں کی تعداد ۱۱۷۶۰ ہے گزشتہ زمانہ میں شہر کی آبادی تھکرا بلند اور ایگنے عرض بختہ فصیل سے محیط تھی، موجودہ زمانہ میں دو چار جگہ فصیل کا کچھ حصہ اپنی شان ماضیہ دکھانے کو باقی رہ گیا ہے فصیل میں ۹ بڑے دروازے اور ۴۴ کھڑکیاں تھیں۔ جنکے نام زبانوں پر اور کاغذات میں اب بھی باقی ہیں۔

دروازوں کے نام (۱) منڈی دروازہ، آبادی سے شمال میں نیم منہدم آج بھی باقی ہے جسکو مولف نے ۳۰ سال قبل اصلی حالت میں مرمت طلب دیکھا تھا

دروازہ کے اندر مک کی منڈی تھی جہاں دو دروازے بختہ دوکانیں بنی ہوئی تھیں، دکانات کے آثار آج بھی موجود ہیں یہی اسی نسبت دروازہ کی وجہ تسمیہ ہے، یہ دروازہ فصیل شہر کے مکمل کے بہت دوں بعد ۱۵۴۷ء میں، بالاراؤ جی راوناظم صوبہ مالوہ کے عہد نظامت میں جدید قائم ہوا ہے جسکی تصدیق اس کتبہ سے ہوتی ہے جو دروازہ کے شرقی پہلو میں بختہ نستعلیق کندہ ہو کر وصل تھا یہی کتبہ اب نظامت کے مکان میں محفوظ ہے جسکی عبارت یہ ہے۔

محمد شاہی پٹیا فتح پور سہی چاراجہ ساہو درہنگام نظامت بسالت مرتب سوئی بالاجی ناظم صوبہ مالوہ نائب امارت دعوائی منزلت، درغل رفعت پناہ چھمن شنکر پنڈت مکا سدا پرگنہ سروج دروازہ منڈی مک باہتمام راگھوجی پنڈت و دروغی گو بند ہودو باجی پنڈت داروغہ منڈی مرقوم تاریخ غرہ شہر جامدی الثانی سہ بست و نیم جلوس مطابق ۱۲۵۷ھ اساتذہ دی تیج سہ ۱۷۴۸ء تو احدث یافت۔

۱۲۵۷ھ میں ریاستوں میں آج کل کا سدا کہلاتے ہیں، شاید کتبہ میں غلطی ہو گئی ہے۔ ۱۲ مولف ۱۲۵۷ھ کی مطابقت لکھتے ہیں غلطی ہوئی ہے، صحیح ۱۲۵۹ھ ہے اسلئے کہ محمد شاہی جلوس کی ابتدا ۱۲۵۷ھ ہے اس حساب سے بست و نیم جلوس ۱۲۵۹ھ ہو سکتا ہے، بست و نیم کے اوپر ۲۹ کا ہندسہ بھی کندہ ہے اسلئے اس میں غلطی کا امکان نہیں ہے قطع نظر محمد شاہ نے بالاجی راؤ کو ۱۲۵۷ھ میں صوبہ مالوہ کی سند نظامت دی تھی نہ ۱۲۵۸ھ میں ۱۲ مولف ۱۲۵۷ھ (نوٹ) یہ سنگی کتبہ موجودہ زمانہ ۱۹۳۳ء میں بعد نظامت افتخار الانشاہ مشیر الملک سید محمد اسماعیل صاحب ناظم کوٹ کے اندرونی دروازہ کی دیوار میں وصل کر دیا گیا ہے ۱۲۷۷

اس حساب سے دروازہ کی تعمیر کو آج تک ۸۵ سال ہوئے ،  
وجہ جدید احداث کی یہ پائی جاتی ہے کہ بگڑودہ دروازہ اور دہلی دروازہ کے مابین بہت زیادہ  
فاصلہ ہے ، صرف ایک کھڑکی وسط میں تھی ، روپنپورہ اور دیتا مکھڑہ وغیرہ کے مسافروں کو سواری  
پر زیادہ چکر سے جانا ہوتا تھا ، اسلئے جدید دروازہ قائم کیا گیا ،

(۲) دہلی دروازہ شہر کی آبادی سے شمال اور مغرب کے گوشہ میں ہے ، فاصلہ شہر سے متصل  
جو دروازہ تھا وہ منہدم ہو چکا ہے ، آبادی کی سمت دو محرابی عالیشان دروازے ، سو سو گز کے فاصل  
سے اب بھی قائم ہیں ، چتیس انکی البتہ نہیں رہیں بقائے آثار قدیمہ کے خیال سے مرمت کی ضرورت  
ہے ، اگر مقامی حکام توجہ فرمائیں ، دہلی سے آنے والے اور دہلی کو جانے والے مسافروں کے لئے یہی  
راستہ تھا ، شاہی سڑک اب پتھر کے گول ٹوبوں کی پختہ بنی ہوئی تھی ، ک نشانات دروازے کے باہر دوڑنگ  
نظر آتے ہیں ،

(۳) اتوارہ دروازہ پچکپوں کے سامنے تھا ، قریب مندر کے آج بھی آثار باقی ہیں ، اتوار کے دن  
دروازہ کے اندر باٹ بھرتی تھی ، اسی مناسبت سے اتوارہ دروازہ مشہور ہے ۔

(۴) قاضی گھاٹ دروازہ جسکو امام باڑہ دروازہ بھی کہتے ہیں ، منہدم ہو چکا ہے ، امام باڑہ اور  
اسکے دروازہ کو مولف نے ۳ سال قبل مرمت طلب دیکھا تھا ، یہ دروازہ آبادی سے شمال و مغرب  
میں تھا ، قاضی گھاٹ دروازہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ دروازہ کے اندر قاضیوں کا قدیم اور مشہور  
خاندان آباد تھا ، جنہوں نے دروازہ کے سامنے اکیتن ندی پر پختہ گھاٹ تعمیر کرایا ، جو قاضی گھاٹ  
مشہور ہے ، محلہ بھی اسی نام سے معروف ہوا ، اور اسی عرفیت نے دروازہ کو بھی اسی نام سے منسوب  
کیا ، دروازہ کے اندر امام باڑہ کی بھی عمارت تھی ، جسکے اندر تحریک محفوظ رہتے تھے ، جسکا متولی  
قاضیوں کا خاندان تھا ،

(۵) الف دروازہ ، مغرب میں ہے ، اور دروازہ سے ملا ہوا دریائے کیتن کا ساحل ہے ، ایام  
بارش میں دروازہ پر کھڑے ہو کر دیکھنے سے آب رواں کی متانہ رفتار اور موجوں کی انگلیلیوں کا نظارہ

دیرہ زریب معلوم ہوتا ہے، جب ندی طغیانی پر ہوتی ہے تو پانی دروازہ کے ستونوں کی پابوسی کرتا ہوا آبادی کے اندر پہنچ جاتا ہے، دروازہ کے دونوں پاؤں چار گز بلند اب بھی باقی ہیں، دروازہ کے اندر دورویہ دکانات کے آثار ابھی باقی ہیں اور یہ تحقیق شدہ بات ہے کہ یہاں بازار تھا، وجہ تسمیہ کی تحقیق نہ ہو سکی، مولف کا خیال ہے کہ علف دروازہ، ماسے صحیح ہے، علف گھاس کو کہتے ہیں، پیرانے لوگوں نے بیان کیا ہے کہ اس طرف گھاس فروخت ہوا کرتی تھی، اگر اقل دروازہ صحیح ہے تو غالباً اسکی نسبت الف بیگ خاں سے ہوگی اسلئے کہ ۱۲۷۷ھ میں اس نا کے ایک صاحب مقامی عامل بھی گذرے ہیں، واللہ اعلم

(۶) حمامی دروازہ جنوب میں ہے، تالاب کی پال اور گورستان سامنے ہے، تحصیل لیٹری جانیکا یہی دروازہ ہے، مولف نے ۵۳ سال قبل دروازہ کے دونوں پہلوؤں کی دیواروں کو سالم دیکھا تھا، قدیم ٹولوں کی سڑک کے نشانات اب بھی باقی ہیں، مولف نے اس دروازے کے قریب کوئی حمام نہیں دیکھا نہ سنا، لیکن نام کے انتساب سے قیاس ہوتا ہے کہ ضرور دروازہ کے قریب کسی زمانہ میں حمام رہا ہوگا،

د،، بہیلہ دروازہ، آبادی سے گوشہ جنوب و مشرق میں تالاب کے پال کے دامن میں واقع ہے صرف چار گز دیواریں دونوں پہلوؤں کی قائم ہیں، اس دروازہ سے بہیلہ جانے کا راستہ تھا جو سرونج سے ۶ میل کے فاصلہ پر ریاست گوالیار کا مشہور ضلع ہے راستہ میں متعدد پنچتہ سرائیں بھی تھیں، سرونج سے ۶ میل کے فاصلہ پر موضع المانی اسٹیشن پولیس ہے اگاؤں کے قریب ایک پنچتہ سرائے کے نشانات ابھی باقی ہیں، مگر جانے کا راستہ تھا، جا بجا قدیم سڑک کے آثار نمایاں ہیں اس دروازہ کی مشرقی دیواریں ایک سنگی لوح پر ذیل کا کتبہ ہندی خط میں وصل ہے،

((سری کنیشن سائے نما))

سمت ۱۸۴۱ء بکرمی، جاگیر سری مہنت راجہ سری تلوچی راؤ ملکر، باقی سطروں کے حروف پڑھے نہیں جاتے، مسخ ہو چکے ہیں، سمت ۱۸۴۱ء بکرمی کے مطابق ۱۲۶۰ھ آتا ہے، جبکہ آج تک ۱۲۷۲ھ سال

ہوئے، یہ زمانہ اہلیا بانی رئیسہ اندور کی حکومت کا تھا، اور اسوقت سروج اندور کی عملداری میں شامل تھا، تکوچی راؤ ہلکر وہ شخص ہے جسکو اہلیا بانی نے خاندانی فساد ہونے کی بنا پر اپنا مشیر المہام بنالیا تھا، مہاراجہ جیونت راؤ ہلکر اپنی تکوچی کا بیٹا تھا، کتبہ اس بات کی شہادت ہے کہ سروج اسوقت اہلیا بانی کی طرف سے تکوچی راؤ کی جاگیر میں تھا، دروازہ قدیم ہے لیکن تکوچی راؤ کے عہد میں اسکی مرمت ہوئی ہے، اسوقت یہ کتبہ کندہ ہو کر دیوار میں لگایا گیا ہے،

اہلیا بانی نے ۹۵ء میں انتقال کیا، اسکے بعد ہی تکوچی راؤ ریاست اندور کا مالک قرار پایا لیکن ۱۰ سال بعد ہی ۹۶ء میں یہ بھی فوت ہو گیا،

(۸) منڈی غلہ دروازہ، مشرق و جنوب کے گوشہ میں ہے، خواجہ سید عبدالہادی مرحوم عہد شاہجہانی ۱۰۵۶ء میں سروج کے حاکم تھے، انہوں نے ۱۰۵۶ء میں غلہ کی منڈی قائم کی تھی اس مناسبت سے دروازہ کا نام منڈی غلہ دروازہ مشہور ہوا، اب دروازہ منہدم ہو چکا ہے، اسٹیشن یا سودہ کو نچتہ سڑک اسی دروازہ سے نکلی ہے،

دہلی دروازہ کی طرح اس دروازہ کے اندر بھی دو دو سو گز کے فاصلہ سے دو محرابی لداؤ کے دروازے ہیں، ایک دروازہ بھنگیرہ دروازہ کے نام سے آج بھی قائم ہے، جبکہ نیچے موجیوں کی دو کانات ہیں اور دوسرا دروازہ نیم منہدم ہے۔

(۹) بگودہ دروازہ، مشرق میں ہے اس دروازہ کے محاذ میں ۱۴ میل کے فاصلہ سے بگودہ ایک وسیع رقبہ کا گاؤں واقع ہے، یہی وجہ تسمیہ اسکی ہے، مؤلف نے دروازہ اہلی حالت میں دیکھا تھا ۱۸۹۶ء میں معتمد الملک سید محمد خان صاحب بہادر ظفر جنگ مرحوم سابق ناظم نے سڑک سروج گھوڑا کی تعمیر کے زمانہ میں توسیع راستہ کے خیال سے دروازہ کی دیواروں کو گروادیا، بامورہ کے آگے جانوالو کیلے یہی راستہ ہے اور چکی کا دفتر بھی اسی جگہ ہے،

حسب ذیل تھیں داکٹر کی ندی، دہلی دروازہ کے متصل تھی (۲) ظریف خاں کی کھڑکی، مومنوں کی مسجد کے سامنے ندی کے کنارہ تھی جبکہ آٹھارہ بجے مورچو

کھڑکیاں

ہیں، (دس) منڈوی کھڑکی، منڈی دروازہ کی جگہ تھی، (دہم) ڈیسروچی کھڑکی جسکا محرابی دروازہ نیم مہندم آج بھی ندی کے کنارے مولاعلی کی ٹیکری کے سامنے قائم ہے،

**فصیل شہر اور اسکا زمانہ تعمیر** | فصیل کس سہنیں اور کس کے عہد میں تعمیر ہوئی، یہ سوال مختلف زبانوں اور دروازوں کے

کتبوں کے تاریخی اختلافات کی بنا پر حل کئے جانے کے قابل ہے، اہلکاران نظامت اور دیگر معتمد لوگ، سروج کی موجودہ آبادی کو شیر شاہ سوری کو متحدہ شہر سے منسوب کرتے ہوئے فصیل بھی اسی عہد کی تعمیر شدہ ظاہر کرتے ہیں، اول تو کوئی تاریخی ثبوت اس کا نہیں ہے، بلکہ سروج کو شیر شاہ نے آباد کر لیا، اور اگر اُن قیاسی وجوہات سے جگہ کا ذکر باب دوم سروج کی آبادی کے عنوان میں کیا گیا ہے، یہ تسلیم کر لیا جائے کہ سروج کی آبادی کی ترقی کا باعث ایما و ترشہ شاہی ہے تو پھر اس بات کا مکمل اور واقعی کوئی ثبوت نہیں کہ فصیل شہر بھی اسی کے عہد کی یادگار ہے، اس سے قطع نظر جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ سلطان شیر شاہ سوری ۹۴۹ھ قہر میں چندیری اور ریسین ہوتا ہوا آگرہ واپس گیا اور وہاں سے محاصرہ قلعہ کانہر کے زمانہ ۹۵۲ھ ہجری میں دوڑھائی سال کے اندر فوت ہو گیا، تو ایسی صورت میں سروج جیسے وسیع الرقبہ شہر کی مکمل آبادی اور اسکی فصیل کا بھی دھ سال کے اندر تعمیر ہو جانا بالکل خلاف قیاس واقعہ ہے، جسکی تصدیق نہ فرامین شاہی سے ہوتی ہے، نہ تاریخ سے، بعض اہل علم حضرات منڈی دروازہ کے کتبہ کو سہنیں بیان کرتے ہوئے، ۹۵۲ھ فصیل کا سال تعمیر بتاتے ہیں اور سہنی خواں اصحاب کتبہ ہمسایہ دروازہ کی رو سے ۹۵۳ھ بکری تعمیر کا زمانہ ظاہر کرتے ہیں،

یہ دونوں خیالات بھی صحیح نہیں ہیں اس لئے کہ منڈی دروازہ کے کتبہ کا آخری فقرہ "واحدات یافت" بخود اس بات کی صاف شہادت ہے کہ دروازہ فصیل میں دنیا کا لایا گیا ہے، اگر فصیل کے ساتھ کا دروازہ ہوتا تو لفظ نو لکھنے کی ضرورت نہ ہوتی، اس جگہ پہلے کھڑکی تھی، گاڑی ہانگے آ، جا نہیں سکتے تھے، اس لئے بڑا دروازہ بنایا گیا، مولوی حکیم سید اصغر علی صاحب آبرو مولف تاریخ ٹونک

تحریر فرماتے ہیں کہ (۱۵۴) میں بہن خیر شاہ بالاجی راؤ ناظم صوبہ مالوہ نے منڈوی دروازہ کی مرمت کی تھی یہ رائے بھی درست نہیں ہے، اگر مرمت کیجائی تو فارسی ترکیب کے موافق بجائے نو احداث یافتہ کے از سر نو ترمیم یافتہ درج ہوتا، احداث کا لفظ ہمیشہ اس محل پر استعمال ہوا کرتا ہے، جہاں کوئی نئی بات نکالی جائے، یا کوئی نئی تعمیر کی جائے،

اسی طرح بہلیسہ دروازہ کا سنہ ۱۸۴۱ (جس کا مطابق سنہ ۱۲۰۲ھ ہوتا ہے اور جو منڈوی دروازہ کے ۴۴ سال بعد مرمت کیا گیا ہے) تعمیر فیصل کے استدلال میں کیونکر تسلیم کیا جاسکتا ہے، مؤلف کی تحقیقات کی رو سے فیصل شہر کی تعمیر صاحبقران ثانی شاہجہاں کے عہد کی پائی جاتی ہے، دلائل یہ ہیں،

(۱) سنہ ۱۰۱۰ ہجری چہارم جلوس شاہجہانی میں خواجہ سید عبدالہادی سروخ کے مقامی عامل تھے، اس وقت خانجہاں خاں لودی نے بعض بوندیلوں کو اپنے ساتھ ملا کر بغاوت کی، جب اس پر علاقہ دکن میں شاہی افواج کا دباؤ پڑا تو وہاں سے نکل کر اڑھین ہوتا ہوا، سروخ آیا، گو سروخ کی آبادی خانجہانی لشکر کی تاخت سے محفوظ رہی، جسکی حفاظت سید عبدالہادی ناظم سروخ کی پامردی کا نتیجہ تھی، تاہم سرکاری خالصہ شریف کے دہے ہاتھی خانجہان سروخ سے لے جانے میں کامیاب ہو گیا، چونکہ شاہجہاں کو تعمیرات عام، اور مخصوص شہروں کی حفاظت، اور قلعوں کی تعمیر اور مرمت کا ہمیشہ خیال رہا ہے، جسکی تیاریج شاہد ہے، اسلئے غالباً خانجہان مذکور کی تاخت کی بنا پر فیصل شہر کی بنیادی وجہ تحریک پیدا ہوئی، اور وہ بیکر تیار بھی ہوگئی، سرکاری کوٹ اور اسکے اندر کا حاتم بھی شاہجہانی عہد کی یادگار آثار معلوم ہوتے ہیں۔

(۲) خواجہ سید عبدالہادی مرحوم نے سنہ ۱۰۵۵ ہجری میں قصبہ سروخ کے سوا میں ایک پورہ آباد کیا تھا، جسکا نام اپنے نام کے انتساب سے ہادی پور رکھا، کثرت استعمال سے دال، جیم سے

۱۵ احداث بالکسر ثنائے مثلثہ نو پیدا کردن ۱۷ غیاث اللغات

۱۶ سیر المتاخرین مطبوعہ نوکسور پریس۔ جلوس چہارم شاہجہانی ۱۲،

تبدیل ہو کر حاجی پور معروف ہو گیا، اس پورہ میں خواجہ صاحب نے غلہ کی منڈی بھی قائم کی تھی، جس کا حاصل خواجہ صاحب اور ان کی اولاد کے حق میں دربار شاہی سے معاف تھا، پورہ کے ایک گوشہ میں پنخٹہ اور وسیع سرانے بھی خواجہ صاحب نے تعمیر کرائی تھی، جو آج تک یادگار باقی ہے،

منڈی کی مناسبت سے شرقی دروازہ کا نام آج تک منڈوی دروازہ شہور ہے، پورہ چھوٹا موضع کو کہتے ہیں جو ہمیشہ آبادی سے باہر غیر آباد قطعہ میں آباد کیا جاتا ہے، یہ قطعہ ہمیں ہادی پور بسایا گیا، سروخ کی ابتدائی شمالی آبادی سے تقریباً ایک میل کے فاصلہ پر ہے، بعد میں جیسا کہ آگے چل کر بحث کی جائے گی، شہری آبادی نے اس قدر ترقی کی کہ ہادی پور کے ڈانڈہ سے اُسکی سرحد مل گئی، یہ قیاس فرضی نہیں ہے، تم جس شہر کی ترقی پر نظر ڈالو گے، اُسکی وسعت آبادی اس قول کی تائید میں ہوگی جو مشاہدات اور واقعات ہیں، نئی دہلی کی بنیاد قدیم آبادی سے اس وقت میلوں دور ہے، لیکن دکانات اور دیگر تعمیرات کا سلسلہ درمیانی حصہ میں اس قدر تیزی کے ساتھ ترقی پذیر ہے کہ چند سال میں جدید و قدیم آبادی کا پورے طور پر اتصال ہو جائے گا، چونکہ ہادی پور بھی فصیل شہر سے محیط ہے، اسلئے لازمی طور پر ۱۵۰ سالہ بعد (جو ہادی پور کی آبادی کا سال ہے) فصیل کا تعمیر ہونا بھی تسلیم کیا جائے گا، اگر فصیل ہادی پورہ کی آبادی سے پہلے کی تعمیر شدہ ہوتی تو پورہ مذکور فصیل سے باہر ہوتا، سلطان شیر شاہ ۹۴۹ھ میں مالوہ آیا تھا، اُسکی آمد کے (۱۶۰) سال بعد ۱۰۵۸ھ میں پورہ مذکور آباد ہوا ہے، ان وجوہات سے شیر شاہی عہد کی فصیل ثابت نہیں ہوتی، اصولی درستی شاہجہانی عہد کی تعمیر و تکمیل کا مؤید ہے واللہ اعلم،

شہر کی آبادی بروئے مردم شماری ۱۹۲۱ء ۲۵ محلوں پر تقسیم ہے، لیکن محلوں کے قدیم ناموں میں آبادی کے

## محلّوں کے نام اور تعداد

گھٹنے اور بڑھنے سے بہت کچھ تغیر و تبدل ہو گیا ہے، بعض قدیم محلوں کے کئی حصے ہو گئے ہیں، اور بعض محلے دوسرے محلوں میں شامل نظر آتے ہیں،

قدیم محلوں کے ساتھ جدید محلوں کی تفصیل یہ ہے،

(۱) محلہ پیر زادگان، اب حاجی پور محلہ کی ایک شاخ شمار ہوتا ہے، سید مسعود اور سید محمود رحمۃ اللہ علیہما دو حقیقی بھائی باہر سے تشریف لاکر یہاں آباد ہوئے، پیر زادے تھے، اسلئے پیر زادہ محلہ ان کی سکونت کی وجہ سے مشہور ہوا، ان کے خاندان میں سید احمد علی و سید محمد علی دو بھائی موجود ہیں، خاندانی قدیم کاغذات چل گئے، نظامت میں بھی ان کی نقلیں بہت ہیں، اسلئے کچھ پتہ نہ چلا کہ یہ دونوں بزرگ کہاں سے اور کس سنہ میں تشریف لائے،

آبادی سے باہر دونوں کے بچتہ گندی مزارات موجود ہیں، مگر انہیں بھی کوئی کتبہ نہیں ہے۔  
دربار شاہی سے اراضی معافی بھی اونکو عطا ہوئی تھی جس پر ان کی اولاد قابض اور تصرف ہے،  
(۲) محلہ ہادی پور جو اب حاجی پور کے نام سے معروف ہے، خواجہ سید عبدالہادی سابق عامل سرحد کا بسایا ہوا ہے۔ اس محلہ کی بنیاد بروئے قربان شاہی مورخہ ۹۳۵ جلوس مطابق ۱۵۱۵ء کی ثابت ہوتی ہے، اس وقت شاہی سند کی رو سے اسکا طول ۲۵ ڈوری اور عرض ۱۴ ڈوری تھا۔  
(۳) محلہ کاب گنج، یہاں بادشاہی اونٹوں اور گھوڑوں کے مکانات، اور انکے لئے چارہ کا ذخیرہ تھا، احاطہ کے آثار اب بھی موجود ہیں، خواجہ محمد صالح کا مزار اور ان کی تعمیر کی ہوئی مسجد بھی اسی محلہ میں قائم ہے،

(۴) کہاں بازار، قدیم زمانہ میں یہاں کہاروں کا بازار تھا، مچھلیاں فروخت ہوتی تھیں، ڈوبیاں رکھی رہتی تھیں، اس نسبت سے بازار کی متصل آبادی کہاں بازار کے نام سے مشہور ہوئی، اس محلہ کی پشت پر جو گہرے دروں کا محلہ تھا، اب ویران ہے،  
(۵) آستانہ بازار۔ دری بافوں کا محلہ اس میں شامل ہے، یہاں شاہ عباد اللہ کی تعمیر کی ہوئی ایک مسجد تھی، اور انکا آستانہ (بیٹھنے کی جگہ) بننا ہوا تھا،  
مسجد اور آستانہ دونوں اب زمین کے برابر ہیں، شاہ صاحب کی قبر بھی یہیں ہے، یہی آستانہ اس محلہ کی وجہ تسمیہ ہے،

لے کلنامہ بہری محمد شاہ بادشاہ غازی ہنتم شوال ۹۳۵ جلوس مطابق ۱۵۱۵ء سید احمد علی کے پاس محفوظ ہے۔ مولف



(۶) بوہر باڑہ، اب بوہر باڑی کے نام سے شہرت پذیر ہے، قدیم کاغذات میں بوہر باڑہ ہی لکھا ہوا دیکھا گیا ہے، اور یہی صحیح بھی ہے، جماعت فرقہ اسماعیلیہ مستعلیہ کا خاندان اس محلہ میں سکونت گزریں ہے،

بوہر گت پیشہ کی وجہ سے یہ قوم بوہر معروف ہے اسی مناسبت سے محلہ کا نام بھی بوہر باڑہ رکھا گیا،

(۷) رنگریزوں کا محلہ قدیم، اب درزی محلہ مشہور ہے، درزیوں کے مکانات زیادہ ہیں۔ پہلے رنگریز اور نوربات اس محلہ میں زیادہ آباد تھے، امان اللہ رنگریز کی تیار کردہ مسجد اسی محلہ میں آج تک قائم اور نہایت حسین و نچہ عمارت ہے،

(۸) کٹرہ نور گنج قدیم، اب شکر کٹرہ کہتے ہیں، کوئی ڈھانہ اور یا کٹرہ کا محلہ کے نام سے دو جدید محلے قائم ہو گئے ہیں،

(۹) محلہ بگودہ (دروازہ) شہر پناہ کے دروازہ کے اسمی نسبت سے یہاں کی آبادی، بگودہ دروازہ محلہ کے نام سے مشہور ہے،

(۱۰) محلہ نمک کی منڈی، بڑا اور قدیم محلہ ہے، پٹھانوں کی آبادی یہاں پہلے بہت زیادہ تھی، اب محلہ ویران ہے، نام کو کچھ مکانات غیر قوموں کے موجود ہیں، محلہ نل منڈی اسی محلہ کی ایک شاخ ہے،

(۱۱) محلہ کٹری قدیم محلہ ہے، اس میں گوجر پٹھانوں کی عموماً آبادی تھی، کٹری کی وجہ تسمیہ یہاں کے لوگوں سے تحقیق نہ ہو سکی بعض پنجابی اجاب سے معلوم ہوا کہ سرحدی زبان میں کٹری، قافلہ کو کہتے ہیں، اور یہ قرین قیاس بھی ہے، گوجر پٹھان جب ولایت سے یہاں آئے تو اپنی قومی آبادی کو کٹری کے نام سے موسوم کیا، ملتان میں بھی کٹری نام کا ایک محلہ ہے، گوجروں کی قوم متمول اور بہادر قوم تھی دہلی دروازہ کی جانب کٹری محلہ کا ایک نچہ دروازہ نیم مہندہ باقی ہے، اس نشان اور پھر لوگوں کی زبانی سنی ہوئی روایتوں سے اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ محلہ پٹھانوں کی ترقی کے زمانہ میں چار دیواری سے محیط تھا جبکہ دروازوں پر دربان مامور ہوتے، اور انکو تنخواہیں دی جاتیں، عرصہ ہوا کہ مولف نے

کڑی دروازہ کی دربانوں کی اولاد سے ایک دو آدمیوں کو دیکھا تھا، اور ان کے پاس پٹھانوں کی سندیں بھی تھیں، سنا گیا ہے کہ ریچندہ دیہہ جاگیر ریاست کوٹہ کی طرف دربانوں کی اولاد موجود ہے جہاں کے جاگیردار بھی گوجر پٹھانوں کی نسل سے ہیں، موجودہ وقت میں دو چار گھر پٹھانوں کے باقی ہیں قصا پوں سے محلہ زیادہ آباد نظر آتا ہے،

(۱۲) محلہ نخاس یہاں پہلے ایک وسیع میدان تھا، جیسے مولشیوں کی خرید وخت کثرت سے ہوتی تھی، اسی اسمی توجیبہ نے آبادی کو نخاس کے نام سے معروف کر دیا ہے،

(۱۳) دہلی دروازہ، دروازہ کی نسبت سے یہاں کی آبادی اسی نام سے مشہور ہے،

(۱۴) مدار کی ڈال، سہری فروشوں، طباقوں اور حمالوں، کے مکانات اس محلہ میں زیادہ ہیں، وجہ تسمیہ کی تحقیقات کے سلسلہ میں معلوم ہوا کہ ۵ سال پیش تک اس محلہ اور غیر محلہ کے عام لوگ، مدار صاحب کے نام سے تلوار، چھری، ڈھال، ایک چوترہ پر تغلیا رکھتے تھے، میلہ ہوتا، اختتام میلہ کے بعد مدار صاحب کے ان تمام نشانات کو لیکر معتقدین اجمیر ہوتے ہوئے مکن پور جاتے اس محاذ سے یہاں کی آبادی مدار کی ڈال کے نام سے شہرت پذیر ہو گئی،

(۱۵) سنگنی ڈھانہ، پر فارہا جنوں کی آبادی ہے، سنگنی جی نامی پردار نے یہاں سکونت اختیار کر کے مکان کا صدر دروازہ عالیشان بنوایا تھا، اسلئے بعد کی آبادی اسی نام سے مشہور ہو گئی،

(۱۶) دالوں کا محلہ، موجودہ زمانہ میں اس محلہ کا نام مایوں کی بسااست کی بنا پر، مائی پورہ، مشہور ہے، اس سے قبل نور باقوں کی آبادی یہاں زیادہ تھی، اور نور باقوں میں بھی مخصوص وہ لوگ اس محلہ میں سکونت پذیر تھے جو تجارت اور دلالی کا کام کرتے تھے، آثار سے ثابت ہے کہ یہاں نچہ مکان زیادہ تھے، خضر دلال بانی جامع مسجد کا مکان بھی یہیں تھا، جس کا جنوبی حصہ جامع مسجد کی عمارت سے ملتی ہے،

(۱۷) سنگنی، اگر وال مہاجنوں کی آبادی ہے، مشہور گراں رام پنجم کی سات منزلیں یہاں واقع ہے اس انتساب سے تمام محلہ آبادی محلہ سنگنی کے نام سے معروف ہو گئی۔

- (۱۸) جمالوں کا محلہ، بیشتر مسلمان جمال یہاں آباد ہیں،
- (۱۹) مومنوں کا محلہ، نور بانوں کی آبادی ہے، دیگر اقوام کے بھی خال خال مکانات ہیں،
- (۲۰) اتوارہ بازار، کسی زمانہ میں یہاں اتوار کو ہاٹ بھرا کرتی تھی، اس مناسبت سے آبادی بھی اسی نام سے مشہور ہو گئی، متفرق قوموں کے مکانات ہیں،
- (۲۱) قاضی گھاٹ، قدیم اور مشہور محلہ ہے، لیکن جس قدر مشہور ہے اس قدر ویران بھی ہو چکا ہے
- قاضی مرتضیٰ صاحب کے ایک خام مکان کے کسی دوسرے شخص کی آبادی نہیں ہے، قاضی صاحب نے تنگہ ستی کو مقابلہ کرتے ہوئے اس گنج ویرانے کی ایک ایک اینٹ بلکہ بنیادوں کے پتھر تک فروخت کر دیے ہیں، اس محل نے محلہ کو ہمارا میدان بنا دیا ہے،
- (۲۲) راجھی پورہ، برہمنوں کی آبادی پہلے زیادہ تھی، اب مختلف اقوام آباد ہیں، رائے بیدل رائے چودھری کی مشہور ۵۲ چوک والی عریلی یہاں قائم ہے، یہی محلہ کی وجہ تسمیہ ہے،
- (۲۳) الف دروازہ، دروازہ کے نام سے محلہ مشہور ہے،
- (۲۴) تیس گھاٹ کی باؤلی، اب باؤلی کا وجود بھی نہیں ہے، جہاں پر باؤلی کا ہونا بیان کیا جاتا ہے، وہاں سکونت مکانات ہیں،
- (۲۵) ٹوری محلہ، اسکی دو شاخیں ہیں، پھوٹی ٹوری، اور بڑی ٹوری، وسیع محلہ ہے، آبادی بلند سطح پر ہے، اور چونکہ ٹوری مرتفع سطح کو کہتے ہیں اسلئے محلہ ٹوری کے نام سے مشہور ہے،
- (۲۶) منہاروں کا محلہ، اس محلہ میں منہاروں کی مسجد بھی ہے، اب محلہ میں مختلف مسلمان قوموں کے مکانات ہیں، اور محلہ بھی ٹوری محلہ میں مدغم ہو گیا ہے،
- (۲۷) محلہ زیر کوٹ سرکاری مکان کوٹ کے نام سے معروف ہے، کوٹ کے مغرب و جنوب میں جو آبادی ہے وہ زیر کوٹ کے نام سے معروف ہے،
- (۲۸) محلہ تلیاں، پڑا محلہ ہے۔ عموماً شریف مسلمان آباد ہیں، چونکہ آبادی نشیب میں ہے، اور کسی زمانہ میں یہاں تالاب تھا، اس لئے تلیاں معروف ہے،

(۲۹) مردھوں کا محلہ، شاہی زمانہ میں مردھے جریب کشتی کا کام کرنے تھے، یہ اُن کا محلہ  
محلہ ہے، مسجد بھی قدیم ہے،

(۳۰) پٹوٹولہ، نام کا انتساب ظاہر ہے، اب مہاجنوں وغیرہ کے مکانات کثرت میں، پٹوسیر  
کا محلہ بھی ابیں شامل ہے، پٹوتیسر کے نام سے یہاں ایک قدیم مندر بھی ہے،

(۳۱) لوٹیاڈھانہ، پروار وغیرہ مہاجنوں کے زیادہ مکانات ہیں،

(۳۲) محلہ گریانی، حلوانی خانہ کے شمال میں ہندوؤں کا وسیع محلہ ہے، اصل میں ہندوؤں کے کسی گرد  
کی بیوی گریانی سے منسوب ہے، جکا بگڑ گریانی ہو گیا ہے۔

(۳۳) نیا پورہ، اس محلہ میں گڈی مسلمان آباد ہیں، جکے اجداد تو اب وزیر الدولہ بہادر کے عہد  
میں جلیپور سے آکر آباد ہوئے،

(۳۴) ہتیاپول، لالہ چھوٹے رام اگر وال مہاجن نے ایک عالیشان عمارت بنوائی تھی، جس کے  
صدر دروازہ پر ہاتھیوں کی تصاویر ہیں، اسلئے دروازہ ہتیاپول کے نام سے معروف ہے، قرب و  
جوار میں جو آبادی ہے وہ اسی انتساب سے مشہور ہے،

(۳۵) چھپیٹی، اصل میں چھپیہ پاٹی ہے، چھپیوں کے مکانات تھے آج ایک مکان بھی کسی چھپیہ  
کا نہیں ہے، مغلوں اور مہاجنوں کے مکانات ہیں، عبداللہ قاضی قدیمی کا احاطہ بھی اسی محلہ میں  
ہے، جنہوں نے چھپیوں سے مکان خرید کر کے عالیشان مکان بنوایا ہے چھپیوں کا ایک مندر  
بھی ہے، جکی تعمیر سن ۱۶۳۳ بکرمی کی ہے، جسکو (۳۴) سال ہوئے،

(۳۶) محلہ مدرسہ، یہاں خانقاہ حسینی تھی، جس میں مدرسہ بھی تھا، یہی وجہ تسمیہ ہے،

(۳۷) محلہ غلیندان، قدیم، اب اس سے کوئی واقف نہیں ہے، کاغذات قدیم میں نام باقی  
رہ گیا ہے، موجودہ زمانہ میں، کہانی اور گردہاری جے کے مندر کے نام سے آبادی معروف ہے،  
(۳۸) گڈری بازار، بازار کے نام سے آبادی معروف ہے،

(۳۹) محلہ کمانگران، آج ایک فرد بھی کمان گروں سے یہاں باقی نہیں ہے، صرف انکی یادگار

ایک مسجد قائم ہے جسکو یہاں کے لوگ نادافیت سے مکنی گروں کی مسجد کہتے ہیں ،  
(۴) کاغذی محلہ ، ایسی سفید کاغذ بنانے والے یہاں آباد تھے ، اب بھی انکے بچتہ مکانات موجود  
ہیں ، جیتوں نے فراطی کا پیشہ اختیار کر لیا ہے ، انہی لوگوں کا بتوایا ہواندی کے کنارے وسیع بچتہ  
گھاٹ بھی موجود ہے ،

غیر آباد اور ویران بازار

سوبرس پہلے ، شہر میں متعدد بازار تھے جنہیں بچتہ  
دکانات و وریٹھیں ، بعض آثار اب بھی باقی ہیں

تفصیل غیر آباد بازاروں کی یہ ہے ،

۱) کٹرہ ٹوکنج ، عہد جاگیر میں ، نور جہاں بیگم کی نسبت سے ، لالہ متھرا داس قانون گوے  
چندیری و سروجن لالہ پرتاب چند جی موجودہ ریٹائر قانون گوے دادا نے لکڑی و دروازہ کے  
جنوب میں آیا دیکھا تھا ، جسکی تصدیق سید جاگیر مرقوم سولہ جلوس سلسلہ سے ہوتی ہے  
لالہ پرتاب چند جی کے پاس محفوظ ہے ، یہ کٹرہ بعد میں شکر کٹرہ کے نام سے معروف ہوا ، آج بھی ویران  
حصہ اسی نام سے پکارا جاتا ہے ، جب کٹرہ آیا دتھا اسوقت اسکے شمالی و جنوبی کناروں پر مستقل  
طرح سے حفاظت کا پہرہ مامور ، اور محکمہ سائر کا دفتر اور اسکا جھنڈہ بھی یہیں قائم تھا ، نواب زیر الملک  
بہادر کے زمانہ تک ، سرکاری لوازم کے آثار کا پتہ کٹرہ مذکور میں چلتا ہے ، مبصرین اگر کٹرہ کے رقبہ کو  
دیکھیں گے تو آج بھی اُسکے کھنڈرات پتہ دینگے کہ دور و یہ چار چریب تک بچتہ دوکانیں تھیں ،

۲) سندھری نور الدین جاگیر و نور جہاں بیگم ، بھٹ سیاسی ، طغر (بھٹ سرخی) ، اللہ اکبر جوں جوں ، فرماں عالی شان جاگیر خدمت  
قانون گوئی سرکار چندیری صوبہ مالوہ یہ جگہ بھٹ داس لالہ متھرا داس مقرر است ، بایک حکام و عمال و متصدیان حال و استقبال سرکار  
مذکور مشا ذالیر قانون گوئی آجنا دانستہ دست تصدی اور اوران باب قوی مطلق دارند سیل مشا ذالیر لکھنؤ کے حکایت مال دیوان  
در قاضیت احوال رعایا پورہ باشندہ بھٹ داس از ان تحلف نورزد ، وزیر حکم شد کہ چون متھرا داس پر مشا ذالیر در قصبہ سروجن کٹرہ نوکریا  
ساختہ و انتہام آبادی کٹرہ مذکورہ بعدہ بھٹ داس مقرر است بایک جاگیر داران قصبہ مذکور دکنہ آجیا پواریان را بکر اندک بفرارغ است اسطہانی و  
آوردہ در کٹرہ مذکور خیر فروخت میکردہ باشند بچ کسان و مزاجم نشد ، دین باقی قرض و کای تمام دانستہ از فرمودہ تحلف نورزد فقط سولہ جلوس

۲) نمک کی منڈی، منڈوی دروازہ کے اندر بازار واقع تھا جس میں دوکانیں تھیں، مولف نے سال قبل چند دوکانیں نیم منہدم اور بیشتر دوکانوں کے آثار پختہ دور تک دیکھے تھے، اب ہوا سطح ہے، نہ بازار ہے نہ منڈی، اسی جگہ سائر کا دفتر تھا جو ۱۹۱۵ء میں وہاں سے منتقل ہو کر بگودہ دروازہ کے متصل جدید مکان میں آگیا ہے،

۳) پل بازار، پانی کے مرود کے لیے شاہی زمانہ میں اس طرف پختہ نالیاں تھیں، انسانوں کی آمد و رفت کے لئے نالیوں پر پل بنادیا گیا تھا، یہی وجہ تسمیہ ہے، تقریباً چار چوبیس تک پختہ دورویہ دوکانیں تھیں، آج بھی متعدد دوکانات سالم ہیں اور بیشتر منہدم ہو چکی ہیں،

۴) اتوارہ بازار، چھوٹا بازار تھا، اب ویران ہے، چند دوکانات جو سالم ہیں، انہیں لوگ، سکونت گزین ہیں، سرویج کی ترقی کے زمانہ میں ہر دروازہ کے اندر ایک ایک دن ہاٹ بھر کر تھی، اس طرف اتوار کا دن ہاٹ کے لئے مخصوص تھا، اس لئے اتوار بازار آج تک اس قدیم جگہ اور اس کے اطراف کی آبادی کو کہتے ہیں،

۵) کہا را بازار، محلہ بھی اسی نام سے مشہور ہے، کہا روں کے مکانات اس طرف زیادہ تھے، ٹوویاں عموماً باہر رکھی جاتی تھیں، ضرورت مند اصحاب کہا روں کو مع ڈرونی کے لیجاتے یہی وجہ تسمیہ کی گئی، ۶) آستانہ بازار، کہا را بازار کا جنوبی سرا، اس بازار کے شمالی سرے سے ملگیا ہے، چند پختہ و خام دوکانات اب بھی قائم ہیں، بیشتر حصہ ویران ہو چکا ہے،

۷) غلہ کی منڈی خواجہ سید عبدالہادی مرحوم باقی محلہ حاجی پورہ کی قائم کی ہوئی غلہ کی منڈی تھی، جبکہ پختہ دروازہ اب تک قائم ہے، باقی دوکانات کا حصہ میدان ہے۔

۸) گزری بازار، ایوان نظامت و شمال کی طرف ۹۰ گز طول میں ہے جبکہ دونوں طرف پختہ دوکانات غلہ فروشوں، حلوائیوں، پنساریوں، عطاریوں کی ہیں اور بڑے سبزی فروشوں کی نشست ہے، ڈاکخانہ کے قریب اس بازار کا شمالی کنارہ ختم ہو جاتا ہے، اسکے آگے

۱۰) اس وقت ڈاکخانہ کپتان سعادت علی خاں کی مشہور چوٹی میں ہے جو ساہوان ریلوے کے قبضہ میں ہے۔ ۱۲) مولف

تقریباً اگر تک دور وہ چار چار، اور پانچ پانچ منزلوں کے پختہ مکانات ساہون نظام، ساہون  
اجیر اور دیگر مقامی مہاجروں کے واقع ہیں، جنکے آگے سڑک کی طرف برآمدے بھی کھلے ہوئے ہیں،  
ایوانات کی خوبصورتی تہایت درجہ دیدہ زیب ہے اور عمارات عموماً دلکش، وسیع اور بلند ہیں جن پر  
سیاحوں کو بتائیں اور کپتور کی سر بلبلک عمارات کا دہوکہ ہوتا ہے،

۲، بڑا بازار جامع مسجد کے گوشہ تک ایوانات متذکرہ کا سلسلہ، تعمیر ختم ہو کر بڑے بازار کا سلسلہ  
شروع ہوتا ہے جو ۱۹۵ گز ۱۹۵ فٹ طول میں حلوانی خانہ تک جانب شمال چلا گیا ہے،  
دور وہ بلند کمریوں پر پختہ ہو گئے ہیں، مغربی لائن کا پہلا حصہ، ۱۸ اور شرقی لائن کا پہلا حصہ ۶،  
مکانات پر دونوں جانب کوچہ ہائے آبادی کے دروازوں کے حائل ہو جانے کی وجہ سے ختم ہو گیا  
ہے، اس حصہ میں دونوں جانب بیشتر بڑاڑوں کی مکانات ہیں، درمیان میں کہیں کہیں حیاتوں کی  
نشست ہے، دوسرا حصہ اسی خط پر پھر شروع ہوا ہے، جبکی شرقی لائن کی مکانات ۱۱، ۱۲ اور  
مغربی لائن کی ۳، ہیں، مغربی لائن میں عموماً ساہوکار بیٹھے ہیں، اور اون مکانات کے نیچے خانوں  
صرافوں کی نشست ہے، شرقی مکانات اور ان کے تہ خانوں عموماً بوسہ قوم بیٹھی ہے، جن کے  
یہاں لوہے اور منہاریکا سامان فروخت ہوتا ہے،

مکانات کے درمیان ۲۰ فٹ عرض پختہ سڑک ہے، سڑک کے کنارے پختہ تالیاں پانی  
کے بہاؤ کے لئے ہیں اور تالیوں سے متصل ۸ فٹ عرض پختہ فرش ہے، فرش کے کنارے سے  
مکانات کی سیڑھیوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے، سطح زمین کے نشیب و فراز کے لحاظ سے کہیں ۳ اور  
کہیں ۴ سیڑھیاں ہیں، کل ۸ فٹ کی کرسی ہے، سیڑھیوں کا جہاں سر ختم ہوتا ہے، وہاں پتھر  
کے مٹمن ستون کہیں ۳۔ اور کہیں ۵، فٹ کے درمیانی فاصلہ سے ایک خط میں قائم کئے گئے ہیں،  
ستونوں کے متصل ایک فٹ جگہ خریداروں کی آمد و رفت کے لئے چھوڑ کر ۶ انچ کی کرسی پر ۸ فٹ  
عرض پختہ فرش ہے جس پر مکانات بیٹھے اور اس پر سامان رکھتے ہیں، اسی طرح سے کل ۹ فٹ  
کا عرض کھلا ہوا پیش دالان ہے، دالان کے بعد کہیں کہیں دوسرے کوٹھے، کواڑوں

ساتھ قائم ہیں، مال اپنی کوٹھوں کے اندر محفوظ رہتا ہے، کوٹھوں کے دروازوں پر عموماً سرخ کپڑے کا پردہ پڑا رہتا ہے، جس سے دو فائدے ہیں، ایک یہ کہ گرد و غبار سے مال کی گوشت حفاظت رہتی ہے دوسرے یہ کہ دکانداروں کا بھرم قائم رہتا ہے، یعنی مال موجود نہ ہونے کی حالت میں بھی لوگ خیال کرتے ہیں کہ کوٹھے میں مال ہے، بہر حال پروں کی آویزش پسندیدہ ترکیب ہے، دکانات مستحق اور نہایت مستحکم بنی ہوئی ہیں،

ہر فٹ کی بلند کرسی دینے سے تہ خانوں کی گنجائش نکل آتی ہے، ان تہ خانوں میں متفرق دکاندار بیٹھے ہیں، گنجائش کے علاوہ مرتفع کرسی سے بازار کی شان نکل آتی ہے، جس سے شعبہ ہوتا ہے کہ کسی بڑے شہر کا بازار ہے دکانات کی پھتوں پر غیر مسلسل طور سے کہیں ایک منتر کسی جگہ دمنتر لہجہ بنگلے بنے ہوئے تھے، جنہیں لوگوں کی مستقل سکونت تھی، اب بیشتر بنگلے منہدم ہو چکے ہیں۔

مالوہ میں اس شان و طرز کا بازار دوسری جگہ نہیں ہے،

بازار کے درمیان جہاں کوچے آگے ہیں، وہاں پختہ دروازے بھی قائم کر دیے گئے ہیں، کسی زمانہ میں کوڑا لگے ہوئے تھے، اب نہیں ہیں، گزشتہ دور میں شہر کے ہر دروازہ میں باری باری سے ایک ایک دن ہاٹ (بازار) بھرا کرتی تھی، اب صرف جمعہ کے دن بڑا بازار کی سڑک پر ہاٹ بھرتی ہے، جس میں چارچھکوس کے دیہاتی کاشتکار زمیندار کی عورتیں سودہ لینے کی غرض سے سیکڑوں کی تعداد میں آتی رہتی ہیں، جنگی کثرت و اثر دام سے بازار میں گزرنا دشوار ہوتا ہے، جمعہ کے دن ہیلیئم دروازہ کے باہر لب تالاب ہاٹ بھرا کرتی تھی، مولوی خیر الدین عامل کے زمانہ میں وہاں سے منتقل ہو کر یہاں قائم ہوئی،

۳۱، ٹھیکر بازار، بڑے بازار کے آخری حصہ شمالی سے اس بازار کا آغاز ہے، دورویہ پختہ

۳۲ دکانات ہیں، بڑا بازار کی طرح دکانوں میں ستون نہیں ہیں، مٹی برنجی، پھول، کالسنہ، کے برتن یہاں بیٹے اور فروخت ہوتے ہیں،

۱۲، ہاٹ کی منتقلی کا زمانہ ۱۹۵۹ء سے ۱۹۶۴ء تک



دہ، جلوائی خانہ، شمالاً و جنوباً، فٹ کی مرتفع کرسی پر دوکانات ہیں جنہیں سٹرہیاں نہیں ہیں، ۱۰۰ فٹ عرض درمیان میں راستہ ہے جس پر سیاہ پتھر کا فرش دوڑنگ چلا گیا ہے، جنوبی سمت جلوائیوں کی نشست ہے اور شمال جانب کھٹائی کی دوکانات ہیں، کل دوکانوں کی تعداد ۳۳ ہے۔

دہ، کھٹائی بازار، شرقاً و غرباً دوکانات ہیں، جنکا سلسلہ ۱۰۰ گز تک چلا گیا ہے، درمیان میں سناروں اور متفرق کاریگروں کی بھی دوکانیں ہیں معمولی کرسی ہے، اس بازار کا شمالی سیرا پل بازار سے مل گیا ہے،

موجودہ بازار کے متعلق یہاں عام طور پر شہور ہے کہ شہنشاہ نور الدین جہانگیر نے اسوقت اسکو تعمیر کرایا ہے جبکہ وہ سروج ہو کر دکن کی ہم پر گیا ہے، گز میٹر میں بھی یہی لکھا ہے، ممکن ہے گز میٹر کے اندراج کے اعتبار پر اسکی شہرت ہو، یا شہرت کی بنا پر گز میٹر میں لکھا گیا ہو، کیونکہ بعض زبانی روایتیں بھی واقعیت کا پہلوئے ہوئے ہوتی ہیں، لیکن گز میٹر میں روایت کے ماخذ کا حوالہ نہ ہونے سے اسکو قبول کرنے میں تامل ہے،

اس کتاب کا مولف اپنے اصول تحقیق اور تنقید کے دائرہ سے باہر جانا نہیں چاہتا، بیشک جلوس کے بارہویں سال ۱۵۲۵ء ہجری میں شہنشاہ مذکور اپنے بیٹے شاہجہاں کو ساتھ لے کر دکن کی ہم پر گیا ہے، خود برہانپور میں مقیم رہا، اور شاہجہاں کو دکن روانہ کیا، اگرہ سے روانگی کے وقت اور برہانپور سے واپسی میں حدود مالوہ سے ضرور گزرے، جس جہاں مقام پر خواہ وہ قریہ ہو یا شہر اوس نے قیام کیا ہے، یا سفر کی حالت میں جتنے جانور اُس نے شکار کئے ہیں یا جہاں جہاں کی سیر کی ہے یا جن لوگوں کو انعام دیئے ہیں یا جن جن حکام کو اُس نے جہاں جہاں مامور کیا ہے یا جس عمارت کی اوس نے درستی اور مرمت کرائی ہے، اُن سب واقعات کو اُس نے اپنے قلم سے اعلیٰ انشا پر داری کے پیرایہ میں اس تفصیل کے ساتھ ترک جہانگیری میں درج کیا ہے کہ دوسرا واقعہ نگار یا مورخ جزئیات کی اتنی تفصیل درج نہیں کر سکتا تھا، لیکن تعجب ہے کہ سروج جیسے شہر اور

تجارتی شہر میں جہانگیر نے نہ اپنا آنا درج کیا ہے، نہ کسی بازار کی تعمیر کا حال لکھا ہے، نہ کسی دیگر تاریخی کتابوں میں یہ واقعہ درج ہے، نہ فرامین شاہی میں اسکا تذکرہ ہے، بازار جس نشان اور اس اعلیٰ پیمانہ پر تعمیر ہوا ہے، اگر نور الدین جہانگیر کو اس سے نسبت ہوتی تو یقیناً اسکی شہرت پسند طبیعت اور اس کے جادو کا رقص سے نظر انداز نہ ہوتا، جہانگیر کے دور سے ۲۶ سال قبل علامہ فیضی <sup>۹۹۹ھ</sup> میں سروج سے گذرا ہے، وہ سروج کی شہرت پر اپنی رائے ان الفاظ میں ظاہر کرتا ہے کہ ”دو شہر سروج کہ حکم بندر وارد“ اس جملہ کے نقل کرنے سے یہ مقصود ہے کہ ۲۶ سال دورہ جہانگیری سے قبل سروج تجارتی حیثیت سے مشہور شہر تھا، اور شہر کے لئے بازاروں کا وجود لازمی ہے جہاں عام طور سے خرید و فروخت تجارتی مال کی ہوتی ہے، اس لئے سروج کا بازار عہد جہانگیری سے پہلے کا قیاس کیا جاسکتا ہے، نہ بعد کا۔ یہاں یہ امر بھی قابلِ اظہار ہے کہ جس جگہ بازار واقع ہے یہاں نالہ تھا جسکی تصدیق اس سے بھی ہوتی ہے کہ محکموں کی چھتوں کے برابر دونوں پہلوؤں کی آبادی کی جڑیں ہے سطح بازار اس سے ۲۰ فٹ نشیب میں ہے، نیز بازار کے کنارے میل اور نیب کے چند قدیم درخت آج بھی قائم ہیں، جیسا کہ ندی نالوں کے کنارے اکثر ہوتے ہیں، اور وہ نالہ پانی کہدان سے نکلکر مدار کی ڈال کے قریب ندی میں مل گیا تھا،

شہر میں پہلے دو کوتوالیاں تھیں، ایک محلہ حاجی پور میں، زمانہ گذرا کہ یہاں کی کوتوالی اٹھ چکی ہے، جب کوتوالی کا دفتر یہاں سے منتقل ہوا اسوقت انگریزی ڈاکخانہ نے اس جگہ قبضہ کیا جہاں اسکا قبضہ <sup>۱۸۵۷ء</sup> تک رہا، دوسرا مقام کوتوالی جانت مسجد کے متصل شاہ مجنوں شہید رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے پہلو میں آج بھی قائم ہے،

کوتوالی سے ملا ہوا، ایک مکان ہے جس میں بازار کے دن محکمہ جنگی کا دفتر چھیٹ کورہ <sup>۱۸۵۷ء</sup> دہلی تھا توں پرچگی کی مہر لاکر محصول وصول کرتا ہے، پڑانے کا ہذا

میں اس قسم کے حاصلات کا نام چھیٹ کورہ لکھا ہے۔

## دار الضرب

چھیٹ کورہ کے سامنے غری لائن میں مکان دار الضرب تھا اُنک سال بند ہو جائیگی وجہ سے اُسکی ضرورت باقی نہیں رہی اسی دوسروں کے ہاتھ فروخت کر دیا گیا، اسوقت کو پی لال سلاوٹ کے قبضہ میں ہے اس مکان میں ۱۸۹۲ء تک روپیا اور پیسے مسکوک ہوتے رہے ہیں، دار الضرب کی دیوار میں، سڑک کے سامنے ایک تنطیل شکل کا پتھر وصل تھا، دیوار کے گرتے سے وہ پتھر مدتوں دار الضرب میں دکھارہا بخشی، اکتان حافظ سید محمد خاں بہادر ظفر جنگ نے اپنے غنیمت ۱۸۹۵ء میں وہاں سے اٹھوا کر ایوان نظامت میں بچھا طت رکھوا دیا ہے، اب تک وہاں محفوظ ہے، پتھر کو ایک کتبہ ہے جس پر فرمان جاگیر کی نقش ہے، چکے ذریعہ سے اعلان کیا گیا ہے کہ محصول جنگی معاف کیا گیا، خلاف ورزی کی صورت میں لوگ قابل تعزیر سمجھے جائیں گے، آج کتبہ کے حروف کی شکلیں اکثر مٹ چکی ہیں، اسی مضمون کا ایک پتھر موضع بھونریا علاقہ سروخ میں بھی قائم ہے، وہ قدر زیادہ صاف ہے اُسکی مدد سے جو کچھ پڑھیں تو یا اُسکی نقل ذیل میں درج کی جاتی ہے

## فرمان ابوالمظفر نور الدین محمد جہانگیر بادشاہ غازی

حکام حال و استقبال و جاگیر داران و کمر و ریان و راہ داران و گزر بانان  
قبضہ سروخ بداند، چون عدالت پیرائے پرقاہ مال کا قہ عباد اللہ مصروفست  
خصوصاً زکوٰۃ در کل مالک محروسہ معاف و جمیع ایواب مطاہرہ انرا مسدود ساختہ ایم  
اگر کسی بعد از اس نام زکوٰۃ یر زبان آرد بعباب ہائے گونا گوں گرفتار گرد و، و اگر کسی  
بعد از اس نام زکوٰۃ خلاف حکم اعلیٰ خواہد نمود غضب بادشاہی و مورد غضب الہی،

تحریر تاریخ ۲۲ شوال ۸۱۴ھ

جہاں جہاں بیاض سادہ چھوڑ دی گئی ہے، وہاں کے حروف پڑھتے میں نہیں آتے کتبہ کے مضمون کو تاریخ سے مطابقت کر نیکی بعد معلوم ہوا کہ شہنشاہ جہانگیر نے اپنے پہلے سال جلوس ۸۱۴ھ میں

جو بارہ احکام جاری کئے تھے، جن میں زنجیر عدل ظلمانی بھی داخل ہے، "میں نے ان کے دوسرے حکم محصول زکوٰۃ کے عام معافی کا تھا، اس حکم کا اعلان نقوش مرئیہ کے ذریعہ سے تمام ممالک محروسہ میں کیا گیا، وہی حکم اتنا اسی اس پتھر پر نقش ہے، اسی مضمون کا ایک سنگی کتبہ موضع بھونریا پر گتہ سروج میں بھی نصب ہے اور یہ گاؤں بھی گذشتہ زمانہ میں مہاجنی اور تجارتی آبادی کا مشہور مقام تھا، اور سیرا پتھر اسی مضمون کا موضع روہلی ہاٹ میں بھی نظر سے گذرا ہے۔

قصہ کے اندر دوسرے اور ایک دہرم شامل ہیں، اور ایک دیوان سرے شہر سے باہر (۱) سرے خام شاہی سرے مشہور ہے جو دہلی دروازہ کے اندر وسیع رقبہ میں واقع ہے، اب اس سرے میں اکثر تیلیو اور کتھر دیگر اقوام کے سکوتی مکانات ہیں، (۲) سرے پنجتہ محلہ حاجی پور میں واقع ہے جسکے بانی خواجہ سید عبدالہادی فرحوم ہیں، ۱۲۶۱ گز مربع میں ہے، اس عمارت کے اندر چاہ بھی ہے، شمالی اور جنوبی دروازے ہیں، جنوبی دروازہ کے باہر ایک مسجد اور لکے متصل چاہ و حمام کے افتادہ آثار موجود ہیں۔

اسی پنجتہ سرے کے قریب دہرم شامل پنجتہ ہے، آجکل اس میں اکثر مسافر قیام کرتے ہیں، (۳) آبادی شہر سے باہر شمال میں شاہ فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ ... کے مزار کے متصل ملپور نام کا ایک پورہ غیر آباد ہے، جسکا فاصلہ دہلی دروازہ سے ایک میل ہے، یہاں بھی ایک سرے قلعہ ہے جسکے آثار پائے جاتے ہیں، متعدد پنجتہ قبریں بھی ہیں، اللہ پر تاب چندنی قانو کو اور دیگر راویوں نے بیان کیا ہے کہ دربار شاہی سے یہاں سرے اس لئے تعمیر کرائی گئی تھی کہ اطراف دہلی کے مسافر آہو جانے اور دروازہ شہر پناہ مقفل ہو جانے کے سبب سے آبادی کے اندر داخل نہ ہو سکیں تو اس سرے میں آرام پذیر رہیں۔

یہ روایت قرین قیاس ہے، اس لئے قرین اور دیگر کافذات قدیم کے دیکھنے سے واضح ہے۔

لے سروج سے گوشہ شمال مغرب میں ۶ میل کے فاصلہ سے ایک وسیع الرقبہ گاؤں ہے ۱۲  
لے سروج سے مغرب میں ۱۲ میل کے فاصلہ سے بڑا گاؤں ہے جس میں ہاٹ بھرتی ہے - ۱۲ مولف

کہ بڑے بڑے ملکی عہدہ دار شاہی، مثل وقار نگار، سوار نگار، مہتممان خدام شاہی، ماحملہ و  
صوبہ فوجی افسران وغیرہ دکن جاتے ہوئے سروج سے گزرتے رہیں یا اور یہ عام قاعدہ مرغی تھا، اور  
اب بھی جگہ جگہ ہے کہ ایک پہر رات گزر جانے پر شہر تپاہ کے دروازے مقفل ہو جاتے ہیں، اور  
بلاتذکرہ سرکاری ضرورتوں کے رات کو کھولے نہیں جاتے۔

عام قلعوں، اور حصار بند شہروں کا یہی دستور ہے،

مپور کے نام اور اسکی وجہ تسمیہ میں اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ اس جگہ کل یعنی ٹٹ قوم  
آباد تھی، لیکن اسکی کوئی سند نہیں ہے، اور بعض مالپورہ بیان کرتے ہیں، مولف کی رائے میں صحیح  
نام ملک پور ہے، اسلئے کہ یہاں قانون گویان کی آراضی ملک واقع ہے،

ملک اس آراضی کو کہتے ہیں جو خرید کردہ ہو، کثرت استعمال سے مل پور، اور مل پور سے مل پور  
ہو گیا، کل کنواں وہی رقبہ میں ہے، جگہ کا پانی شہر کے تمام چاہات سے افضل مانتا جاتا ہے،

آبادی کے اندر اور باہر مساجد کثرت ہیں، جن میں سے اکثر شہید ہو چکی ہیں ہر ایک محلہ  
مساجد میں متعدد مساجد تھیں، جنکے نشانات نظر آتے ہیں، مساجد کا شمار شکل کام ہے، اسلئے

کہ بہت سی مسجدوں کے آج آثار بھی باقی نہیں ہیں، تلامذہ کے سلسلہ میں ایک درویش نظام الدین شاہ  
کی یہاں ایک فرمان مع فہرست مساجد مولف کو ملا ہے، یہ فرمان شاہ فرخ سیر کے عہد کا ہے جس پر  
تاریخ ۱۵۰۵ رجب ۱۰۲۹ جلوس درج ہے، ۶ جلوس کی مطابقت ۱۲۹۹ ہجری سے ہوتی ہے

لے آئیں اکبری میں کووال کے فرائض درج ہیں اس میں یہ بھی ایک فرق درج ہے کہ رات کو حصار قلعہ اور شہر تپاہ  
کے دروازے بند رکھے جائیں = ۱۲

لے فرمان ہری ابوالقاسم فدوی فرخ سیر بادشاہ قانہ = گماشتہ ہائے مصدیان سامر پرگنہ سروج سرکار چند ہری  
مضاف صوبہ مالوہ بداند = بموجب استاذین و پروانہ بمہر و اب قطب الملک بین الدولہ مرحوم مفتی شہر ریہ لاول  
سلاہ جلوس مبارک یکصد و شانزہ ٹنکہ مالگیری از محصول سامر پرگنہ مذکور در وجہ مدد معاش محمد سمیع وغیرہ خدام  
مساجد پرگنہ مزبور حسب التخصن مقرر است، باید کہ پویمہ جماعہ مطور راز تحویل قوط دار بدستور سابق با تہامیر سائیدہ باشند  
تاریخ ۱۲۵۵

حکومت آجک ۲۱۵ سال کا زمانہ ہوا، اس شاہی فہرست سے شروع میں چھوٹی بڑی ۱۵ جامع مسجد  
کہ انصار صرف معیشت خود ہانودہ بدعا کے، انقباض دولت اید مدت استعمال و موافقت سینودہ باشند و اگر در محل دیگر  
چیزے داشتہ باشند آنرا اعتبار کنند دریں باب کیا کیا کنند شتاستدنی التاریخ پانزدہم رحیب الرحیب سیدہ جلوداں قلم شد  
(نشت قرآن پر مساجد و مصارف کی اس طرح تفصیل درج ہے)

مساجد کلاں جامع			
بناکردہ قاضی ابوالخیر باسم	بناکردہ خضر دلال	بناکردہ شاہ عبدالغنی	بناکردہ بادشاہی
نادر الزمان	باسم کریم اللہ	باسم شیخ محمد فاضل	باسم شیخ محمد وغیرہ
امام خطیب	امام خطیب	امام خطیب	امام خطیب
۳۰۰ دام	۳۰۰ دام	۳۰۰ دام	۳۰۰ دام
چار دیکش مؤذن	چار دیکش مؤذن	چار دیکش مؤذن	چار دیکش مؤذن
بناکردہ محمد رضا	بناکردہ شیخ محمد صالح	بناکردہ کریم اللہ	
باسم شکر اللہ	باسم فیض اللہ	باسم حفیظ وغیرہ	
امام خطیب	امام خطیب	امام خطیب	
۳۰۰ دام	۳۰۰ دام	۳۰۰ دام	
چار دیکش مؤذن	چار دیکش مؤذن	چار دیکش مؤذن	
مساجد جامع خور و			
بناکردہ شیخ تھابا باسم محمد وغیرہ	بناکردہ بہادر چیلہ باسم خطیب وغیرہ	بناکردہ لادن اللہ زکریا باسم خطیب	بناکردہ حاجی پیر محمد باسم قاسم بیگ
۱۲۰ دام	۱۲۰ دام	۱۲۰ دام	۱۲۰ دام
بناکردہ کسانگران باسم امیر	بناکردہ خواجہ میر باسم محمد خطیب وغیرہ	بناکردہ پیر یحییٰ باسم شیر بیگ	بناکردہ ہریرا باسم زکریا باسم امین الدین
۱۲۰ دام	۱۲۰ دام	۱۲۰ دام	۱۲۰ دام
بناکردہ عبدالغفار	بناکردہ چیلہ باسم شیخ حافظ وغیرہ	بناکردہ زین العابدین	بناکردہ شاہ محمد باسم علیت اللہ
۱۲۰ دام	۱۲۰ دام	۱۲۰ دام	۱۲۰ دام

۱۲۰ دام علامت ایک ٹکے کی اور ۱۲۰ دام علامت دو ٹکوں کی ہے ایک ٹکے میں ۱۲۰ گز سے خرچہ دل کے لئے ہے اس حساب سے  
۱۲۰ دام اور ۱۲۰ دام کے لا ۱۲۰ دام ہوئے اور ۱۲۰ دام کے ۱۲۰ دام کم ایک ٹکے ہوئے ۱۲۰

اور غیر جامع ۴۳ مسجدوں کا وجود ثابت ہوتا ہے اور یہ وہ مساجد ہیں جنہیں امام  
خطیب ماموزن ماجار وکیش مامور تھے ، اور جن کو یومیہ خزانہ سر و رخ سے وظیفہ ملا کرتے تھے ۔

۱ بنا کردہ محمد رسول بن اسم عبدالعزیز	۲ بنا کردہ شاہ محمد الدین باسم انہ بخش	۳ بنا کردہ حمید پوریل پات	۴ بنا کردہ عادل باسم رسول خاں
۵ بنا کردہ محبت باسم شیخ قاسم	۶ بنا کردہ خضر باسم شیخ نور محمد	۷ بنا کردہ فتح محمد باسم شیخ کمال	۸ بنا کردہ دایم پورہ باسم شیخ بیگ
۹ بنا کردہ چچا باسم عبدالواحد	۱۰ بنا کردہ اللہ بخش باسم امان اللہ	۱۱ بنا کردہ بابا شکر باسم شیخ محمد فاضل	۱۲ بنا کردہ عبدالواحد باسم زہد بیگ
۱۳ بنا کردہ شیخ بدھو باسم ابو بکر	۱۴ بنا کردہ امان اللہ باسم شیخ محمد علی	۱۵ بنا کردہ چاند پورہ باسم شیخ محمد	۱۶ بنا کردہ عادل خاں باسم سید حسن
۱۷ بنا کردہ قاضی ابوالنیر باسم احمد اللہ	۱۸ بنا کردہ درویش باسم خان محمد	۱۹ بنا کردہ خضر باسم شیخ محمد	۲۰ بنا کردہ ادا ہو کمال باسم کمال
۲۱ بنا کردہ پہاری کنڈی گرام باسم فضل اللہ	۲۲ بنا کردہ گورن مروہ	۲۳ بنا کردہ بولا مستگیر باسم عمر فاضل	۲۴ بنا کردہ جانی نو مسلم باسم سید فاضل
۲۵ بنا کردہ الہداد نوات باسم شیر بیگ	۲۶ بنا کردہ مہارانی باسم ولی بیگ	۲۷ بنا کردہ موہن نو مسلم باسم نذیر الدین	۲۸ بنا کردہ حلال
۲۹ بنا کردہ علی رضا باسم بابزید	۳۰ بنا کردہ باسم فتح بیگ	۳۱ بنا کردہ خدا بخش باسم زہد	۳۲ بنا کردہ فضل اللہ باسم ابراہیم
۳۳ بنا کردہ اخلاص چیلہ باسم شیخ عزیز اللہ	۳۴ بنا کردہ حاجی محمد درویش	۳۵ بنا کردہ باد فروش باسم لعل بیگ	۳۶ بنا کردہ حسین باسم حامد
۳۷ بنا کردہ شیخ فرید باسم قطب الدین	۳۸ بنا کردہ چھبہ باسم چچو بیگ	۳۹ بنا کردہ عمر دلالی باسم حامد	۴۰ بنا کردہ کریم واد باسم شہاب الدین

شاہ قریخ سیر کے عہد کے بعد جو مساجد تعمیر ہوئیں، جن کا وجود اس وقت بھی ہے، وہ ۶۳ مساجد مندرجہ شاہی فہرست کے علاوہ ہیں،

(۱۵) جامع مسجد مندرجہ میں سے ذیل کی چار مساجد اس وقت تک قائم ہیں۔ بنا کردہ خواجہ محمد صالح محلہ رکاب گنج۔ بنا کردہ امان اللہ رنگر محلہ درمیان، بنا کردہ کمانگراں محلہ گذری بازار۔ بنا کردہ خضر دلال واقع بڑا بازار، باقیوں کا پتہ نہیں چلا، کہ وہ کون سی ہیں یا کہاں تھیں۔ جمعہ کی نماز اب صرف خضر دلال کی مسجد میں ادا ہوتی ہے جو بڑے بازار میں ہے، اس وقت آباد اور غیر آباد مساجد کی تعداد شہر میں ۹۵ ہے ان میں سے ۹۴ مساجد سالم ہیں،

سالم مساجد میں سے ۲۴ آباد ہیں جن میں بیچگانہ نماز ادا ہوتی ہے، ان ۲۴ میں سے ..... ۱۴ مساجد کا صرفہ مؤذن وغیرہ کاریاست کے ذمہ میں ہے باقی ۱۰ مساجد کا صرفہ محلہ کے مسلمان پر دست کرتے ہیں، مسروچ کے عروج کے زمانہ میں (۲۰۰) مساجد سے کم نہ رہی ہوں گی،

قلندری مساجد کی تعداد ان مساجد کے علاوہ ہے جو شہر کے اندر اور باہر کثرت ہیں اس قسم کی مساجد ہزار بارہ سو سے کم نہ ہونگی، قلندری مساجد اداے نماز کے لئے تعمیر نہیں ہوئیں، بلکہ محض صحن مسجد میں مردوں کو دفن کرنے کی غرض سے بنائی گئی تھیں، اگلے مسلمانوں میں یہ اعتقاد رائج تھا کہ مسجد کی زمین جنت میں اٹھائی جائیگی، اس لئے انہوں نے قلندری مساجد کثرت سے تعمیر کر کے مردوں کو صحن مسجد میں دفن کر دیا تھا، کہ مردے بھی طبقہ مسجد کے ساتھ سیدھے جنت الفردوس میں داخل ہو جائیں، ان بزرگوں کو اعمال صالحات کی چند ان فکر نہ تھی نہ شاید پرسش اعمال کا خوف تھا، یہی وجہ ہے کہ شہر کے اندر کم اور باہر چاروں طرف قلندری مساجد

بنا کردہ حاجی محمد اسمان اللہ	بنا کردہ محمد رمضان بام عبد الرحمن	بنا کردہ حالان بام شیخ احمد	بنا کردہ الحسن اللہ بام حکیم الشریعہ
ملک	ملک	ملک	ملک
۱۰۱۰	۱۰۱۰	۱۰۱۰	۱۰۱۰
نام	نام	نام	نام

لے گزشتہ میں ۱۸ مساجد تعمیر کی تعداد درج ہے جو ۱۸۸۷ء کی ہے ۶۳ مساجد حال کے شمار میں کم ہیں جگہ آج نشانات بھی نہیں ہیں (نوٹ) ۹۹ ٹکوں کے فی روپیہ ۱۶ ٹکوں کے حساب سے ۴ روپیہ ۱۶ ٹکے ایک پیوہ جو سے ۱۲ مؤلف



اور مسجدوں میں قبریں بچتے اور خام تعویذ و نکی بکثرت نظر آتی ہیں مگر بزرگوں کا قول ہے، شعر  
اگر گور خواہی منور چور و نہ ازیتجا چراغ عمل بر فروز

سیر المناخرین مطبوعہ نول کشور پریس صفحہ ۲۴ تذکرہ مالوہ میں درج ہے کہ چندیری میں ۱۸۴۰ء ہزار  
۱۷۰۰ ہزار کے ۱۴ ہزار مکانات سنگین، ۱۲ ہزار مساجد تھیں،، بظاہر مساجد کی تعداد مبالغہ سے  
خالی معلوم نہیں ہوتی، لیکن مؤلف کا قیاس ہے کہ اس تعداد میں قلندری مساجد بھی شامل ہیں  
اور چونکہ چندیری اپنی ترقی کے زمانہ میں بہت بڑا شہر تھا جیسے مسلمانوں کی آبادی زیادہ تھی ایسی  
صورت میں ۱۲ ہزار کی تعداد خلاف قیاس نہیں ہو سکتی،،

شہر کے اندر اور باہر ۵۰ منادر مختلف الاقوام ہندو کے آج موجود ہیں جنہیں زیادہ  
منادر تعداد مندروں کی آبادی ہے، اور بہت کم دیران اور غیر آباد ہیں جنکی عمارتیں وسیع  
اور مستحکم ہیں،،

حکومت میں کاؤٹ کھٹ کہتے ہیں للہجہ بیکہ رقبہ کے اندر واقع اور تفصیل سے  
محیط ہے، اس احاطہ کے اندر چاہ، لداؤ کے مکانات، باؤلی، مسجد،  
حمام، اور باغچہ قدیم عمارات ہیں، جدید تعمیرات اسی احاطہ کے اندر علاوہ میں، جنکی تفصیل  
آٹا رقبہ کے عنوان میں آگے آتی ہے،،

قدیم عام عمارات اکثر پتھر اور چوٹے کی، کسٹرنیٹ اور چوٹے کی دو منزلہ  
سے لے کر چار اور پانچ منزلوں کی بلند ہیں، سکونتی مکانات کے صدر  
دروازوں کے اوپر دوسری منزل میں بیشتر خوشنما برآمدے بنے ہوئے ہیں، اکثر مکانات  
میں چوکھٹ اور بازو بھی پتھر کے تراشے ہوئے وصل ہیں،،

سیاہ پتھروں کی تراش اور اُنکی صفائی، پھر انکا ایک دوسرے سے وصل اس عمدہ  
صنعت سے کیا گیا ہے کہ درمیان میں چوٹے کی تہ معلوم نہیں ہوتی، خاص خاص عمارات میں جو

لے کر بیشتر منادر کی تعداد ۴۲ درج ہے، ۱۲ منادر کا احاطہ ہو گیا ہے ۱۲

سیاہ پتھر مضافاً وصل ہیں۔ اُن پر سنگ موسیٰ کا دھوکہ ہوتا ہے،،  
 سروج علاقہ میں سرخ پتھر کی کان نہیں ہے، لیکن بائیانِ یوانات کے متول اور شوق کا اندازہ  
 اس سے ہوتا ہے کہ پرگنہ اودے پور علاقہ گوالیار، اور ریاست پٹھاری کی کانوں سے راج  
 سروج سے ۴۰-۵۰ میل کے فاصلہ سے ہیں، سرخ پتھر کے شہتیر، پیٹھے، سلیس، اور  
 مختلف سنگین قطعات مرگا کر عمارات میں لگائے گئے ہیں،،

گذشتہ زمانہ کے محدود وسائل بار برداری ماپھاڑوں کے نامور اور دشوار گزار راستے  
 نالوں اور ندیوں کا درمیان میں حائل ہونا، اور دیگر عام مشکلات پر نظر کر کے اس قدر بعد مسافت  
 سے پتھروں کا لانا عین متول اور شوق کی دلیل ہے، خام عمارات کا قدیم زمانہ میں یہاں  
 پتہ نہ تھا، یوں تو ہر ایک حویلی بجائے خود وسیع اور سنگین ہے، لیکن رائے جی کی حویلی کا محفل  
 ناٹھوٹا کا محل، ہتھیالپول محل، نئی حویلی، گھاسی رام بوسہ کی حویلی، تہیں گھاٹ کی باؤلی  
 سنگینی حویلی، وہ مشہور مربع اور عالی شان عمارات ہیں، کہ جنگی، سنگینیت، ارتفاع، وسعت  
 اور نقش و نگار وغیرہ کی صنعتیں دیکھ کر حیرت ہوتی ہے،،

## شہر سیاہ کے باہر کی آبادی کی تفصیل

جب سروج کی ترقی پذیر آبادی کے لئے اندرون شہر سیاہ کا موجودہ رقبہ کافی نہ ہو سکا  
 تو دروازوں کے باہر چاروں طرف قطعات ارضی میں آبادی شروع ہوئی، متعدد پورے  
 مختلف ناموں سے آباد ہوئے، عام پیشہ ور اور کاشتکار سی پیشہ قومیں زیادہ رجوع ہوئیں،  
 خام اور پختہ ہر قسم کے مکانات تعمیر ہوئے، بعض پورے کی آبادی نے اس قدر وسعت حاصل  
 کی کہ بجائے خود ایک بڑے گاؤں کے مقابلہ میں اُن کی آبادی پہنچ گئی،  
 اُن میں سے کچھ پورے ویران ہو چکے ہیں، اور کچھ آباد ہیں، موجودہ آباد پورے اور  
 غیر آباد کے نام یہ ہیں،،

## ویران پورے

مخدوم پورہ، قصبہ کی آبادی سے مغرب میں الف دروازہ سے تقریباً نصف میل پر پراتی عید گاہ سے شمال میں آباد تھا، جبکہ حضرت شاہ

اسد الدین بن حضرت شیخ محمد اشرف بمیرہ قطب العالم امام الاولیاء حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہم نے ۲۱۰ھ میں آباد کیا تھا، جبکہ آج تک ۲۲۴ سال کا زمانہ گزرا،

۱۰۰۰ پروانہ ہری خادم شریع محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ بروئے پروانہ جات ہری عبد الصمد ورسید امجد خاں و ہری وزارت پناہ متھ خاں دیوان نجمتہ اختر

کل تکلیف دیوانی و مزاحمت حکامی و دستور چوہدری و قانون گوئی و حاصل محال چھاپہ و محال چھپٹ کورہ و دیگر محصول کہ ابواب منوعہ بارگاہ و خلائق پناہ است از سکن پورہ مخدوم پور کہ آباد کردہ و فقائے حقایق و معارف آگاہ شاہ العبد الدین است، انرا پتہ لائے آبادی مخافت است، چنانچہ در ہم عمل کسے مزاحم شدہ والا آغا محمد حضرت جریال چھپٹ کورہ از راہ اشتباہ دریں باب چند روز گفتگو در میان آوردہ بود، چون اس بھی کیفیت برقت و امانت پناہ را صاحب شکر کہ فوجدار و امین و دار و عدسائے سر پرگنہ سروج اند و اخلاص گشت آملے موی الیہ از مزاحمت متعین نمودہ، چاہے پورہ دستور مطابق معمول جاری نمودہ و دلائل و بیزان قصبہ مذکور را امر فرمودہ تا غائے دستور خاموش ماند چنانچہ تہا تہاے، پورہ مذکور در باب از قصبہ دستور بقدر وقت میرود و کس مانع و مزاحم نیست بجا برآں اینچند کلمہ بطریق صورت حال قلمی شد کہ کس مزاحم نشود سلسلہ ۱۲

۱۰۰۰ سند ہری چہاں شاہ، ابن شاہ عالم رحمۃ اللہ علیہ متصدیان و مہمات حال و استقبال پر گنہ سروج سرکار چندی مصافحہ صوبہ مالوہ بدستہ چو بظہور پیوست کہ حقائق و معارف آگاہ فضیلت و کمالات و سنگہ زبدہ اصحاب دین قدوہ ارباب یقین شاہ اسد الدین بمیرہ قطب الاقطاب غوث العالم ہادی بنی آدم شیخ الاسلام (مخدوم شیخ بہاؤ الدین زکریا عظمت کے خیال سے حضرت کا نام ہر کے برابر اور پروردگار ہے) قدس اللہ تعالیٰ سرۃ العزیز در کج انفراد منہدی شد و از خلق انقطاع گزیدہ و رضا تقاوت خود امتفاح علوم دینی و یقینی بہ طلبہ و مسلمانین میرساند و درویشان و مسکینان و فقرا و غیر باد مسافریں و مترو دین کہ دارومی شوند چچہ شوربا و ما حضور و ویشا نہ پیشی می آرد، لیکن از بیچ و بیچ معین نیست و متوکل علی اللہ بسر می برد، لہذا تصدیق فرق مبارک بندگان ۱۴۴

آبادی کے نشانات موجود ہیں، ہر قسم کا محصول یہاں کے باشندوں کے حق میں معاف تھا، آبادی کے متصل متعدد پختہ قریں ہیں جو خود حضرت شاہ صاحب اور ان کے رفقاء کی ملکیت ہوتی ہیں، چاہ بھی یہاں موجود ہے، اس نام سے یہاں کے لوگ واقف نہیں ہیں، پرانی عید گاہ کے قریب ایک خانقاہ بھی بتوائی تھی جس کے مصارف کے لئے تین سو بیگہ اراضی دربار شاہی سے شاہ صاحب کو ملی تھی۔ گزٹیر میں اسکا اندراج نہیں ہے، تحقیق نہ ہو سکا کہ یہ پورہ کب سے ویران ہے، آثار اب بھی نظر آتے ہیں۔

(۲) دھرم پور، دھرم چند نامی برہمن نے آباد کیا تھا، آثار آبادی قصبہ کے جنوب میں، جو امرہ ندی کے کنارے شہر سے ایک میل کے فاصلے پر ہیں، برہمن اور چھپوں کی آبادی زیادہ تھی، مسلمان بھی سکونت پذیر تھے جسکی تصدیق میں مسجد شہید شدہ اور چاہ کے نمایاں نشانات موجود ہیں، اس پورے کے کنوؤں کا پانی تھانوں کی رنگت پر شوخی پیدا کرنے میں بہت مشہور تھا، جس کی وجہ سے یہاں کے تھانوں کی فروخت اور ان کی قدر زیادہ تھی، سنہ آبادی تحقیق نہ ہو سکا، پورہ کے سوا میں چند پتھر ستون کے ہیں، ایک پتھر پر نصا ویر کے نیچے ہندی میں کچھ لکھا ہوا ہے، جو پڑھنے میں نہیں آ سکا، البتہ ۱۶۹۷ء بمبئی صاف پڑھا جاتا ہے، اس سے قیاس ہوتا ہے کہ اس سمت سے پہلے کی آبادی تھی جسکو ۲۸۶ سال سے زیادہ زمانہ گزرا تھی کا ایک دوسرا پتھر بھی ہے، جس کے حروف پڑھنے میں نہیں آتے، (۳) گردھر پورہ، گزٹیر کی روایت ہے کہ اسکو گردھر سنگھ راجپوت سنگار نے سنہ ۱۱

۴۴ حضرت قدرت علیاں جنت سکندر صولت علیہ الرحمہ بادشاہ ہزاہ، موازی سی صد بیگہ زمین اقتادہ بخارج از جمع لائق زراعت از پرگنہ مذکور در وجہ مد معاش خدمہ خانقاہ حق جوئی و حق مین حق و حق شناس حق آگاہ مذکور مقرر نموده شد، باید کہ در محل نیک پیمودہ چک سینہ بہ تصرف آن بگزرا ند کہ محصول آنرا سال بسال فصل بفصل صرفت یا محتاج خود نموده بقبار غاظر لعیادت و تدبیر علم مقولات بدعائے بقائے دولت ابد مقرون ہو

نمودہ باشند دریں باب قدغن شناسند تا پنج غره شہر محرم الحرام ۱۰۸۵ ھ میںت مانوس قلی گشت ۱۲

بکری میں آباد کیا تھا، مولف کو اس روایت کی تصدیق کسی دیگر ذرائع سے نہیں ہوئی، شہر سے گوشہ مغرب و جنوب میں ایک میل کے فاصلہ پر بلندی پر اسکی آبادی تھی، صدوں سے ویران ہوئی مولف نے یہاں مسجد بھی دیکھی تھی، جبکہ پتھر جامع مسجد میں اس وقت لگائے گئے ہیں، جبکہ مسجد کو رکھ کر تو سیٹھ ہوئی تھی،

(۴) گاڑی بان پورہ، آبادی سے گوشہ شمال و مغرب میں حضرت مولاعلیٰ کے ٹیکری کے دامن میں آباد تھا، مختلف اقوام کی آبادی تھی، گاڑیوں کے کرایہ کا پیشہ یہاں کے باشندے اکثر کرتے رہے، یہی نام کی وجہ تسمیہ ہے، کنواں سالم اور دیگر آثار اب بھی موجود ہیں، آبادی کا سنہ معلوم نہ ہو سکا،

(۵) محمود پور، یہ پورہ دھرم پور سے متصل ہے، کسی زمانہ میں آباد تھا، اب مدت سے ویران ہے، محمود خاں نامی کاشتکار نے آباد کیا تھا، آبادی کا سال تحقیق نہ ہو سکا، اتنا ضرور پتہ چلا کہ زراعت پیشہ گروہ کی یہاں زیادہ آبادی تھی،

(۶) سنگ پورہ، قاضی گھاٹ سے مغرب میں آباد تھا، اب صرف ایک باؤلی یادگار باقی ہے،

(۷) نور پور، مصطفیٰ خان صاحب معافدار کے باغ کے متصل آباد تھا،

(۸) مٹی پور، جٹاشکر پیاڑ کے دامن میں آباد تھا،

(۹) موچی بازار، نمک منڈی کے دروازہ کے باہر دروازہ سے ملی ہوئی مسلمان موچیوں کی دورویہ دکانیں تھیں، اور اس جگہ ان کے مکانات بھی تھے، آثار اب بھی نمایاں ہیں، بازار کو آباد دیکھنے والے شہر میں چند نفوس زندہ ہیں، چھوپال کی ترقی پذیر حالت دیکھ کر سب لوگ یہاں سے نقل سکونت کر گئے،

(۱۰) رانا پور، قصبہ کی آبادی سے گوشہ مغرب اور شمال میں ندی پار واقع آباد پور ہے، حضرت مولاعلیٰ ٹیکری کے دامن سے شروع ہو کر مشرق میں

جامع مسجد کی توسیع ۱۳۲۷ھ میں ہوئی ہے ۱۲ مؤلف

دور تک آبادی چلی گئی ہے گذشتہ زمانہ میں صرف ایک سو کایتوں کے مکانات تھے، دوسری قوموں کی آبادی کا بھی اسی پر اندازہ کر لینا چاہیے، اب صرف ایک گھر کا لیٹھ کا مدہ گیا ہے باقی دیگر اقوام مثل کاچی، چونگر، کھاتی، راو وغیرہ کے مکانات ہیں، صحیح طور پر اس پورہ کی ابتدائی آبادی کا سال معلوم نہ ہو سکا، لیکن اس قدر ضرور پتہ چلتا ہے کہ قوم باد فروش (بھاٹ) کا آباد کیا ہوا محلہ ہے، اور غالباً عہد عالمگیری میں آباد ہوا ہے جسکی تائید بعض اسناد سے ہوتی ہے، باد فروش کے خاندان میں سے ایک شخص پتالال نامی اس پورہ میں سکونت پذیر ہے۔ جسکے قبضہ میں شاہی عہد کی اراضی معافی بھی ہے، بڑی بھریانی اور متعدد سفارشوں سے اس نے اپنے قدیم کاغذات مولف کو دکھلائے، ڈیڑھ سو سے کم اسکے پاس اسناد نہ ہوں گی، شہنشاہ عالمگیر کے عہد سے لکر شاہ عالم ثانی تک کی اسناد نظر سے گذری ہیں، رانا بلرام، رانا چندر بھان، رانا ملیک، رانا بلاتی، رانا ملٹ رائے، رانا تلوک چند، رانا صلابت خاں، رانا ہنسبت خاں، نو مسلموں وغیرہ کے نام کے فراہم ہیں جسکے ذریعہ سے انکو ارضیات معافی، سائرسے روزینہ اور دیہات سے حقوق سالانہ دلائے گئے ہیں،

فرہین میں ان کے ناموں کے ساتھ رانا لکھا ہوا ہے، لیکن فرہین کی عبارتوں سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی کہ دربار شاہی سے انکو رانا کا خطاب دیا گیا ہو، اتنا پتہ ضرور چلتا ہے کہ قوم بھاٹ کو عموماً رانا اور رانا کہتے ہیں، یہی عرفی لقب غالباً ان کے ناموں کے ساتھ درج ہوا ہے، ایک فرمان مہری سراج الدین محمد فردی عالمگیر ۳۵ جلوس مطابق سن ۱۱۱۶ھ کے دیکھنے سے واضح ہے کہ رانا رانا پور کو علاوہ دیگر حقوق مثل بھر جتہ، پیدا ش، شادی، معافی وغیرہ کے یہ بھی ایک حق دربار شاہی سے مقرر تھا کہ جو نیا گھر رانا پور میں بنائے، وہ آٹھ آنہ فی گھر رانا کو ادا کرے، اس استقرار و تعین حق سے پایا جاتا ہے کہ رانا پور انہی راؤں کا آیا دکیا ہوا ہے، ورنہ یہ شہر اقوام کے بعض خاندانوں میں زندہ خاوند کو چھوڑ کر دوسرے قوم سے ناطہ کر لینا جائز ہے، پنچایت سے اگلے خاوند کو جدید خاوند سے صرف شاہی دلا یا جاتا ہے اس حق کو دہر جتہ کہتے ہیں، ۱۲ مولف

آبادی اور سیاست پر کسی حق کی ضرورت نہ تھی، اور چونکہ بادفروشوں کا قدیمی لقب رانا ہے اسلئے پورہ کا نام بھی رانا پور رکھا گیا، جو آج تک مشہور ہے،،  
 اسی کے متصل بلندی پر ایک دوسری آبادی ہے جو محلہ علی گنج کے نام سے مشہور ہے،  
 گزہ میٹر اور تانچ ٹونک میں درج ہے کہ رانا جی پھنگر راجپوت کا آباد کیا ہوا پورہ ہے جسکو اُسٹو سمیت ۱۱۰ بکری میں آباد کیا ہے، ممکن ہے کہ یہ صحیح ہو، لیکن تاریخی اور دیگر دستاویزی اسناد کا حوالہ نہیں ہے جس سے تصدیق کی جاتی،،  
 ممکن ہے کہ اس اندراج کا کوئی ماخذ ہو، لیکن مؤلف نے اپنی تحقیقات کا نتیجہ اوپر درج کر دیا ہے جسکی تائید میں اسناد ہیں،

اس پورہ میں مساجد بھی تھیں، مساجد کی شاہی فہرست جسکی نقل گذشتہ صفحات میں کی گئی ہے، میں ایک مسجد بنا کر وہ بادفروشاں درج ہے،، لیکن آج سوائے نشانات کے اور کچھ باقی نہیں رہا، موجودہ زمانہ میں ایک سو گھر کی آبادی رہ گئی ہے، بادفروشوں کے خاندان میں سے کیشور راؤ ناکیر داس اور پنالال راؤ باقی رہ گئے ہیں، جسکی معافیات محلہ رانا پور میں موجود ہیں، اور بہت زیادہ قصہ معافیات کا رہن و بیع کے ذریعہ سے منتقل ہو چکا ہے،،

دہ، کا تا پور،، الف دروازہ کے سامنے کیتھن ندی کے کنارے آباد ہے، قوم راجپوت اور شیخوں کی آبادی اس پورہ میں زیادہ تھی، اب صرف ایک گھر شیخ کا کچھ بالیوں اور کوٹیوں کے باقی ہیں آبادی کے ایک گوشہ میں سستی کا ایک پتھر زمین میں گرا ہوا ہے جس پر ہندی خط میں ۶ سطریں نقش ہیں، عبارت صاف پڑھنے میں نہیں آتی جو کچھ پڑھا گیا اُس سے معلوم ہوا کہ کسی جھانمئی عورت کی سستی کا پتھر ہے جو سن ۱۶ بکری کا یادگار جسے آج تک ۶۹۶ سال ہوئے ہیں، اس سنگی یادگار سے استنباط ہوتا ہے کہ پورہ مذکور کی آبادی اب سے ۳۰۰ سال پہلے کی ہے،،  
 متعدد قلعہ دری مساجد بھی ہیں، جسکے صحن میں پورہ مذکور کے مشائخ کی قبریں ہیں، ۲۰ سال قبل ہمیں سنگی جھدار متوفی قوم کیسریا راجپوت نے مؤلف سے بیان کیا تھا کہ رائے کا ناجی اُسکے بزرگوں

میں سے ایک شخص گذرا ہے، جس نے پورہ آباد کیا تھا،

(۹) متاع پورہ (جسے عام لوگ لکنا پور کہتے ہیں) حضرت شاہ مسیح الدین رحمۃ اللہ علیہ کا آباد کیا ہوا پورہ، گتھن ندی کے کنارے کا پورہ کے متصل ہے، شاہ صاحب مرحوم کے خاندان کے لوگ یہاں آباد ہیں، خاندانی نمبر ان سو سو اسو سال کی آبادی پورہ کی بیان کرتے ہیں، سید قطب الدین شاہ خاندانی اعلیٰ امیر ہیں، اپنے خاندان کا حال نہ دبانی بیان کر سکے، نہ کسی کا غرض ثبوت دیکھ کہ ان کے اسلاف کہاں سے اور کس سنہ میں یہاں آکر آباد ہوئے، اتنا پتہ ضرور سید صاحب اور دیگر لوگوں سے چلا کہ سب سے پہلے سید سلیمین علی شاہ صاحب مرحوم سرورج آئے اور حضرت مولانا علی گئے پہاڑ کے دامن میں مسجد تعمیر کرا کے قیام کیا، مسجد لداؤ کی اٹیک قائم ہے اور اس اطراف میں خاندان مذکور کی اراضی معافی بھی ہے، معافی ہونے کی بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ دربار شاہی سے شاہ صاحب کا ذریعہ معاش مقرر ہوا تھا، پورہ کے اندر مسجد بھی ہے اور چاہ بھی مسجد سے ملا ہوا، گنبدی مزار بھی ہے، جس میں خاندان کے بزرگوں کی قبریں ہیں، ندی کے ساحل سے ۵ فٹ بلند پورہ کی آبادی ہے، پختہ خوبصورت گھاٹ بھی بنا ہوا ہے،

(۱۰) رولپورہ مشہور محلہ پٹھانوں کا ہے، جو منڈوی دروازہ سے شمال میں ایک میل کے فاصلہ پر واقع ہے، پورہ کے بانی صاحبزاد خاں روہیلے افغان تھے جو محمد شاہ بادشاہ دہلی کے عہد میں یہاں آکر آباد ہوئے، اس حساب سے ۲۲۵ سال آبادی پورہ کی سمجھنی چاہیئے، روہیلوں کی کافی جماعت تھی جو جنگ جو مشہور تھے، مروج کے زمانہ میں کوئی شخص سوار ہو کر محلہ سے نہیں گزر سکتا تھا، اب دو چار گھڑ نام کو پٹھانوں کے باقی رہ گئے ہیں، ورنہ زیادہ تر آبادی کا حصہ کوہلو کا ہے، محلہ میں مسجد بھی ہے جو مستحکم اور آباد بھی ہے،

(۱۱) پڑانا کٹرہ، محلہ کٹری سے متصل شمال میں ہے، جو مختلف الاقوام انسانوں سے اب بھی خوب آباد ہے، پٹھانوں کے بھی متعدد مکانات تھے، تین مساجد بھی تھیں، اب صرف ایک مسجد عید الحمید بوریاف کی یادگار باقی رہ گئی ہے، جبکہ سنہ ۱۰۲۰ھ کے حکو ۲۴۰



سال ہوئے، اس حساب سے کٹرہ کی آبادی ۲۰ سال پہلے کی معلوم ہوتی ہے، اس محلہ کے چار چوتوں کی تراش اور اس کے بنائے میں مشہور ہیں، انہی کاریگروں کے بنائے ہوئے چوتوں میں یہ تعریف ہے کہ بارش میں ڈھیلا نہیں ہوتا،

(۱۲) شاہجاں پور محلہ نیا پورہ کے سامنے فیصل شہر کے باہر راجہ کلیان سنگھ جی کے مکان کے متصل جو آبادی ہے وہ اسی نام سے مشہور ہے، غالباً شاہجاں کے عہد کی آبادی ہے،

(۱۳) پڑاؤ اسکو کنڈیا پورہ بھی کہتے ہیں، بگردہ دروازہ کے باہر عموماً کولیوں سے آباد ہے

خال خال دوسرے اقوام کے بھی مکانات ہیں، چنگی (سامان) کا دفتر بھی یہیں ہے، بیوپاری یہاں قیام کرتے، اور مال کا محصول ادا کرتے ہیں، اس مناسبت سے پڑاؤ مشہور ہے،

کٹہریا پورہ کی توجہ اسکی یہ معلوم ہوئی کہ اس محلہ میں پہلے کہا قوم کثرت سے آباد تھی جو علاوہ ظروف بنائے اور بیچنے کے کٹہرے بھی فروخت کیا کرتے تھے

مقامات مناظر قابل تعریف و تحریروں یہاں بہت کم ہیں اور جو کچھ ہیں ان کی تفصیل یہ ہے،

## مناظر

(۱) حضرت مولاعلی کی ٹیکری شہر کی آبادی کے گوشہ مغرب و شمال میں ... م فٹ ارتفاع

سطح کو چھ پر خانقاہ ہے، جہاں نیچے چند دالان چار دیواری سے محیط ہیں، مسجد بھی ہے، جسکے صحن میں ایک چوڑا چھوٹا سا پتھر نصب ہے، اس پر نقش پا ہے، جسکو عوام حضرت امیر علیہ السلام کا نقش پا ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں،

خانقاہ کے مغرب میں وسیع اور ہموار سطح ہے، پچھلے دلوں کو یہاں اس ٹیکری پر جاتے ہیں، مخصوص ایام بارش میں یہ مقام زیادہ لطافت خیز نظر آتا ہے کہ دامن کوہ میں ندی جاری ہے، سامنے شہر کے تمام مہربانک ایوانات کا سلسلہ ہے، بارش میں لوگ دیکھتے ہیں، کہ کمری سطحات کا سبزہ جوش نمویں لہلہا رہا ہے، پتھاریں پڑ رہی ہیں، سرد ہوا چل رہی ہے یہ تمام دلکش سین زندہ دلوں کے لئے روح بخش ہیں، جبکہ جواب سید اوسروخی میں نہیں ہے،

۲۵) پچھوئیں گھاٹ کتھین ندی کے کنارے پختہ گھاٹ حضرت مولا علیؑ کی ٹیکری کے دامن سے ملا ہوا ہے، پانچ کنوئیں یہاں واقع ہیں، یہی اسکی وجہ تسمیہ ہے، درمیان میں جو راستہ آنے جانے والوں کے لئے شہر کے اندر گیا ہے، اس کے دونوں طرف ندی کے کنارے پختہ گھاٹ اور گھاٹ کے کنارے خوبصورت بروج بنے ہوئے ہیں، گھاٹ سے اوپر نشست کے لئے پختہ چپوترہ بھی ہے، قصبہ کے باشندے اکثر یہاں صبح کو آتے اور نہاتے ہیں، پچھلے دن کو جو انان شہر جاتے اولطف میر و قفرج حاصل کرتے ہیں۔

۲۶) یہ گھاٹ بھی ندی کے کنارے ۱۰۰ فٹ طول میں خوبصورت دس کاغذی گھاٹ بنا ہوا ہے متعدد درختوں اور پھل سے آب تک جانے کیلئے

بنے ہوئے ہیں، کسی کاغذی کا بنایا ہوا ہے، جبکہ مکان بھی گھاٹ کے اوپر ہے، اور نیچے آب رواں، اور سامنے سبزہ زار نہایت دل فریب جگہ ہے،

۲۷) قاضی گھاٹ آبادی سے گوشہ شمال و مغرب میں خاندان قاضی رکن الدین مرحوم کی اولاد میں کسی کا بنایا ہوا، گھاٹ ہے، نصف حصہ منہدم

ہو چکا ہے، نصف حصہ گھاٹ کا۔ ۵۰ فٹ طول میں مرمت طلب ہو رہا ہے، اکثر لوگ نہانے جلتے ہیں، سامنے بلند پہاڑ ہے، جبکہ سبزہ موسم بارش میں دلوں کو اپنی طرف جذب کرتا ہے،

۲۸) کاتنگ گھاٹ شہر سے مغرب میں الف دروازہ کے سامنے ہے، کاتنگ کے مہینہ میں اس جگہ میلہ ہوتا ہے، یہی نام کی وجہ تسمیہ ہے، گھاٹ

کے کنارے مندر بھی ہے، اور باب ہنود روزانہ صبح کو گھاٹ پر جاتے اور نہاتے ہیں،

۲۹) ننھے میان کا گھاٹ کاتنگ گھاٹ سے ملا ہوا تمام گھاٹوں سے حسین تر گھاٹ ہے، جو ۱۰۰ فٹ کے طول میں متاع یور کی آبادی

میں یہ قوم برہمن ہے، ۳۰ سال پہلے تک اس خاندان کے افراد سفید روی کاغذ بناتے رہے ہیں اسلئے کاغذی شہور

کے نیچے لب دریائے گیتھن واقع ہے، مردانہ وزنانہ دونوں گھاٹ برابر ہیں، دس دس فٹ کے فاصلہ سے خوبصورت بروج بنے ہوئے ہیں، جنکے نیچے عمیق وڈ ہے، بارش میں جہاں صاحب اس مقام پر اکٹڑ جاتے ہیں، سرو تفرج کے ساتھ کھانا پکواتے اور کھاتے ہیں، میاں شاہ ولی الدین رحمۃ اللہ علیہ کی عرفیت ننھے میاں تھی، یہی اسکی وجہ تسمیہ ہے، گھاٹ کے اوپر ایک ہموار سطح ہے، جس پر امرود اور انگوروں کی کھاریاں ہیں، سب سے بہتر اور دلکش منظر ہے،

متحدہ ہیں، انہیں سے بلحاظ آبادی، چمنوں کی ترتیب، میوہوں اور نارنگیوں وغیرہ اشجار کے نشوونما کے، سرکاری باغ، راجگی کا باغ پھوندی لعل ہاجن کا باغ، چنی لعل ہاجن کا باغ، خوش منظر باغات ہیں۔

سروخ سے مغرب میں دو میل کے فاصلہ پر ایک اونچی ٹیکری پر (۸) بھوری ٹوری جس پر شہر میں گورنمنٹ ہسپتال کے محکمہ پیمائش نے ایک تختہ مکان تعمیر کرایا ہے، مکان کے چاروں طرف دیواروں میں رن ہیں، چار چھ سال کے بعد پیمائش کا یورپین انسٹرٹا، اور دوربین سے ستاروں کی رفتار کی دیکھ بہال کرتا ہے، بارش میں نوجوان اصحاب کثرت سے اس مقام پر جاتے ہیں، راتوں کو قیام کرتے ہیں، میدان کا لہلہاتا ہوا سبز عجیب لطف دیتا ہے،

سروخ مالوہ کی شرقی سرحد پر واقع ہے اور ایک اسلامی شہر مشہور ہے

## سروخ کی تجارتی و شہری عظمت

آبادی، طرز، تعمیرات، ساہوکارہ، تجارت، صنعت و حرفت، اور آب و ہوا کی لطافت کے لحاظ سے مالوہ میں، آوجین، مانڈو، ہنڈیا، چندیری کے بعد سروخ پانچویں نمبر پر تھا۔ بڑے بڑے صناعات، لکھتی، مہاجنوں، اور ہر قسم کے اہل علوم و فنون کا سروخ مسکن رہا ہے، مخصوص تجارتی حیثیت سے مالوہ میں سروخ کو خاص امتیاز حاصل تھا۔ لالہ

چھوٹے رام اگر وال مہاجن کے خاندان میں مولف نے متعدد چھپیان عمائدین سلطنت کی دیکھی ہیں، جن پر طلائی جدولیں اور آپ طلائی افشاں ہیں، جس سے، ہنڈی، اجوایرات، اور موتیوں کی خرید و فروخت کا پتہ چلتا ہے، ایسے چند کاغذات بھی نظر سے گزرے ہیں جنکے معائنہ سے معلوم ہوا کہ ویسی ساخت کے کپڑوں، مخصوص شاہی چہرہ کی طیاری میں خاص اہتمام ہوتا رہا ہے،

آبادی کے لحاظ سے تو سروج کا رقبہ قصبہ کی حیثیت سے زیادہ نہیں ہے، لیکن یہ اسکی بازاری رونق اور آبادی کا طغرائے اقبال تھا کہ عمائدین سلطنت اور صوبہ داران مالوہ سروج کو بلدہ سروج لکھا ہے، اس بیان کی تائید میں صرف ایک تاریخی واقعہ نقل کیا جاتا ہے، باقی استدلال وثبوت میں وہ متعدد اقرا میں شاہی اور وزیری ہیں جنکو مولف نے دیکھا ہے، اور ان میں سے بعض کی نقیص کتاب کے مناسب عنوانات میں درج کر دی گئی ہیں۔ شہنشاہ جلال الدین اکبر نے اپنے جلوس کے چھتیسویں سال ۹۹۹ھ میں جبکہ علامہ فیضی کو خاندیس کی سفارت پر روانہ کیا ہے، اُس وقت علامہ موصوف نے سروج اور شجاعپور قیام کرتے ہوئے انکی اقتصادی، تمدنی اور تعمیری حالت پر مبصرانہ نگاہ ڈالی ہے اپنی عرضداشت میں اکبر شاہ کو مخاطب کرتے ہوئے رقم طراز ہے،

شہر سروج کہ حکم بندر وارد، خواجه سرا بلند خاں درویرانی اور  
تقصیر بنی کند و خانہ ہائے خویشاں شہاب خان و منصبداران،  
وسائر مردم بتدریج ساختہ بودند چو بہائے اورا کندہ فروخت،  
درو دیوار ہم شکستہ اگرچہ از پیری دست و پالیش می لرزد،  
و غنقریب است کہ دیوار گلبن بدنش از ہم ریزد اما دلش،  
ہیچناں سنگین است،

لہ دربار اکبری و شعر العجم تذکرہ فیضی، ۱۲ -

آگے چلکر شجاعپور کے حال میں لکھا ہے ،  
 در شجاعپور خواجہ امین خورشید زریخاں بر عایہ سلوک خوب کردہ ،  
 و تقاوی دادہ و پر گنہ معمور ساختہ و ہمہ چیز خود میرسد ،  
 کارخانہ ہائے پارچہ باقی ترتیب دادہ کہ چیرہ فوط ہائے حضرت  
 می بافند و دکان کاروانی و اکروہ از دست او خیل خدمت و سرپرستی  
 آید اگر خدمت سروج بھندہ او باشد شہر معموری شود قابل توجہ  
 و تعمیر است ۔

اس عرصہ داشت میں دو جگہ سروج کے ساتھ لفظ شہر لکھا ہے حکم بتدر و اردو سے ثابت  
 ہے کہ اکبری عہد میں سروج تجارت گاہ تھا ، اور عروج پاکر اس وقت بھی اس قدر انحطاط پذیر  
 ہو چکا تھا ، کہ علامہ موصوف کو اسکی آبادی کی طرف توجہ ہوئی ،  
 شجاعپور ، سارنگ پور ، خلی پور ، شاہجہا پور ، بہلیسہ ، عیسی گڑھ ، ساگر ، ترنگ گڑھ  
 راجگڑھ ، بھونر ، کوروانی وغیرہ مشہور مقامات (جو بعض سروج سے قریب ، اور بعض چائیں  
 پچاس کوس کے فاصلہ پر ہیں) سروج کے ترقی پذیر عہد کے آگے بے رونق اور بیچ تھے ، اب  
 بھی تہذیب و تعمیرات کے لحاظ سے مقامات مذکور کو سروج کی ہستی سے کوئی نسبت نہیں ہے  
 بھوپال دارالریاست اور قلعہ فتح گڑھ کے وجود سے گو مشہور شہر ہے ، لیکن تقریباً ،  
 سو سال قبل سروج کی رفعت کے سامنے وہ بھی پست تھا ، اس میں بھی شبہ نہیں ہے کہ بھوپال کی  
 آبادی نے سروج کی آبادی سے بہت کچھ فیض حاصل کیا ہے ، بادی النظر میں یہ اعتراض وارد  
 ہوتا ہے ، کہ اتنی بڑی جامعیت اور شہری آبادی کے تذکرہ سے تاریخی صفحات کیوں خالی ہیں ؟

سے قلعہ فتح گڑھ اور موجودہ شہر کی بنیاد ۱۳۵۵ھ میں امیر دوست محمد خاں بہادر بانی ریاست بھوپال نے قائم کی اور  
 چونکہ اپنی مجبورہ یکم فتح بی بی کی قرآنیش پر قلعہ تعمیر کیا اسلئے فتح گڑھ نام رکھا ، اس سے قبل بھوپال معمولی گائوں کی  
 حیثیت سے تھا ۔ (تاریخ بیگمات بھوپال)

اسکا جواب یہ ہے کہ سرونج نے تجارتی حیثیت سے رونق اور نام پایا، جنگی مرکز بھی نہیں بنا، نہ اس کے ہموار و مرتفع سطحات نے کبھی کسی قلعہ کی تعمیر کا بار اٹھایا، فوجی چھاؤنی تک یہاں قائم نہیں ہوئی، نہ تو پختہ رہا، نہ کسی راجہ کا دار الحکومت، نہ خلیج کا صدر مقام، یہی سبب ہے کہ سرونج سے کمتر درجہ کے مقامات مثل توہین، پچہارہ، بھونر اسہ، ہسلیہ، راحت گڑھ، ملہار گڑھ، سارنگپور، راسین وغیرہ جنگی مرکزی حیثیت سے صفحات تاریخ میں نمایاں ہیں، اور سرونج اس حیثیت سے محروم ہے،

سرونج امن و امان کی بستی رہی ہے، تجارتی شہر رہا ہے اس امتیازی لحاظ سے سرونج کا نام دیکھنا ہو تو آئین اکبری میں سکہ کا عنوان دیکھیں تجارتی شہروں کے سلسلہ سے سرونج کا نام تیسویں نمبر پر ہے، یا فرامین شاہی میں اسکی عظمت دیکھنی چاہیے،

اس میں شبہ نہیں کہ سرونج کا قدیم تمدن اعلیٰ پیمانہ پختہ، رفقاہ  
گفتار، مہمانداری، تواضع، اخلاص، محبت، حسن معاشرت

## سرونج کا قدیم تمدن

صنعت و حرفت، تجارت اور فنون سپہگری وغیرہ اوصاف میں سرونج دوسرے تمدن شہروں سے کم درجہ پر نہ تھا، سرونج کی آب و ہوا پیشہ ور جماعت کے دماغوں کے لئے موافق رہی گو قابل رشک ہستیاں آج فنا ہو چکی ہیں، لیکن اُنکی صنعتوں کے نمونے اس کثرت سے شہر کے اندر موجود ہیں، کہ اہل بصیرت کو واد دینی پڑتی ہے، سنگتراشیوں اور معماروں نے سرونج کے ہر کوچہ اور بازار کو صنعتکار بنا دیا ہے، پتھروں میں باریک باریک جالیاں کاٹنا، جالیوں میں گلہ سستے نکالنا، محرابوں، کنگوروں، ٹوریوں، ستونوں، کرسیوں، اور ہر قسم کی چھوٹی بڑی سنی تقطیعات پر پھول بوٹوں کی جدولیں، اشجار اور حیوانات کی تصاویر تراش کر اوہارنا، مسالے کی ترکیب لداؤ کا استحکام، پتھروں کی صفائی اور انکا باہمی اتصال، تمام امور کمال صنعت پر دل ہیں علاوہ اس کے عمارات و منازل کا نقشہ بنانے اور اختراعات میں موجودہ فن انجینری کے کمال سے اُن کا کمال پیچھے نہ تھا۔۔۔

نیلگروں اور چھپیوں نے سروج کے نام کو اور زیادہ چمکایا، اب رے یہاں کے مشہور تھے، نیل کا کام بہت زیادہ ہوتا تھا، بعض کنوؤں اور چھپیوں نے بھی رنگ و روغن کو سوخ کر بنانے میں بہت زیادہ امداد دی تھی، تالاب کے متصل جو باغ ہے اُس میں آج بھی متعدد قدیم حوض پختہ و عمیق نیلگروں کی تمدنی یادگار باقی ہیں زمانہ گزرا کہ ولایتی رنگوں کی ایجادات نے نیل کا کام قطعی بند کر دیا ہے، جسکی وجہ سے یہ لوگ دوسرے روزگار اختیار کرنے پر مجبور ہوئے ہیں نام کو رنگریز اب بھی باقی ہیں جو ولایتی رنگوں سے کام لیتے ہیں، لیکن چھپیوں کے جو دو مستقل محلے تھے اُن میں آج ایک چھپیہ بھی نہیں ہے، دیہات میں البتہ آباد ہیں زر و زرا اب بھی یہاں بالکمال موجود ہیں، جوزین، جانناز، پنکے، کاٹھیان، بھول، ٹوپی، کمرٹی وغیرہ، زر و زری کام کے اعلیٰ صنعتی نقش و نگار کے ساتھ بناتے اور رئیسوں کے دربار میں پیشگی کے انعامات حاصل کرتے ہیں،

تو نیت رام، زر و زری ۱۰۰ سالہ اپنی صناعی کی بدولت مالا مال ہے، سرکار عالی دام ملکہ کی طرف سے اس کو انعامی راضی بھی عطا ہو چکی ہے، کا تو رام زر و زری ۲۵ سالہ صنعت و دستکاری میں اپنے اسلاف سے بہت بڑھ گیا ہے، دہلی کی زر و زری اور اُس کے کام میں امتیاز شکل ہے،

نوربات جنگو شاہی فرامین میں سفید بات لکھا ہے، ویسی پگڑیاں، محمودی، سہیل چارخانے باریک تر ملل وغیرہ بنانے میں کامل تھے، شاہی چیرہ بھی یہاں طیار ہوتا تھا، جکاؤ کے بعض استاد میں ہے، کاریگروں نے اپنی صنعت پر دربار شاہی سے انعامات بھی حاصل کئے ہیں، نمائشوں میں بھی یہاں کی پارچہ بانی کی صنعت کو خاص امتیاز حاصل رہا ہے، یہاں .... دو چار گھر اپنے اسلاف کے حقیقی یادگار آج بھی .... موجود ہیں جکے یہاں

یہ قوم دراصل راجپوتوں کی شاخوں میں سے ہے، پیشہ کے اعتبار سے پنی گرا زین گر، زر و زرا چترکار وغیرہ مختلف ناموں سے مشہور رہے، ۱۲۱۱ - متوفی

دور دور سے فرمائش آتی ہیں، اور انکی تعمیل بھی ہوتی رہتی ہے، پناہ محمد، ثنا محمد، نور باغوں نے اپنی کاریگری کے صلہ میں ریاست سے اراضی معافی بھی حاصل کی جس پر وہ قابض ہیں یہاں کے لوہاروں، کھاتیوں میں یہ کمال تھا کہ ولایتی بندو قوں اور دیگر ہتھیاروں کا جواب بناتے تھے، قلمدان، صندوقچے وغیرہ باریک نقش و نگار کے لاجواب طیار ہوتے تھے، اور اب بھی اس قسم کے صنعتی نمونے یہاں بنتے ہیں،

فلجی پورا بیاورہ، راجکڑھ، نرسنگڈھ، مقصودنگڈھ وغیرہ مقامات ملحق الحدود کے تمام باشندے یہاں کے کاریگروں کے محتاج رہے، اور اب بھی ہیں، بلم، کٹار، تلوار، جنبیہ، چاقو، سروتے، مقراض، اُسترے، تائے اور ہر قسم کی صنعتوں کے نمونے اب بھی یہاں بنتے ہیں،

کاغذی، کاغذ بنانے والوں کا یہاں ایک مستقل محلہ تھا، جو دسی کاغذ بنانے میں ماہر تھے، اب ان کی اولاد فراطی کا پیشہ اختیار کئے ہوئے ہے،

سنار، علاوہ دیگر اقسام کے زیور بنانے کے، تلواروں کے قبضوں پر سونا چڑھانے اور اس میں پھول، پتیاں باریک نکالنے میں ماہر تھے جسکی شہرت اطراف مالوہ میں تھی،

کمانگروں کا یہاں خاص ایک محلہ تھا، جو اطراف مالوہ میں مشہور تھے، گواب ان کی اولاد میں سے کوئی بھی باقی نہیں رہا، لیکن ان کی مادی یادگار ایک باغ اور ایک مسجد آج بھی موجود ہیں موچی، یہاں کے موچیوں نے اور بھی زیادہ شہرت پائی جبکہ جوتوں کی تراش و خراش عام طور پر پسندیدہ ہے، ایک خاص وصف یہ ہے کہ بارش میں یہاں کا جوتہ ڈھیل نہیں ہوتا، اسی طرح دیگر پیشہ وروں کے کمالوں کا اندازہ کر لینا چاہیے،

تمدن کے یہ تمام اوصاف خصوصاً دہلی سے منتقل ہو کر یہاں آئے جسکی وجہ یہ ہے کہ

لہ سروج محلہ گدڑی بازار میں ایک قدیم مسجد ہے جو کمٹی گروں کی مسجد کے نام سے مشہور ہے، غلطی ہے، کمانگروں کی مسجد ہے، الت کی تجدید سے کمانگروں کی اوکمانگروں سے کمٹی گروں کی معروف ہو گئی، شاہی اسناد میں کمانگروں کی مسجد درج ہے ۱۷۱۱ مولد



کہ سروج نے اپنے عروج کے زمانہ میں ہر قسم کے صنّاعوں، مہذب انسانوں، اور اہل علم افراد کو اپنی طرف کھینچا، ملازمت اور پیشہ کے سلسلہ سے بھی ہر قسم کے دماغ کے لوگ یہاں آئے اور مستقل سکونت اختیار کرتے ہوئے چلے گئے،

شرفیوں کی آبادی کی کثرت اور اخوت اسلامی کی کشش نے بھی اکثر شریف خاندانوں کو یہاں کی سکونت پر آمادہ کیا جبکہ ثبوت قدیم کا غذات سے ملتا ہے، علاوہ اس کے شاہی لشکر اور لشکر کا عملہ اراکین و عمائدین سلطنت اور ان کے ندائے سروج ہو کر ملک دکن جاتے ہوئے اور دکن سے دہلی آتے ہوئے سروج قیام کرتے رہے، یہاں کے باشندہ نہیں استعداد قابلیت کا جو ہر پہلو سے موجود تھا، اردو کے محلے کی متواتر صحبتوں نے اس جوہر کو اور زیادہ چمکا دیا جس سے سروج کی زمین آسمان ہو گئی،

عہد قدیم میں خانہ شماری اور مردم شماری کا باقاعدہ رواج نہ تھا، اسلئے یہاں کے قدیم اعداد و شمار پیش کرنے سے

## مسلمانوں کی آبادی

مجبوری ہے، اندازہ داں طبائع کے لئے اتنا اشارہ کافی ہے کہ جس سے شہر میں ۲۱۵ سال قبل پندرہ مسجدوں میں نماز جمعہ ادا ہوتی تھی، اس میں مسلمانوں کی آبادی کس تعداد کی ہوگی۔ اسکے علاوہ بعض حسب ذیل تعداد سے مسلمانوں کی کثرت آبادی کا پتہ چلتا ہے جو متواتر زبانی روایتوں کے ساتھ ثابت ہے،

پٹھانوں کے پانچو مکانات، مغلوں کے دو سو گھر، نور بات پانسو گھر، مسلمان سلاوٹ مہار پچاس گھر، سبزی فروش تنو گھر، قصاب تین سو گھر، بوہرے قرقہ اسماعیلیہ تین سو گھر، اسی طرح دیگر اقوام کی آبادی کا اندازہ کر لینا چاہیے،

پٹھانوں کی شہرت | سروج کی خاک سے شیخ، سید، مغل، پٹھان، سبھی پیدا ہوئے

لے قاضی گھاٹ کے مغرب میں سطح پہاڑ پر معماروں کی یادگار ایک گنبدی قدیم مسجد آج بھی قائم ہے جو سلاوٹوں کی مسجد کے نام سے معروف ہے اور اسی جگہ ان لوگوں کا گورستان بھی ہے، ۱۲ مولف

اور اسی خاک میں ملتے ہوئے چلے گئے، لیکن فنون سپہ گری اور شجاعت میں جو شہرت اور ناموری پٹھانوں کے سپوتوں نے حاصل کی، اُسکو خاص امتیاز حاصل ہے،،

بھوپال، اندور، گوالیار، ساگر، ناگپور، چلی پور، راجکوتھ، شجا علیپور، نرسنگ گڑھ، وغیرہ مشہور مقامات میں پٹھانوں کے کارناموں اور اُن کے جنگی برسات کے آجنگ سکے بیٹھے ہوئے ہیں،،

اُنکا ذریعہ معاش سوہرس پہلے جنگی مشغلہ تھا، جن دوراجاؤں باریسوں میں لڑائی کی نوبت پہنچی، اور پہلے جس فریق نے یہاں کے پٹھانوں کو معاونہ خدمت دیکر اپنا رفیق کار بنایا اُسکی طرف سے انہوں نے جانبازی کے ہنر دکھلائے اور کامیاب واپس آگئے بہت کم ملازم پیشہ تھے۔ کمر بندی اور کمر کشائی کی پٹھانوں میں ایک خاص رسم تھی جس سے اُن کی فطری شجاعت اور جنگی مکتب نشینی کی رسم مروانہ کا اظہار ہوتا ہے، جسکی تصدیق، ایسے معمر اور معتبر لوگوں سے مولف کو ہوئی ہے، جنگے آبا و اجداد رسم مذکور میں شریک رہے ہیں، رسم یہ تھی کہ جب پٹھان کا بیچہ دوڑ دھوپ کی طاقت حاصل کر لیتا تو اسے خاکبازی کے بجائے بہادری کے کھیل سکھائے جاتے، جب گھوڑے پر سوار ہونیکے قابل ہو جاتا تو جنگ بازی کے تمام سپاہیانہ ہنر اُسکو مشق کرائے جاتے، بالآخر مصنوعی جنگی امتحان اُسکا ہوتا، کامیابی کی صورت میں ایک معینہ تیارخ پر شہر کے تمام بچان مدعو کئے جاتے، اُن سب کے سامنے ہنر مند لڑکے کی کمر میں چمکا بانڈھا جاتا، تمام اسلوں سے اُسکو آراستہ کیا جاتا اور اجازت دیجاتی کہ بلا استعانتِ غیرے وہ میدان جنگ میں جاسکتا ہے، اسکے بعد کھانا کھلایا جاتا اور شیرنی تقسیم ہوتی،،

کمر کشائی کی یہ رسم تھی کہ جب پٹھانوں کے گروہ میں سے کوئی شخص عواض جسمانی یا ضعف پیری کی وجہ سے جنگی میدان کے ناقابل ہو جاتا تو اسی طرح تیارخ مقرر کر کے سب برادری کے سامنے اُسکی کمر کھولی جاتی، اور ایک خاص پٹینہ تجارت اسکے لئے مخصوص کر دیا جاتا، عہدِ محمد شاہ میں جب راحت گڑھ (تعلقہ مالوہ) کے بٹھا کرتے بغاوت کی ہے، اسوقت

مرحمت خاں نامی افسر نظام الملک ناظم صوبہ دکن والوہ کی طرف سے مامور ہو کر سروج آیا، اور روہیلوں کی کافی جماعت بھرتی کر کے گیا، جنگی مدد سے بناوٹ فرو کرنے میں کامیاب ہو وہ روہیلے افغان محلہ روہیلپورہ کے باشندے تھے جو سروج کا ایک مشہور محلہ ہے۔

مسلمانوں کی طرح انکی تعداد کا بھی اندازہ مشکل ہے، بعض اقوام

## ہندوؤں کی آبادی

کے گھروں کی مشہور تعداد یہ ہے، اگر وال جہاں ۳۰۰

گھرا پروار جہاں ۲۰۰ گھرا جام ۲۰۰ گھرا ساوٹ ہمارا ۱۰۰ گھرا ہیری جہاں ۸۰ گھرا اندرونی اور بیرونی آبادی پر نظر کرتے ہوئے مولف کا قیاس ہے کہ عروج و ترقی کے زمانہ میں سروج کی مردم شماری قریب قریب ایک لاکھ نفوس کی رہی ہوگی،

ہر ذی روح کو فنا اور غیر ذی روح کو انحطاط ہے ہر کمال کو زوال اور ہر ابتدا کی اخیر انتہا ہے، اس

## آبادی و ترقی کا انحطاط

اصول کے اثر سے سروج بھی نہ بچ سکا،

سروج کی موجودہ آبادی کی عمر پانچ ساڑھے پانچ سو سال سے زیادہ کی نہیں ہے، تقریباً تین سو سال تک زمانہ اسکے موافق رہا، اسکے بعد تدریجاً آبادی کی رفعت زوال پذیر ہونا شروع ہوئی، اور اگر سروج کی ابتدائی گنماہی کا زمانہ بھی شامل کر لیا جائے تو اسکے وجود کو تقریباً ۸۰۰ سال کا زمانہ ہوتا ہے،

یہ عام قاعدہ ہے، کہ شہروں کی آبادی، اور ان کی رونق و ترقی کے دو اسباب کی ضرورت ہوا کرتی ہے،

(۱) شہر کا دار الحکومت ہونا، (۲) شہر کا تجارت گاہ ہونا،

جس قصبہ یا شہر میں رئیس یا بادشاہ کا قیام ہوگا، وہ صدر مقام ہونے کی حیثیت سے بہت زیادہ پُر رونق اور آباد ہوگا، خزانہ کی کشش، تجارت کی ترقی، اہل کمال کی آمد،

سیاہ کی کثرت، علوم کی اشاعت، وغیرہ اسباب ہمیشہ دارالحکومت کی آبادی کے معین و مددگار رہے ہیں۔

تجارتی منڈی اپنے شہر کی رونق اور ترقی کا آپ خود ہی باعث ہوا کرتی ہے، حکومت کی اعانت کی چنداں اُسکو احتیاج نہیں رہتی، تجارت نے انخطاط اختیار کیا تو اُسکے ساتھ آبادی بھی اوس طرف منتقل ہو جائے گی، جہاں اُسکے قیام کے ذرائع اور وسائل بکثرت ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ سروج کبھی دارالحکومت نہیں رہا، صرف ایک تحصیل کی حیثیت اسکی رہی، اپنی رونق و آبادی کے لئے اس نے کسی حکومت کا بارِ احسان نہیں اٹھایا، تجارت کی شہرت اور عظمت نے اسکو تمام ملحق الحدود آبادیوں میں ایک خاص امتیاز عطا کیا تھا، اپنے پاؤں پر آپ کھڑے رہنے کی جب تک اس میں طاقت رہی، اُس وقت تک تجارتی نشان لئے گئے اپنی جگہ قائم رہا، انگریزی حکومت کے عہد امن میں جب راستوں کی صفائی اور آمدورفت کے وسائل میں ترقی ہوئی، جہازوں کے ذریعہ سے ہر قسم کے مال کی آمد ہوئی، جگہ جگہ تجارتی روشنی پھیلی، اُس وقت یہاں کے لوگوں نے اپنے قدیم حصار سے باہر نکلنا، لوگوں سے تہا دلہ خیا آ کر نامشروع کیا، باہر نکل کر انہوں نے چاروں طرف تجارتی، صنعتی اور حرفتی بساط بھی ہوئی دیکھی تو نقل سکونت پر مجبور ہوئے، مکان کو لیکن سے رونق ہوتی ہے، جب سروج کی تجارتی آبادی منتقل ہونا شروع ہوئی، تو اویسی مناسبت سے سروج کی تجارتی عظمت بھی گھٹنا شروع ہو گئی،

بھوپال، سروج سے ۵۰ میل کے فاصلہ پر ہے، اپنے دارالحکومت کی اعزازی نسبت سے اوس نے ترقی شروع کی، اسلئے سب سے پہلے سروج کی آبادی کا حصہ اُسی طرف منتقل ہوا، ہندوستان کے شہروں میں جب ہر طرف تجارتی روشنی اور بڑھی تو اُس روشنی کی طرف یہاں کی مخلوق اور کثرت سے رجوع ہوئی، یہاں تک کہ آج بمبئی، بھوساول، جلمپور، راپور، بلاسپور، ساگر، گئی، اندور وغیرہ مقامات میں سروج کی مخلوق کثرت سے موجود ہے،

نتیجہ یہ ہوا کہ مکانات بغیر مکینوں کے قائم نہ رہ سکے، سینکڑوں سربلک ایوانات آج زمین کے برابر نظر آتے ہیں، آج تم شہر کے جس راستے، جس کوچے، جس محلے سے گزرو پختہ بنیادوں کا حال بچھا ہوا دیکھو گے، مکانات کے انہدام نے نئے نئے راستے پیدا کر دیئے ہیں، بارش کا زمانہ آثار قدیمہ کی رونمائی کا موزوں زمانہ ہے، خوشحرام اصحاب بھی ٹھوکر کھاؤ بغیر نہیں بچ سکتے انوسا منعموں نے صرف کی تعمیر میں عمر عزیز یہ نہ بچے خانہ دل کی بنا حکم نہیں امن کا دور دورہ تھا، جنگی بساط اولٹ چکی تھی، اسلئے پٹھانوں کے جنگی طنائے میں بھی زوال شروع ہوا، انہوں نے ہتیاروں کو کھول کر رکھ دیا، ہسپہ گرمی کے فنون کو بھلا دیا، تلاش عطش میں سرگرم ہوئے جبکہ انگریز ہوا کہ اُنکے بعد جنسیں عالم وجود میں آئیں اوں میں نہ وہ جوش مردانہ تھا، نہ عزم رستمانہ، صرف نام کو اسقدر وصف باقی رہا کہ ابو العزم اتفاقیوں کی یادگار ہیں، نتیجہ یہ ہوا کہ کسی نے تجارت شروع کی، کسی نے زراعت کی طرف توجہ کی، کسی نے ملازمت اختیار کی، اسکے ساتھ ہی مسلسل عدم پیداوار اور متواتر قحط سالیوں نے لوگوں کو اسقدر شکستہ حال کیا کہ وہ اپنی مالی نقصان کی آئندہ تلافی نہ کر سکے، نہ وہ خود سنبھل سکے، نہ آنے والی نسلیں سنبھل سکیں، بالآخر خود بھی فنا ہو گئے اور جائیدادیں بھی تباہ ہوئیں،

یہی حال دوسری قوموں کا بھی ہوا، مثال کے طور پر غلہ بوسہ باڑہ کو لیجئے کہ جس میں بوہڑ جماعت کے عالیشان ۵۰۰ مکانات اور ہر مکان میں تین تین چار چار چوڑے تھے اُس احاطہ میں اب صرف ۱۰ مکانات آباد باقی رہ گئے ہیں، محلہ میدان نظر آتا ہے۔ گروال جہانوں کے تین سو مکانات میں سے اب ایک سو مکانات باقی رہ گئے ہیں، مہیری، جہانپور کے ۱۰ گھروں سے آج ایک بھی اوس قوم سے آباد نہیں رہا تیلیوں، اور مسلمان، موجیوں، کے سینکڑوں مکانات تھے، آج ایک بھی نہیں ہے۔ نوربا فوں کی ۵۰۰ گھروں میں سے آج صرف ۵۰ گھر آباد نظر آتے ہیں، چھپیوں کے اور کمانگروں کے سینکڑوں مکانات آج میدان ہیں، مسلمان اور ہندو جملہ مکانات میں سے صرف پندرہ میں گھر باقی رہ گئے ہیں،

منڈی، کڑی، رتھور، افغانوں کے مشہور محلے میں دس میں مکانات نامور افغانوں کے  
اخلاف کے باقی ہیں، اسدیل طرح دیگر اور مشہور متمدن قوموں کا حال ہوا،

وہی سروج جنگی آبادی کے اندر پندرہ جامع مسجدوں میں نماز جمعہ ادا ہوتی تھی، اب  
صرف ایک مسجد میں نماز ہوتی ہے، پھر بھی محض مسجد خالی رہتا ہے، فلاکت و افلاس نے سینکڑوں  
سرفیلک عمارات کا استیصال کر دیا ہے، پختہ منازل کی جگہ خام عمارتیں زیادہ نظر آتی ہیں،  
متمدن قوموں کے انتقال کے ساتھ ساتھ قدیم تمدن بھی رخصت ہو گیا، صنعت و حرفت  
کی جگہ زراعت و تجارت نے قبضہ کر لیا ہے، ذرائع معاش تنگ و محدود ہونے سے تعلیم بہت  
زیادہ پست حالت میں ہے، لوگوں نے جہاں ہوش سنبھالا، شکم پری کے ذرائع اور وسیلوں  
کی تلاش میں سرگرم ہوئے، ابتدائی اردو کے قواعد کا مطالعہ کر لیا اور مٹی بن گئے، آجکل قوموں  
کی حالت بالکل اس شعر کی مصداق ہے،

وہی ہم تھے کہ ہم کو دیکھ کر ہوتے تھے خوش قرار  
سواب یہ حال ہے اپنا کہ ہنس تو کھولتے ہیں  
سروج اپنے عروج کے زمانہ میں ایک بڑے قبضہ کی حیثیت سے زیادہ نہ تھا، یہ اگر انقلاب  
زمانہ کا شکار ہوا تو کچھ زیادہ تعجب خیز اور قابلِ افسوس امر نہیں ہے، آبادی، و برہادی، رات،  
دن کے مشاہدات ہیں، تاریخ عالم کے صفحات مشہور ترین عروس البلاد مثل قرقطہ، غرناطہ، بغداد  
مدائن، شیراز، طوس، وغیرہ کی ویرانی کے حالات و واقعات سے سیاہ ہو رہے ہیں جنگ و کھجور اور  
پڑھ کر سروج کی انحطاط پذیر حالت پر ماتم کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی،

اسدیل طرح سروج کے صنّاع، اہل علم، نامور، افغان و مغل، بانیانِ عمارات و منازل،  
اگر اپنی اپنی یادگاریں چھوڑ کر پیوندِ خاک ہوئے تو موجودہ نسلوں کے لئے رنج و افسوس کا محل نہیں ہے  
اس لئے کہ،  
نظم

یہاں ہر ترقی کی غایت یہی ہے	سراخجام ہر قوم و ملت یہی ہے
سدا اس زمانہ کی عادت یہی ہے	طلسم جہاں کی حقیقت یہی ہے

بہت یاں ہوئے خشک چنے اُبل کر  
 بہت باغ چھانٹے گے پھول پھل کر  
 کہاں ہیں وہ اہرام مصری کبابی کہاں ہیں وہ گردانِ زابلستانی  
 گھر پیشہ دوی کدھر اور کیا مٹا کر رہی سب کو دنیا کے فانی  
 لگاؤ کہیں کھوج کھلدا نیوں کا  
 بتاؤ نشان کوئی ساسانیوں کا  
 وہی ایک ہے جبکہ دائم بقا ہے جہاں کی وراثت اسی کو سنبھالے  
 سوا اسکے انجام سب کا فنا ہے نہ کوئی رہے گا نہ کوئی رہا ہے  
 مسافر یہاں ہیں فقیر اور غنی سب (حالی)  
 غلام اور آزاد ہیں رقتی سب

**دوبارہ ترقی کے آثار**  
 سروِج کی ابتدائی آبادی، اور اسکا عروج، عروج کے بعد  
 زوال کے تمام مناظر گذشتہ صفحات میں تم دیکھ چکے ہو، قوم  
 عمیق غاروں میں گر کر، پھر اُبھرنا شروع ہوئی ہے، زمانہ نے پھر کروٹ بدلی ہے، ہوا سروِج  
 کی موافقت میں پھر چلیا شروع ہو گئی ہے، سبر پائین حضور امین الدولہ وزیر الملک دام ملکہ کی  
 توجہ نے ریاست کے سب سے بڑے پرگنہ سروِج کو ترقی دینی شروع فرمائی ہے، ہر سال  
 دو چار پختہ منازل کے مکانات اور دکانیں جدید تعمیر ہو جاتی ہیں، صنعت و حرفت بھی  
 روبہ ترقی ہے،

باسوڈہ اور بامورہ، ریلوے اسٹیشنوں تک پختہ سڑکیں تعمیر ہو گئی ہیں، تانگوں اور  
 گاڑیوں کے علاوہ موٹروں کے ذریعہ سے بھی مال و مسافروں کی آمد رفت شروع ہے، روٹی کا  
 بہت بڑا کارخانہ مشین کے ساتھ قائم ہو گیا ہے، آٹا پیسنے کی مشینیں بھی کام کر رہی ہیں، جدید  
 تہذیب کے ہوٹل بھی قائم ہو گئے ہیں، پیشہ ورا صاحب کی آمد شروع ہو گئی ہے، میونسپل کمیٹی کا

خاص انتظام ہے، یہی رفتار اور حسن انتظام ہے تو کچھ تعجب نہیں ہے کہ سروج اپنے قدیم  
عروج و نشدن کی بہت کچھ تلافی کر دے جسکے لئے مولف بھی دست بدعا ہے،  
جنتِ امروز نسیمِ سحری می آید از لبِ غنچہ گل خوشخبری می آید  
(از مولف)

## چوتھا باب

### حکومتوں کا انقلاب سروج پر

اعتبارِ نسبتِ صاحبِ طاہر اقبال را ایں کیو تہر زمانِ مشاقِ بامِ دیگر است (مضامین)  
تقسیمِ ارضی کی رو سے سروج کا رقبہ مالوہ کی مشرقی سرحد پر واقع ہے، ٹھا کر جی کی موت  
(واقع مندرگروہاری جی) کے کتبہ کی رو سے اتنا پتہ ضرور چلتا ہے کہ سمتِ اُبکری میں  
یہاں آبادی تھی، اور سینگریش کی جو عبارت کتبہ مذکور میں درج ہے، اسکا ثبوت ہے کہ  
سینگرہا چوتوں کی بنوائی ہوئی صورت ہے وہی قومِ اسوقت یہاں آباد تھی اور وہی لوگ  
اسکے پرستار تھے، مابین تاریخِ سروج کے ابتدائی وجود کے بیان سے خاموش ہے،  
راجگان، پتوار اور تونور کے قدیمی ملکی و انتظامی حالات تاریکی میں ہیں، البتہ سلاطینِ مالوہ  
اور شاہانِ تیموریہ کے زمانہ کے واقعات روشنی میں آچکے ہیں تاہم سلاطینِ مالوہ کے عہدِ حکومت  
میں سروج کا نام کسی اعزازی نسبت سے تاریخ میں درج نہیں ہے، بعض قدیم کاغذات  
سے اس امر کا پتہ ضرور چلتا ہے کہ سہلگاہ بکری سے قبل سروج پر گنہ کی حیثیت سے وجود میں آچکا  
تھا، جبکہ ہم سال کا زمانہ ہوا، اسوقت سلاطینِ مالوہ کی مستقل حکومت اضلاعِ مالوہ پر تھی



جس میں سرکار چندیری مع پرگنہ سروج شامل تھا، سب سے پہلا عہد سلطنت، سروج کا نام جبکی تایج میں دکھائی دیتا ہے،، وہ شہنشاہ جلال الدین اکبر کا عہد سلطنت ہے، آئین اکبری میں علامہ ابوالفضل نے آئین سلگہ کا جو عنوان قائم کیا ہے اوس میں سروج کا نام تجارتی شہر کی حیثیت سے تیسویں نمبر پر درج ہے، اس کے بعد علامہ فیضی کا قلم شکر یہ کاستی ہے کہ جس نے ۹۹۹ھ میں سفارت خاندیس پر جاتے ہوئے سروج میں قیام کر کے دینا کوا سکی تجارتی عظمت سے روشناس کیا،

مؤلف نے تحقیقات کے سلسلہ میں ایک اور سند یہ شہادت تایج کے علاوہ بھی ہم پہنچائی ہے، اور وہ سند سلطان شیر شاہ کا فرمان مورخہ ۹۴۹ھ ہے جس کے ذریعہ سے اوس نے قاضی رکن الدین وغیرہ کو سروج میں معافی عطا کی تھی، عہد اکبری کے تایجی اندراج سے پورے ۵۰ سال قبل کی یہ شہادت ہے، جو اس بات کی قوی دلیل ہے کہ ۹۴۹ھ میں سروج پرگنہ کی حیثیت سے طبقہ ارضی پر موجود تھا،

سروج سے گوشہ مغرب و جنوب میں ۵۰ میل کے فاصلہ پر چندیری واقع ہے، جو اکبری انتظام سے قبل بھی سرکاری منلج کا صدر مقام تھا، اور اسکے ماتحت پرگنات (تھسیلات) میں ایک پرگنہ سروج بھی شامل رہا، شاہان تیموریہ کے عہد حکومت میں بھی بدستور وہی اضافت قائم رہی،

سروج پر سلہدی راجپوتوں کا قبضہ | محمود ثانی سلطان مالوہ کے اخیر دور سلطنت میں حکومت مالوہ

ضعیف ہو چکی تھی، راسین اور چندیری مشہور اضلاع پر پورنل سلہدی راجپوت پوربہ کا قبضہ تھا، اس سلسلہ سے سروج بھی راجگان چندیری اور راسین کے ماتحت رہا،

۱۵ علامہ فیضی کے خط کی نقل سروج کے عروج و انحطاط کے عنوان میں درج کر دی گئی ہے ۱۲ مؤلف -

۱۶ تحقیقات آبادی کے عنوان میں اس سند کی نقل درج ہے ۱۲ مؤلف =

راجہ چندیری کا باغ اور ایک بچہ منہد مہاؤلی آجک سروخ میں یادگار آثار باقی ہیں ،  
 سلطان شیر شاہ نے ۱۰ مرم ۹۴۷ھ میں ہمایوں شاہ کو قنوج  
 کے مقام پر کامل شکست دیکر ۲۴ جنوری ۱۵۴۲ھ میں

## شیر شاہی دور حکومت

ہندوستان کے شاہی تخت پر چلوں کیا ، سیاسی اثر ڈالنے کی غرض سے ۹۴۹ھ میں سلطان  
 موصوف مالوہ بھی آیا ، رالین چندیری اور مانڈو پر قبضہ حاصل کرنے کے بعد شجاعت خاں کو  
 مالوہ کی حکومت سپرد کر کے اگرہ چلا گیا ، شجاعت خاں نے ۱۲ سال اور اس کے بیٹے باز بہادر  
 نے ۲ سال اور ۲ ماہ مستقل حکومت کی جو ۹۶۶ھ میں اکبری فتوحات پر ختم ہو گئی ۔

۹۶۲ھ میں ہمایوں شاہ دوبارہ ہندوستان  
 آکر اپنا آبائی تخت ، جانشینان شیر شاہ سے واپس

## میسوریہ خاندان کا دور حکومت

لینے میں کامیاب ہوا ، موت نے عجلت کی ، دو مہینہ کے بعد کوٹھے سے گر کر دہنا سے رخصت ہو گیا ،  
 ”ہمایوں بادشاہ از پیام افتاد“ تاریخ ارتحال ہے ۔

اکبر اپنے باپ کے انتقال کے وقت ، ۱۴ سالہ نوجوان شہزادہ تھا ، مگر قسمت میں فتوحات  
 پندری کا ثمرہ مقدر تھا ، ہندوستان کے تاج و تخت کا مالک ہو کر اپنے اسلاف سے بہت زیادہ  
 اقبال مستغرق ، اور الو العزم تاجدار ثابت ہوا ،

بالائے سرش زہوشمندی      یقافت ستارہ بلندی (سعدی)

اکبر نے تخت نشینی کے بعد سب سے پہلے صوبہ مالوہ پر فاختانہ نگاہ ڈالی ، اس وقت باز بہادر  
 برائے نام تمام مالوہ کا بادشاہ تھا ، ۹۶۶ھ کا سال تھا ، کہ سلطان جلال الدین اکبر کے حکم سے  
 افہم سپہ سالار نے باز بہادر کے دارالحکومت ، مارلیکو پر تاخت کی اور کامیاب ہوا ، اس وقت سے

۹۶۹ھ میں پیدا ہوا شہنشاہ جہانگیر ، مادہ تاریخ ولادت ہے ، اور نصرت اکبر زادہ سال جلوس ہے  
 ۹۶۳ھ میں تخت نشین ہو کر ۱۰۱۳ھ میں فوت ہوا ، مصرع تاریخ وفات ایک عدد کے تخریج سے یہ ہے ،

الہت کشیدہ ملائک ز فوٹ اکبر شاہ ، ۱۲

ناصر الدین محمد شاہ کے اخیر دور سلطنت ۱۱۵۶ھ تک تقریباً ۱۹۲ سال صوبہ الودہ شاہان تیموریہ کے مالک محروسہ میں شامل رہا جس کے حکمرانہ رقبہ میں سرکار چندیری کے ساتھ سروج بھی تھا،

شہنشاہ عالمگیر ۱۶۵۸ھ میں پیدا ہو کر ۱۶۵۹ھ میں اکبر آباد اور دہلی کے تخت شاہی پر طویرہ افزہ ہوا ۵۶ سال

## تیموریہ سلطنت کا زوال

نہایت شان و شوکت، جلال و عظمت، تدبیر و سیاست کے ساتھ حکومت کر کے ۱۱۱۱ھ میں قید و بند سے آزاد ہوا، شہنشاہ عالمگیر نے سلطنت کے رقبہ کو استقدر و وسعت دی تھی کہ اس کے جانشینوں سے مقبوضہ علاقوں کی حفاظت نہ ہو سکی، بہادر شاہ، جہاندار شاہ، فرخ سیر، محمد شاہ میں نہ استقدر قابلیت تھی کہ سلطنت کو سنبھال سکے، نہ سیاسی طاقت کا اتنا اثر تھا کہ صوبہ داران ماتحت فرمانبرداری کے ساتھ اصلاح کی نگرانی رکھتے،

قانون سلطنت کی ناآشنائی سے شیرازہ جمعیت پر آگندہ تھا، جبکہ بھی فوجی قوت تھی وہ باہم خانہ جنگیوں میں ختم ہو چکی تھی، حق یہ ہے کہ اتنی بڑی سلطنت کے شین کے کل پرزوں کو اپنی اپنی جگہ نصب کرنے اور اس کو باقاعدہ چلانے کے لئے دوسرے عالمگیری کی ضرورت تھی،

شرح مجموعہ کل مرغ سحر و اندویش نہ کہ ہر کو در حق خاوند و معانی دانست (خواجہ طغلق)

اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ ضعف سلطنت کی بنیاد خود شہنشاہ عالمگیر کے اخیر دور حکومت میں پڑ چکی تھی، تاہم اس کا شاہی اور سیاسی رعب و جلال و تاج و تخت کا ضامن رہا، اس کی وفات پر آثار ضعف کا احساس کرنے والا اور بغاوت کے سیلاب کو روکنے والا دوسرا در سلطان پھر پیدا ہوا ایک طرف مرہٹوں کا زور، دوسری طرف ارکان سلطنت اور حکومت کی عیارانہ حکمت عملیاں زوال سلطنت کا باعث ہو رہی تھیں، جبکی اجمالی کیفیت یہ ہے کہ امیر الامرا مسید حسن علی خاں اور قطب الملک

لہ آفتاب عالمیاب، تاریخ پیدائش، اور آفتاب عالمیاب نام تاریخ جلوس شاہی دوسری تاریخ جلوس کلام مجیدی اس آیت سے برآورد ہوتی ہے (اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم) تاریخ وفات یہ ہے، (روح وریحان و خجۃ نعیم) دیگر، شد باوشہ ملک فنا عالمگیر،

سید عبد اللہ خاں سادات بارہہ برادرانِ حقیقی سلطنت کے چشم و چراغ تھے، ان کی قوت شاہی طاقت پر غالب آچکی تھی، جب خود غرضیوں کے ماتھے نے اوجھار کیا تو دونوں بھائی امور سلطنت کے تخریب کے جوڑ توڑ چلنے لگے۔ ۱۳۳۵ھ میں فرخ میر کا خون ناحق انہی کے اشارہ سے ہوا جسے مخالفت کی آگ عوام و خواص کے دلوں میں سلگا دی،

امراء شاہی میں اُس وقت نظام الملک آصف جاہ ناظم صوبہ ملک دکن اعزاز و ہندوگی، تدبیر اور عام قبولیت کے لحاظ سے ممتاز تھا، قطب الملک، نظام الملک سے خائف رہ کر اس پر ملہ مرزا بیدل نے اس واقعہ کی تاریخ کو اس طرح موزوں کیا ہے، "ویدی کہ چہ باشاہ گرامی کو دندہ صبور و جفا زراہی کردند" تاریخ چراز و بخت فرمود: "سادات بسے نیک حرامی کردند"

۱۳۳۵ھ نظام الملک کا نام میر قمر الدین، باپ کا نام شہاب الدین خاں، دادا کا نام عابد خاں، حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کے احناف سے تھے سلسلہ نسب جداموری کے لحاظ سے علامہ شیخ سعد الدین وزیر اعظم شاہجہانی سے ملتا ہے، عابد خاں شاہجہانی عہد میں ہندوستان آئے، شاہزادہ اورنگ زیب کے ملازمین میں داخل ہو کر عالمگیری عہد سلطنت میں پنجتہ داری منصب پر سرزاد ہو کر دوسرے صدارت کے مرتبہ پر فائز ہوئے ۱۳۹۹ھ کو لکھنؤ کے محاصرہ کے زمانہ میں گولہ سے مجروح ہو کر انتقال کیا، شہاب الدین خاں عہد عالمگیری میں ترقی کرتے ہوئے، ہفت ہزاری منصب اور عازمی الدین خاں فیروز جنگ کے خطاب سے ممتاز ہوئے اگر سپاہ سالار بھی رہے، فتح بجا پور پر فرائز دار عہد کا بھی اعزازی خطاب ملا، بہادر شاہ شاہ عالم کے عہد میں صوبہ داگر گجرات ہو کر ۱۳۲۰ھ میں وفات پائی، میر قمر الدین اسی فیروز جنگ کا بیوت تھا عالمگیری عہد میں بجا پور کی صوبہ داری حاصل کر کے پنجہ داری منصب حاصل کر چکا تھا، شاہ عالم نے خاندانوں کا خطاب دیکر اودھ کی صوبہ داری پر مامور کیا، امیر الافزار قوۃ القہار خاں کے اقتدار پر ترک منصب کر کے گوشہ نشین ہو گیا، جہاندار کے عہد میں، پھر گوشہ سے نکلا اور اپنے مناصب پر فائز ہوا، فرخ میر نے ہفت ہزاری کا منصب عطا کر کے آصف جاہ نظام الملک فتح جنگ کا خطاب دیا، دکن کی صوبہ داری بھی ملی، محمد شاہ کے عہد میں دوسرے وزارت پر فائز ہوا، محمد شاہ کی وفات کے ۳۲ روز بعد ۱۱۳۷ھ میں نظام الملک نے بھی انتقال کیا، اعما د الدولہ قمر الدین خاں صدر اعظم نے بھی اسی سال رحلت کی مولوی غلام علی آزاد بلگرامی نے ۶۷۰ کے تخریج سے ذیل کی تاریخ وفات استخراج کی ہے، "گشت تاریخ چون کشیدم آہ، موت شاہ و وزیر و صفیہ ۱۱۳۷ھ"

کاری ضرب لگانے کی فکر میں تھا، رفیع الدرجات کے جلوس کے تیسرے روز دونوں بھائیوں نے نظام الملک کو مالوہ کی صوبہ داری پر رضا مندر کیا، نظام الملک عہد عالمگیری کا تجربہ کار اور جہاندیدہ امیر تھا، اُسوقت دونوں بھائیوں کی طاقت کا اندازہ کر کے دار الخلافہ سے نکل جانا عین مصلحت سمجھا، اور مالوہ روانہ ہو گیا، جانے کے بعد اُس نے دولت نشی اور دہلی کے ساتھ اپنی فوجی قوت بڑھانی شروع کر دی، یہاں امیر الامرا اس فکر میں تھا کہ نظام الملک پر کوئی محاسبہ قائم کر کے اُسے معزول کر دے، مرحمت خاں قلعہ ارمانڈو اُسی زمانہ میں امیر الامرا کے حکم سے برطرف ہو کر نظام الملک کی خدمت میں پہنچ گیا تھا، چونکہ بہادر اور کارگزار تھا، اس لئے نظام الملک نے اُس سے پہلی خدمت یہی لی کہ قلعہ راحت گڑھ جو سروج اور بہلیہ کے درمیان ہے اور جس پر پٹانچند این چتر سال بوندلیہ نے قبضہ کر لیا تھا، مختصر مدت کے ساتھ روانہ کیا تاکہ کامیابی پر اُس کا کام عفو نقص کا باعث ہو سکے، مرحمت خان روانہ ہو کر سروج آیا، اور بہلیہ بھی گیا، سروج سے کافی جماعت روہیلوں کی ہم پہنچ کر راحت گڑھ پر حملہ آور ہوا، دباؤ سخت تھا اس لئے قلعہ واپس لینے میں کامیاب ہو گیا،

امیر الامرا کو خبر ہوئی، موقع ہاتھ آیا، اور نظام الملک سے جواب طلب کیا، کہ موقوف شدہ افسر سے کیوں کام لیا گیا، اسکے ساتھ ہی چند باتیں اس قسم کی لکھیں، جن سے بخلاف نظام الملک سوئے غلطی کا اظہار ہوتا تھا،

نظام الملک نے مناسب جواب لکھ کر یہ شعر بھی درج کیا،

من یوفانیم یہ وفا منخو رم قسم      من چوں شنائیم بشما منخو رم قسم

ملہ تاریخ ہندوستان میں راحت گڑھ کا نام مولوی زکاء اللہ مرحوم نے لانا گڑھ درج کیا ہے اور میر التاجین، صفحہ ۲۳۴ میں راحت گڑھ درج ہے، دونوں نام غلط ہیں یا تو کوتاہی کی غلطی ہے یا انہوں نے غلط کہا ہے، راحت گڑھ سروج سے ۴۰ میل کے فاصلہ پر موجود زمانہ میں ضلع ساگر سی پی کے علاقہ میں مشہور مقام ہے ۱۲۰۰  
تھے غالباً سروج کے مشہور محلہ روہیلپورہ کے بہادر افغان ہونگے ۲۰ مولف

جواب نے امیر الامرا کو اور زیادہ مشتعل کیا، محمد شاہ کے جلوس کا دوسرا سال تھا کہ امیر الامرا نے نظام الملک کے خلاف عملی قدم بڑھایا، اُدھر نظام الملک مریم مکاتی (والدہ محمد شاہ) اور دیگر امرا کے ایما سے کچھ فوج لے کر مند سوار کے انتظام کے بہانہ سے اوجین آیا، وہاں سے سرحد فوج کی طرف کوچ کی شہرت دیکر دو تین منزل اُدھر آیا، اور پھر سید بادکن چلا گیا، وہاں سے مزید فوج ہمراہ لے کر قلعہ آسیر کو فتح کرتا ہوا برہمپور میں بلا عزت داخل ہو گیا، نظام کے گرد بخیال خیر خواہی سلطنت، سرداران ملک کا اجتماع ہوتا جاتا تھا،

سادات بارہ نے نظام کے مقابلہ کے لئے عالم علیخان، دلاور علیاں، راجہ جیم سنگھ اور راجہ کچ سنگھ کو کثیر سپاہ کے ساتھ روانہ کیا، برہمپور سے ۶۷ کوس وری طرف فرقین میں مقابلہ ہوا دلاور علیاں نے شکست کھائی اور مقتول ہوا، جس سے ہونا ہاں سادات کا رخ پھر گیا بہادر راجہوں میں میدان جنگ سے بھاگنا پھرتی آن کے خلاف ہے، اس لئے جیم سنگھ اور کچ سنگھ دونوں گھوڑوں سے اتر کر شمشیر و رمبہ اپنے حریف کے صفوں میں داخل ہو گئے، درحقیقت بہادری و مردانگی کا کام کیا، لیکن مغلوب ہو کر اپنے چار سو سوار جاں نثار دیکے ساتھ آصفی تلواروں کے نذر ہوئے۔

دوبارہ اُسی سال ۱۱۳۱ھ میں امیر الامرا نے اپنے بھتیجے عالم علیاں کو ۳۰ ہزار سپاہ کے ساتھ نظام کے مقابلہ کو روانہ کیا، جبکہ مقام بالاپور (ملک ہزار) میں آصفی ہی افواج سے مقابلہ ہوا بڑی خونریز جنگ تھی، آصفی تو پانچا نہ برتن و رعد کی طرح چمک اور گرج رہا تھا، جب عرصہ تک کوئی فروق مغلوب نہ ہوا تو تجربہ کار نظام الملک نے جنگ گرنیکی، پہلے سے تو پانچا نہ عقب میں رگادیا گیا تھا، عالم علیاں کی فوج جب متعاقب تو پانچا نہ کی زد پر پہنچی، اُس وقت تو پانچا نہ کو آتش فشاں

لے تارخ ہندوستان مؤلفہ شمس العلماء مولوی محمد ذکاء اللہ مرحوم ۱۲

۱۵ ہمارا جیم سنگھ لڑوہ اُس وقت کوٹہ کا راجہ تھا، ۱۲ تارخ ہندوستان

۱۵ ہمارا جیم سنگھ اس وقت نورور کا راجہ تھا، نورور موجودہ زمانہ میں بیات گوالیار کا ایک ضلع ہے ۱۲ تارخ ہندوستان

کا نمونہ دکھلایا، جس سے عالم علیخاں کی سپاہ کا ستر اوہو گیا، لیکن عالم علیخاں کی بسالت و شجاعت پر آفریں ہے کہ جب اُس کے ترکش میں ایک تیر بھی نہ رہا، تو جو تیر مخالف سپاہ کی کمانوں سے نکل کر اُس کے سینہ میں پھونست ہوئے، انکو زخموں سے نکال کر اپنی کمانوں کے ذریعہ سے دشمنوں پر چلاتا تھا، دم واپس تک فیل نشین بہادر کا یہی مشغلہ رہا اور کہتا رہا،

من آنگہ عناں باز پیم ذراہ کہ یا سردہم یا ستانم کلاہ (نظامی)  
اگے چل کر بگیناہ فرخ سیر کا خونِ ناعق رنگ لاتا ہے، ع  
در پس ہر خندہ آخر گر یہ اسیت

قطب الملک اور امیر الامرا ان دونوں شکستوں سے رنجیدہ ہو کر اور پرجوش ہوئے، ۶۰ ہزار سواروں کی معیت میں محمد شاہ کو ہمراہ لے کر نظام کے مقابلہ کے لئے خود دہلی سے نکلے، آگرہ سے بڑھ کر ۳۰ کوس پر منزل تورہ میں قیام کیا، امیر الامرا پالکی میں بیٹھ کر جا رہا تھا، میر حیدر نے ایک عرضی اوسکو دیکر اوسکے مطالعہ کی طرف متوجہ کیا، امیر الامرا نے عرضی کو غور سے دیکھنا شروع کیا، موقع پاکر میر حیدر نے پھرتی کے ساتھ کمر سے خنجر نکال کر رسید کیا، امیر الامرا فی الفور ہلاک ہو گیا، اور خود بھی میر حیدر دوسرے کے ہاتھ سے وہیں مارا گیا،

اب دوسرے بھائی قطب الملک کو محمد شاہ سے بھی بدگمانی پیدا ہوئی، انتقامانہ جوش و خروش کے ساتھ ایک لاکھ کی مجموعی زبردست طاقت فراہم کر کے ۱۴ محرم ۱۱۳۳ھ کو سوا دس پور میں محمد شاہی افواج سے بغاوت کیا، لیکن سخت ترین نہریمیت پاکر گرفتار ہوا، مگر اوسوقت سادات کی اعزازی نسبت نے اوسکو قتل سے بچالیا،

خون ناعق ہے دیکھ لے قاتل رنگ لائے گا یہ کہیں نہ کہیں (مؤلف)

خداوند عالم کا ارادہ انسانی ارادوں پر غالب ہے، سادات بادشاہ نے نظام الملک اور محمد شاہ کی جنگی پریکرماندہ کردہلی کا تخت حاصل کرنا چاہا تھا۔ لیکن جودام انہوں نے سمجھا یا تھا، اسیں وہ خود بھنک کر رہ گئے، نہ وہ جاہ جوشم رہا، نہ وہ شکوہ و خمد، ذلت کا بار جو مقدر میں تھا

وہ انکو نصیب ہوا،

ہر آنکہ تخم بدی کشت و چشم تنگی داشت دماغ بیہودہ نخت و خیال باطل بست (سعدی)  
فتنہ و فساد کے کانٹوں سے جیب بساط سلطنت صاف ہو گئی تو وزارت کے بارگراں  
اٹھانے کے لئے سب کی نگاہیں نظام الملک کی طرف اٹھیں، مغلیہ سلطنت کی خیر سگالی کے  
خیال سے ۱۳۳ھ میں دہلی پہنچ کر نظام الملک نے پہلی مرتبہ وزارت کا چارج لے کر ہمہ تن اصلاح  
ملک کی طرف متوجہ ہو گیا، دوسری طرف ایشیائی بادشاہوں کی طرح محمد شاہ نے رزم سے فرصت  
پاک کر نرم آرائی شروع کر دی، عیش و عشرت کے خمار نے اسکی دماغی طاقت کو سلب کر لیا،  
مرزا میں استقلال نہ رہا، ہوا خواہان سلطنت کے نیک مشوروں کو اندرونی و بیرونی خود غرضانہ  
داخلت سے بہت کم قبول کرتا، آثار اچھے نہ تھے،

بالآخر مغلیہ جاہ و جلال کا آفتاب زوال پذیر ہونے لگا، صوبہ داران و ناظمان ملک نے ضعف سلطنت  
کا احساس کرتے ہوئے آزادی و خود مختاری کا علیحدہ خواب دیکھنا شروع کیا، یہاں تک کہ بدظنی  
و خود مختاری کے جراثیم سے تمام ہندوستان مودف ہو گیا، جبکہ نتیجہ یہ نکلا کہ دکن میں نظام الملک نے  
اودھ میں برہان الملک نے، بنگال میں جعفر خاں مرشد قلی نے آزادانہ حکومتیں قائم کر لیں، دوسری  
طرف افغان ستارہ سے مرہٹوں کا کوکب اقبال طلوع ہوتا شروع ہوا، سیوا جی مرہٹے نے عہد گیری

۱۷۶۱ء میں ملکہ جی عرف جادو راجہ دیو گڑھ دولت آباد کی دختر کے بطن اور مالو جی جھوللا  
سردار مرہٹے کے سپر ساہو جی کے صلیب سے پیدا ہوا، جب قباچھاں نے والی بیجا پور کے اتفاق سے احمد نگر کی حکومت  
کو پامال کر کے ملک کو آپس میں تقسیم کر لیا تو تقسیم کر دے کوکن کا علاقہ والی بیجا پور کے حصہ میں آیا، ساہو جی و سیوا جی  
کے باپ نے والی بیجا پور کی نوکری اختیار کر لی اور اسکی جاگیر بیجا پور کی طرف منتقل ہو چکی تھی، بدستور وہ  
اسکے قبضہ میں رہی، ساہو جی بیجا پور کی طرف سے کرتاٹک علاقہ میں ملک گیری کرتا رہا، اس سلسلہ میں سیور  
کے نزدیک بھی اسکو بڑی جاگیر حاصل ہوئی، جہیں بنگلہ و غیرہ بڑے بڑے شہر داخل تھے، سیوا جی بوجہ  
صغیر سنی پوتہ میں سکونت پذیر تھا، پوتہ کی جاگیر اور سیوا جی کی سرپرستی کا انتظام، داؤ جی کہنڑ و نامی ایک بڑی

(بقیہ صفحہ ۱۶۰)



کے حوالہ تھا، اس زمانہ میں حیدرآبادی، شہسوار اور دیگر سپاہ گری کے فنون کا عام رواج تھا، سیوا جی نے تمام فنون میں کمال حاصل کیا، اسکے رفیقوں میں کچھ باپ کے سوار تھے، اور کچھ کوہستانی لیڈرے، سیوا جی نے لیڈرے دوستوں کے ساتھ کچھ روز غارتگری کا پیشہ اختیار کیا، جس سے وہ اور دلیر اور مضبوط ہو گیا، ۱۶ سال کی عمر کو پہنچا تو اپنے اہلین کے انتظامی امیر میں بھی دخل دینے لگا، جب وہ مر گیا تو سیوا جی نے قلعہ چاکنہ پر قبضہ کر لیا، حوصلہ ٹھہرنا لگا، عادل شاہ دوانی بیجا پور کے آخری زمانہ میں مفت حکومت کی بنا پر اس نے کوکن علاقہ پر بھی تاخت کی اور بہت سا مالک دبا لیا، اوسکے باپ بھائی بیجا پور کے تک توار تھے، اس لئے انہوں نے سیوا جی کی حرکت پر بہت ملامت کی حتی الامکان روکنا چاہا مگر سیوا جی کو فتوحات کی چاٹ پڑ گئی تھی، وہ اس مشغلہ کو برابر وسعت دیتا رہا، آخر کار افضل خان حکومت بیجا پور کی طرف سے سیوا جی کی گوشمالی کو مامور ہوا، یہ سردار تہایت زیر دست اور قوی الجذبہ تھا، سیوا جی اس سے قائل تھا چال یہ چلا کہ اپنی تسلی و تسکین کی خاطر افضل خان سے تنہائی میں ملاقات کرنی چاہی، قائل صاحب جیستہ ہوا رہے، اسبقہ سادہ لوح بھی تھے، عیار کی چال میں آ گئے، پر تاب گڑھ کے قلعہ سے سیوا جی باہر آیا، افضل خان انتظامیوں تھا، سیوا جی کو دیکھتے ہی بغلیگر ہونے کیلئے دونوں بازو کھول دیئے، سیوا جی نے فولادی خنجر سے بطنی مصافحہ کیا اور دوسرا ہتھکچہ کا کیا، افضل خان نے گرتے گرتے سیف کا وارادہ کر لیا، گروہ کا درگتہ ہوا، افضل خان وہیں ٹھٹھا ہو کر رہ گیا، سیوا جی اپنی عیارات کامیابی سے بے حد متعز و ہوا، اور بھی زیادہ ہاتھ پاؤں پھیلانے شروع کئے، شہنشاہ تک اس کے پاس، ہزار سوار اور ۵۰ ہزار پیادوں کی جمعیت ہو گئی تھی، رفتہ رفتہ علاقہ شاہی صوبہ دکن کی طرف بھی اس نے حرکت شروع کی، امیر الامرا نواب شایستہ خاں صوبہ دار دکن اسکی سرکوبی کے لئے دولت سے نکلا، پادشہ اور چاکنہ کے متحکم قلعوں کو اس سے چھین لیا، کوہستانی علاقوں کی ناہمواری اور مشکلات کی وجہ سے امیر الامر کو کافی طور پر کامیابی نہ ہوئی، شہنشاہ عالمگیر نے امدادی ضرورت محسوس کر کے بہار جہ جہوت ستھراٹھور صوبہ دار گجرات کو بھی روانہ کیا، عرصہ تک وہ بھی سیوا جی کے متعاقب رہا، مگر وہ ہاتھ نہ آیا، یہاں تک کہ شہنشاہ میں جبکہ نواب شایستہ خاں پورہ میں مقیم تھا، سیوا جی نے اسقدر حیرت کی کہ قلعہ سنگم تیر سے جو پورہ سے ۱۲ کوس کے فاصلہ پر ہے، کچھ فوج لیکر نکلا، راستہ میں تھوڑی تھوڑی فوج چھوڑتا ہوا چلا گیا، صرف ۲۵ جانوں کو ساتھ لے کر ایک رات کے جلوس میں (جو پورہ کو جا رہی تھی) شامل ہو کر پورہ کے اندر داخل ہو گیا، نواب شایستہ خاں اسوقت

اُس مکان میں مقیم تھا جس میں خود سیوا جی نے پرورش پائی تھی، اسلئے تمام دروازوں سے واقف تھا، مخفی طور پر ایک دروازہ سے محل کے اندر داخل ہوا، شالیہ خاں حواس باختہ ایک کھڑکی سے کود کر بھاگا، بھاگتے ہوئے بھی اوسکی ایک انگلی میں زخم آیا، ابوالفتح اور کاٹیا مقابلہ میں مار گیا، اور سیوا جی پھرتی سے نکل کر اپنے قلعہ کو روانہ ہو گیا، اس کامیابی پر سیوا جی نے اپنے قلعہ سنگم نیر پر اس قدر چراغاں کیا کہ اوسکی روشنی پورے میں نظر آرہی تھی،

عالمگیر نے سنگم اس واقعہ کو شالیہ خاں کی عقلیت پر محمول کرتے ہوئے اوسے صوبہ بنگال پر تبدیل کر دیا اور شانیہ راہہ محمد معظم کو اوسکی جگہ صوبہ دار دکن اور مہاراجہ جیونت سنگھ کی جگہ پر راجہ سنگھ کچواہا کو ۳۱ ہزار سواروں کے گجرات پر مامور کیا، جس نے ۵۰۰۰ آدمیوں پر مشتمل جیونت سنگھ سے چارج لیا، اس کے بعد قلعہ

رودرمال اور پورن دہر کو درجہ میں سیوا جی کا تمام ساز و سامان تھا، محصور کر لیا، اسیداجی اس وقت قلعہ پر تباہی میں تھا، تاب مقابلہ نہ دیکھ کر عجروا نکساری کا اظہار کیا، جسے سنگھ نے ہاتھیا حاضر ہونے کی اجازت دی، سیوا جی حاضر ہوا، باہمی مصالحت کی رو سے علاقہ کو کن کے ۵۰ قلعوں میں سے ۱۲ قلعے سیوا جی کو دیئے گئے۔

باقی ۳۸ قلعے بادشاہی تسلط میں آئے، اسیداجی اوسکے سپہ کو عالمگیر کی طرف سے پنپھاری کا منصب عطا ہوا، جیٹ شاہی کے موقع پر سیوا جی دہلی حاضر ہوا، مخلص خاں وغیرہ سرداروں نے اوسکا استقبال کیا، دیار میں امرایان کے سلسلہ میں اوسکو کھڑ کیا گیا، لوگوں سے سیوا جی نے ایستادہ رہتے سے اپنی توہین کی شکایت کی

شہنشاہ عالمگیر نے سنا تو شہر کے باہر ایک خیمہ میں اوسے بھیج دیا، اور اوسکی نگرانی رکھی گئی، راجہ سنگھ نے سنا تو عرضداشت بھیجی کہ میں نے سیوا جی سے معاہدہ امن کر لیا ہے، اس پر عالمگیر نے معافی دیکر پہرے اٹھوا دیئے اوسکے بیٹے سہاجی پر شاہانہ نوازشیں ہوئیں، اعزاز کے ساتھ سیوا جی کو عنقریب رخصت کر دینے کا ارادہ تھا،

کہ وہ رات کو چھپر قرار ہو گیا، اور ایسا بھاگا کہ پھر عمر بھر ہاتھ نہ آیا، سیوا جی، بھاگ کر آیا تو اور بھی طاقتور ثابت ہوا، تمام قلعہ جات جو معاہدہ کی رو سے شاہی تسلط میں دیئے گئے تھے، اون سب کو واپس لینے میں کامیاب ہو گیا، شہنشاہ عالمگیر نے تمام حکمت عملیاں اوسکی گرفتاری میں خرچ کر دیں، لیکن پہاڑوں کی نامواری اور ہر قسم

کی فوجی مشکلات کی وجہ سے کامیابی نہ ہوئی، عالمگیر نے دن ہو کر موش کو ہی اوسکا نام رکھ دیا، اس مناسبت سے کہ اوس علاقہ میں موش زیادہ ہوتے ہیں۔

میں جن باغیانہ خیالات اور فاحشانہ ارادوں کی تخم ریزی ہند کی جنوبی سرزمین میں کی تھی۔ وہ سرسبز ہو کر نشوونما کی قوت کے ساتھ ظاہر ہونے لگی۔ اگر پانی پت کے میدان میں مرہٹوں کی طاقت احمد شاہ ورائی سے ٹکرا کر پاش پاش نہ ہو جاتی تو آج سارا ہندوستان مرہٹوں کے زیر اثر ہوتا۔

جب حالت اس درجہ تک پہنچی آصف جاہ نظام الملک وزارت سے دستکش ہو کر دکن میں چلا گیا۔ ۱۳۵ھ میں دہلی آکر پھر وزارت کا چارج لیا۔ ۱۳۶ھ میں بعض وجوہ سے دوبارہ

بقائدلشتہ سیوا جی کا پیمانہ عمر لڑی ہوا۔ عالمگیر کے جلوس کے تیسویں سال ۱۳۹ھ میں بھرج ۵۳ سال راج گذر قلعہ میں فوت ہو گیا، اس وقت اس کی حکومت ۴۰۰ میل طول اور ۱۲۰ میل عرض میں پھیلی ہوئی تھی ۱۶۶۲ء میں راج تلک کی رسم بڑی شان و شوکت سے ادا کر کے خود مختار راجہ بن گیا تھا، مذہبی جوش اور جنگجویمانہ روح جو وہ اپنی قوم میں بھونک چکا تھا، اس نے آخر کار سلطنت کو بہت زیادہ نقصان پہنچایا۔

مرہٹوں میں برہمن، راجپوت، کورمی، اشنکر جاتی وغیرہ اکثر قومیں شامل ہیں جن کا اصلی وطن جنوبی ہند کا وہ قلعہ ہے جو مہاراشٹر کے نام سے کتابوں میں درج ہے۔

سنبھاجی اپنے باپ کا جانشین ہوا۔ وائس الہمر اور ناہل ثابت ہو کر پانچ سال کے بعد قتل کر دیا گیا، اس کے بعد راجہ رام چھوٹے بھائی نے اپنے نابالغ برادر زادہ ساہو جی کی طرف سے حکومت کے کام کو سنبھالا، چند روز کے بعد جب شاہی فوج نے اس کے دارالریاست رائے گڑھ پر فوج کشی کی تو راجہ رام ساہو جی کو چھوڑ کر کرناٹک بھاگ گیا، اس کی غیر حاضری میں ریاست کے کام کو رام چندر نیکنڈے نے سنبھالا، آخر کار ساہو جی ریاست پر قبضہ کرنا۔ شہنشاہ عالمگیر کی وفات کے بعد ساہو جی قید سلطانی سے آزاد ہو کر بادشاہ کی اجازت سے ستارہ میں راج کرنے لگا، ساہو جی کا وزیر مہسی بالاجی کانکن علاقہ کا ایک برہمن تھا، جس نے اپنا لقب پیشوا اختیار کیا وہ نہایت بیدار مغز اور دلاور تھا، اس کا بیٹا جی راؤ پیشوا مشہور شخص گذرا ہے جس کے کارنامے اصل مضمون میں درج ہوں گے ۱۲۰۰ء انتخاب از سفر نامہ ڈاکٹر برنیہ، مترجمہ ونٹ نوٹ، خلیفہ سید محمد حسین صاحب میرٹھی پٹیلہ شیر الدولہ ممتاز الملک، بہادر جواہر تاریخ مرہٹہ وغیرہ

وزارت سے دست بردار ہو کر اپنی حکومت گاہ دکن کی طرف روانہ ہو گیا اور نہایت اطمینان کے ساتھ اپنے صوبہ کی اصلاح و انتظام میں مصروف رہا، صوبہ مالوہ کی حکومت بھی اس وقت نظام الملک ہی سے متعلق تھی،

ناصر الدین محمد شاہ کے کمزور دماغ نے استغنا کی منظوری کا فیصلہ بغیر سوچے سمجھے بہت جلد صادر کر دیا، اسی پر اکتفا بھی نہ کی بلکہ فی الفور گوردہر نامی ایک برہمن سردار کو مالوہ کی حکومت پر مامور کر کے روانہ بھی کر دیا،

یہ وہ زمانہ ہے کہ ساہوچی دوم دسنبھاجی کا بیٹا سیواجی کا پوتا (خود مختار راجہ ہے، باجی راؤ پیشوا

## مرہٹوں کی تاخت مالوہ پر

(بالاجی المتونی نسۃ کا سپوت) اپنی آبائی وزارت پر قائم اور مرہٹہ افواج کا جنرل بھی ہے سلطنت مغلیہ کا زوال و انحطاط ظاہر ہو چکا تھا، مرہٹوں نے بھی ضعف حکومت کا احساس کیا، ۱۱۳۶ھ کا آغاز تھا کہ مرہٹوں کی فوج ستارہ کی چار دیواری سے باہر نکلی، جس کا قائد اعظم باجی راؤ پیشوا تھا، پہلا حملہ مالوہ پر ہوا، اگر دہر بہادر ناظم مالوہ نے بہادری سے مقابلہ کیا اور مارا گیا، دیا بہادر رگر دہر بہادر کے بھتیجے) نے اور بھی سختی سے مدافعت جنگ کی، خوب لڑا لیکن موت نے اس کو بھی چپا کے پاس پہنچا دیا، مہاراو (مشہور ملہار راؤ) باقی ریاست آندھ و پیشوا کی افواج

۱۱۳۹ھ میں دونوں چپا بھتیجے مارے گئے، گوردہر بہادر پہلے الہ آباد کا پھر اودھ کا اسکے بعد مالوہ کا صوبہ بنوا تھا، ۱۱۳۹ھ میں مالوہ کے قریب بکریاں چرانے کا پیشہ کرتے تھے وہ نے منتقل ہو کر پٹنہ، وہاں سے دکن آکر آباد ہوئے مہاراو پانچ سال کا تھا اس کا باپ مر گیا، ماموں نے پرورش کی، وہاں بھی اکثر بکریاں چراتا رہا، ماموں نے اس کو ہونہار دیکھ کر سپاہیانہ ہنر سکھائے پھر سوار نہیں بھرتی کر دیا، ایک موقع پر اس نے نظام الملک کے ایک فوجی افسر کو بڑی بہادری سے قتل کیا جس نے اس کے نام کو چکرایا۔ ماموں خوش ہو کر اپنی دختر سے اس کی شادی کر دی، جس کا نام گوتامائی تھا رفتہ رفتہ ترقی حاصل کرتے ہوئے پیشوا کی فوج میں ٹنسووار کا افسر ہو گیا، کانگن کی جنگ میں اس کو مزید شہرت حاصل ہوئی، اسکے بعد مالوہ کی فتوحات نے اس کے کارناموں پر چاچاند کا ذکر بھی کیا

کا قابل ترین سپاہ سالار تھا، اوس نے مالوہ کے اکثر ضلع کو فتح کیا، پیشوائے اعلیٰ کارگذاری کے صلہ میں اندور کا علاقہ اوسے جاگیر میں دیا،

گروہر بہادر کے قتل کے بعد یکے بعد دیگرے محمد خاں بنگش نواب محمد خاں بہادر مظفر جنگ راجہ جے سنگھ (دوالی جے پور) مالوہ کی صوبہ داری پر مامور ہوئے لیکن نظمی بدستور باقی رہی

۱۲۶۷ء میں باجی راؤ تاخت کرتا ہوا سروج بھی آیا،  
**باجی راؤ کا حملہ سروج پر** شاہی فوج تعاقب میں تھی، مظفر خاں میر آتش،

(امیر لاکھڑہ مصدام الدولہ کا بھائی) تینری کے ساتھ تعاقب سروج پہنچا، لیکن باجی راؤ حکمت عملی کے ساتھ مقابلہ کئے ہوئے بغیر تکل گیا، مظفر خاں نے کچھ روز سروج قیام کیا اور پھر دہلی واپس چلا گیا، صاحب سیر المتاخرین صفحہ ۴۴۹ مطبوعہ نوکلشور پریس میں لکھتے ہیں،

نواب محمد خاں بہادر مظفر جنگ خطاب تھا، فرخ سیر کے عہد میں فرخ آباد (واقع مالک متحدہ)

اسی نے آباد کیا تو اسکی اولاد مالکانہ حیثیت سے فرخ آباد پر قابض رہی ۱۲ سیر المتاخرین

۱۲۷۰ء جے سنگھ مشہور راجہ گزرا ہے، شہر جیپور (راجپوتانہ) اسی کا آباد کیا ہوا ہے جو اسی کے نام سے منسوب

ہوا، دلیری اور تدبیر میں بے مثل تھا، تخت دہلی کی طرف سے اس نے بڑے بڑے معرکے سر کیے ہیں، صوبہ داری

مالوہ کے زمانہ میں دتوں سروج بھی مقیم رہا، جکی تصدیق فرمان مورخہ ۱۲۳۳ء سے ہوتی ہے جو خواجہ عبدالہادی

خاندان میں سید اصغر علی محلہ چھپٹی کے پاس محفوظ ہے ۱۲۳۸ء میں یہی راجہ جے سنگھ سروج میں مقیم تھا، نواب

دلیر محمد خاں بانی ریاست کوردائی اس سے سروج آکر ۷ لاکھ روپیہ کی امانت چاہی، راجہ کو نے اس شرط

پر ۶ لاکھ روپیہ دینے کا وعدہ کیا کہ راجہ جیم سنگھ والی کوٹہ کا سرکاٹ کر میرے سامنے پیش کرے، نواب

دلیر محمد خاں نے تعمیل کی اور جیم سنگھ کو قتل کر کے اور کا سر حاضر کیا، راجہ جے سنگھ نواب موصوف کی دلیری سے

بہت زیادہ متروک ہوا، اور بادشاہی میں اونکی نگرانی کے لئے عرفیہ لکھا، محمد شاہ بادشاہ نے نظام الملک کو

ہدایات دیں، نظام الملک دکن جاتے ہوئے سروج مقیم ہوئے اور یہاں نواب دلیر محمد خاں کو بلوا کر گفتگو کی،

خیر خواہانہ خیالات کا اندازہ کر کے بعد باہم صفائی ہو گئی، (تاریخ ہندوستان، دلائف نواب دلیر محمد خاں بہادر)

باجی راؤ ضعف سلطنت و خست عقل ارکان حضور دریا فتنہ و آسنا  
اقدار خود، برہر دو صوبہ مہیتا دیدہ قدم بر جرأت پیش گذاشت،  
منظر خاں برادر مصماں الدولہ بہ ہم ادا مور شدہ ہلک مالوہ درآمدہ  
تا سروج رسیدہ طالب ہر دو صوبہ گہ دید باجی راؤ ترک مقابلہ صلح  
دیدہ بہ دکن برگشت،

۱۱۳۸ھ میں راجہ جے سنگھ نے ملکی مصالح کی  
صوبہ مالوہ کی سند باجی راؤ کو

نظامت مالوہ کی سند دلا دی، جسے ملہر راؤ سپاہ سالار پہلے ہی فتح کر چکا تھا، اس طرح  
مالوہ کے تمام اضلاع کے ساتھ چندیری کا ضلع بھی پیشوا کی طرف منتقل ہو گیا، جسکے محکومانہ رقبہ  
میں سروج پرگنہ بھی شامل تھا،

اس شاہی عنایت پر بھی باجی راؤ نے قناعت  
نظام اور باجی راؤ میں جنگ

نہ کی، گجرات پر حملہ کر کے اُسے بھی اپنے  
زیر اثر لایا، نظام الملک سے بھی ٹوک جھونک رہی، نظام الملک نے ایک موقع پر پیشوا کی فوجی  
قوت کے استیصال کے ارادہ سے پونہ پر فوج کشی بھی کی، لیکن تقدیر میں شکست تھی، عقب سے  
مرہٹہ افواج نے نظام الملک کے لشکر کو محصور کر لیا،

ایسے مواقع پر فوج اور افسروں میں انتشار کا ہونا ناگزیر ہے، لیکن نظام الملک جہاندیدہ  
اور جنگ آزمودہ جنرل بھی تھا، انجام پر نظر کر کے فوراً صلح کر لی، جس سے اُس کی فوج صحیح  
وسالم نکل آئی،

باجی راؤ پیشوا اس کامیابی سے اور بھی زیادہ مغرور ہوا  
باجی راؤ کا دو آپہر حملہ

دکن اور گجرات سے فرصت پا کر تبدیل کینڈہ اور صوبہ  
ادوہ کی طرف بھی لپجائی ہوئی نظر ڈالی، پہلے ملہر راؤ کو کافی فوج دیکر ادھر روانہ کیا، بعد میں

خود بھی اعانت کے لئے روانہ ہو گیا، لہر راؤ نے تبدیل کہنڈ کے راجاؤں کو پریشان کرنا شروع کیا چونکہ دوکلیج کا سیر حاصل قطعہ سامنے تھا، اس لئے بہت جلد جنبا کو عبور کر کے اٹا وہ کی سمت بڑھا اور اگر تک کی آبادی کو خاک سیاہ کرتا ہوا چلا گیا،

برہان الملک سعادت خان

صوبہ دار اودھ پہلے ہی

## نواب برہان الملک باجی راؤ کے تعاقب میں

سے افواج مرہٹہ کی عالمگیر شعلہ افشانیوں سے آگ ہو رہا تھا، گو برہان الملک، نظام الملک اور

لہ دوآب اس علاقہ کو کہتے ہیں جو گنگا اور جمنا دریاؤں کے درمیان علاقہ ہے ۱۲۰

۱۲۰ بی محمد امین نام، برہان الملک سعادت خان خطاب ہیں، وطن نیشاپور تھا، نسب کے اعتبار سے حسنی موسوی تھے ان سے بڑے ایک بھائی محمد باقر تھے، ۱۱۵۰ھ میں ان کے والد سید شمس الدین بڑے بیٹے کے ہمراہ بنگال آئے، عظیم آباد پٹنہ میں سکونت اختیار کی، شجاع الدولہ ناظم بنگال نے سرپرستی کی ۱۱۵۲ھ میں محمد امین باپ سے ملنے پٹنہ آئے، وہاں سے بڑے بھائی کے ہمراہ دہلی پہنچے، فرخ سیر شاہ دہلی نے جوہر قابل دیکھ کر، ہندووان اور بیاتہ کی خدمت فوجداری اسکے حوالہ کی اور بہاری منصب بھی عنایت کیا، کارگزاری کے صلہ میں پانصدی کا اور اضافہ ہوا، محمد شاہ کے عہد میں برہان الملک سعادت خان خطاب ملا، اور ناظم صوبہ اگیر آباد ہوئے، شاہ فرخ سیر کے خون ناعق کا اثر انکے دل پر بھی گہرا ہوا، اس وقت بادشاہ کی تباہی کے مشورہ میں جو چار ہستیوں غریب تھیں، ان میں ایک یہ بھی تھے، دوسرے اعظم الدولہ تیسرے میر حیدر خاں کاشغری، چوتھے مریم مگانی والدہ محمد شاہ راز تانچہ سندھوستان مؤلفہ مولوی ذکار اللہ صاحب مرحوم محمد شاہ کے عہد میں صوبہ دار اودھ ہوئے، اودھ کی مستقل حکومت کا بانی یہی برہان الملک ہے، اسکے خاندان میں حسب ذیل گیارہ بادشاہوں نے ابتدا سے ۱۱۵۰ھ تا ۱۱۵۲ھ تقریباً ۱۴۳ سال سلطنت کی، نواب برہان الملک، نواب صفدر جنگ نواب شجاع الدولہ، نواب آصف الدولہ، مرزا وزیر علی، نواب سعادت علی خاں، شاہ غازی الدین حیدر، شاہ نصیر الدین حیدر، محمد علی شاہ، احمد علی شاہ، واجد علی شاہ، نواب برہان الملک نے ۶۹ سال حکومت کی کے

۱۱۵۱ھ میں وفات پائی، ۱۲۰ مؤلفہ، از سیر المتاخرین و عماد السعادت ۱۲

مصمام الدولہ سے جاہ و مناصب میں کم درجہ تھا، لیکن غیور طبع اور بیحد شجاع تھا، ملہ راؤ کی آمد کی خبر سنکر فوراً اپنی جگہ سے اٹھٹھا، اور اس تیزی و چابکدستی کے ساتھ ملہ راؤ کے عقب میں پہونچ کر حملہ کیا، جس طرح،،

یہ کبک دری چوں در آید عفا  
چکو نہ جہد بر زمین آفتاب  
از ان تیز تر خسرو پیلتن  
بہ تندی در آمدیاں اہرن (نظامی)

پھر کیا تھا، مرہٹے افواج حواس باختہ تھی، جوانان برہان الملک کے تلواروں کے احساؤ کے بارے سینکڑوں مرہٹوں کے سر زمین پر ٹھکے ہوئے تھے، اور سینکڑوں تیغ برہانی کا گھاٹ بازہ دیکھ کر دریا میں غرق ہو گئے، جو بچے وہ اسیر ہوئے۔

ملہ راؤ نے بھی داغ کھایا اور مجروح ہو کر پنجب سے نکل گیا۔

نواب برہان الملک زخمی شیر کے نکل جانے سے بے حد مجروح تھا اور چاہتا تھا کہ کسی طرح سرداران مرہٹہ کو گرفتار یا قتل کر کے مرہٹوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو فنا کر دے،

باجی راؤ پیشوا کی نسبت سنا کہ وہ گوالیار کے قریب خیمہ زن ہے، بڑے صید کی تمنا میں یلغار کرتا ہوا گوالیار پہنچا، لیکن دام بچانے سے پہلے وہ نکل چکا تھا، باجی راؤ اس ہزیمت سے سخت مجرب ہوا، دوبارہ اپنی سپاہ کو ترتیب دیکر دہلی کے قریب پہنچا، غارتگری شروع کی، دہلی میں اتنی فوج کہاں تھی جو اس کا مقابلہ کر سکے، برہان الملک کو اطلاع دی گئی، وہ دہلی کی طرف روانہ ہوا، مرہٹوں پر برہان الملک کا خوف اس قدر ملٹھ چکا تھا کہ اس کی آمد کی خبر سننے ہی باجی راؤ دکن کی طرف کوچ کر گیا، باجی راؤ نے تھک کر اب مصالحت کے لئے نامہ و پیام کا سلسلہ دربار شاہی سے شروع کیا،،

۱۱۳۹ھ ذیقعدہ ۲۲ میر التاخرین ۲۲ ذیقعدہ ۱۱۳۹ھ کا ہے۔ نواب برہان الملک کا بھائی نواب منصور علی شاہ صفدر جنگ ساتھ تھا، صاحب اتھار التواریخ نے اس رفاقت کی بنا پر منصور علی شاہ کا حملہ آور ہونا لکھا ہے برہان الملک کا تذکرہ نہیں کیا، حالانکہ دیگر مورخوں نے برہان الملک ہی کا نام درج کیا ہے، ۱۲ مؤلف



نظام الملک کا دربار شاہی میں پہنچنا

ہوا خواہوں نے اس سے انکار کیا، اس گٹھی کے سلجھانے اور دیگر کمات ملکی کے درستی کے لئے پھر نظام الملک کی منت و سماجت کی گئی، کئی شقے دربار شاہی سے طلبی میں گئے۔ امرائے عالمگیری کا ستراج پاس نمک خواری کو ملحوظ رکھتے ہوئے دکن سے چلکر <sup>۱۵۸۵ء</sup> <sup>۱۵۸۶ء</sup> میں شاہجہاں آباد پہنچا غازی الدین خاں فیروز جنگ اپنے بیٹے کو اپنی طرف سے نائب دکن مقرر کر چکا تھا۔

نظام کا باجی راؤ کے مقابلہ کیلئے نکلنا

اسکے علاوہ سلطنت کے کل پیرزے سب ڈھیلے ہو چکے تھے، فوجی جمعیت کا انتظام مشکل تھا، تاہم شاہی وقار دوبارہ حاصل ہونے کا بھی اسکو بے حد خیال تھا اور مرہٹوں سے سوائے نقصان کے انتفاع کی کوئی امید نہ تھی، مجبور ہو کر کل ۳۵ ہزار سپاہ کے ساتھ روانہ ہو کر بہوپال پہنچا، صفدر خاں برہان الملک کا جھانجھ بھی کچھ فوج ہمراہ لے کر آیا اور نظام الملک کے ساتھ شامل ہو گیا۔

دوسری طرف باجی راؤ پیشوا بھی المضاعف فوج لئے ہوئے دریائے تریدا سے پار اتر گیا عرصہ تک فریقین بالمقابل خمیہ زن رہے ، نظام الملک اپنی فوج کی قلت اور ان کی سردوہری وسیدی کا احساس کرتے ہوئے عمداً لڑائی کو ٹالتا رہا ،

مصاحت کی گفتگو اور نادر شاہ کی آمد

کل علاقہ مالوہ اور ۵۰ لاکھ نقد مصارف افواج، باجی راؤ کو دنیا تجویز ہوا، عہد نامہ لیکر خود نظام الملک دہلی آیا  
ابھی معاہدہ زیر غور تھا کہ ۱۱۳۹ھ میں ایران سے تادر شاہی طوفان اٹھا، جسکے سید بے دہلی  
کا آنا دہلی اور ساہیو مانڈہ شاہی شان و شکوہ کو سراؤ کر دیا، لہ

گریاں نے اک جہاں میں تلاطم کیا  
نادر شاہ کی بے پناہ تلوار نے سخت گاہ دہلی میں جس روانی و پیدروی کے ساتھ  
شہری اور فوجی آبادی خون بہایا ہے، اُس سے صفحات تاریخ رنگے ہوئے ہیں یہاں  
ان کی تفصیل کا موقع نہیں،

البتہ محمد شاہ کا یہ شر جو جذبات ماتم میں ڈوبا ہوا ہے، سننے کے قابل ہے،  
دیدہ عبرت کشا قدرتِ حق را بین ثامت اعمال ماصورت نادر گرفت

نادر جی راوے جنگ اور باجی راوے جنگ  
نادر جی راوے جنگ اور باجی راوے جنگ

کی، تو باجی راوے بھی عہد نامہ نظام کو یاد دلایا، اور ساتھ ہی میدانِ جنگ خالی پا کر  
دکن پر حملہ کر دیا، ناصر جنگ نظام کا بیٹا اور وقت فوج لئے ہوئے برہانپور میں مقیم تھا  
پیشوا نے برہانپور کا محاصرہ کر لیا، لیکن نوجوان ناصر جنگ نے باہر نکل کر اس زور شور سے  
مقابلہ کیا کہ پیشوا کو اپنی جان کی سلامتی کے خیال سے مغرور ہونے کے سوا کوئی چارہ نہ  
رہا، سخت ترین اور ذلت آمیز شکست پائی، باپ کی ہر میت یابی کا بیٹے نے پورا پورا  
معاوضہ لے لیا، سچ ہے، اگر بدلہ نہ تو اند سپر تمام کند۔

باجی راوے کو اس آخری شکست کا اس قدر صدمہ ہوا کہ چند مدت کے بعد ۱۱۵۳ھ  
میں دینا سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گیا،

بالاجی راوے کی سپہ لاری اور سند مالوہ  
باجی راوے کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا  
بالاجی راوے دوم راجہ ساہو جی کی

طرف سے پیشوا تسلیم کیا گیا، راگھو جی بھوسلے نے اس کے عہد میں بنگال پر حملہ کیا،  
محمد شاہ کے اشارہ سے بالاجی راوے دوم، علی وردی خاں دانی بنگال کا معین ہو کر  
بھوسلے سے مقابل ہوا، اور اس کو شکست دی، اس صلہ میں بالاجی راوے دوم کو ۱۱۵۶ھ

میں محمد شاہ نے صوبہ مالوہ کی سر حکومت تجدید اعنایت کی یہی وہ سال ہے کہ جس میں صوبہ مالوہ  
تحت دہلی سے جدا ہو کر مرہٹوں کی طرف منتقل ہو گیا ،

ناصر الدین محمد شاہ کا ۳۱ سالہ عہد حکومت ۱۸۵۷ء میں ختم ہو گیا اور کا عہد پر آشوب عہد  
تھا ، پھر بھی بزم عشرت اور ساغر و مینا کے پر لطف دور میں عمر بھر سرشار رہا ، اس کا عمل اس مضمون پر  
آمد بہار و شد چمن و لالہ زار خوش و قیست خوش بہار کہ وقت بہار خوش  
چیزے دگر گوئے ہمیں گو کہ در چمن سبزہ خوش است و آب خوش است بہار خوش  
در باغ با ترانہ بلبلیں دریں ہوا مستی خوش است و بادہ خوش است بہار خوش  
مانیم و مطربے و شرابیے و محرے جائے بزم سایہ شاخ چنار خوش

احمد شاہ بن محمد شاہ نے جب تحت دہلی حاصل کیا ہے تو بنگال ، بہار ، اڑیسہ ، مالوہ  
دکن ، گجرات وغیرہ صوبے کل چکے تھے ، شمالی و جنوبی سندھ میں مرہٹوں کا پورا پورا تسلط تھا ،  
عالمگیر ثانی کا زمانہ آیا تو نجیب الدولہ روہیلہ  
احمد شاہ درانی کی اعانت اور سرپرستی میں

## عالمگیر ثانی کا عہد اور اس کا قتل

وزارت حاصل کی ، غازی الدین خاں خلعت آصف جاہ نے جوڑ توڑ لگا کر قلعہ ان وزارت  
اپنے ہاتھ میں لیا ، اور نجیب الدولہ کو علیحدہ کر کے ۱۸۵۷ء میں عالمگیر ثانی غریب کو بھی قتل کر دیا ،  
اب زمانہ نے ایک دوسرا ٹھٹھا بدلایا ، احمد شاہ درانی نے نجیب الدولہ کی معزولی اور عالمگیر ثانی  
کے قتل کی اطلاع سے برا فروختہ ہو کر قندھار سے ہندوستان کی طرف نہفت کی ،

غازی الدین خاں نے سیندھیا اور ملکر کو اپنی طرف لاکر ابدالی افواج  
احمد شاہ درانی کا حملہ کا راستہ روکنے کی غرض سے پنجاب روانہ کیا ، مقابلہ میں

سہ محمد شاہ بن جہان شاہین شاہ عالم بیا در شاہ بن عالمگیر ، ۱۱ ربیع اول ۱۲۷۷ھ میں پیدا ہوا ، جہاندار شاہ نے  
بنو عہد میں اسے نظر بند کیا ، ۱۳۷۷ھ تک ۱۷ سال تحت نیشن ہوا ، چونکہ روشن اختر نام تھا اس مناسبت سے کشتی عرنے  
ذیل کی تاریخ جلوس لکھی ہے ، روشن اختر ۱۷ کنوں ماہ شد + یوسف از تیراں برآمد شاہ شد ۱۲۷۷ھ (منہاج التواریخ)

مرہٹوں نے شرمناک شکست کھائی، غیرت اور ندامت کے ساتھ انتقامانہ جوش مرہٹوں نے  
از سر نو پیدا ہوا، پانچ لاکھ کاٹھڑیوں کے لشکر بہاؤ سپاہ سالار کی زیرِ کمان دریائے زخار  
کی طرح جوش مارتا اور اُبلتا ہوا پانی پت کے وسیع میدان میں آکر ٹھہرا، ایسا ہی سپاہ نے  
بھی ہم، ہزار پیادہ و سوار اور ۱۰۰ توپوں کے ساتھ بڑھکر مرہٹوں کے بالمقابل پراجایا،  
ایسا عظیم الشان اجتماع گزشتہ جنگوں میں کبھی نہیں ہوا تھا، گو پانچ لاکھ اور پون لاکھ کا مقابلہ  
تھا، لیکن شکست و فتح، قلت و کثرت پر موقوف نہیں ہے،

زمانہ چوماء جز نوازی کند بہ تند آژدہا سور بازی کند، (نظامی)  
دو ماہ تک مرہٹوں کو جدال و قتال کی ہمت نہ ہوئی، تیسرے مہینے افواج تیار  
میں حرکت ہوئی، شاع آفتاب کے نکلنے ہی میدان جنگ لالہ زار تھا،

### اشعار

چو گیتی در روشنی باز کرد	جہاں بازی دیگر آغاز کرد
دو ابرازد و سودر خروش آمدند	دو دریاے آتش بجوش آمدند
بر آمد ز قلب دو لشکر خروش	رسید آسماں را قیامت گوش
چو لشکر بہ لشکر در آمیختند	قیامت ز گیتی برا میگفتند
ز پولاد پیکان سپیکہ شکن	تن کوہ لہ زید بر غولشتین
ز نوک سان چرخ دولاب شکن	ز پر کار گردش فرو ماند لنگ
ز بس زخم پولاد خار استینہ	زمین راشدہ استخوان زینہ
سان در شاں رستم چون کتاب	سپر سپہر سپہ چوں لالہ زار
سواراں ہمہ تیر پر داخہ	گہ تیر گہ ترکش انداخہ
دران دجلہ چوں بلند آفتاب	چو نیلو فرافگندہ زور قی براب

لہذا یہ (طائی)، جنوری ۱۸۱۸ء میں واقع ہوئی تھی، اندیسہ الماترین، لیکن بعض تاریخوں میں ۱۸۱۹ء لکھا ہے۔

زمین گشتی از یکدگر بردید  
سر فیل صور قیامت دید (نظامی)  
گریزند گاں را در اسرین  
نہ روئے رہائی نہ راہ گریز

مرثیوں کا حملہ سخت ہوا، پہلے ہی حملہ میں آٹھ ہزار افغان کام آئے تین گھنٹہ میں  
دُرانی افواج پر مغلوبیت کے آثار نمایاں رہے، شیردل احمد شاہ دُرانی موقع کا منتظر تھا  
جب اُس نے اپنے مہینہ کو کمزور دیکھا تو نسلی شجاعت کے تقاضے سے شیر صفت غصہ میں  
بپہر کر فوراً اپنے ۱۲ ہزار منتخب سواروں کو لے ہوئے اور یہ رُجز پڑھا ہوا مخالف  
فوج کے قلب میں در آیا،

پلنگاں درم بر سر کوہ سار  
نہنگاں غم بر لب جوہ سار  
ہمہ خون خام است نوشید نم  
ہمہ جرم خام است پوشید نم  
چو در معرکہ بر کشم تیغ تیز  
یکو بہ کنم کوہ را سنگریز  
گرم شیر پیش آید و لکڑ گریز  
بر وسیل با دم جو باز نہ ابر  
فرش بکشد جوش من نیل  
ریخ من پیادہ کندیل را (نظامی)

سخت و زلزلہ خیز جنگ ہوئی، دُرانی تلواروں اور نیزوں نے  
خون کے دریا بہا دیئے، ابدالی سردار کی تلوار علم تھی وہ  
مرثیوں کی ہزیمت  
مع اپنے گھوڑے اور ساتھیوں کے خونی دریا میں تیر رہا تھا، تنہا شمشیر ابدالی نے سیکڑوں  
جوانوں کا خون پیا، لیکن حرارت کی شدت سے پیاس نہ بجھتی تھی، مرثیہ افواج میں عجیب  
ہل چل تھی، اُن کو نہ اپنوں کی شناخت رہی نہ غیروں کی، جو سیل فنا سے بچے، انہوں نے  
راہ فرار اختیار کی، سرداران فوج میں سے جنکوچی سید ہیا، بسواس راؤ، اور بہا و سپاہ

لہ بسواس راؤ بالاچی راؤ دوم کا بڑا بیٹا تھا، ۱۲ تاریخ مالوہ

لہ چنا آیا سپر بالاچی راؤ پیشوا عرف ناہا پیشوا کا بیٹی بیٹا تھا، بیٹوں کے راج دغ میں بالاچی نے ۱۹ فروری ۱۸۵۷ء

لہ میں انتقال کیا، اسکے بعد چھوٹا بیٹا مادھو راؤ پیشوا ہوا، ۱۲ تاریخ مالوہ

بقول تاریخی روایت قتل ہوئے، مادھوجی سیندھیا لنگڑا ہوا، غرض بُری طرح مرٹھوں نے نہر میت پائی، احمد شاہ ابدلی مظفر دمنصور ہوا، سرورالان مرٹھ میں ملہراؤ پنچتہ کار اور کھلاڑی جبرل تھا، وہ اپنی فوج کو صاف بچائے گیا، اندازہ کیا گیا ہے کہ دولاکھ مرٹھے اس جنگ میں کام آئے مرٹھوں کا ملک عرضہ تک ماتمکہ رہا، تاہم مرٹھے قوم ایک مضبوط اور جنگ جو قوم تھی جس نے شیرازہ جمیعت بکھرنے اور شکست کی ذلت کے باوجود جنگی، مشغہ برابر جاری رکھا۔

**شاہ عالم ثانی اور لارڈ لیک صاحب** | عالی گہر شاہ عالم ثانی کے عہد میں مرٹھوں کو پھر عروج ہوا، گو یہ بادشاہ بھی حکمرانی کے

لحاظ سے ساقط الاختیار بادشاہ تھا، تاہم مغلیہ خاندان کے شبستان حکومت اور بزم قبل کا ایک ٹٹمٹاتا ہوا چراغ تھا، اسکے اقتدار شاہی میں صرف الہ آباد کا ضلع باقی رہا، ابتدا میں نواب شجاع الدولہ والی اودھ اور انگریزوں کی کفالت اسکی مددگار رہی، شاہ عالم میں مرٹھوں کی انداز سے دوبارہ دہلی آیا، اس حسن خدمت کے صلہ میں، بالاجی راؤ دوا پیشوا کو امیر الامرا، اور جہاچی سیندھیا کو (جو دہلی میں شاہ عالم کا محافظ رہا) نائب امیر الامرا کے اعزازی خطابات عطا کیے، سپاہ سالاری کا منصب بھی پیشوا کو ملا، سیندھیا کی طرف سے ۶۵ ہزار ماہانہ کا وظیفہ شاہ عالم کے لئے مقرر ہو گیا، راجپوت، افغان، روہیلے، مرٹھے پھر بھی باہم جنگ زرگری میں مصروف رہے، نتیجہ میں لارڈ لیک صاحب ہمار نے دہلی کو مرٹھوں وغیرہ سے صاف کر کے شاہ عالم کے لئے ایک لاکھ روپیہ ماہوار کی پنشن.... مقرر کر دی، شاہ عالم نے برائے نام ۸ سال شاہی تخت پر جلوس کر کے ۸۰ سال کی عمر میں ۱۸۰۶ء میں انتقال کیا،

شاہ عالم کے اخیر زمانہ کا ایک یہ واقعہ نہایت رقت خیز اور الم انگیز ہے کہ ۱۸۰۶ء میں

**غلام قادر خاں کی سفاکی** | امیر الامرا غلام قادر خاں ابن ضابط خاں



داد افغان بچہ صد شوکت شاہی برباد  
تازہ نینان پری چہرہ کہ ہم دم بودند  
عہد و پیمان بیاں دادہ نمودند و عا  
قوم افغان مغلیہ ہمہ بازی دادند  
شاہ تیمور کہ وارد سرسبت با من  
آصف الدولہ وانگریز کہ دستور من اند  
حیف صد حیف کہ تاراج خزاں شد با غم  
آفتاب از فلک امروز تباہی دیدم  
کیست جز ذاتِ خدا کی کند یاری  
کیست جز محلِ مبارک بہ پرستاری  
مخلصاں خوب نمودند وفاداری  
سبک گشتند مجوز بہ گرفتاری  
زود یاشد کہ بیاید بہ مدد گاری  
چہ عجب گر بنمایند مدد گاری  
کہ و تقدیر ازل روزی ما خواری  
باز فردا دید ایزد سرسرواری

شاہ عالم کے بعد اکبر ثانی کا زمانہ آیا ۳۲ سال تک یہ  
بھی شاہ ہند مشہور رہا، اسکے بعد سراج الدین بہادر شاہ

## اکبر ثانی اور بہادر شاہ

کا نمبر آیا، اس آخری تاجدار نے ۲۰ سال تک مغلیہ کے اعزازی نام کو زندہ رکھا ۱۶۵۸ء  
کا زمانہ تھا کہ ہندوستان میں غدر کا طوفان اُٹھا، بہادر شاہ کو حکماً دہلی سے رنگون جانا پڑا  
جہاں اُس نے اپنی بقیہ زندگی قیدی کی حیثیت سے گزار کر ۱۶۷۸ء میں دنیا سے ہمیشہ کیلئے  
آزاد ہو گیا، بہادر شاہ خاتم السلاطین مغلیہ ہے جس پر شاہانِ تیموریہ کی ۳۱۲ سالہ سلطنت  
کا خاتمہ ہوا،

دنیا نے قانی کا انقلاب اور اسکی معشوقانہ بیوفائیاں عبرت میں نگاہوں سے دیکھے جانیکے  
قابل ہیں، کل کا دن تھا کہ جاں نثارانہ جوشِ اخلاص کے ساتھ شہنشاہ اکبر، شاہجہاں،  
صاحبزادہ ثانی، اور رنگ زیب عالمگیر کے اوالہ عزمانہ اور فاتحانہ ارادوں کے ساتھ ساتھ  
رہی، آج وہی پیکریے وفا، بہادر شاہ کو تاج و تخت سے محروم کر کے رنگون پہنچانے  
میں معین و مددگار رہے، ”قاعبر وایا اولی البصار“

شاہ عالم نے ۱۶۵۸ء میں وفات پائی، آہ دریغا، تاریخ ارتحال ہے۔  
۱۶۵۸ء



لبنٹوز جام بادہ کی نال نو عروس  
 بسیار گشت شوہر چوں کی قباد و جم (حافظ)  
 شاہانِ مغلیہ کے عروج و زوال کی تصاویر دکھانے کے بعد مالوہ کا مستقل تذکرہ درج کیا جاتا ہے،  
 مرٹھوں کا راج مالوہ اور سروج پر  
 تم نے اوپر پڑھا ہوگا کہ ۱۵۵۶ء میں  
 ملک مالوہ بالاجی راو دوم پیشوا نے

محمد شاہ سے بذریعہ سند حاصل کر لیا تھا، لیکن اس تحریری سند سے قبل ۱۵۵۶ء میں  
 بالاجی راو کا قبضہ مالوہ پر ہو چکا تھا، جس نے ہر راو ہلکے کو اندور کا علاقہ مع دیگر ۱۲ محالوں  
 کے جاگیر میں دیدیا،

صوبہ مالوہ کی آمدنی کا اندازہ اس وقت پہلے کر وڈ روپیہ سالانہ تھا، چونکہ فتوحات  
 میں پیشوا کے ساتھ کئی اور ماتحت جنرل بھی شریک تھے، اس بنا پر وہ سب علی  
 قدر مراتب حصہ دار تھے، پیشوائے ان کے حقوق کو نظر انداز نہیں کیا، بلکہ فیاضی  
 کے ساتھ تمام علاقہ مالوہ مستحق سرداروں پر تقسیم کر دیا، ملہ راو کو ۵ لاکھ روپیہ سالانہ  
 آمدنی کا علاقہ ملا، باقی ۵ لاکھ میں مادہ راو سیندھیا اور راگھوجی بھونسلہ برابر کے شریک

ملہ اس خاندان کا مورث اعلیٰ ملک سندھ کا باشندہ تھا، اسلئے اس کا خاندان سیندھیا مشہور ہو ۱۷۱۱ء تا ۱۷۱۶ء  
 لے بھونسلہ اور گھونسلہ دونوں طرح فارسی کتابوں میں درج ہے، بھونسلہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس خاندان کا مورث اعلیٰ  
 بالک سنگھ خاندان رانیان او دیپور سے تھا، او دیپور سے نکل کر راجہ اولی موہن (جسکی حکومت اس وقت نزدیک متصل تھی)  
 کے یہاں ملازم ہوا، راجہ نے ایک نابالغ بچہ چھوڑ کر وفات کی اس وقت بالک سنگھ نے خانیوں اور سرکشوں کی استعداد رکھتی  
 کی کہ لوگوں کے دونوں کانٹے کی طرح کھٹکنے لگا اور اس کے نام کے ساتھ بھونسلہ اضافہ کر دیا، یہ لفظ مرکب ہے بھون اور سلے  
 بھون کے معنی مٹی میں زمین کے اور سلے کے معنی خار کے ہیں، یعنی زمین کا کٹنا، اور گھونسلہ کی وجہ تسمیہ محمد ہاشم خانی خاں نے یہ  
 لکھی ہے کہ بالک سنگھ کا باپ ایک نجار کی زندگی پر عاشق تھا، اس سے بالک سنگھ پیدا ہوا، بدنامی کے خیال سے اسکی پرورش  
 ہما تھانہ میں ہوئی جب بالک سنگھ نے جوان ہو کر دکن میں مرٹھہ خاندان کے اندشادی کی اور مرٹھوں کو اسکی اہلی حالت کا ہی ہوتی تو اسکی  
 نام کے ساتھ گھونسلہ اضافہ کر دیا اسلئے کہ اُسے مثل پرندوں کے گھونسلہ کے اندر یعنی مخفی پرورش پائی تھی ۱۷۱۶ء تا ۱۷۱۸ء دکن عرف امجدی

ہوئے آج وہی صوبہ مالوہ جس پر سینکڑوں برس شاہی پرچم لہتا رہا، ٹکڑے ٹکڑے  
ہو کر مختلف ریاستوں کے زیر حکومت نظر آتا ہے ۱۱

ملکی تقسیم کی رو سے سروجن، اندور کے زیر عمل رہا،  
ملہر راؤ ملہر کا دور حکومت

میں نہریت یا پ ہو کر لوٹا، تو اس نے اپنے جاگیر کے انتظام کی طرف توجہ کی سات آٹھ  
سال کے بعد پٹنہ میں بندہ ملکیت علاقہ میں وفات پائی، موضع عالمپور ضلع جالون مدفن  
ہے، جسے ملہر راج بھی کہتے ہیں،

ملہر راؤ کا ایک بیٹا کنڈی راؤ تھا، جو پھر تیور کی لڑائی میں باپ کے ملنے کام چکا تھا،  
اسکی بیوی اہلیہ بانی سیندھیا خاندان سے تھی، جسکے بطن سے ملکی راؤ یا ملہر راؤ نامی ایک  
لڑکا یا لڑکا رہا تھا، دربار پونہ سے وہی لڑکا اپنے دادا کا جانشین تسلیم کیا گیا، اسکی صحت  
خراب تھی، ۹ مہینے بعد راہی ملک عدم ہوا،

اہلیہ بانی عاتقہ و نذرانہ عورت تھی، دل و دماغ ملکی  
نظم و نسق کے لئے موزوں تھا، بیٹے کی وفات پر اسنے

عنان ریاست کو اپنے ہاتھوں سے سنبھالا، پیشوائے نذرانہ کی تحریک کے ساتھ مداخلت  
کرنی چاہی۔ اہلیہ بانی نے اس بدعت سے صاف انکار کر دیا، پیشوائے نذرانہ امت آمیز  
غصہ میں فوجی دباؤ کی دہائی دی، لیکن سیندھیا اور بھوسلے نے پیشوا کو سمجھا کر مکمل ارادہ  
سے باز رکھا،

لے بعض کتابیں ملہر راؤ لکھا ہے، مگر ہر لب و لہجہ کا فرق ہے، مگر تو م نہیں ہے، بلکہ اُس موضع کا  
نام ہے جہاں ملہر راؤ پیدا ہوا، اسلئے وہاں کے باشندوں کو ملہر کہنے لگے، ۱۲ تاریخ مالوہ

ملہ موضع عالمپور ضلع جالون میں ملہر راؤ کی پھتری بنی ہوئی ہے، اس بنا پر اُس مقام کو ملہر گنج بھی کہتے ہیں، تاریخ  
وفات میں اختلاف ہے، مورخ مالوہ ۱۷۷۷ء مالک صاحب بہادر ۱۷۷۷ء اور مورخ اندور ۱۷۷۷ء اعلان کرتے ہیں، ۱۳

آبنوالی بلائے مطمئن ہو کر اہلیہ بانی نے نکوچی نامی سردار کو (جو ملکہ کے خاندان سے تھا) فوج کا سپہ سالار اور اپنا مشیر بنایا، نکوچی پیشوا کے ساتھ آندور سے باہر فوجی کمان کرتا رہا، اور اہلیہ بانی ریاست کے اندرونی و بیرونی انتظام میں مصروف رہی، گو دونوں کی ۳۳ سال تک مشترکہ حکومت رہی، تاہم کبھی مخالفت کی بدنام تصویر بباط حکومت پر نظر نہیں آئی، اہلیہ بانی کے عہد میں سروج نکوچی کی جاگیر میں رہا جسکی تصدیق بھیلیہ دروازہ کے اس کتبہ سے ہوتی ہے جو سنگی لوح پر نقش ہے اور جسکا سنہ نقش ۱۱۸۷ھ بمقامی ہے، اہلیہ بانی انصاف و رحم کی مجسم تصویر تھیں، باعصمت بھی استغذرتھی کہ ۲۰ سال کی عمر میں بیوہ ہونے کے باوجود تمام قابل اعتراض لغزشوں سے اسکا دامن عفت آلودہ نہیں ہوا، عدل گستری کا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ صیہ کھیم داس سروج کے مشہور جہا جن کی بیوی اعالم سروج فریادی اوسکے پاس پہنچی اور کہا کہ میرے خاوند کے مرنے کے بعد حال نے تمام میری جائیداد ضبط کر لی ہے، ۳۰ لاکھ روپیہ کے معاوضہ پر جائیداد واکندہ کرنے کا اقرار کرتا ہے، کسی خاندانی لڑکے کی تنیت کی بھی اجازت نہیں دیتا، اہلیہ بانی نے سکراد سیوقت حکمانہ کے ذریعہ سے عالم سروج کو تبدیل کر دیا، اور جو بچہ تنیت کے لئے انتخاب ہوا تھا اوسکو اپنے زانو پر بٹھا کر تنیت کی اجازت دیدی، ساتھ ہی خلعت اور پالکی عطا کر کے اوسے سروج رخصت کر دیا،

۱۱۹۰ھ میں اہلیہ بانی نے رانا اُرسی والی میواڑ کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر پرگنہ نیما ہیڑہ پر قبضہ کر لیا تھا، جس پر سنہ ۱۱۹۱ھ میں باہمی معاہدہ کی رو سے نواب امیر الدولہ بہادر والی ٹونک نے اپنا عاملانہ تسلط جمایا،

اہلیہ بانی نے ۱۱۹۳ سال نیک نامی کے ساتھ حکومت کر کے ۱۱۹۵ھ میں انتقال کیا،

سلہ از تاریخ اندور، اصل میں صیہ کرن داس نام تھا، اوس نام سے چند مکانات سروج محل گذری بازار میں آج بھی موجود ہیں، لیکن خاندان میں سے کوئی فرد نہیں ہے، ۱۲۰ مولف

اوسکے لپٹن سے ایک لڑکی کتیا بانی تھی، جو بیوہ ہو کر چھتری رسم کے مطابق ماں کی زندگی میں سستی ہو چکی تھی،

اب تنہا کوجی، مالک ریاست ہوادہ بھی  
**تکو جی اور کاشی راؤ کا عہد حکومت** تین سال بعد ۱۷۹۷ء میں فوت ہو گیا،

تکو جی کے چار بیٹے تھے، مادو لڑکے کاشی راؤ، اور ملکہ راؤ خاندانی بیوی سے اور دو جوت  
 راؤ، اور ایشو جی مدخولہ عورت سے، باپ کی وصیت کے مطابق بڑا بیٹا کاشی راؤ ریاست  
 کی گدی کا مالک ہوا، حکومت کی ہوس نے دونوں حقیقی بھائیوں کو لڑایا، بالآخر دونوں  
 دربار پونہ میں پہنچ کر انصاف طلب ہوئے، دولت راؤ سیندھیا کاشی راؤ کا معاون تھا،  
 قوم کا اتفاق دیکھو کہ پیشوا راجپوت نہ کا وزیر اعظم سیاہ و سفید کا مالک اور افواج کا  
 جنرل ہے، بلکہ سیندھیا، بھولندا، بجائے خود مستقل راجاؤں کی حیثیت سے زبردست  
 قوت کے مالک ہیں، پھر بھی اپنے برائے نام راجہ کی اطاعت و فرمانبرداری سے اس وقت  
 تک بال برابر بھی سچے نہیں ہٹے، قومی اتفاق کا یہی ایک سبب ہے کہ جہاں جس نے مرہٹوں  
 متعدد ہنرمیوں کے باوجود ہندوستان میں عزت کی حیثیت سے زندہ رکھا، یہاں تک کہ  
 شاہ عالم ثانی کو اودن کی حفاظت میں آکر اولکا وظیفہ خوار بننا پڑا،

اسکے مقابلہ میں امرار دہلی اور خود مغلیہ خاندان کے عائدین کی نفاق انگیزی کی  
 آتش فشاںیاں دیکھو، جس نے اسلامی سلطنت ہند کا حصن حصین چند سال میں جلا کر  
 خاک سیاہ کر دیا، ع - خدا شرے بر انگیز و کہ خیرے مادراں باشند،

گودر بار پونہ نے دونوں بھائیوں نہیں نظاہر مصالحت کرا دی تھی، لیکن بعد میں چھوٹے  
 بھائی ملہ راؤ کے ساتھ شرمناک و نامرادانہ دعا کی گئی، وہ ابھی سواد پونہ میں مقیم تھا کہ  
 ایک رات کو سیندھیا نے اوسکے خیمہ کو محصور کر لیا، وہ گھبرا کر آنکھ ملتا ہوا ادھٹا اور اٹھ کر گھوڑے

۱۷۹۷ء بعض تاریخوں میں اسکا نام ایشل جی درج ہے - ۱۷۹۷ء مولف

پرسوار ہوا، ابھی وہ خود اور اسکے رفقا پارے طور پر سنبھلے بھی نہ پائے تھے کہ پیشانی پر گولی کھا کر وہیں ٹھنڈا ہو گیا، مگر راؤ کی بیوی حالت تھی وہ سیدھیہا کی حراست میں آئی، مقتول کے علاقے بھائی جسونت راؤ اور ایٹو جی بھی ہمراہ تھے، وہ بچکر نکل گئے،

جسونت راؤ بادیہ پیمانی کرتا ہوا، راگھو جی بھوسلا

### جسونت راؤ کی نظر بندی

کی امید تھی، مگر بھوسلا نے سیدھیہا کو خوش کرنے کی غرض سے اس غریب آوارہ دشت کو نظر بند کر کے جیلخانہ بھیج دیا، جہاں یہ غریب چھ مہینے تک مقید رہا،

کاشی راؤ ہلکرا ندو علاقہ کا تنہا مالک ہوا، تدبیر سیاست کی اوسکو ہوا بھی نہیں لگی تھی، دولت راؤ سیدھیہا ایک آزمودہ کار و چاندیدہ راجہ تھا، چونکہ کاشی راؤ کی کامیابی اسکی مداخلت اور اعانت کا نتیجہ تھی، اسلئے وہ اندو علاقہ کے ملکی انتظام میں بہت زیادہ دخل پا کر اسی زمانہ میں دولت راؤ نے کھچواڑہ علاقہ کی طرف فاتحانہ قدم اٹھایا، راجہ جے سنگھ اور اسکا چچا درجن سال اپنی دارالریاست راگھو گڈھ سے نکلنے پر مجبور ہوئے، جب کہیں ٹھکانہ نہ رہا، دشت نور دی وغارتگری شروع کر دی،

۱۷۱۲ء میں راجہ جے سنگھ نے سروجن پر کھچوڑکا عارضی قبضہ

عالم مقرر کیا، کچھ مدت کے بعد باہمی مصالحت ہو کر راگھو گڈھ کا نصف علاقہ جے سنگھ کو واپس ملا، اور نصف علاقہ سیدھیہا کی طرف منتقل ہوا،

سروجن پر سیدھیہا کا عمل

۱۷۱۲ء میں راجہ جے سنگھ نے سروجن پر لپچائی ہوئی

۱۷۱۲ء افتخار التوریک ۱۷۱۲ء امیر زمانہ ۱۷۱۲ء

نظر ڈالی، یہ وہ زمانہ ہے کہ نواب امیر الدولہ بہادر کا ملک مالوہ جولانگاہ ہے، بالاراؤٹے  
نواب امیر الدولہ بہادر ہی کے ذریعہ سے سرورج پر اپنا عاملانہ قبضہ کیا  
اب آگے چلکر نواب امیر الدولہ بہادر اور ہاراجہ جہونت راؤ ہلکر کا باہمی اتصال و اشتراک  
اور انکی فاتحانہ کامیابیوں کا تذکرہ آتا ہے، اسلئے اسقدر تفصیل کے بعد نواب امیر الدولہ  
بہادر کی تاریخ پیدائش، خاندانی مختصر حالات، اور مالوہ تک کے سفر کے واقعات قارئین  
کرام کی واقفیت کیلئے ذیل میں درج کیے جاتے ہیں -

## اقبالنامہ امیری

ز فضلش سپاہی سپہدار شد امیر و سر فوج بہا لاشد از نشی بسا و ن لال  
مؤلف: امیر نامہ

نام و نسب نواب امیر الدولہ بہادر والی ٹونک محمد امیر خاں نام  
امیر الدولہ امیر الملک

بہادر شمشیر جنگ خطابات، باپ کا نام محمد حیات خاں، دادا کا نام طالع خاں  
بارہویں صدی ہجری کا آغاز اور محمد شاہی عہد سلطنت تھا، کہ طالع خاں اپنے قدیم وطن

سہ امیر نامہ ۱۲

سہ آپ کا نسب نامہ حسب روایت مؤلف امیر نامہ یہ ہے، نواب محمد امیر خاں ابن محمد حیات خاں ابن طالع خاں ابن کالین خاں  
بن مولا خاں بن سید علی خاں بن فتح خاں، بن دادا خاں بن یوسف خاں بن کثرہ خاں بن طے خاں بن سالار بن الیاس بن یوسف  
ابن یوسف کلاں بن شجاع بن خریبوں بن ابراہیم شہر پٹنہ بن قیس عبدالرشید اسرائیلی۔ کل شہزاد سلطان سے قیس عبدالرشید تک  
آپ کا سلسلہ پہنچتا ہے مورخین نسب مہ افغانی قیس کا آنحضرت صلع کے دست مبارک پر اسلام لانا اور سلسلہ میں اذکار انتقال ہونا  
بیان کرتے ہیں، نواب امیر الدولہ بہادر نے ۱۲۰۹ھ میں وفات پائی اس حساب سے بمقابلہ ۱۲۸۵ھ کے آپ کی وفات تک ۱۲۰۹  
سال ہوئے ہیں، ۱۲۰۹ سال کے اندر بحساب اوسط . . . . . فیصدی ۳ پشت کے حساب ۳۴۶ سالوں کا ہونا ضروری ہے  
معلوم ہوتا ہے کہ درمیانی چند واسطے درج ہونے سے روگئے ہیں خود مؤلف کا سلسلہ نسب حضرت علی تک ۳۹ واسطوں سے پہنچتا ہے ۱۲۰

موضع چوہدر علاقہ بنیر ملک افغانستان سے نقل سکونت کر کے ہندوستان کے قصبہ بھل (ملک متحدہ) محلہ سرلے ترین میں قیام کیا، نسبتاً یوسف زئی بنیر وال افغان تھے ہندوستان میں توطن اختیار کر نیکے بعد عرصہ تک علی محمد خاں سردار روہیلہ کے یہاں ملازم رہے، جنگی خدمات کے سلسلہ میں ایک مرتبہ علی محمد خاں کے ہمراہ شاہی افواج سے جنگ کرتے ہوئے ننگدہ (متصل آنولہ) میں آٹھ روز تک محصور رہے تاہم سپہگری کے ڈچہر دکھلا کر محمد شاہ شاہ دہلی نے ہنر شناسی و قدر دانی کے خیال سے انکو اپنی ملازمت میں لینا چاہا، لیکن طالع خاں نے ترک رفاقت حمیت و غیرت کے خلاف سمجھ کر صاف انکار کر دیا، محمد حیات خاں کم سن تھے کہ طالع خاں نے انتقال کیا، محمد حیات خاں جوان ہو کر بدلیعہ اجارہ اور املاک آبائی گذر گئے رہے کسی کی ملازمت اختیار نہیں کی،

نواب امیر الدولہ بہادر کا گوکب اقبال دسویں طالع عالم شاہی ۱۱۸۲ھ  
۱۱۶۴ھ میں مطلع حیات سے طلوع ہو کر کائنات میں جلوہ گرہوا،

## سال ولادت

شب فرخ اور مہر آفاغیہ سال تولد کے تاریخی جملے ہیں، بچپن ہی سے نواب امیر الدولہ بہادر میں ارجمندی و خوش اقبال کے آثار پائے جاتے تھے، سوائے جنگی کھیلوں کے دوسرا مشغلہ نہ تھا، اپنے ہم عمر لڑکوں کو سپاہی بناتے اور خود جمہدار بنتے فال مبارک تھی جوانی میں بھی عرصہ تک جمہدار کے لقب سے ملقب رہے،

مبارک بود فال فرخ زون نہ فرخ زون بلکہ شہ رخ زون (نظامی) یہ کسے معلوم تھا کہ تقدیر بچپن ہی میں جنگی کھیل کا مشق کر رہی ہے اور جمہداری کا جو لقب اختیار کیا ہے وہ مستقبل میں سپہ سالاری کا مرادف سمجھا جائے گا،

سلط علی محمد خاں باقی ریاست رامپور داؤد خاں کا بیٹی بنیا تھا، اولوالعزم اور صاحب اقبال گذرا ہے موجودہ رئیس رامپور اسی کی اولاد سے ہیں، نسب کے متعلق مورخین کا اختلاف ہے نواب کلب علیاں بہادر نے اپنے جد امجد کو امام موسیٰ کاظمؑ کی اولاد سے بتایا ہے، مولوی غم الغنی صاحب اخبار انصاویہ کی تحقیقات کا بھی یہی نتیجہ ہوا والدین کا

سنہ ۱۲۰۲ھ میں بعمر ۲۰ سال نواب امیر الدولہ نے سفر اختیار کیا، ۲۰ نفر درفغان سفر اجاں نثار ہمراہ ہوئے، پہلے شیخاوائی پہنچے، دو مہینے تک نواب نجف علیخان کے رسالہ دار، یوسف خاں کے پاس ملازم رہے، وہاں سے چلکر باکہ سنگھ میں کھیرٹری کے پاس پانچ مہینے تک رہے، وہاں جنگی طبع کے مناسب سامان دیکھی نہ تھا، اس لئے نقل سکونت کر کے راجہ بیج سنگھ والی جود پور کے پاس اور پھر وہاں سے اسماعیل خاں کے پاس ناگور چلے گئے، کچھ عرصہ کے بعد اسماعیل خاں کے ہمراہ پالن پور، علاقہ گجرات کا رخ کیا، وہاں سے کنارہ کش ہو کر ٹھکانہ ایدر علاقہ جود پور چلے آئے، اس وقت اُنکے ہمراہیوں کی تعداد ۱۵۰ نفر تک پہنچ گئی تھی، ایدر کا میدان ہمراہیوں کے لئے تنگ تھا، وہاں سے اٹھ کر جہاڑ جہاڑ گائیگوار بڑودہ کی ملازمت میں داخل ہوئے وہاں بھی طبیعت مانوس نہ ہوئی تو سورت کی طرف نہفت کی، جہاں اس وقت پیشوا کی طرف سے ایک سردار پنڈت جنگلی آدمیوں کے بھرتی کرنے میں مصروف تھا، اس نے انکو جمع ہمراہیوں کے رشتہ ملازمت میں لیا اور انداد یہ چاہی کہ سورت کی چارم تحصیل، انگریزوں نے بند کر دی ہے وہ وصول کرادی جائے، ایک مہینہ کی تنخواہ اُن کو وصول ہو چکی تھی، اسلئے زیادہ جوانوں کی

نتیجہ امیر نامہ مولوی سعید احمد صاحب ٹوکی نے صفحہ ۲۹ پر تصریح کی ہے کہ شاہ عالم کے بیسویں سال جلوس میں نواب امیر الدولہ نے سفر اختیار کیا، لیکن حساب سے اس وقت آپ کی عمر ۱۵ سال کی قرار پاتی ہے اور اس عمر میں تلاش روزگار کیلئے گھر سے نکلنا قرینِ درایت نہیں ہے شاہ عالم ثانی سنہ ۱۱۹۲ھ میں تخت نشین ہوا ہے، اس حساب سے بیسویں سال جلوس سنہ ۱۱۹۲ھ ہوا، بقابلہ پیدائش سنہ ۱۱۹۲ھ کے آپ کی عمر ۱۰ سال کی اس وقت ہوتی ہے تیسواں سال جلوس التبتیج قرار پاتا ہے جبکہ آپ کی عمر ۲۰ سال کی ہو چکی تھی اسلئے مولف نے سنہ ۱۲۰۲ھ سال سفر درج کیا ہے،

سنہ شیخاوائی، جیو پور ریاست میں ایک حصہ ملک کا نام ہے، سنہ کھیرٹری ریاست جیو پور کا ایک ٹھکانہ ہے۔ اسماعیل خاں نواب ذوالفقار الدولہ نجف خاں کے عزیز و غرض تھے باہمی مصالحت کی بنا پر ریوڑی کا علاقہ انکے حصہ میں لیا تھا، سنہ بڑودہ کے رئیس اس وقت جہاڑ جہاڑی راؤ تھے جو سنہ ۱۱۹۲ھ میں دوبارہ تخت نشین ہوئے تھے ۱۲۰۲ھ افتخار التواریخ،



بھرتی کا انتظار نہ کر کے، دو سو سواروں کو ہمراہ لے ہوئے قلعہ سورت کے سامنے پہنچ گئے،  
 صبح ہوئے ہی قلعہ کا دروازہ کھلا، لوگ حواری ضروری کو باہر نکلے انہیں سے چار لوگوں کو  
 جو انان امیر نے نیزوں کے بلکے زخم پہنچائے، وہ بھاگ کر قلعہ کے اندر واپس گئے، واقعہ  
 سے خبردار ہو کر انگریزی فوجی افسر دوپٹوں کو لے ہوئے قلعہ سے باہر نکلا، جنگ سے  
 پہلے رستم باغ میں مساحانہ گفتگو ہو کر حصہ چارم ادا کر دیا گیا، سردار پیشوا نے اس کامیابی  
 پر انکو انعام بھی دیا، اس مہم سے فراغت حاصل کر کے کوکن کی طرف آئے جہاں پٹت  
 تارا شکر حاکم تو مین پجیار (حال علاقہ گوالیار متصل سروخ) سے ملاقات ہوئی، (جو پیشوا  
 کی طرف سے مالوہ کا حاکم تھا) وہ انکو مع حیلہ ہمراہیوں کے اپنے ساتھ لایا، ایک سال  
 تک اوسکی ماتحتی میں ملازم رہے، ۱۲۰۹ھ میں ریاست بھوپال کا رخ کیا، اوسوقت نواب  
 غوث محمد خاں رئیس اور امیر محمد خاں فتحپور الکل تھے، اور دونوں میں نا اتفاقی تھی، مناسب  
 وقت سمجھ کر مع تین سو ہمراہیوں کے امیر محمد خاں کے ملازم ہو گئے، چند روز کے بعد لالہ  
 ہمت رائے ساکن بیکرام، مدار المہام ریاست کے ذریعہ سے نواب غوث محمد خاں سے  
 دوستانہ ملاقات ہوئی، ہوشنگ آباد (جو اسوقت بھوپال کے زیر عمل اور افواج ناگپور  
 سے محصور تھا) کی مہم پر انکا انتخاب ہوا، فوراً اپنی فطری چابکدستی کے ساتھ یلغار کرتے  
 ہوئے قلعہ ہوشنگ آباد کی فصیل تک پہنچ گئے، لیکن موقع پر پہنچنے سے قبل قلعہ دار،  
 قلعہ کی کچی حاصرین کے حوالے کر چکا تھا، مجبوراً کامیاب داخلہ کے ساتھ ناکام واپس آئے،  
 بیکم نواب حیات محمد خاں کو یازوئے امیری، اور آثارا قبائل سندھی، انیز اونکے شجاعانہ کارناموں  
 سے کچھ سوئے وطنی پیدا ہوئی، اسلئے انہوں نے بھوپال کا قیام نامناسب سمجھ کر سروخ کی

ملکہ کوکن نواح پہنچی کو کہتے ہیں، ۱۲۰۹ھ نواب غوث محمد خاں ابن نواب حیات محمد خاں اسوقت ولیدہر تھے، ۱۲۱۰ھ  
 میں باغیاب سندھین ہوئے، ۱۲۰۹ھ تاریخ بھوپال، ۱۲۱۰ھ نواب حیات محمد خاں کے وفادار غلام، دیوان چھوٹے خاں کا بیٹا  
 تھا ۱۲ صفحہ ۱۸ تاریخ الاقبال، تاریخ بھوپال -

طرف نہفت کی، بالاراؤ (سروا ریندھیا نے) انکی شہرت سنکر اپنے یہاں امیدوار رکھا، چند روز کے بعد جواب دیدیا، چونکہ تنخواہ ایام امیدواری کی واجب ہو چکی تھی اس لئے تنہا سردار بارہینچے، بالاراؤ کے سینہ پر کٹار رکھکر اسی وقت تنخواہ وصول کی اور قلعہ سے باہر نکل آئے، حاشیہ نشینان دربار اس بسالت اور بے مثل جرات و مہمت پر دنگ رہ گئے، کسی کو بھی اتنا یا رانہ ہوا کہ امیر شیرگیر کے اُس غیر معمولی حملہ میں مداخلت کرتا، سرے کر تو گرد و بلندی گر گئے، بافلندن کس نہ افتد زپاے (سعدی) نواب امیرالدولہ بہادر کے اسی طرح جنگی سیکڑوں کا رنایے تیاری میں نظر آتے ہیں، جنہوں بالآخر ایک شریف النسل غیور اور یاہمت سپاہی کو سپہداری اور حکومت کے درجہ تک پہنچا کر دنیا پر ثابت کر دیا کہ

عروس ملک کسے درکنار گیر و تنگ کہ بوسہ بر لب شمشیر آید از زند  
اس واقعہ کے بعد وہاں نے سروخ آگئے اور چار ماہ بیکاری میں گزارنے پر وہ زمانہ تھا کہ نواب مرید محمد خاں

لے نواب حیات محمد خاں کے بھائی سلطان محمد خاں کا پوتا تھا، جسکا سلسلہ نسب اس طرح ہے مرید محمد خاں بن آصف محمد خاں بن سلطان محمد خاں بن یار محمد خاں بن نواب دوست محمد خاں بانی ریاست، اسکو عصمت بی بی بیگم نواب حیات محمد خاں نے راجہ گڑھ سے بلوکر لائے اور اس میں ریاست کا دارالہم کیا، اسی سال اُس نے اپنی محنت سے دفا کی اور بحرم عصمت بی بی کو محض دولت کی طرح میں قتل کر دیا، اس ناک حرامی کے فعل سے عاملین ریاست برا فروخت ہو کر حملہ آور ہوئے، مرید محمد خاں نے بالاراؤ سیندھیا سے معاوضہ پر ادا و طلب کی، بالاراؤ سروخ سے فوج بیکر بھوپال پہنچا، وزیر محمد خاں اور نواب فیض محمد خاں نے متحدہ طاقت سے حملہ کر کے سخت شکست دی، مرید محمد خاں بالاراؤ کے سروخ بھاگ آیا، بالاراؤ نے مرید محمد خاں سے معاوضہ مانگا، انکار پر قید کر دیا، مرید محمد خاں نے نگینہ و الماس کھا کر نہ صرف قید بالاراؤ بلکہ قید دینا سے بدنامی کے ساتھ آزادی چل کی، مرید محمد خاں کی قبر سروخ میں حضرت مولائی کی درگاہ میں ہے، مگر مولعت کو باوجود تلاش کے قبر نشان کسی نے نہیں بتایا نواب جہاں بیگم صاحبہ کے چچے مرید محمد خاں کی نسبت یہ ہیں (افغانان بھوپال مرید محمد خاں رابہ پدی یاد میکنند اگر یہ سروخ میروند برقرار بجائے فاتح پنج پاوش زدن واجب نشاند)

کو بھوپال کی مدارالہامی کے اختیارات مل چکے تھے، لیکن سیاسی اثر کی ضرورت باقی تھی،  
نواب امیر الدولہ بہادر مرید محمد خاں کی استدعا پر پانسو سواروں کے ساتھ بھوپال پہنچے،  
قابلِ قدر اعانت کی، ۸ مہینے کے بعد سروِج واپس آگئے، یہ وقت وہ ہے کہ سید بہا کے  
دباؤ سے کچھ چوڑا کھڑے رہیں بچے نگہ غارتگروں کی شان سے نکلا ہے، درجن سال اسکا چچا بھی بھڑ  
ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے،

نسلی بہادروں کے لئے ہر وقت جنگی مشغلہ درکار ہے نواب  
چمچن راؤ سے جنگ

کچھ عرصہ ہو چکا تھا، مروانہ جوش کے تقاضوں سے اڑھے اور اٹھکر راجہ بچے سنگھ کی خواہش  
پر اسکی رفاقت اختیار کی، امیر جہانگیر کی شرکت کی خبر نے سردارانِ سید بہا کو مشوش کیا،  
الہ دوی تداہیر کے سلسلہ میں چمچن راؤ جاگیر دار مسیت پور کو دو ہزار مسلح جوانوں، ۲۵ ضرب  
توپوں کے ساتھ بالا داونے نواب امیر الدولہ کے مقابلہ کیلئے روانہ کیا، راجہ بچے سنگھ کثرتِ سپاہ  
سے خوف زدہ ہو کر چندیری کی جھاڑیوں میں چلا گیا، افغانی غیرت اور فطری شجاعت نے پیٹھ  
وینا گوارا نہ کیا آپ کے ہمراہ اسوقت سید بہا افواج کے دسویں حصہ کے برابر صرف دو سو  
سوار تھے، یعنی ۱۰ کے مقابلہ میں ایک، تاہم کثرتِ وقت کے خیال سے امیر جہانگیر کی پیشانی پر  
ناامیدی و خوف کی شکن تک نہ پڑی، اللہ اکبر کے زلزلہ انگن لوگوں کے ساتھ گھوڑے کو  
مہینر کیا، دو سو سوار عقب میں تھے، کھلاڑیوں نے قلبِ دشمن میں گھسکر شمشیر و نیزوں کے  
کچھ ایسے مہنر دکھلائے کہ فوجِ مخالف کے افسران مہنر مند چوڑی بھول گئے،

اسوقت کا نقشہ جنگ قابلِ دید تھا، امیر خانی سمند باو صر تھا، جوش و خروش  
کے ساتھ مہین و لیسا جاتا اور دشمنوں کی آنکھوں میں خاک ڈالتا ہوا واپس آجاتا، تلوار بکلی تھی  
جو حریفوں کے ڈبیلوں کی گٹھائیں کو ندر ہی تھی، نیزہ نجم ثاقب تھا جسپر جھکا برتا ہوا سینے کے

۱۲ درجن سال مقصود نگار کا اسوقت رئیس تھا، افتخار التواریخ، لکھی، ۱۲

پار تھا، جس صفت پر حملہ کیا وہ صفت صاف تھی، جبکہ تاکا وہ گھوڑے کے سموں میں تھا،  
اور جو گھوڑے کی چھپٹ میں آیا وہ گرد و برد تھا، شمشیر امیری کی روانی اور اسکی بریش یا کل  
اس شعر کے مصداق تھی،

بہر حال شمشیر او کا رکھ دے یکے را دو کرد و دورا چار کرد، (دروہی)  
عین معرکہ جنگ میں، امیری نوجوان، غایت خاں کا سامنا کر کے پھینکے ہوئے، وہ  
پہلو بچا کر لکھنا چاہتا تھا کہ شیر دل افغان نے لاکارا،

بزدل بانیگ بروے کہ وزغ پیر عقاب جواں آمد آرام گیر (نظامی)  
اودھار میں نے ٹھیکر ٹھاٹ بدلا تھا کہ ادھر سے غایت خاں کی تلوار برق صفت  
اُسکے سر پر چمکی، تلوار کا سینہ میں ڈوب کر نکلا تھا کہ اسکی روح بھی نفس عنصری سے پرواز کر گئی  
ہاتھ کی صفائی اور تیغ کی روانی دیکھ کر

قضا گفت گیر و قدر گفت دہ فلک گفت احسن ملک گفت زہ (دروہی)  
منظور و منصور، امیر جہانگیر مال غنیمت لئے ہوتے واپس آگئے،

سیندھیا کو اس ذلت آمیز شکست نے عرصہ تک شرمندہ رکھا،

بالا راؤ کی فوج کشتی شرمندگی کیساتھ افغانوں کی شجاعت اور اُن کی بڑھتی ہوئی  
طاقت دیکھ کر خوف زدہ بھی تھا ملکی حفاظت کی علیحدہ فکر تھی ان تمام امور کو زیر نظر رکھ کر پہلے سے منصوبہ  
سپاہ، بالا راؤ مشہور سردار کی قیادت میں روانہ کی، یہاں نہ کوئی فوجی قلعے تھے، نہ جنگی خیمے  
پہاڑوں اور جنگلوں کا روزانہ گشت تھا، اور افغانی بہادروں کے گھوڑے کے زین اُسکے قلعے تھے،  
راجہ بے سنگھ بھی نہایت درجہ بزدل ثابت ہوا، جدید فوج کشتی کی خبر پا کر اوسنے پھر جنگل کی راہ لی البتہ شمشیر

شیر سنگھ دہرناؤدہ کا جاگیر دار تھا اسی کے خاندان میں اب تک جاگیر ہے، بڑا بہادر شخص تھا جب بے سنگھ کو سیندھیا نے قلعہ  
بہیلیسہ میں قید کر دیا تھا، تو اس نے اوسکو رہا کر لیا، اور غارتگری شروع کی، راجہ بیسی جی کے تین بیٹے تھے اُن تینوں  
کے حصہ میں، کھلی پورا راگھو لکڑھ، دہرناؤدہ کے علاقے علیحدہ علیحدہ آئے تھے ۱۲ افتخار التواریخ بحوالہ تاریخ کھچی

یکھی کچھ نوجوانوں کے ساتھ شامل رہا،  
 امیر خوش تدبیر مصلحتاً جنگ کو ملتے رہے اور وقت کے منتظر تھے، ہنوز باقاعدہ محاربہ کا  
 آغاز نہیں ہوا تھا کہ ایک روز شیر سنگھ کی اس مزاحمت نے زنی نے کہا کہ گئے پٹھانوں کے سے جو صلے  
 ہو گئے اب نہیں رہے) امیر کے بیجا مانہ دل پر نشتر کا کام دیا، شیر صفت فوراً اپنی جگہ سے  
 اٹھ کر گھوڑے پر سوار ہوئے، نیزہ جانتاں ہاتھ میں لیا، تلوار گلے میں جمائی کی اور تنہا گھوڑے  
 کو ہمیر کئے ہوئے بالاراؤ سردار سید ہیا کے خیمہ تک پہنچ گئے، بالاراؤ سامنے تھا، نیم خم ہو کر  
 نیزہ کا وار کیا، زندگی تھی، نیزہ بغل کی کھال کو چھیلتا ہوا نکل گیا، پھر کیا تھا، تنہا، امیر جہانگیر  
 اور اقبال اوزکا رفیق، بالاراؤ کے جوانوں نے انکو ہر طرف سے محصور کر لیا، ناظر ہے کہ مٹھی میں  
 نہ ہوا بند ہو سکتی ہے، نہ خس و خاشاک سے دریائی روانی کو روکا جاسکتا ہے، بحر شجاعت  
 کے غواص کے سامنے اون جہاؤں کی کیا ہستی تھی، تلوار علم کئے ہوئے، جو ہر تیج دکھاتے ہوئے  
 اور اسکے گھاٹ باڑہ سے سبکو آشتا کرتے ہوئے صبح و سالم اپنے لشکر میں واپس آ گئے، شیر سنگھ  
 نے تحسین و آفریں کے پھول نچا کر رکے، رفیقوں نے ہاتھ جوئے اور کہا کہ ع  
 ائیں کا راز تو آید و مردان جنیں کنند۔،، راجہ بچے سنگھ نے رفاقت کے وقت معاہدہ کیا  
 تھا کہ مفتوحہ علاقے بالما نصف تقسیم کئے جائیں گے، لیکن اُس نے اس طرح پر عہد شکنی کی کہ بالاراؤ  
 سے بالابالا اپنے الو العزم رفیق کے بغیر اتم نراج اپنا نصف علاقہ سید ہیا کو دینے اور نصف  
 واپس لینے کے معاہدہ پر دستخط کر دیئے، اور رفیق کی جانباً زانہ و مخلصانہ رفاقت کا یہ صلہ  
 دینا تجویز کیا کہ کسی مناسب موقع پر اسکا کام تمام کر دیا جائے، تاکہ پھر نصف علاقہ کے مطالبہ کا  
 خطرہ باقی نہ رہے،

راجہ بچے سنگھ کی طرف سے دینا | بالاراؤ سے تکمیل معاہدہ کر لینے کے بعد راجہ

راجہ بچے سنگھ سردار ہیا میں فوت ہوا، اسکے بعد سرکار کنبی کی سفارش پر جہا راجہ سید ہیا نے بچے سنگھ کی رانی کے بھتی بھر  
 اجیت سنگھ کو راکھو گڑھ کا علاقہ واپس دلایا، ۱۲ اکتوبر ۱۸۵۷ء کو الہ آباد میں بچے سنگھ کی رانی کے بھتی بھر

مذکور حضرت مولانا علی کی ٹیکری (واقع سروخ) پر مقیم تھا، اور امیر کشورگیر زخموں کی تکلیف کی وجہ سے شہر میں قیام پذیر اور گھوڑے کی سواری کے ناقابل تھے، پالکی میں سوار ہو کر ٹیکرہ مذکور پر، ایک خدارسیدہ بزرگ کے سلام کے لئے تشریف لائے، راجہ بچے سنگھ کے ایمان سے اوسکے آدمیوں نے امیر کو فاسدانہ ارادہ سے گھیر لیا، لیکن عین وقت پر جاں نثاران امیر امداد کو پہنچائے، معاملہ رفع دفع ہوا، اسکے بعد گوراجہ مذکور نے بہت کچھ معذرت کی، لیکن "من جرب الحرب حلت به الذماتہ" کے اصول کے مطابق امیر جہانگیر نے اوسکی رفاقت سے کنارہ کشی اختیار کر لی، کامل محتاج ہونے پر رکنہ شجاعپور آئے، وکیل شجاعپور سے نقد معاوضہ لیکر، بالاراؤ سے مقابلہ کیا اور فتحیاب ہوئے،

یہ وہ زمانہ ہے کہ امیر کی شہرت حدود مالوہ سے  
**بالاراؤ سے مقابلہ اور فتح** | گذر کر راجپوتانہ میں بھی پھیل چکی تھی،

بوتے گل بھاندتی ہے باغ کی دیواروں کو، راحگان و سرداران مالوہ اور راجپوتانہ امیر جہانگیر کے آگے طلب استعانت کا ہاتھ بڑھاتے، جس رفیق کی انہوں نے رفاقت کی وہ فیروز مند ہوا، یہ سارا اعزاز، یہ تمام کامیابی اور عام مقبولیت اوس خدائے قادر کی ذرۂ نوازی کا ادنیٰ کرشمہ ہے، جسکی الوہیت، لازوال طاقت، اور اپنی عبدیت و عاجزی پر اونکو دلی اعتقاد و بھروسہ تھا، سچ ہے -

اپن سعادت بزور بازو نیست تانہ بخشد خدائے بخشندہ  
 شجاعپور کی ہم سے فراغت پاکر مع اپنے ایک ہزار سوار پیادوں کے  
**بالاراؤ کی ملازمت** | بالاراؤ کی آرزو مندانہ استدعا پر پھر اوسکی ملازمت اختیار  
 کرنی، ۱۲۷۷ھ میں بالاراؤ کے حکم سے امیر جہانگیر نے قلعہ فتحگڑھ (بھوپال) پر قبضہ کیا، کچھ مدت

لے صاحب فتح را تواریخ نے صفحہ ۳۵ پر قٹ نوٹ میں لکھا ہے کہ مولانا علی کی درگاہ سروخ سے سو کوس کے فاصلہ پر ہے  
 بیچ نہیں، درگاہ مذکور شہر کے غریب و شمالی گوشہ میں فیصل شہر سے ایک فرلانگ کے فاصلہ پر ہے، ۱۲۷۷ھ میں رکنہ شجاعپور کے نام سے لکھا ہے

کے بعد اُس سے بھی قطع تعلق کر کے نواب وزیر محمد خاں بہادر رئیس بھوپال کے شریک ہوئے، سینڈہا  
افواج سے اکثر مقابلہ رہا جس میں ہمیشہ کامیاب رہے،  
چونکہ اوس زمانہ میں مدعیان ریاست کی نا اتفاقی کی وجہ سے بھوپال علاقہ میں خانہ جنگیوں  
کے شعلے پھٹک رہے تھے، ابوالعزم امیر نے فی الوقت مداخلت کر کے مصالحتانہ تدابیر اور حکمت  
عملیوں کے پانی سے اُسے ٹھنڈا کیا، اس علی کارگذاری نے امیر جہانگیر کو پہنچری کے فنون  
کے علاوہ تدبیر و سیاست میں بھی قابل ترین ہستی کا انسان ثابت کیا، اکثر امور ملکی بھی انکی دوراندیشی  
راہوں اور مشوروں سے طے ہوتے رہے اور جس عزت کے یہ مستحق تھے، اسی لحاظ سے قدر افزائی  
بھی ہوئی،

۱۲۴۸ھ کا یہ قرآن السعدین دیا وی  
۱۱۴۸ھ جاہ و جلال کی حیثیت سے دونوں  
کے حق میں مبارک ثابت ہوا،  
ہمارا جہنومت راؤ ملکر کو خلاق عالم

نواب امیر الملک امیر الدولہ بہادر  
اور ہمارا جہنومت راؤ کا اتصال و معاہدہ

نے اعلیٰ اہل دولہ و دماغ، بسالت و شجاعت، ہمت و استقلال کے زیوروں سے آراستہ کیا تھا  
اُس نے اپنی ذاتی صفات اور نواب امیر الدولہ امیر الملک بہادر کی قابل قدر و مخلصانہ و  
جانبازانہ اضافی امداد سے آگے چل کر جو شہرت و ناموری حاصل کی، وہ اُس کے کسی معاصر  
راجاؤں کو نصیب نہیں ہوئی، ان تمام اوصاف میں اگر اوکا کوئی حریف ہو سکتا ہے تو وہ  
نواب امیر الدولہ بہادر کی زبردست شخصیت ہے، جس نے اوکے کارناموں میں چار چاند

لے وزیر محمد خاں بن شریف محمد خاں بن فاضل محمد خاں بن دوست محمد خاں بانی ریاست بھوپال، مرید محمد خاں  
بعد ازاں میں مختار ریاست ہوئے، ۱۲۰۰ اتاریخ بھوپال مولف،

۱۲۰۰ حکیم سید احمد سعید اللہ ٹوکی مترجم امیر نامہ نے ذیل کی تاریخ دونوں فاتحوں کے اشتراک باعمل پرہیزوں کی ہے  
چو بر خور دین میر و راؤ ملکر، معاہدہ درازی راہ حال، باذات خواست تاریخ فرگفت، ۱۲۰۰ قمری ترک ہندو محل اقبال،

لگا دیئے ہیں، تم پر پڑھ چکے ہو کہ حیونت راؤ دشت نور دی کرتا ہوا ناگپور پہنچا اور قید کر لیا گیا، اُس نظر بندی کو ۶ مہینے کا عرصہ گزر چکا تھا، اُس کی عالی ہمتی آزادی کی متقاضی ہوئی، موقع پا کر قید سے نکلا، لیکن اُسی روز گرفتار ہو گیا، دوبارہ پھر قلم سے نکلا اس مرتبہ کامل احتیاط کے ساتھ نثریں لے کر تا ہوا، اندور علاقہ میں پہنچ گیا،

بے سرو سامانی کا عالم تھا، پیسہ پاس تھا نہ فوج، ملک تھا نہ تاج، انیس تھا نہ رفیق مجبوراً مالوہ علاقہ میں مار دھاڑ شروع کر دی،

کاشی راؤ، ریاست اندور کا تنہا مالک ہو کر عیش و عشرت کا اس قدر دلدادہ ہوا کہ سینہ میا کو اپنی امانت و اثر کے بھروسہ پر اندور کے انتظامی امور میں بہت زیادہ مداخلت کا موقع مل گیا تھا، حیونت راؤ یہ تمام حالات دیکھ اور سن کر غیظ و غضب میں سانب کی طرح بل کھاتا رہا، ساز و سامان اور فوجی قوت کے بغیر تنہا شجاعت، ریاست اندور اسکو نہیں دلا سکتی تھی، جسکا خود بھی اسکو احساس تھا، اسکے خیالات وسیع اور ارادے بلند تھے، اس نے کسی قومی اور شجاع تر رفیق کی تلاش میں رہا، سارنگ پور آیا تو سید محمد حسین نامی سردار نے سابق ہلکر کے آب و نمک کا پاس کرتے ہوئے ہم گھوڑوں، دو تین سو پیادوں اور پانچ ہزار پرہیزگار نقد سے اسکی امداد کی، اُس سے بڑھ کر قابلِ قدر یہ ایک اور خدمت انجام دی کہ فواب امیر الدولہ بہادر کو (جسکا مستقر اسوقت بھوپال تھا) غائبانہ تعارف کرا کے اسکی امداد پر آمادہ کرا دیا،

نواب امیر الدولہ بہادر علیہ السلام ۱۲۹۹ھ میں اپنے پندھو سواروں کے ساتھ بھوپال سے روانہ ہو کر شجاعت علیہ سپہ سالاری، جہاں دونوں فوجوں کی پہلی ملاقات ہو کر مفتوحہ علاقوں کو بالکل صف

ملہ تاریخ اندور مالوہ سے یہ روایت لی گئی ہے، لیکن امیر نامہ میں درج ہے کہ کھنڈی خدمت گار نے ہمارے حیونت راؤ سے ابتداءً تحریک کی اور اُسی کے ذریعہ سے شجاعت علیہ سپہ سالاری ملاقات ہوئی، بہر حال آمادگی ملاقات

اور عہد نامہ کی تکمیل سے کسی کو انکار نہیں ہے۔ ۱۲ مولف ۱۱



تقسیم کرنے کا تحریری معاہدہ ہوا۔ اسکے بعد دونوں اقبال مند فائقوں نے ملکی فتوحات پر کمر باندھی، نصرت نے مبارکباد عرض کی، اشجاعت نقیب بنکر آگے ہوئی، اقبال ہر کاب ہوا، اہمائی فتح نے چھتر برداری کی خدمت انجام دی، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اعانت الہی کی روشنی فتوحات کے راستوں میں رہبر ہوئی،

اس شان سے ہم آئے تری جلوہ گاہ میں  
مشعل دکھائی برق تجلے نے راہ میں (امیر مینائی)

ہمارا جہ سید ہیا اور اندور کا علاقہ جو لا نگاہ قرار پایا جہاں عرصہ تک دونوں فاتحانہ  
اولو العزمیاں دکھاتے رہے،

اسی زمانہ میں ہمارا جہ جنوبی راؤ ہلکر کو جگر خراش و صبر شکن یہ اطلاع ملی کہ ایٹو جی اسکے بھائی کو پیشوائے گرفتار کر کے اٹھی کے پانوں تلے

**قلعہ ہہیر کی فتح**

کچلوا دیا، زخمی جگر پہ تیر لگا یک نشد و شد

و فور خدمات انیز غیظ و غضب سے آنکھوں میں خون اتر آیا، قلب سیما ب صفت پہلو میں  
ترسینے اور جذبات کے اثر سے جوش انتقام سینے میں لہریں مارنے لگا، پیشوا اور سید ہیا کے  
علاقوں کے استیصال کی قسم کھا کر زخمی شیر کی طرح اڑھا، نواب امیر الدولہ بہادر رفاقت  
میں دو قدم آگے تھے، پہلے ہی تپے میں ہنڈیا علاقہ کو تباہ کیا، کسنوار کے مقام میں، کاشی راؤ  
کو سخت ترین شکست ہوئی، قلعہ ہہیر اس وقت مستحکم اور محفوظ قلعہ تھا، ہمارا جہ کو قلعہ پر حملہ  
کرنے میں تردد ہوا، لیکن یازوے امیری ایسی لپٹ جہتی کو کب گوارا کر سکتا تھا، آگے بڑھے  
اور کوہ شکن حملوں کے ساتھ ۱۵ ۱۶ میں قلعہ مذکور فتح کر لیا، مسند نشینی کی فکر ہوئی، ہمارا جہ

لے ہنڈیہ مالوہ کا مشہور ضلع تھا، جہاں ملتا دو پیازہ کا مزار آج بھی یادگار ہے، اب معمولی نصیب کی حقیت سے  
ضلع ہوشنگ آباد ملک متوسط میں واقع ہے ۱۲

قلعہ ہہیر لکھنؤ میں کاشی راؤ عرصہ تک مجوس رکھ کر شہید میں مقتول ہوا، ۱۷۱۱ افتخار التواریخ

جنونت راو کی نیت اسوقت منصفانہ تھی، اپنی غیر صحیح النسی کی بنا پر اپنے کو مستحق راجگی نہ سمجھ کر اپنے بھتیجے کھنڈی راو بن ملہر راو مقتول (جو اسوقت مع اپنی والدہ کے سینہ پائی حراست میں تھا) کے نام سے ریاست اندور کا اعلان کرتے ہوئے اسی پتے کے نام کا سکہ بھی جاری کر دیا اور نواب امیر الدولہ بہادر کو نائب الریاست مقرر کیا، اہلیہ بانی کا اندوختہ قلعہ مہیسر میں بہت کچھ ہاتھ آیا جس سے زبردست مالی امداد پہنچی،

سرونج پر نواب امیر الدولہ بہادر کا عالم قبضہ کی سرٹ میں ہمارا جہ

نے نواب صاحب کو امیر الدولہ، امیر الملک بہادر شمشیر جنگ (کے خطابات مرحمت کرتے ہوئے کثیر زر و جواہر نذرانے میں دیئے، اور ایفائے معاہدہ کی پہلی قسط میں پرگتہ سرونج و آلہ کیسے نواب امیر الدولہ بہادر کی طرف سے سرونج کی حکومت پر جو پہلا عامل مامور ہوا وہ محمد یوسف خاں جمعدار جلال آبادی افغان تھا جو عسکر امیری کا ایک معزز و مقدر سردار تھا، اسوقت ایٹانڈیا کمپنی کے زمانہ مصاحت ۱۲۳۲ھ تک سرونج برابر نواب امیر الدولہ بہادر کے مالکانہ قبضہ میں رہا، اس عرصہ میں متعدد جاگیریں مستحقین کو نواب صاحب نے اپنے مالکانہ اختیار سے مرحمت کیں

۱۲ اس نابالغ بچہ کو بھی حیونت راو نے ۱۵۵۰ھ میں قتل کر دیا، افتخار التواریخ ۱۲

۱۳ مہیسر اندور کا پہلا پایہ تخت ہے، جو اب صوبہ کا صدر مقام اور اندور کے ماتحت ہے ۱۲ مؤلف

۱۴ محمد یوسف خاں جمعدار کی اولاد میں اسوقت محمد بشیر خاں جاگیر دار چھپوین بقید حیات ہیں اور جو جاگیر ان کے پڑاوا کو ملی تھی اس سے متنع ہیں، دوسرا موضع امیر گڑھ محمد بشیر خاں کے چھوٹے بھائی محمود بشیر خاں کے حصہ میں آیا تھا وہ ان کی لادلوغات پر بحق ریاست منتقل ہوا اور ان کی دختر و بیوہ کو کچھ نقد و عینہ ریاست سے مقرر ہو گیا ہے ۱۲ (مؤلف)

۱۵ عبداللہ خاں قدیمی کو مواضعات باموری سال ۱۲۲۳ھ اور جھوکرو کی کی سند جاگیر مورخہ ۱۲۲۳ھ اور صاحبزادہ غلام حیدر خاں کو سند جاگیر موضع چاٹوٹی مورخہ ۱۲۲۹ھ اسی عہد کی یادگار ہیں، لالہ بیج راؤ فانو تگوسے سرونج کو بھی ۱۲۲۴ھ میں شاہی سند کی تجدید میں امیری سند دی گئی، ۱۲ مؤلف

جو قیام ریاست کے بعد بھی بدستور بحال رہیں،  
نئی عید گاہ کی وسعت اور اس کا کتبہ ۱۲۲۳ھ کا اسی عاملانہ قبض و تصرف کے عہد کا  
یادگار ہے جسکی تفصیل آثار قدیمہ کے عنوان میں آگے آتی ہے،

مہیسر کی فتح کے بعد دونوں اولوالعزم سرداران نے حدود مالوہ سے نکل کر اطراف ہند  
میں جس اقبال مندانہ جہانگیری کے ساتھ قدم بڑھایا ہے، اور قبضی فتوحات کی ہیں، ان سب  
کی تفصیلات و تشریحات فارسی امیر نامہ، انگریزی امیر نامہ، اردو امیر نامہ، تواریخ مالوہ، و  
راجپوتانہ، تاریخ اندور، اور تاریخ مرہٹہ میں درج ہے، اس مختصر کتاب کے صفحات ان  
ناموروں کے شجاعانہ حالات لکھنے کے لئے نہ تو کافی ہو سکتے ہیں، نہ وہ مضامین اس کتاب  
کا موضوع ہیں، یہ کام مخصوص ان فاتحین کے تاریخ نگاروں کا ہے، خدا جیسے توفیق عطا  
کرے، سرونج کے قبضہ کے سلسلہ میں جس قدر تشریحات ضروری سمجھی گئیں وہ درج کر دی گئی  
ہیں، تاکہ سمجھنے میں آسانی رہے، اور مطالب میں ابہام نہ ہو۔

إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ط

نتیجہ

(ترجمہ) تحقیق زمین اللہ کی ہے، وارث کرتا ہے اُس پر جو چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے،

کلام الہی ہے، فقیر کو شاہ، اور بادشاہ کو فقیر، سپاہی کو سپاہ سالار، اور سپاہ سالار  
کو سپاہی بنانا، اور ایک سلطان کو دوسرے سلطان پر مسلط کرنا یہ سب امور ارادۃ الہی کے  
ساتھ وابستہ ہیں، یَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُخَيِّرُكُمْ بَيْنَ يَدَيْنِ، شاہانِ تیموریہ کا تم نے انجام دیکھ  
لیا، ہلکے، سیندھیا، بھوسلا، کہاٹے کہاں پہنچے، پشتوانے تختِ دہلی کی آرزو میں کس درج  
بلند پروازی کی، مگر نشانے الہی نے اُسکے ارادوں کی تابید نہ کی، انگریزی قوم جو ہندوستان  
کی باشندہ نہ تھی، نہ بظاہر اس سرزمین میں اُسکا کوئی استحقاق ملتی تھا، تاہم احکامِ عالمین نے  
تختِ دہلی کے لئے اُسکو منتخب فرما کر، آیہ مندرجہ صدر کی تفسیر دنیا پر ظاہر کر دی، جسکے آگے  
ہندوستان کے تمام نبرہ آزار سرداروں نے اخیر میں تسلیم جھکا دیا۔

سب سے پہلے سب سے زیادہ طاقتور اور مغرور بالاجی راؤ پٹیوانے ۳۰ دسمبر ۱۸۵۷ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی سے مصالحت کر کے اپنی خود مختاری کا خاتمہ کیا، اس واقعہ کے ایک سال بعد ۳۰ دسمبر ۱۸۵۸ء کو ہاراجہ دولت راؤ سیندھیانے عہد نامہ پر دستخط کئے، ہاراجہ جیونت راؤ ہلکر نے گورنمنٹ تک کمپنی کے آگے گردن نہیں جھکائی، لیکن بالآخر مجبور ہو کر اس نے بھی ۲۰ دسمبر ۱۸۵۸ء میں دریا کے کنارے کمپنی کے شرائط کو منظور کیا، جسکی رو سے مالوہ کا کل مقبوضہ علاقہ اور رکن کے بیشتر مقبوضات اُسکو واپس دیئے گئے،

سب سے اخیر میں کمپنی نے نواب امیر الدولہ بہادر کی طرف دوستانہ ہاتھ بڑھایا، جسکا نتیجہ ۹ نومبر ۱۸۵۹ء کا وہ صلح نامہ ہے، جسکی رو سے پرگنات سروجن، پڑاؤ، نیماہیرہ، چھبیرہ، ٹونک، جو معاہدہ تقسیم ملکی کی تعمیل میں ہلکر کی طرف سے نواب امیر الدولہ بہادر کے قبضہ میں

۱۔ لالہ نرنجن لال وکیل، نواب امیر الدولہ بہادر اور منظم الدولہ چارلس ٹکلف بہادر رینڈیلٹ ہٹی کے مابین ۹ نومبر ۱۸۵۹ء کے عہد نامہ مرتب ہوا تھا، اُس پر ۱۷ دسمبر ۱۸۵۹ء کو مقام موضع و سوان در میان لنگانیر اور نیماہیرہ، جنرل لوئی آلکرسے نواب امیر الدولہ بہادر کی ملاقات، ہو کر تبادک خیالات ہوا، اور اُسی تاریخ عہد نامہ مذکور کی تکمیل و تصدیق ہوئی، ہاراجہ جیونت راؤ ہلکر سے بالمنصفہ تقسیم کا جو معاہدہ ہو چکا تھا اُسکی رو سے سروجن ۱۸۵۹ء میں ٹونک، نیماہیرہ اور پڑاؤ قبضہ میں چھبیرہ ۱۸۵۸ء میں نواب امیر الدولہ بہادر کے قبضہ میں آچکے تھے، اخیر نواب بہادر مدوح کی حکومت تسلیم کی گئی، اسکے علاوہ پرگنہ رامپور (علیکٹھ) اترین لاکھ روپیہ نقد درستی انتظام کے لئے کمپنی نے اپنی طرف سے اور اضافہ کیا، چونکہ ہاراجہ جیونت راؤ اس معاہدہ کی ترتیب سے قبل ۱۸۵۸ء میں فوت ہو چکا تھا، اور پرگنات مذکور الصدر وکیل طرف سے اُسکی حیات میں نواب مدوح کی طرف منتقل ہو چکے تھے، اسلئے موجودہ رئیس اندور کی طرف سے معاہدہ مذکور پر تصدیق کی ضرورت تھی، چنانچہ ۱۹ جنوری ۱۸۵۹ء کو بمقام مندور لہر راؤ پسر ہاراجہ جیونت راؤ ہلکر سے معاہدہ کی تجدید ہو کر دستخط کر لئے گئے، جیہیں ہلکر کی طرف سے اقرار کیا گیا کہ وہ پانچوں پرگنات مقبوضہ نواب امیر الدولہ بہادر سے دست بردار ہوتا ہے (تاریخ اندور، امیر نامہ اقتدار التواریخ) لیکن مولف کے معزز ترین دوست مولوی سید علی اصغر صاحب امیر الانشا، وزیر الملک صاحب تاریخ (بقیہ صفحہ ۱۹۶ پر)

پہلے دیئے جا چکے تھے، بدستور نواب ممدوح کے مالکانہ اقتدار میں تسلیم کئے گئے، اور  
 پرگنہ راسپور (علیگڑھ) گورنمنٹ کی طرف سے ملا، جن پر آج تک بانی ریاست کی اولاد، وراثتاً قابض  
 و متصرف ہے، اس میں شبہ نہیں کہ نواب امیر الدولہ بہادر اپنے عظیم ترین کارناموں، قانون جز  
 کی قابلیت، ذاتی شجاعت، استقلال و ہمت، اور فاتحانہ اولوالعزمیوں کی بدولت امیر اعظم  
 کے جانشینے مستحق ہیں، چہاں راجہ جیوننت راؤ ہلکر کے کارناموں میں امیر اعظم کی کارگذاریوں کا  
 جو ہر نمایاں تر ہے، فتوحات و شجاعت امیری نے امیر اعظم کو ہندوستان سے باہر دیگر  
 ممالک میں بھی روشناس کرایا، ۱۸۲۹ء میں شجاع الملک والی کابل نے، اور اسی سال  
 نصیر خاں والی سیستان کی بیوہ نے امیر اعظم کو ذریعہ سفارت اپنی اپنی امداد کے لئے یاد کیا  
 چونکہ نواب بہادر ممدوح کو راجپوتانہ اور مالوہ میں جنگی مشاغل درپیش تھے، اسلئے اُن کی  
 خواہشوں کو منظور نہ کر سکے، اور سفیر و نکلوا خلاص امیر نئی میں جواب دیدیا،

اس مجسم شجاعت کو جس بات نے ریاست کا مالک بنایا، وہ اسکا استقلال جو انہری  
 اور قناعت امیر زادے کی مضبوطی ہے، اٹھارہ بیس لاکھ کی ایک چھوٹی سی ریاست پر  
 امیر اعظم کا قانع ہو جانا خداوند ذوالجلال کی مشیت پر تسلیم جبکہ دینے کے مراد تھا،  
 ورنہ اتنا بڑا فاتح، اولوالعزم جہانگیر اور صاحب شمشیر، (جسکو مولف نے امیر اعظم کہا ہے)  
 قناعت کے دائرہ سے باہر نکلتا چاہتا تو راجپوتانہ اور مالوہ دونوں وسیع الرقبہ ممالک اُسکے  
 زیر نگین ہوتے،

امیر اعظم کے قول و عمل پر خود اُن کی مہر کا یہ مصرع نہ بردست شاہ ہے،

(قبیلہ گڈ شہ) راجا ہڑہ صفحہ ۳۳ میں لکھتے ہیں کہ ۱۸۱۷ء کا معاہدہ جیوننت راؤ سے ہوا تھا، اکی تصدیق کسی تاریخ سے نہیں  
 ہوتی، اور جبکہ وہ ۱۸۱۷ء میں وفات پا چکا تھا تو پھر اسکا معاہدہ کیوں کر تسلیم کیا جاسکتا ہے، مولف  
 ملہ شجاع الملک تیمور شاہ کا بیٹا اور احمد شاہ درانی کا پوتا تھا، سو قتل کابل پر محمود شاہ کے قابض و متصرف ہو جائیے  
 چہاں راجہ رنجیت سنگھ والی لاہور سے طالب امداد تھا، (افتخار التواریخ بحوالہ تاریخ پنجاب

خدا خود میر سامان است اسباب توکل را ملہ  
 یہی وہ وصف تھا جس نے نظام الملک والی حیدر آباد دکن کے ۸ لاکھ کے علاقہ  
 کی پیشکش کو نامنظور کر دیا،  
 ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے بھی کئی مرتبہ ایک کروڑ کا ملک دیئے جانے کی تحریک تھی  
 مگر عالی مہتی نے گوارا نہ کیا، ملہ

جنرل سر جان مالکم صاحب بہادر ریٹائرڈ اور مورخ مالوہ کی اس غیر فخرانہ و  
 منصفانہ رائے سے کسکو انکار ہو سکتا ہے، جو حسب ذیل ہے،  
 قاعدہ نواب کا یہ تھا کہ جو کچھ غنیمت میں ہاتھ آیا اُس پر قناعت کی، اگر نواب  
 (امیر الدولہ امیر الملک بہادر) ریاست لینے کا ارادہ کرتے تو مثل جے پور کے صدر ریاست کے مالک  
 ہو جاتے، صفحہ ۸، نواب امیر الدولہ بہادر کو خواہش حکمرانی کی ہوتی تو ایک اقلیم کی  
 حکومت قبضہ میں آ سکتی تھی صفحہ ۸۶

مصاحف کے ۱۵ سال بعد ۱۳۲۷ء میں بہری ٹی پرنسب بہادر نے گورنر جنرل کشور ہند  
 کے ایسے فارسی امیر نامہ کا انگریزی میں ترجمہ کر کے کلکتہ سے شائع کیا ہے، اُس کے دیباچہ  
 میں صاحب مذکور نے امیر نامہ اور نواب امیر الدولہ بہادر کی شخصیت پر خندیل رائے ظاہر  
 کی ہے، اس کتاب میں بھی کہیں کہیں شاعرانہ بیان ہے، جس میں رستم و اسفندیار کی مثالیں  
 پائی جاتی ہیں، لیکن اس نقص کے باوجود جب نواب امیر الدولہ بہادر کی ذاتی شجاعت، فاتحانہ  
 نہمت پر غور کیا جاتا ہے تو اس کتاب کو نہ جھوٹا کہا جاسکتا ہے، نہ نواب بہادر کے  
 کارناموں سے انکار کر سکی کوئی وجہ پائی جاتی ہے، ایسے کسی جگہ یہ کوشش نہیں کی گئی کہ فتح  
 کو شکست، اور شکست کو فتح ظاہر کیا گیا ہو،

صرف نواب امیر الدولہ بہادر کی تنہا قوت بازو سے عجیب عجیب واقعات کے سرزد

ملہ قاضی ریاست سے پہلے بھی یہی مہر تھی جسے مولف نے بعض فراہین پر ثبت دیکھا ہے ۱۳

ملہ انتخاب التواریخ صفحہ ۵۲، ۵۳، ۱۲۰، ۱۲۱

ہونے کا بیان ہے، اس سے زیادہ ایک زندہ سردار کی سوانح عمری میں اور کس بات کی توقع کرنی چاہیے،

اعتراض کرنا آسان اور اسکے لئے ہر وقت دروازہ کھلا ہوا ہے، لیکن اگر انصاف سے دیکھا جائے تو معاصرین و ماہرین جنگ نے نواب امیر الدولہ امیر الملک بہادر کے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا ہے، اُنہیں تائید حاصل کرنے کے بعد مولف نے امیر اعظم کے لقب سے اگر یاد کیا ہے تو اس کے استحقاق میں شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی، ورنہ ہنر بخیم عداوت بزرگ ترعیاست گل است سعدی و خوشیم دشمنان خارا است سعدی ذیل میں اُس عہد نامہ کی پوری نقل کی جاتی ہے جو سرکار کپنی اور نواب امیر الدولہ امیر الملک بہادر کے مابین ۹ نومبر ۱۸۵۷ء کو مرتب ہو کر ۱۶ دسمبر ۱۸۵۷ء کو تصدیق و تکمیل کے بعد نافذ ہوا ہے،

اقرارنامہ فیما بین سرکار کپنی انگریز بہادر و نواب امیر الدولہ امیر محمد خاں بہادر مرتبہ مسٹر چارلس تھیامس مشکلف بہادر تنظیم الدولہ از سرکار کپنی انگریز بہادر بموجب اختیار دادہ جناب معالی نقاب مارکویں آف ہسٹنگس گورنر جنرل بہادر ولالہ نرنجن لال از طرف نواب صاحب بہادر موصوف۔ بموجب اختیار دادہ نواب صاحب موصوف،

دفعہ اول، انچہ مکانات متعلقہ ملک جہا راجہ ہلکر بہادر کہ بموجب سند ہارا جہ موصوف بقضہ نواب امیر محمد خاں بہادر است علی الدوام نسلاً بعد نسل در قبضہ تصرف نواب صاحب موصوف و وارثان شان خواہند ماند، سرکار انگریزی کفیل این معنی است و حفاظت آن ذمہ سرکار محمود، دفعہ دوم، نواب محمد امیر خاں بہادر فوج خود را سوائے قدرے کہ برائے انتظام مکانات مرقومہ صدر در کار باشد، بر طرف خواہند نمود،

لہ اختصار التواریخ صفحہ ۵، ۴، ۱۲، لہ اختصار التواریخ صفحہ ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱

دفعہ سویم نواب صاحب موصوف خلش در ملک کسے نخواہند کرد و رالطہ کہ با پندار ما و دیگر  
غار نگراں کہ میدانند موقوف خواہند نمود ملک حتی الوسع در تدارک و مدافعت آنها بر قوت  
سرکار خواہند پرداخت و سوال و جواب با احدی بغیر مرضی سرکار نخواہند داشت ،  
دفعہ چهارم - نواب صاحب موصوف ہلی اضراب توپہا و اسباب جنگی خود سوائے قدر  
کہ بنا بر تنظیم مکانات و تحفظ قلعہ جات متعلقہ خود، در کار باشد، در سرکار کپنی انگریز بہادر خوا  
رسانید، و عوض آں از سرکار زر نقد بقدر واجب خواہند یافت ،  
دفعہ پنجم ، جمعیت کہ پیش نواب موصوف خواہد ماند، عند الطلب در سرکار کپنی انگریز  
بہادر حاضر خواہد گردید ،

دفعہ ششم ، اقرارنامہ ہذا متضمن شش دفعہ و ہر دفعہ مختص چارلس تہیا قلس مشکلف  
بہادر و نرنجن لال بمقام دارالخلافۃ شاہجہاں آباد ترتیب یافته و بروفق آں اقرارنامہ مہر  
و تخت جناب محلہ القاب گورنر جنرل بہادر، و نواب محمد امیر خاں بہادر تکمیل پذیرفتہ در عرصہ  
یک ماہ در نیجا خواہد رسید، مرقوم نہم ماہ نومبر ۱۸۵۷ء

العبد العبد

مہر  
لالہ نرنجن لال (وکیل نواب امیر الدولہ بہادر)  
چارلس مشکلف رزیدنٹ دہلی  
عہد  
مہر ولیائے ہند

زبدہ نوآئینان عظیم الشان بشیر خاص حضور فیض معور بادشاہ کیوان  
بارگاہ انگلستان اشرف الاشراف مارکوئیس آف مہنگس  
گورنر جنرل بہادر ناظم ممالک محروسہ سرکار کپنی انگریز بہادر و امیر اعظم  
عساکر بادشاہی و سرکار کپنی متعلقہ کشور ہند ۱۲۳۲ھ



# پانچواں باب

## عام انتظامی مفصل حالات

آئینہ سکندر جام جم است ہنگر  
تا بر تو عرض دارد احوال ملک دارا  
(حافظ)

### پہلا دور

عہد قدیم سے ہندوؤں کے عہد تک نصابت ۱۲۱۷ء  
راجگان، تونور، پتوار، اور سینگرون کے مالی و ملکی نظام کے متعلق صرف اس قدر معلوم  
ہو سکا ہے کہ مالوہ کی حکمرانی کے زمانہ میں کاشتکاروں سے پیداوار کا چھٹا حصہ راج کے حق میں  
وصول ہوتا تھا، اور رعایہ کی جان و مال کی نگرانی فوجی سپاہ تھی، آجکل کی طرح مختلف حکمیں  
رعایہ پر نہ تھے، یہی وجہ ہے کہ سترہویں عہد اکبری میں صورت مالوہ کے بارہ ضلعوں کی آمدنی  
۲۴ کروڑ ۶ لاکھ ۹۵ ہزار ۵۲ دام تھی، مانی ۰۴ دام ایک روپیہ کے حساب سے ۶۰ لاکھ  
۱۶ ہزار ۳ سو پچیس روپیہ ۵۲ دام ہوئے، یہ تعداد صوبہ مالوہ کی موجودہ ریاست بھوپال  
کی آمدنی سے بھی کم ہے، رفتہ رفتہ پیداوار، زمین کی آبادی نئے نئے ابواب کے اضافہ سے  
اس قدر ترقی ہوئی کہ شاہجہاں صاحبقران ثانی کے عہد میں اسی صورت کی آمدنی ۰۴ دام  
(ایک کروڑ روپیہ) تک پہنچ گئی تھی، اور سلطان عالمگیر کے عہد سلطنت کے اخیر سالوں میں ۹۶ ہزار  
۱۲ لاکھ ۱۲ ہزار روپے مالوہ کی آمدنی تھی، سیر المتاخرین تذکرہ مالوہ ۱۲  
۱۲ لاکھ ۱۲ ہزار روپے مالوہ کی آمدنی تھی، سیر المتاخرین تذکرہ مالوہ ۱۲

پانچ سو کتا لیس بچے کا مزید اضافہ ہو کر ایک کروڑ ۴۶ ہزار پانچ سو امروہہ سالانہ اس صوبہ کی مالکداری تھی، سمٹا لکیری میں سرونج کا وجود ضرور تھا، جس کا تذکرہ دوسرے باب میں مفصل کیا جا چکا ہے، لیکن اس وقت سرونج کی آبادی معمولی گانوں سے زیادہ نہ تھی، اور چونکہ یہ بھی حدود مالوہ میں داخل ہے اسلئے محاصل کا قدیم طریقہ اس سے بھی متعلق سمجھا جائیے

شہنشاہ جلال الدین اکبر کے زمانہ سے، سرونج تاریخی صفحات پر نمایاں ہوا ہے، جس کا سبب ہندوستان کا عام نظام ہے جسکی تفصیل آئین اکبری میں درج ہے۔

### عہد اکبری

مومن الدولہ عہد الملک راجہ ٹوڈرمل وزیر مالیات نے ۹۸۲ھ میں اکبری حکم سے زمین کی پیمائش کی اور مالکداری کا نصاب مقرر کر کے اس وقت تک کے مشقہ مالک کو ۱۲ صوبوں پر منقسم کیا، انہیں کا ایک صوبہ مالوہ بھی تھا، مالوہ میں ۱۲ سرکار (ضلع) اور ۳۰۱ پرگنات (تخصیصات) شامل تھے پرگنوں میں ایک پرگنہ سرونج بھی تھا جو سرکار چندیری کے ماتحت عہد اکبری میں چندیری کے ماتحت ۲۸ پرگنات تھے، اس وقت سرونج کی آمدنی ایک کروڑ ۹۲ ہزار ۶۸۶ دام تھی،

۱۲ صوبوں کے نام یہ ہیں، بنگالہ، بہار، اودھ، الدہاد، مالوہ، اتمارباد، اکبرپور، دہلی، اجمیر، لاہور، خٹان، کابل، بعد میں برار، احمد نگر، خانپور، تین صوبوں کا اعداد اضافہ ہوا ہے۔ ۱۲۔

۱۵ نام یہ ہیں، اوجین، ہنڈیا، دہار، سارنگپور، رائیں، کوٹری، بیجا گڑھ، گاکرون، مانڈو، چندیری، مند سور، شاہ آباد،

۱۶۔ پرگنات کی تفصیل یہ ہے، چندیری، سرونج، اودھ پور، رتھ، توپن، پچھار، آصف آباد، دولاجاگر، بدرچھلا، میرانہ، ٹانڈہ، سادھوہ، ایرن، موگادی، راکھ پور، کالاباغ، کھیاودہ، تال، کوردائی، ہماس، پیرچھا، دیوری کلاں، اناما، بدرواہی، بھوکون، جہانچون، دیوری خورو، آردن، ٹانڈہ، بار، بامور، بھیلے، ڈھاگوتی، کولہار، موووتی، بوکرانہ، پاٹون، مانگروں، بھیت، ہارپور، ہاموری، جال، دورہ (بہت سے آئندہ)

چونکہ نکسال کے تمام مصارف کے حساب سے ۵۰ دام ایک روپیہ کے برابر تھے، اسلئے راجہ ٹوڈرل نے ایک روپیہ کے ۵۰ دام قرار دیکر تحصیل وصول مالگداری اور تنخواہوں کی تقسیم اسی حساب سے مقرر کی،

دام ایک سی پیسہ کی طرح وزنی ایک تولہ تھا، جسکے ایک رخ پر اکبر شاہ کا نام اور دوسری طرف خوشخط لفظ دام نقش تھا، اس حساب سے سروج کی آمدنی اکبر شاہی روپیہ میں اسوقت ۲ لاکھ ۵۲ ہزار، ۳۱ روپیہ کی تھی، روپیہ گیارہ ماشہ کا تھا،

یہ بھی قرار دیا گیا کہ ایک کروڑ دام کے علاقہ پر ایک سببی منظم بھی مقرر کیا جائے جسکے تعلق آبادی اور محاصل سرکاری کے وصول کا کام ہو، اسی ایک کروڑ دام کی مناسبت سے اسکا لقب کروڑی قرار دیا گیا، یہی وجہ ہے کہ شاہی اسناد میں عالمان، چودھریان، پرگنات کے ناموں کے ساتھ کروڑیوں کو بھی مخاطب کیا جاتا رہا ہے۔

کروڑیان علاقہ اور عالمان پرگنات کے علاوہ ہر پرگنہ میں فوطدار (خزانچی) امین، داروغہ چنگی، فود نویس، نرخ نویس، اور پٹواریوں کا وجود بھی پایا جاتا ہے۔ چند پرگنات پر ایک فوجدار بھی مقرر ہوتا، پیرگنہ کے حاکم کو عامل، اور شقہ دار بھی کہتے تھے، اکبر اور اکرے پہلے زمانہ میں زمیندار عام طور سے ہندو تھے، جنکو مقدم کہتے تھے اور کروڑیوں کے بجائے چند دیہات پر ایک ذیلدار، یا فوطدار مقرر ہوتا، اور چند ذیلدار کے دیہات کو ملا کر ایک پرگنہ قرار دیا جاتا، پرگنہ کے حاکم کو شقہ دار بھی کہتے، وہی سابقہ عمل کسبدر ترمیم کے ساتھ عہد لکھری

کوربا، دوپٹی، پٹی پور، مانٹ، کولاکوٹ، نون کافون، برودت، چاکر، بجن پور، ازمنہ شاہی، مورثہ غراہ شوال، جواسوٹ، لالہ پرتاب چند قانون گوئی، سروج کے پاس محفوظ ہے) بعد میں پرگنات کا تقیر و تبدل ہو کر عہد شاہی میں جو فہرست آمدنی صوبہ دار کی فائز شاہ شاہ ایران کے سامنے پیش ہوئی ہے، اسکی رو سے مالوہ میں ۲۵۷ پرگنات، اور آمدنی صوبہ مالوہ کی ۲۲ کروڑ ۵۰ لاکھ ۷۰ ہزار ۶۰ دام (۱۰۶۳۹۱۶) روپیہ کی تھی، از تاریخ

ہندوستان مؤلف مولوی ذکاء اللہ مرحوم ۱۲

میں بھی سجال رہا۔

پہر گنہ کا عامل عموماً شریف، صاحبِ علم اور مدبرِ صفات کا مقرر ہوتا، اور

**صیغہ مال**

اُسکو ہدایت ہوتی کہ رعایہ سے نرمی کے ساتھ مالگذاری وصول کرے۔ جو لوگ شریف اقوام سے غیر مستطیع ہوں اُنکو موقع دیا جائے کہ قسطوں کے ساتھ مطالبہ ادا کریں، فریادیوں کے لئے ہر وقت بابِ حکومت کھلا رکھے، عاملانِ پرگنات کے فرائض میں یہ خاص بات بھی تھی کہ آمد و خرچ ماہواری اور روزنامہ اپنے دستخطوں سے دربار شاہی میں بھیجتا رہے،

بارانی پیداوار سے نصف اجناس، اور اعلیٰ پیداوار چاہی مثل نیشکر وغیرہ سے  $\frac{1}{4}$  یا  $\frac{1}{2}$  حسب مراتب زمین سالانہ بحسن سرکار وصول ہوتا تھا، ہندوؤں سے جزیہ معاف کر دیا گیا تھا،

تھیتوں کی پیمائش کا سالانہ انتظام تھا جس کے لئے پہلے سو فی جزیہ ۶۰ گز کی تھی، چونکہ تری میں اُس کے گھٹے بڑھنے کا احتمال تھا، اس لئے بالن اور نرسل کی جزیہ ایجاد ہوئی، جس کے پچ میں لوہے کی کڑیاں تھیں، تاکہ پیمائش میں فرق نہ آئے۔ مرد ہے (جزیہ کش) ضمانت سے مقرر ہوتے۔

اہلکارانِ اعلیٰ کو تنخواہ کے علاوہ ۵ مار آٹا، ۵ مار گھی، ۵ مار دانہ، اور ۴ دام نقد ترکاری کے لئے۔ چنگی کے لئے ۴ مار آٹا، ۵ مار گھی، ۵ مار دانہ، ۴ دام نقد، جزیہ کش اور تھا پہ دار کے لئے، فی کس ۵ مار آٹا، ۵ مار گھی اور نقد ایک دام روزانہ ملتا تھا۔۔۔۔۔ دیگر عہدہ داروں کی تفصیل یہ ہے،

پٹواری، ان کا فرض یہ تھا کہ اسم دار دیہہ دار افراد جمعندی پیمائش کے بعد سالانہ مرتب کرتے رہیں، انہی افراد کو زیرِ نظر مقرر مالگذاری وصول کی جاتی۔

اسلہ سرویج میں مرد ہونکا ایک خاص محکمہ ہے لیکن بندوبست انگریزی کے بعد یہ محکمہ سوہو لوگ سطل ہو کر دیگر زیرِ اختیار کیے ہوئے ہیں۔

جمع و خرچ نویس۔ سالانہ آمدنی و مصارف کا قلمبند کرنا اور کے ذمہ تھا، بلکہ روپے اپنے  
عہد میں بدستور فارسی دفتر قائم رکھ کر جمع و خرچ لکھنے کے لئے ایک مرتبی دان اہلکار مقرر  
کیا تھا، جبکہ عہدہ سر و نج میں سنہ ۱۹۰۶ء تک قائم رہ کر تحفیہ کر دیا گیا،

فرو نویس۔ یہاں کی دیہاتی زبان میں پھر نویس کہتے ہیں، اسکا کام وہ دارا افراد کا  
ترتیب دینا تھا، اب عہدہ باقی نہیں رہا،

نرخ نویس۔ ہر روز کا نرخ لکھنا، اور ہفتہ وار صدر مقام چندیاری میں رد اند کرنا اسکا  
فرض تھا، وہی نرخنامہ دربار شاہی میں ماہوار بھیجا جاتا، ظرافت نرخ خرید و فروخت کی  
سخت مانعت تھی۔

دار و غم بیت المال، آج کل اسکا مرادف خزانچی ہے،

دار و غم چنگی۔ موجودہ زمانہ میں منصرم سائے کہتے ہیں۔

مشرق نامہ کے دار چنگی، اب بھی اس نام کے متعدد عہدہ دار ہیں۔

قانون کو، اہم ذمہ داری کا عہدہ تھا، اور اب بھی ہے، اس عہدہ دار کے کام کی  
تفصیل اسوقت یہ تھی، افراد جمع بندی کی سالانہ جانچ اور ان کا مرتب کرنا، سرحدی تنازعہ کا  
فیصلہ، لاخراج اراضی کا رجسٹر مرتب کرنا، سالانہ جمع بندی دفتر شاہی میں روانہ کرنا،

پٹواریوں کے کاغذات کی پڑتال، رعایہ کی فلاح و بہبود کے متعلق حکام کو نیک

مشورہ دینا۔ محصول کی زیادتی کو روکنا۔ دورہ دیہات کے سلسلہ میں مقامی عاملوں کے ساتھ

رہنا، مزبورہ زمین کی پیمائش کی پڑتال کرنا، اپنا ایک رشتہ دار و بیاطافت میں مامور رکھنا

جسکے ذریعہ سے پرگنہ کے تمام واقعات و حادثات کی اطلاع دربار شاہی میں پہنچتی رہی۔

ایمن، پیمائش کا اعلیٰ مقامی افسر ہوتا ہے، اسی کی نگرانی میں سالانہ پیمائش ہوتی،

کر وڑیاں دیہات، باہم زمینداروں اور ذیلی کاشتکاروں کے نزاعات کا

تصفیہ کرنا۔ محصول وصول میں امداد دینا، اور خود جبکہ زمین کاشت کریں اور کا حاصل

معاف تھا،

چودھری کے متعلق بازاری تنازعات کی پنچایت اور اُن کا یا بھی تصفیہ تھا، -  
خدمات کے معاوضہ میں تنخواہیں قلیل اور حقوق کثیر تھے۔ یہی تفصیل یہ تھی۔  
عالموں کے حقوق" علاوہ تنخواہ کے، فی گاؤں دورویہ بھینٹ سالانہ، دورہ کانڈرانہ

فی پٹیل زمیندار دورویہ

حقوق قانونگویمان بھینٹ فی دیہہ دورویہ سالانہ، ادائی فیصدی ایک روپیہ، پٹیل  
چنگی دسایر فی روپیہ پاؤ آٹہ، اراضی انعامی علاوہ، فی انتقال نامہ  
ایک روپیہ عشر

حقوق پٹواریان - فی دیہہ سکہ اراضی معانی فصلین پر فی ہل ۵ مارغلہ، فی شہ کھاندہ داری  
فی پٹواریان کشی ارنی ناٹھ (عقد ثانی) عمر فی فارغی -

حقوق زمینداران" معانی زمینداری وسعت رقبہ کے لحاظ سے ایک سو بیگہ سے ایک لاکھ تک  
ملیہ خرچ فی روپیہ سرکاری آمد فی ہر ۲۰ سے ایک لاکھ -

حقوق کمینگان" گاؤں کا بلائی، مژدہ۔ مویشی کا چرم، فصلین پر فی ہل مارغلہ

حجام " فی ہل ۵ مارغلہ دونوں فصلوں پر  
دھوبی ایضاً  
کھار ایضاً  
لوہار ایضاً  
برہمی ایضاً

کینوں کے حقوق اُن خدمات کے معاوضہ میں ہیں جو دورہ کے وقت اہلکاران سرکاری

ملہ ملہ خرچ دیہہ کے اہلکار کو کہتے ہیں جو زمینداروں کی طرف سے مسافروں کی جاندار سرکاری چرایوں کے  
روزانہ دستک، تہوار وغیرہ میں صرف ہوتا ہے، اور کاماوضہ سالانہ خزانہ ریاست سے دیا جاتا ہے، ۲۰ ملوٹ

شاہی زمانہ میں پیداوار کی کثرت اور اُس میں بہت ترقی تھی۔ حالانکہ موجودہ زمانہ میں حسبِ درازنی آبادی اسکا تیسرا حصہ بھی اُس وقت آباد نہ تھی، شیردارویشی کی بھی کثرت تھی، پرگنہ کا رقبہ جنگل جھاڑیوں کی کثرت سے گھرا ہوا تھا، اجناس کی ارزانی کا سبب یہ تھا کہ آج کل کی طرح وسائل بار بار برداری نہ تھے، مقامی اجناس کی پیداوار باہر نہ جاتی، کبھی کبھی بچاروں کے ذریعہ سے نمک اور چانول، دوسرے علاقوں سے آتا، اور اُن کے معاوضہ میں غلہ دیدیا جاتا، علاوہ اس کے وہ مختلف ٹیکس رعایہ پر نہ تھے جو آج ہیں،

اکبر شاہی عہد کا فرمانامہ بموجب تشریح آئین اکبری حسب ذیل ہے،

گندم دال مونڈھا چاول دال مونگ باجرہ نمک گھی پیاز دودھ  
۶ مین ۸ مین ۵ مین ۱ مین ۱ مین ۱ مین ۱ مین ۱ مین  
۳۰ سال قبل سروج کا نرخ اجناس مؤلف نے حسب ذیل دیکھا تھا گندم فی روپیہ ایک من چمٹہ  
تخمیر گھی دودھ آج موجودہ زمانہ میں گندم تخمیر دودھ گھی  
فیروپہ ۱۵۰ فیروپہ ۱۵۰ فیروپہ ۱۵۰ فیروپہ ۱۵۰ فیروپہ ۱۵۰ فیروپہ ۱۵۰

ہمیں تفاوت رہا انکجا است تا بلجا

۱۱۔ اگر شاہ کے عہد میں منبری سیر کے حساب سے ۶ سو ۱۱ مارکا من تھا، آؤن کے حساب سے جو نرخ بتایا گیا ہے یہ اصل موجودہ زمانہ کے چلن کے مطابق حساب لگا کر بتایا گیا ہے ورنہ اس زمانہ کا کم کے مطابق نرخ درج ہے ۱۲ مولف ۱۱

## کوٹوال

شہر میں دو مقامات کوٹوالی کے تھے جن کا نام شاہی اسناد میں چبوترہ کوٹوالی درج ہے، یہی چبوترے عجموں کے قید خانے بھی تھے ہر گناہ کے مجرمین بھی یہیں آکر سزایاب ہوتے، آج کل کی طرح نہ قوانین و آئین تھے، نہ ٹیلیں مرتب ہوتیں، زبانی کارروائی پر اکثر دار و مدار تھا،

کوٹوال، عامل کے ماتحت مقامی اعلیٰ افسر ہوتا، سزائے جرمانہ اور قید کی کوئی تعداد معین نہ تھی، نہ جرائم کی سماعت کی تخصیص تھی،

آئین اکبری میں کوٹوال کے فرائض کی تشریح اس طرح پر درج ہے،

دام کوٹوال نیک کردار متدین، ذی علم ہو، (۱) رات کو بیدار اور شہر میں پھرتا رہے، بد معاش اور چوروں کو گرفتار کرے (۲) بد قماش آوارہ گرد اور چوروں کی فہرست ہر وقت مرتب رکھ کر ان کی نقل و حرکت کی نگرانی رکھے، (۳) ہر خاص و عام کو مطلع کرے کہ وہ لوگ بلا اجازت شادی وغنی کے مراسم نہ ادا کیا کریں، (۴) محلے میں ایک معزز و معتبر شخص کو میر محلہ مقرر کر کے اختیار دے کہ روزانہ حالات و واقعات کار و زناچہ میں اندراج کر کے کوٹوال کے سامنے پیش کرتا رہے۔ جدید مسافروں کو بلا اجازت مقیم نہ ہونے دے، محلے میں سے کوئی شخص سفر کو جائے تو اس کا نام بھی روزنامہ میں درج کیا جائے (۵) مسافرین سوائے سرائے کے دوسری جگہ قیام نہ کرنے پائیں، (۶) پیشہ ور لوگوں میں سرگردہ مقرر کئے جائیں جن سے بازاری واقعات کی اطلاع ملتی رہے، دلال بھی بازار میں رکھے جائیں جن سے روزانہ ہر قسم کی اشیاء کا نرخ معلوم ہوتا رہے (۷) جن شہروں میں فیصل شہر اور کوچوں میں دروازے ہوں، رات کو بند کرادیے جایا کریں (۸) خیال رکھا جائے کہ نرخ اجناس ارزیاں رہے، تاکہ غریب کو تکلیف نہ ہو (۹) بازاری اوزان کا ماہواری معائنہ ہوا کرے تاکہ کمی و بیشی کا احتمال نہ رہے، سیر بم ٹکوں سے زیادہ نہ ہونے پائے (۱۰) شراب و شیخہ ایک پیسہ ۱۷ ماشہ کا تھا، اس حساب سے سیر ۸ تولہ کا ہوا جو اس وقت بعض ممالک میں رائج تھا ۱۷۰ موٹ



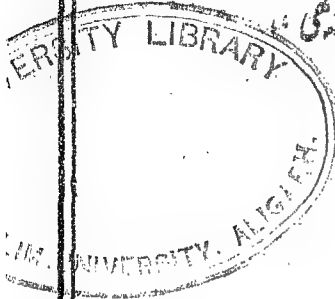
اور شراب نوشی کی سختی کے ساتھ مخالفت کرے (۱۲) گزرگاہ و جاہات، عورتوں اور مردوں کے جدا جدا مقرر کئے جائیں (۱۳) مستورات گھوڑے کی سواری سے باز رہی جائیں۔ (۱۴) برودہ فروشی اور رسم سنی قطعاً مسدود رکھی جائے اور ترکیبوں کو سنرا دی جائے (۱۵) ہنود و مسلمان فقراء اور عبادت گزاروں کو کوئی تکلیف نہ دے (۱۶) گورستان آبادی کے باہر مغرب کی طرف قائم کیا جائے، (۱۷) بیمار جانور نہ ستائے جائیں نہ شکار کئے جائیں (۱۸) اتوار کے دن کہ عبادت آفتاب کا روز ہے گوشت فروخت نہ ہونے پائے نہ شکار کیا جائے، خلاف ورزی کرنے والوں پر کو قوال کو تعزیر کا اختیار ہے۔

**فوجدار** فوجدار چند پرگنوں پر ایک ہوتا، جو سپاہ سالار کی زیر سیادت امور پر ہر باغیوں کی گوشمالی کرتا، زمینداروں کی سرکشی اور عدم ادائے حاصلات وغیرہ کی صورت میں فوجدار ہی سے کام لیا جاتا، جسکی ماتحتی میں معقول جمعیت ہر وقت موجود رہتی، لیکن یہ خاص ہدایت تھی کہ جب تک پیادوں سے کام چلے سواروں سے امداد نہ لی جائے، عامل کی عدم موجودگی میں فوجدار اور فوجدار کی فی موجودگی میں عامل ایک دوسرے کے قائم مقام ہوتے ملحق الحدود پرگنوں میں سرورخ پڑا پرگنہ ہے، اسلئے فوجدار کا صدر مقام بھی اس وقت سرورخ ہی تھا۔

سواروں کی تتوہیں گھوڑوں کی نسل کے لحاظ سے مقرر تھیں، مثلاً عراقی نسلہ ماہانہ مع صرفہ اسب، آختہ عٹہ ماہوار مع صرفہ ترکی عٹہ ماہوار مع صرفہ جنگلہ عٹہ ماہوار مع صرفہ۔

اول درجہ پیادہ فوج، درجہ اول عٹہ۔ درجہ دوم عٹہ دھیم سوم عٹہ درجہ چہارم عٹہ

نسلہ گبر کی آفتاب پرستی اس سے بھی ظاہر ہے، اسی بنا پر قطری کشمیری شاعر نے ذیل کا قلمہ لکھ کر اکبر شاہ کے سامنے پیش کیا اور انعام میں ۱۲ ہزار روپیہ حاصل کیا قطعہ تحت نگر کہ درخورد ہر چہری عطاست پد آئینہ باسکندرجا کنگر آفتاب اذکر داکر شاہد حق در آئینہ پد اس میکند شاہد حق در آفتاب۔ شعر النجم جلد چہارم ۱۲ و ۱۳



اور یہ ماہوار، درجہ دوم پیادہ افواج کی حسب ذیل شرح مالا تھی

اول درجہ پہلے دوم سوم چارم پنجم

فوج درجہ سوم لکھ، چار، پانچ

فوج درجہ چارم لکھ، پانچ، چھ

فوج درجہ پنجم لکھ، چھ، ستر

شیخ الاسلام کی صدارت کے ماتحت ہر سرکار (ضلع) صوبہ اور تمام پرگنات میں، قاضی مقرر تھے، سروخ میں بھی ان کے آغاز حکومت تک برابر قضاۃ

عہد الہ

ماہور رہے، اور آج بھی ہیں۔

عہد اکبری میں قاضیوں کے تعلق قیوداری و دیوانی معاملات کی تحقیقات اور انکافضال تھا، اور ہر ایتھی کہ تحقیقات شرعی اصول کے مطابق کی جائے، فریقین سے وقت اول سے حلف گرم پیسے ہرگز نہ اٹھائے یا میں، نہ اس قسم کے دیگر بیع امور میں آئیں، تحقیقات کا مواد کاغذی شکل میں جمع کیا جا کر فیصلہ کامل اہلینان کے بعد صادر کیا جائے، شاہی فیصلوں کے متعدد احکام مولف کی نظر سے گزرے ہیں، جن میں شریعت کے احکام کی پوری جھلک ہے شرعی عدالتیں سروخ میں کب سے قائم ہیں، اسکی صحیح تاریخ معلوم نہیں ہو سکی، سروخ میں قاضی مرتضیٰ صاحب کا ایک قدیم خاندان ہے، اسکا وجود سلطان شیر شاہ سوری کے عہد ۹۹۹ھ سے سروخ میں پایا جاتا ہے، شیر شاہی دور حکومت میں قاضی رکن الدین سروخ کے قاضی مقرر ہوئے، اس کے بعد عہد اکبری میں قاضی مبارک ہوئے، بعد سلطان کے عہد میں بھی برابر قضاۃ مقرر ہوتے رہے۔

محکمہ قضاۃ کا ایک شعبہ دارالافتا بھی تھا، تحریر و تکمیل فتاویٰ کے علاوہ مفتوں کے متعلق ایک یہ کام بھی تھا کہ انتقال جائیداد غیر منقولہ کی اطلاع رعایہ کی طرف سے جب مقامی عامل کو دیجاتی، اسوقت عامل مفتی کو اطلاع دیتا، مفتی جائیداد کے موقع

دارالافتا

جا کر معائنہ کرتا، حدود لکھتا، شریک و سہیم کی تحقیقات کرتا، پھر انتقال نامہ کا مسودہ کرتا اور مقرر کے دستخط کرانے کے بعد اپنی مہر اُس پر ثبت کر کے قاضی کے پاس بھیجتا، جس پر قانون گو یوں کی گواہی لازمی تھی، قاضی کی عدالت رجسٹری کا کام بھی انجام دیتی، یعنی متعاقدین معاہدہ سے تصدیق کرنے کے بعد اپنی مہر سرنامہ پر لگاتا، اور تفرقہ کے حوالہ کرتا،

انتقال نامہ کی نقل مفتی کے رجسٹر میں کی جاتی، کسی دستاویز کے تلف ہونے پر اُسی رجسٹر سے دوسری نقل دیدی جاتی اور اُس پر قاضی کی تصدیق ہوتی، یہی دستاویز مفتی و قانون گو کے لئے ایک ایک روپیہ حق التحریر مقرر تھا،

۱۸۶۶ء تک موجودہ رئیس اعظم کے ابتدائے عہد حکومت میں بھی اس قسم کا عمل رائج ہوتا پایا جاتا ہے، اس کے بعد قانون انگریزی کی تقلید میں دفتر رجسٹری جدا گانا قائم ہوا،

قاضیوں اور مفتیوں کو اُن کی خدمات کے معاوضہ میں اراضیات معافی بخش جو آج تک اُن کے خاندان میں باوجود جہالت اور اُن سے کام نہ لینے کے شاہی اسناد کی اتباع میں ریاست کی طرف سے بحال ہیں، یہ دوسری بات ہے کہ خاندانی افراد نے ضرورتاً اپنی معافیات کا بڑا حصہ زمین و بیع کے ذریعے سے نقل کر دیا ہے، معافیات کے علاوہ عیدین پر نقد و پارچہ کا خلعت سرکار شاہی سے انکو ملتا رہا ہے، نقد تحائف برائے نام تھیں، بلکہ غوانی کے حقوق بھی مقرر تھے جبکہ سلسلہ اب تک برابر قائم ہوئے تفرقات عمل میں، سوانح نگار، وقائع نگار، مہتمم قیام شاہی کا بھی سروج میں مامور رہنا ثابت ہے، سوانح نگاری کی اطلاع وہی پردر بار شاہی سے فقرا ہلکا مشائخ وغیرہ کو معافیات ملتی، انتظامی خرابیوں کی اصلاحات بھی کچھ تھیں، مقامی حکام سے باز پرس بھی ہوتی

لے یہاں مفتیوں کا قدیم خاندان موجود ہے، جبکہ بڑے رکن مفتی حیدر بیگ سو سالہ عمر کے زندہ ہیں انکی زبانی اور دیگر کاغذات کے معائنہ سے یہ حال لکھا گیا ہے، ۱۹۰۰ء میں عہد نظامت صاحبزادہ شیر علیاں بہادر سردار جنگل مفتی کے یہاں کی تمام ہیبتیں قدیم منگ کر صیغہ رجسٹری میں محفوظ کرادی گئی ہیں، ۱۲ جولیت

## ٹکسال

اس عہد میں پیسوں کی ٹکسال سرویج میں تھی، جو اکبر شاہی مشہور تھے، ۱۱ روپیہ مسکوک ہو کر جاری نہیں ہوا، آئین اکبری میں اُن ۲۸ بڑے مقامات

کے نام درج ہیں، جہاں پیسوں کی ٹکسال تھی، اُن میں سرویج کا نام تیسویں نمبر پر درج ہے، ۱۱ روپیہ ۱۱ ماشہ کا تھا، ۱۶ ٹکے ایک روپیہ کے ملتے تھے، اور ایک پیسہ ۶ ماشہ کا تھا، کلدار پیسہ کے مقابلہ میں ۱۰ ماشہ زیادہ سمجھنا چاہیے، اسلئے کہ کلدار پیسہ ۶ ماشہ کا ہے۔

## عہد جہانگیری

اس عہد میں اکثر سابقہ انتظام بحال رہا، البتہ یہ ایک نئی بات قابل یادگار ہوئی کہ شہنشاہ جہانگیر نے پہلے سال جلوس مطابق

۱۱۱۱ھ میں جو دوازدہ احکام جاری کئے تھے، انہیں دوسرا حکم معافی محصولات چنگی (سارا) کا تھا جو پھر کی تختیوں پر نقش ہوا، پھر وہی لوحین مقامات تجارتی پر نصب ہوئیں یہاں اس قسم کی لوحین تین مقامات پر نظر سے گزری ہیں، ۱۱۱۱ھ سرویج کی کوتوالی، ۲۵۱۱ھ موضع بھونریہ ۲۵۱۱ھ موضع روسلی ہاٹ میں، سرویج کی لوح اب نظامت کے مکاتین محفوظ ہے، موضع روسلی دھونریہ کی لوحین نمایاں مقامات پر گرڑی ہوئی ہیں، آخر الذکر دونوں مقامات بھی تجارتی ہیں کسی زمانہ میں بڑے مقامات تھے، اُسے تجارتی حیثیت سے دونوں جگہ قوم جہانگیر اب بھی آباد ہے، معافی نام کی نقل قیسرے باب میں سلسلہ تذکرہ دارالضرب و کوتوالی درج کر دی گئی ہے،

## عہد شاہجہانی

عہد گذشتہ کے مقابلہ انتظامی امور نے بہت زیادہ رونق و ترقی پائی سو فی جرمیہ جو رقبہ کی پیمائش کے لئے بنائی گئی تھی، وہی شاہجہانی

۱۱۱۱ھ گزیر، آئین اکبری ۱۲۱۱ھ جہانگیر ۱۱۱۱ھ میں پیدا ہوا، اور ۱۱۱۱ھ میں تخت نشین ہو کر ۱۱۱۱ھ میں فوت ہوا، گو پہر درج اکبر شاہی تاریخ ولادت بجائے اکبر شاہی بادشاہ زادہ سلیم تاریخ جلوس اور جہانگیر تاریخ وفات ہے، ۱۱۱۱ھ متنازع التواریخ ۱۲۱۱ھ ترکشا جہانگیری جلوس اول ۱۲۱۱ھ

۱۱۱۱ھ شاہجہان ۱۱۱۱ھ میں پیدا ہو کر ۱۱۱۱ھ میں تخت نشین ہوا، ۱۱۱۱ھ میں عالمگیر نے نظر بند کیا ۱۱۱۱ھ قید (بقیہ صفحہ آئندہ)

جریب ناہری تیرے ساتھ آٹھک قائم ہے، شاہجہانی سوئی گز (۳۶) انگل یعنی (۳۳) انچ انگریزی کے برابر تھا، اور جریب ۶ گز کی تھی، موجودہ دور انگریزی میں (۳۳) انچ فی گز کی جگہ (۳۶) انچ گز اور ۵ گز کی آہنی جریب رکھی گئی ہے، لیکن نتیجتاً دونوں کا حاصل ایک ہے، یعنی ۵ گز کو (۳۶) انچ میں ضرب دو تو (۱۹۸۰) انچ حاصل ضرب ہوتا ہے، اسی طرح ۶ گز شاہجہانی کو (۳۳) انچ میں ضرب دو تو نتیجہ وہی (۱۹۸۰) انچ برآمد ہوتا ہے، ایک ہیگہ (۲۶۰۰) شاہجہانی گز مرع کا تھا، عمارتی شاہجہانی گز بھی جاری ہوا، اب سے ۳۰ سال قبل عمارتی کام میں استعمال ہوتا رہا، موجودہ زمانہ میں شاہجہانی عہد کی دو یادگاریں باقی ہیں (۱) بڑی گز جو (۳۶) انچ انگریزی کے برابر ہے، یعنی بھری انگریزی گز سے تقریباً دو گہ زیادہ ہر بھوپال میں بھی یہی گز ہے، اور اسی سے کپڑوں کی خرید و فروخت ہوتی ہے (۲) اوزان یہاں کا سیر ۹۸ روپیہ کلدار کے برابر ہے، گز اور اوزان پر ریاست کے محکمے چنگی کے تیسرے چوتھے سال برابر نہیں لگائی جاتی ہیں، تاکہ کمی بیشی کا احتمال نہ رہے، مادہ حقیقت شاہجہانی سیر ۳۶ مکوں کا تھا، فی پیسہ ۱۶ ماشہ کے حساب سے ۹۶ تولہ کا سمجھا جاتا ہے۔ وہی سیر تقریباً ۹۸ روپے کلدار کے برابر گز بھی رائج ہے، کلدار روپیہ دورانی کم ایک تولہ کا ہے نتیجہ وہی ۹۶ تولہ ہوا، عہد مذکور میں یہاں شاہی اسٹبل بھی تھا، جسکے آثار محلہ رکا گنج میں پائے

ہنر سے آزاد ہو گیا، تاریخ ولادت اہل جاوید الہی، تاریخ جلوس، وارث ملک لیلیٰ آمد، تاریخ وفات، رضی اللہ عنہ، جستا  
منہاج التواریخ نے اس طرح نظر بندی کی تاریخ کالی ہے،

کرد محبوب ہر در را چو شہ عالمگیر، دل من گفت کہ حیف اس چہ شرمی بنیم، دادا رحا قضا شہزادہ شہزادہ شہزادہ  
شکل اس است کہ ہر در شرمی بنیم، گفت اس خواجہ بھوال یکے تارکش زانکہ، ہمنہ آفاق پیرا زشتہ و شرمی بنیم  
بیج شفقت نہ برادر برادر دار، بیج ہرے نہ پسر را برادر می بنیم، بے تالی سر آہے یکشید و فرمود۔  
پسران را پیر خواہد بر می بنیم، ۱۵۴۰ اس سے تالی کے ۱۵۴۱ اور سیر آہ کا عدد (۱) جیلہ ۲، ۱۵۴۲ کا عدد ۱۰۶  
باقی رہتے ہیں، یہی سال نظر بندی کا ہے، مولف۔



کے تقریباً ہر ایک ہے، نظام صرف ۲۰ ہزار ۵۰۰ بیگہ کی موجودہ بندوبست میں کمی ہے اور یہی محض کشتوار قبیلہ کے استخراج عمل کا سبب ہے، جس سے کمی و بیشی کا امکان ہے بندوبست کے بعد ملی انتظام اعلیٰ پایہ پر آئے گا۔  
**عدالتی نظام عالمگیر** چونکہ شہنشاہ اورنگ زیب خود تشریف بادشاہ تھا، اس لئے عدالتی نظام عالمگیر اس نے شرعی عدالت کا نظام بھی شرعی اصول پر مرتب کیا اور بہت زیادہ اسکے رونق دی۔

قاضی عید الوہاب، قاضی سرکار چندیری کی شکایت پر سب سے جلد سب مطابق سب میں عالمگیر نے جو فرمان جاری کیا تھا، اُس سے مذہبی احکام کی پابندی، شرعی عدالتوں کے اختیارات اور ان کی وقعت پر کافی روشنی پڑتی ہے (تقریباً گزشتہ) دلت (خالصہ بادشاہی مع خالصہ شریفیہ، جاگیر لائبریان و منصبداران شاہی در سالہ حضوری و منصبداران غنہ)

(۱) حاصل زراعت و محصول سائر راہداری، ۸۸ کروڑ ۶۹ لاکھ، ۲۸ ہزار روپیہ،

(۲) حاصل دریا و کان، از قسم چوہرات و سونا چاندی، ۱ کروڑ ۲۶ لاکھ، ۴۰ ہزار، ۲۱ روپیہ،

(۳) (میزان ۵ کروڑ ۹۵ لاکھ - ۹۵ ہزار ۹۵۵ روپیہ)

سے کا حرف دیہ پیدائش جاگیرات و دیہات و بہوم زمینداران و راجہ رانا وغیرہ، ۱۸ کروڑ ۸۰ لاکھ ۸۰ ہزار ۳۳ روپیہ  
 رج رعیت کی پیداوار مع دستور و لوازم وغیرہ،

بعد حاصل سرکاری (۱) ارب ۳۸ کروڑ ۸۱ لاکھ - ۳۳ ہزار - ۱۸ روپیہ =

میران ہر سہ قسم (۳) ارب ۱۳ کروڑ ۲۵ لاکھ - ۸۱ ہزار ۵۴ روپیہ

(۵) افواج ہندوستان مع سوار و پیادہ =

دلت (بادشاہی فوج مع منصبداران و ملازمان و رسالہ جات شاہی ۴ لاکھ، ۸۰ ہزار ۹۹۳ نفر،

ب) زمینداران و بہومیان و راجہ رانا وغیرہ کی افواج - ۳ لاکھ ۳۵ ہزار - ۵۳۴ نفر

میزان کل فوج - ۲۸ لاکھ ۲۳ ہزار ۲۳۰ نفر

انتخاب از روزانہ پسیہ اخبار لاہور، ۱ جنوری ۱۲۹۵ھ بمطابق

جس کی پوری نقل فٹ نوٹ میں درج کر دی گئی ہے، لہ  
 ڈاک کی چوکیاں، جہاں سرے،  
 متفرق انتظامات عہد عالمگیری  
 مسافر خانے، خام و خیمہ شاہراہیں،

لہ درنیو لا شرعیۃ پناہ فضیلت دستگاہ قاضی عبدالوہاب بزم اشرف رسانید کہ در پرگنات متعلقہ صوبہ بلوچستان  
 شرع شریعت بعض امور اندازہ بدعت قبل جس مروج حکم شرع در جو تروہائے کوتوالی وغیرہ بعض تہمت تحرک راجع عن یا تقریباً  
 میان کوس واقع شود و اگر فن جرمانہ و شکرانہ و طلب نذرانہ چارم وغیرہ از کسانیکہ بعد تشخیص تضایع موافق شرعیۃ بمقتضا  
 بحق خود میسر شد در حد مبلغ بطریق طمانہ و مندوانہ و بیگانہ رعایہ و محرفہ و دیگر مردم و اگر فقہن گزریانان و متحفظان  
 شوارع چیزے بعلت رہائی، بر دینی، پہل و عرابہ وغیرہ منہکام تردد و توقع می آید، و قضاۃ در منع اس بدعات و انفاذ احکام  
 شرعی انرا لھذا راجد بآب معاملات با نظام شرع و استرداد حقوق تأیید آں بعد فعلی تضایع یا اعانت حکام محتاج اندازہ انجا کہ  
 اہل ہمت والا و تمامی توجہ علیہا ہوا رہ بر ترویج قوانین دین متین و تنفیذ احکام شرع معین و احیاء مراسم عدل و داد و ہدایہ  
 بینا ظلم و فساد مصروف است، حکم جہاں مطلع لازم الاتباع بکراست صدوری نمود کہ حکام و عمال مناسرا لاشغال و  
 جاگیرداران و فوجداران و کدوئیان حال استقبال صوبہ مذکورہ در اجرائے احکام شرعیۃ و منع امور متہیہ لو از آمد و آمد با قاضی انجا  
 ہر وجہ آتم بطور رسانندتا احدے انجا وہ قویہ شرعیۃ نقرہ، طریقہ مستقیمہ عدالت عالم.... آرا تاجا و زوال و خلاف نورزد و حق  
 دار عائد گردود منظوران از شرع ظالمان ایمین باشند و ہر کہ با اعلام شرع شریف، بدارالعدالۃ العالمیہ حاضر نشود یا بعد از  
 تشخیص قضیہ در ادائے حقوق اعراض نماید اورا تنبیہ سازند و در جو تروہائے کوتوالی وغیرہ بیجا یکے را یکم شرع بعلل  
 فی الصدور عیوس سازند جرمانہ و شکرانہ بگیرند، و بعد فعلی معاملات موافق شرع چیزے و جو چارم حصہ وغیرہ اناصرے طلب  
 انمائند و رعایا و سائر کتہ آنجا البیضہ طمانہ و مندوانہ و بیگانہ رعایا نہ چیزے نہ ستانند و محرفہ یہ سلمانان معاف نہ سازند گزریانان  
 و متحفظان شوارع آنجا قدغن نمایند کہ در خروج و دخول امصار و بلا دور مسالک و معابر بردونی و پہل و عرابہ غیرہ  
 راہ اوی طبع کنند و تنبیہ و تا دیب اہل ملاہی و مناہی و مناسکرات و سائر بدعات بر خود مسلم و اند و اگر احدے ایسا کرد  
 امور ممنوع نماید و منع متغیر نگردد و اقدار بکار برد بہ مذکور این معنی را ببع اقدس سازد چارم از دقیقہ صحت شہادت جلوس مبارک نوشتہ  
 سند فقط (دبیری سیاہ ہر عالمگیری ثبت ہے) فرمان منقولہ سید محمد علی شاہ حافظ دفتر منصفی مروج کے پاس محفوظ ہے، ملف



دارالشفا، سینہ اجبار وغیرہ کا وجود عہد گذشتہ میں بھی تھا، لیکن عالمگیری عہد میں اور زیادہ ترقی ہوئی، خصوصاً محکمہ خبر رسانی کا نظام حیرت انگیز پایا نہ پر تھا، سروج میں میر عبد الغنی، حیرت علی میراج علی، وقائع نگاروں کے نام فرامین شاہی میں دیکھے گئے ہیں، ۵۰ سالہ عہد حکومت عالمگیری میں اور نہیں معلوم کتنے وقائع نگار گذرے ہوں، جکا شمار آج ممکن نہیں ہے، شہنشاہ عالمگیر کے بعد خانہ جنگیوں کا دروازہ کھل گیا، تمام انتظامات درہم و برہم تھے۔ اور جو کچھ نظام قائم تھا وہ عالمگیری نظام کے داغ بیل پر خفیف تغیر و ترمیم کے ساتھ باقی رہا یہاں تک کہ ۱۱۵۶ھ میں صوفیہ مالوہ کے ساتھ سروج بھی پیشوا کی حکومت میں منتقل ہوا تاہم سلطان سراج الدین بہادر شاہ ثانی کے عہد تک شاہان مغلیہ کا گذشتہ اعزازی احترام سبکوں اور فرامین میں نمائش کے طور پر قائم رہا،

عہد شاہ عالم ثانی و اکبر شاہ ثانی | اگرچہ یہ دونوں بادشاہ بھی انقراض سلطنت کی بنا پر ساقط الاختیار بادشاہ تھے، مگر وہی منتقش سکہ

ان کے شاہی ناموں کے زندہ رکھنے کا باعث رہا،

سروج کے دارالضرب کو فیخر حاصل ہے کہ نقرہ سکہ سب سے پہلے اس نے شاہ عالم ثانی لے گا سکو کیا جس کے پہلے رخ پر یہ شعر تھا،

سکہ در بر مہفت کشور با فضل الہ حامی دین محمد شاہ عالم بادشاہ

اور دوسرے رخ پر یہ عبارت منتقش تھی، جلوس مہمنت مافوس ضرب سروج ۶۲ء - روپیہ ۱۰ ماشہ ۷ رتی کا تھا، جس میں ۷ رتی کھا رتھی، کھلدار کے مقابلہ میں ۳ ر کم میں چلتا رہا،

اس کے بعد دارالضرب، سروج سے اکبر شاہ ثانی کا نقرہ سکہ سکو کہ ہو کر جاری ہوا جس کے پہلے رخ پر محمد اکبر بادشاہ صاحب قراں ثانی (اور دوسری طرف سند جلوس مہمنت لہ گزیتر سروج ۱۲ =

مانوس ضرب سروج ۱۲۲۱ھ نقش تھا جو ۱۲۶۹ھ عہد حکومت نواب وزیر الدولہ بہادر  
تک جاری رہا۔

**پیشوا اور ملکروں کا عہد حکومت** | جنگ و جدال کا زمانہ تھا، طبائع بھی مرہٹوں کی  
پُر جوش اور رزم آگین تھیں، نظام سلطنت کا

شیرازہ بکھر رہا تھا، بالاجی راؤ دوم پیشوا کو محمد شاہ اور اسکے ہواخواہ صوبہ داروں کی طرف  
سے کامل اطمینان نہ تھا، ایسی حالتوں میں صوبہ مالوہ کا وسیع ملک اُن کے ہاتھ آیا، آسامیوار  
تحصیل وصول کا انتظام، مرہٹوں کے غیر متحدن طبائع کے بساط سے باہر تھا اسلئے انہوں نے پرگنہ  
کا شخصی اجارہ دیا، اور جسکو اجارہ دیا جاتا، اُسی کو مقامی حکومت کی سند بھی دیجاتی، سیاست،  
عدالت، نظامت، رعیت کے تمام اوصاف مستاجر کی تنہا ذات میں مدغم تھے،

بجائے عامل کے کما سدا کا لقب مقامی حاکم کے لئے تجویز کیا گیا، اجارہ چند سال کیلئے  
معاویہ دیا جاتا ہوتا، سدا و ارضیوں کے زمانہ میں خرمیوں کی نگرانی کے لئے دیہات میں اجیر  
مقرر کر دیتے جو شخنے کے نام سے معروف تھے،

یہ طریقہ اب تک جاری ہے، مگر کمی کے ساتھ جن دیہات میں خالص کام کی زیادتی کے  
سبب حلقے کے چراسی کا پنچیا نہیں ہوتا وہاں کہلیانوں کی حفاظت کے لئے، تا ادا اے مالگداری  
شخنے مقرر کر دیا جاتا جو جسکی تنخواہ کا شکار ان دیہہ پر پھیلادی جاتی ہے اور وہ حسب حیثیت چندہ کر کے  
ہینے دوہینے کی تنخواہ ادا کر دیتے ہیں،

۱۱۹۳ھ عہد پیشوا میں سروج کی آمدنی ایک لاکھ ۹۰ ہزار ۵۲۳ روپیہ تھی، دیوانی و  
فوجداری معاملات کا تعلق محکمہ قضا سے واپس لے کر کما سدا کے سپرد ہوا، عدالت مشرعیات میں  
صرف مذہبی اسلامی خصومات کی سماعت مخصوص کر دی گئی،

نکاح خوانی کا تعلق بھی بدستور قاضیوں سے رہا، اُن کے حقوق معافی میں کسی قسم کی  
دست اندازی نہیں کی گئی، ۱۲۱۵ھ میں ملکروں کی حکومت کا اختتام اور نواب امیر الدولہ

بہادر کے عاملانہ قبض و دخل کا آغاز ہوا۔

عہد سلطان شیرشاہ سوری سے ہکر دس کے عہد  
مقامی عاملوں کی جدول تک جن لوگوں نے سرویج میں مقامی عاملانہ

حیثیت سے حکومت کی ہے، ان کی نیز قاضیوں، مفتیوں، اور دیگر ملکی عہدہ داران کی مکمل  
فہرست یا وجود تلاش و کوشش کے دستیاب نہ ہو سکی، لہذا ذات نظامت، فرامین شاہی اور  
تاریخ کی امداد سے غیر مسلسل طور پر جن عہدہ داروں کا پتہ چلا، ان کے نام ذیل کی جدول میں  
درج کیے جاتے ہیں۔

جدول عاملان متفرق عہدہ داران سرویج شیرشاہی عہد ہکر و فکر عہد تک

سلسلہ	۲	نام مقامی	متفرق عہدہ داران	کیفیت
سلطان شیرشاہ سوری	۹۴۹ھ	شہباز خاں	قاضی رکن الدین برخوردار محاسب	قاضیوں کا پہلا خاندان جو شیرشاہی حکم سے سرویج میں آباد ہوا، اپنی بزرگوں کا ہے جسکی اولاد میں قاضی تفسی صاحب اس وقت تک بقید حیات ہیں، دیکھو سلسلہ خاندان قدیم ۱۱
سلطان بلال الدین محمد اکبر شاہ	۹۹۹ھ	بلند خاں خواجہ سرا	قاضی شیخ مبارک	بلند خاں خواجہ سراوی مقامی امین و فوجدار ہے، جسکی نسبت گری وجہ کی شکایت علامہ فیضی نے ۹۹۹ھ میں سرویج میں قیام کر کے اکبر شاہ کو لکھی تھی،
۱۰۰۰ھ	خواجہ امین	"	حسین بخش علامہ فیضی و امین شجاعی پورہ تبدیل ہو کر سرویج آکر ٹھہرا	

تہذیب و تمدن	نام مقامی عامل	تفصیل	کیفیت
سلطان نور الدین جہانگیر	۱۰۱۶ھ لغایت ۱۰۱۷ھ	پرگنہ سروج میرزا بیگ کی جاگیر میں رہا، ہاؤس دسویں لین میں ان کے خاندان کا کچھ تہ نہ ملا	
"	۱۰۳۵ھ	خواجہ سید سدرجہاں	خواجہ سید عبدالہادی بانی محلہ حاجی پور میراے پنجمہ کے والد تھے (دیکھو سلسلہ خاندان قدیم نمبر ۲)
شاہجہاں صاحب قرآن ثانی	۱۰۴۰ھ	ایضاً	خاندان قاضی نظام الدین سے تھے،
"	۱۰۴۲ھ لغایت ۱۰۵۶ھ	خواجہ سید عبدالہادی	خواجہ صاحب حضرت امام الاولیا خواجہ بہاؤ الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے تھے، چارم جلوس شاہجہانی میں شاہجہاں لودھی کی بغاوت کے وقت سروج انہی کی جوڑی سے محفوظ رہا، محلہ حاجی پور کے بانی یہی ہیں ان کا مزار محلہ حاجی پور کے قریب ہے دیکھو سلسلہ مقابر
"	۱۰۵۶ھ لغایت ۱۰۵۸ھ	عادل خان	کوٹ کا حاکم انہی کا بنوایا ہوا ہے،

تاریخ	مقام	کیفیت
۱۰۵۹ھ نفاذیت ۱۰۶۰ھ	خواجہ محمد صالح صدیقی	ان کا مزار محلہ کابگھ میں واقع ہے، اس سے پہلے ناظم سوپر مالوہ تھے دیکھو سلسلہ خاندان قدیم نمبر ۳۱۱ اکابر ابھی محلہ کابگھ میں پر دیکھو سلسلہ مقابر ۹۷
۱۰۷۵ھ نفاذیت ۱۰۷۶ھ	قاضی میر مرید قاضی عبد الوہاب میر روشن ضمیر دار وند بیت المال میر غلام علی سولنگ میر غلام علی ذوالکف	دیکھو سلسلہ خاندان قدیم ۷۷ پہلے سروخ کے قاضی تھے بعد میں چندری کے قاضی اسطے ہوئے،
۱۱۰۳ھ	شاہ کی جاگیر میں تھا، کچھ پتہ نہ چلا کہ کون صاحب تھے، سروخ میں مکاناتوں کی ایک مسجد ہے جسکے حجرے میں کسی مسجد کا کتبہ لوح سنگین پر ذیل کا محفوظ رکھا ہوا ہے، حاجی دین مبین خواجہ محمد آنکے مسجد کے گرد بنا دلکش دزیار خورم چونکہ اندر مل اعظم شاہ است ۱۶ سال آنرا طلب از نام محمد اعظم سنہ کی مطابقت سے تصدیق ہوتی ہے کہ محمد اعظم شاہ بھی بزرگ تھے، آج ان کی اولاد کا کچھ پتہ نہیں ہے نہ اس مسجد کا وجود ہے جسکا کتبہ دوسری مسجد میں رکھا ہوا ہے،	
۱۱۰۴ھ	قاضی صادق	
۱۱۱۰ھ نفاذیت ۱۱۱۱ھ	ان مالوں میں پرگنہ سروخ بنام ملک محمد، جاگیر میں درج ہے، ان کا بھی کچھ حال تحقیق نہ ہوا،	
۱۱۱۱ھ نفاذیت ۱۱۱۲ھ	میر فضل الدین صاحب قاضی ابو الفتح	کچھ پتہ نہیں

شماره	تاریخ	مقام	کیفیت
۱۱۲ھ	میر محمد وسیر خان	قاضی ابوالفتح	کچھ پتہ نہیں
۱۱۳ھ ۱۱۴ھ	شیخ کائے	قاضی ابوالفتح	شیخ بابزید منہیدار شاہی کے بھائی تھے جنکی اولاد میں شیخ شیخ رفیع اللہ صاحب سرشتہ دار فوجداری سرورج حیات ہیں دیکھو سلسلہ خاندان قدیم نمبر،
۱۱۵ھ ۱۱۶ھ	صاحبائے متصدی	ایضاً	عہد عالمگیری میں سرورج کی پیمائش انہی کے دربارے ہوئی تھی،
۱۱۷ھ ۱۱۸ھ	میرزا الف بیک	قاضی جلال الدین	کچھ پتہ نہیں۔
۱۱۹ھ ۱۲۰ھ	خان عایشان فضل علیاں	قاضی سید نجم الدین	اس نام کا ایک شخص داروغہ قیل خانہ شہابی بھی تاریخ میں درج ہے، ممکن ہے کہ یہ وہی شخص ہو،
۱۲۱ھ	رائے شکر	قاضی ابوالفتح	رائے شکر، رائے بیدل رائے بانی حویلی رائجی کی اولاد میں سے تھا۔
۱۲۲ھ ۱۲۳ھ	نواب برق انداز خان		ان کا کچھ حال تحقیق نہ ہو سکا،
۱۲۴ھ	فضل علیاں	قاضی محمد صادق	
۱۲۵ھ ۱۲۶ھ	رائے ہرچشکر	قاضی کریم اللہ قاضی فضل اللہ	بانی حویلی رائجی کی اولاد میں سے تھا
۱۲۷ھ ۱۲۸ھ	شیخ عثمان خلیب		طواالت الملوکی رہی،

کینفیت	تاریخ	مقام	نمبر	نام
مہاراجہ سواجی جے سنگھ اس سال انتظاماً سروج میں مقیم رہا، اُس نے مجو خاں مرزا کو عالی مقرر کیا، انکے حالات معلوم نہ ہو سکے،	قاضی بدیع الدین	نواب مرزا محمد خان	۱۱۳۱ھ ۱۱۳۲ھ	ناصر الدین محمد شاہ
ایضاً		مولراج	۱۱۳۳ھ ۱۱۳۴ھ	
ایضاً		سرت علیاں	۱۱۳۵ھ ۱۱۳۶ھ	
نواب سعید محمد خان بہادر عہد محمد شاہی میں نائب وزارت اور مالوہ کی صوبہ داری پر متنازع تھے۔ فائدہ نشینی کے بعد سردج کی حکومت پر بھی متنازع سروج میں اُن کی عریلی اور راضی معافی بھی ہے دیکھو سلسلہ ۱۱۳۱ خاندان قدیم باب ہشتم	قاضی کمال الدین	نواب سعید محمد خان بہادر غضنفر جنگ	۱۱۳۷ھ	
ان کا حال معلوم نہ ہو سکا		اسلام خاں منظر جنگ	۱۱۳۸ھ ۱۱۳۹ھ	ناصر الدین محمد شاہ
		نواب سعید محمد خان مرزا	۱۱۴۰ھ	

کیفیت	تاریخ	مقام	نمبر	تاریخ
یہی زمانہ ہے کہ باجی راؤ پیشوا نے صوبہ مالوہ پر تاخت کی ہے اور جا بجا اپنے عاملوں کو مقرر کیا ہے		آپاجی راؤ	۱۱۴۴ نفاذیت ۱۱۴۶	
ایضاً ۱۱۴۸ء میں دربار شاہی سے باجی راؤ کو صوبہ مالوہ کی سند عطا ہوئی	سید جلال الدین وقاضی جمال الدین	بہکاجی و نرنگ راؤ	۱۱۴۸ ۱۱۴۸	باجی راؤ پیشوا
پہنت پھمن شکر کے عہد کا ایک کتبہ منڈوی دروازہ کا آج تک یادگار باقی ہے جس پر ۱۱۵۴ء کتبہ ہے اسکے بعد ۱۱۵۶ء میں صوبہ مالوہ قاضی سید محمد علی محمد علی وقائع بذریعہ سند محمد شاہی بالاجی راؤ دوم کی حکومت میں منتقل ہو کر تخت دہلی سے جدا ہوا، لیکن محمد شاہی سکے برابر جاری رہا	قاضی بالہ میر محمد علی مفتی قاضی سید محمد علی محمد علی وقائع نگار	پہنت پھمن شکر	۱۱۴۹ نفاذیت ۱۱۵۴	
پیشوا کی طرف سے ان سالوں میں سرورج کا پرگنہ تلوچی راؤ ہلکر (جہا راجہ جیونت راؤ ہلکر کے باپ) کی جاگیر میں رہا۔ اسکے بعد ۱۱۶۵ء میں نواب امیر الدولہ بہادر کی حکومت میں آیا			۱۲۰۲ ۱۱۶۵ ۱۸۳۱ نفاذیت ۱۱۶۵ ۱۲۱۲ ۱۸۶۹	تلوچی راؤ ہلکر



## دوسرا دور انتظامیہ

۱۲۱۵ھ سے ۱۳۳۵ھ تک  
۱۹۲۶ء سے ۱۹۱۴ء

### نواب امیر الدولہ بہادر کا عہد حکومت

سال ولادت ۱۲۱۵ھ ۱۹۱۴ء سال وفات ۱۳۳۵ھ ۱۹۲۶ء مدت حکومت سرونج ۱۲ سال ۴ ماہ ۱۸ سال ۱۸ سال ۱۸ سال

### خدا خود میر سامان است اسباب توکل را

یہ مصرع، نواب امیر الدولہ امیر الملک بہادر شمشیر جنگ کی ہر نقش ہو کر خدا داد ریاست کی حقیقی تفسیر تھا، اس میں خداوند ذوالجلال ولایزال کی حکومت کی شہادت ہے، توکل کی تعریف ہے، ریاست ملنے کا شکر یہ بھی ہے، جس سے نواب امیر الدولہ بہادر کی روئداد عین مطابق ہے، قلعہ تھیسر (اندور) کے مفتوح ہونے کے بعد اس عہد کے نفاذ میں جو ہمارا جہیونت راؤ ہلکر سے مفتوحہ علاقوں کے بالمناصفہ تقسیم کی بابت شرکت کے وقت ہو چکا تھا، سرونج ۱۲۱۵ھ میں نواب امیر الدولہ بہادر کو ملا، علامہ قبضہ کے سلسلہ میں حکومت سرونج پر سب سے پہلا عامل جو سامور ہوا، وہ محمد یوسف خاں امیری عناکر کا ایک مقرب سردار تھا ایک سال کے بعد سرونج کی حکومت میان منور محمد خان کی طرف منتقل ہوئی، جبکہ علامہ قبضہ ۱۲۸۰ھ تک مسلسل گیارہ سال رہا، فروری ۱۲۸۰ھ میں کرنل کلوز صاحب کی مدد سے ناگپوری افواج نے

محمد یوسف خاں جلال آباد کے پٹھان تھے، ان کی اولاد میں محمد شیر خاں صاحب جاگیر دار موضع چھیسوں دامبرگڑھ واقع پرگنہ سرونج بقید حیات ہیں، دیکھو سلسلہ خاندان جدید ۱۱

۱۲ امیر نامہ

سروخ پر عارضی قبضہ کر لیا تھا، لیکن نواب امیر الدولہ بہادر کی تخیلیت پر بہت جلد قبضہ اٹھالیا، اس سے قبل بلکروں کے زمانہ میں چونکہ عامل اور متاجر ایک ہی شخص ہوا کرتا تھا، اسی عمل کی تقلید میں، میاں منو خاں کو ایک لاکھ ۵۴ ہزار ۹۳۰ روپیہ میں سروخ کا اجارہ بھی دیدیا گیا، عدالتی و ملکی انتظامات بھی بلکروں کے نظام کے وارغ بیل پر قائم تھے، نواب امیر الدولہ ہشتادہ تک ہمارا چھوٹا راجہ کی رفاقت میں رہے، اُس نے جب کمپنی سے مصاحبت کر لی تو پھر نواب امیر والد دولہ تنہا اکتوبر ۱۸۵۱ء تک جنگلی مشاغل میں مصروف رہے، ان وجہ سے سروخ کے ملکی نظم و نسق کی طرف بذاتہ متوجہ نہ ہو سکے،

سروخ پر قبضہ ہونیکے ۲۰ سال بعد ۱۸۷۱ء میں نواب امیر الدولہ بہادر کی ایٹ لڈیا کمپنی سے مصاحبت ہوئی، جس نے نواب بہادر مدوح کو والی ملک کی حیثیت سے ٹونک کی سند ریاست پر جلوہ گر کیا،

ریاست کے پرگنات کی تنظیم کی فکر ہوئی، اس سلسلہ سے پہلا دورہ سروخ میں ۱۸۷۳ء کو ہوا، دو سال بعد ۱۸۷۵ء میں دوبارہ واروئے مسلسل چھ مہینے تک مقیم رہا اصلاح و انتظام میں مصروف رہے، تیسری مرتبہ ۱۸۷۸ء میں پرگنہ چھترہ ہوتے ہوئے پھر سروخ آکر اپنے ولیعہد صاحبزادہ محمد وزیر خاں (نواب وزیر الدولہ بہادر) کو سروخ کی حکومت حوالہ کر کے ٹونک واپس گئے، نواب وزیر الدولہ بہادر نے چار سال تک سروخ میں قیام کر کے اپنی فرائض علمی اور علمی قابلیت کی مدد سے داخلی و خارجی تمام تقاضوں کو دور کر کے باقاعدہ نظام کے ماتحت صورت بنا کر دیا،

چوتھی مرتبہ ۱۸۷۹ء میں سروخ کی انتظامی کشش نے نواب امیر الدولہ بہادر کو پھر اپنی طرف کھینچا اور اصلاحات میں کامیاب ہوئے، جب پرگنہ میں تسلط کامل ہو گیا، پرگنہ نے تہذیب و تنظیم، رعایت امن و امان حاصل کر لیا، اسوقت دربار خدادادی سے مدد و



## خدا بہت سلطان محمد وزیر

۲۹ جمادی الاخریٰ ۱۲۸۵ھ کو نواب امیر بیگم دختر احمد محمد ایاز خاں کے بطن سے پیدا ہو کر  
۲۸ سال کی عمر میں ۲۴ جمادی الاخریٰ ۱۳۰۵ھ ہجری کو مسند نشین ہوئے مصرع مندرجہ  
صدر بیچ تھا، جو نواب وزیر الدولہ بہادر کی بہر پر نقش ہوا،

۱۸۵۷ء میں جبکہ مابین کمپنی اور نواب امیر الدولہ بہادر مصالحتی عہد نامہ مرتب ہوا  
محمد روح الصدرا شجاع و اخلاص امیری کے اظہار اور اس کے استعلا کے خیال سے تقریباً دو  
سال تک دار السلطنت دہلی میں قیام پذیر رہے، ایسٹ انڈیا کمپنی نے نواب بہادر محمد روح  
کی حیات تک ۱۲ ہزار پانچ سو روپیہ مالانہ کے حساب سے ڈیڑ لاکھ روپیہ سالانہ کا

لے صوات خیر ملک افغانستان کے باشندہ تھے، امیر عالم خاں و محمد ظلم خاں نامی دو بیٹے بھی تھے میر عالم خاں کے  
تین بیٹے شاہ عالم خاں، شیر عالم خاں، امیر احمد خاں، اور محمد ظلم خاں کے دو فرزند عظیم الشان اور حبیب اللہ خاں  
انکی اولاد کا وظیفہ ریاست سے اب بھی جاری ہے، ۱۲۷۵ھ واقعات ریاست ٹونک ۱۲

۱۲۷۵ھ ڈیڑھ لاکھ روپیہ کے متعلق کتاب واقعات ریاست ٹونک کی یہ عبارت ہے (در سال یک ہزار و دو صدی و سہ  
ہجری قمری صاحبزادہ بلند اقبال وزیر الدولہ امیر الملک محمد وزیر خاں بہادر نصرت جنگ جہت مقرر پر گئے بہل  
بجائے صاحبزادہ محمد روح کہ اس پر دو کاہ سطور از شرط صحت و استواری مصالحت با سرکار ہند کار نگری شد  
بود، روس نمود صاحبان انگریز بہادر بہ جو من بہل پر گئے پول مصافحہ میوات میداوند و خیر استند تعلق کلگری  
از لوابا صاحب ملکہ و فرجیاری انہ سرکار انگریز و بادشاہ نواب امیر الدولہ این امر منظور فرمودہ اند، ابدا دلہ پر گئے پول  
مبلغ یکصد و پنجاہ ہزار روپیہ سالانہ سیلاب مبلغ دو ہزار پانچ سو روپیہ کے کدرا مانہ برائے مصارف صاحبزادہ  
وزیر الدولہ تا جن حیات از ابتدا سے سال ایک ہزار و دو صدی و چہار ہجری مقرر شدہ و در ہند یک ہزار و دو صد  
ی چہار ہجری صاحبزادہ موجود ہے و حضرت سرکار عالی شہزادہ انگریزی شرف یاب ملازمت نواب عالیجناب الراجہ  
خوش شہزادہ ۱۲

وظیفہ مقرر کر دیا، جو ممدوح کی زندگی تک برابر جاری رہا، نواب صاحب بہادر خود بھی ذی علم و وسیع النظر، ہندوستان، انجمن، اور طبائع تھے، مہلی کے قیام اور اکبر شاہی دربار کی شان و شوکت و وقار و نمکنت، تہذیب و عظمت، مراسم شاہی کے نقش و نگار نے ممدوح کو قوالہ جہاں بانی علمی اور اخلاقی اوصاف کا مرقع بنادیا تھا،

۲۷ جمادی الثانی ۱۲۳۸ء میں ممدوح نے مسند امیری پر جلوس فرمایا، اس وقت دربار وزیر، وزیر، وزیر، وزیر، علم و قلم، سیاست و حکمت، علم و عمل کا گہوارہ نظر آ رہا تھا،

**مالگذاری کا انتظام** | نواب صاحب نے سب سے پہلے بیغ مال کی طرف توجہ کی،

میں جاری تھا، اسے قطعی مسدود فرما کر دیہات کو خالصہ سرکاری کیا، ہر سیدہ بیس دیہات پر ایک محصل ضلع دار کے نام سے مقرر کر کے ہر گاؤں کا جدا گانہ اجارہ دیا گیا، حلقہ کا ضلع دار اس جگہ سے مالگذاری سرکاری وصول کرنے کا ذمہ دار تھا، یہ طریق عمل ۱۲۶۱ھ فصل تک جاری رہا، اس کے بعد باہتمام سید نعیم الدین صاحب عامل ہفت سالہ میعاد کا ویہ وار لغایت ۱۲۶۹ھ اجارہ دیا گیا، اس کے بعد امیری مرتبہ دیوان شمس الدین صاحب فروم کے ذریعہ سے ۱۳ سالہ میعاد کا اجارہ لغایت ۱۲۷۹ھ فصلی درجہ دار زمینداران کو دیا گیا، اس آخری اجارہ کی آمدنی ایک لاکھ ۵۲ ہزار روپیہ پیش رو پیش کی تھی،

نواب صاحب نے درجہ فرما کر محسوس کیا کہ رعایہ کو تقاضی اور غلہ کی آمد کی ضرورت ہے، اسلئے

۱۷ قطب الامر مظفر جنگ ان کا خطاب تھا، بخشی الملک سید نور اہدی کے چچا اور مولوی عبد السجانب قطبی کے بیٹے تھے، چھوٹے میاں عرفیت بخشی، قائد میں چھوٹے میاں کا گہیران کی عارتی یادگار باقی ہے، پہلے سید بہادر آباد سندھ میں بہادر میرزا علیخان والی خیر پور صاحب خاص تھے، ۱۲۷۵ھ میں طلبیدہ ٹونک آکر انکا راعی بن گئے تھے، ان کے گزشتہ سرورج سے یہ حالات اخذ کئے گئے ہیں ۱۲

ایک ہمدرد راعی کے قبض کی حیثیت سے سر و خ میں غلہ کے ذخیرہ کا بڑے پیمانہ پر انتظام فرمایا جس کا شکار کو تخم بیزی کے لئے غلہ کی ضرورت ہوتی وہ ذخیرہ سے لے جاتا، اور فصل آنے پر واپس کر دیتا، ہزاروں من غلہ کا ذخیرہ تھا جسکی حفاظت کے انتظام کے علاوہ باقاعدہ مقرر کرنے کی بھی ضرورت ہوئی، غلہ کا اعلیٰ افسر مقامی مہتمم غلہ کے عہدہ سے منسوب کیا گیا، جسکی ماتحتی میں متعدد اہلکار تھے، اسکے بعد رعایہ کے نقصانات، آمدورفت کی تکلیف اور بار برداری کی زحمت کو رفع کرنے کے خیال سے، پرگنہ کے بڑے بڑے دیہات میں غلہ کے ذخیرہ کی شاخیں کھول دیں، اور وہاں ضلع دار مقرر کر دیئے، جو تخم بیزی کے زمانہ میں اراضی زیر کاشت کے مقدار کے مطابق اسامیوں کو غلہ دیتے، اور پیداوار کے زمانہ میں واپس کر لیتے، یہ ایک ایسا مفید کام جاری کیا گیا تھا کہ جس سے نہ صرف رعایا کو زرعی کام میں امداد پہنچتی رہی، بلکہ پرگنہ کی آبادی اور مالگداری میں بھی بہت زیادہ ترقی رونما رہی، یہ سلسلہ برابر موجودہ رئیس اعظم دام اقبالہ کے عہد میں ۱۹۰۷ء تک قائم رہا، لیکن افسوس ہے کہ بعض نگران اور ذمہ دار عہدہ داروں کی غفلت سے غلہ کے ذخیرہ میں خیانت رونما ہونے سے اسکو پیشہ کے لئے بند کر دینا پڑا، تاہم غلہ کا بدل نقد تقاوی سے قائم رہا جسکے ذخیرہ کو درکار شکاروں کی برابر اعانت ہوتی رہتی ہے،

چونکہ نواب وزیرالدولہ بہادر قولاً و عملاً متشیر، کتاب اللہ کے عامل، احادیث نبوی کے پیرو، فقہ حنفی کے مقلد تھے، اسلئے تمام شرعی عدالتوں کو از سر نو رونق اور ترقی دی، یہاں تک کہ حضرت محی الدین اور تک زبیب کا عدالتی زمانہ دوبارہ زندہ ہو گیا، دیوانی و عام مذہبی معاملات اور صیغہ فوجداری میں قتل، عدا، قتل خطا، زنا کے عام قیضے شریعت میں تحقیق ہو کر فیصل ہوتے،

عدل و دارا امن و امان کا دور دورہ رہا، جس کی یاد ادیب تک موجودہ نسلوں کے دلوں میں باقی ہے،

## پولیس

پراگندگی وسعت اور جنگ جھاڑی کی کثرت پر خیال کرتے ہوئے نواب صاحب نے رعایہ کی جانی و مالی حفاظت کی غرض سے بڑے بڑے اہم مقامات مثل شیر

اونارسی کلاں وغیرہ دیہات میں جدید تھانے مقرر کئے، جہاں کافی جمعیت موجود رہتی، اس علی انتظامی صورت نے امن عامہ کے لئے ایک کارآمد دیباچہ کا افتتاح کیا، لیکن اس وقت تک باقاعدہ پولیس کا صیفہ نہ تھا، فوجی آدمیوں سے حفاظت کا کام لیا جاتا تھا،

## وفات

حکومت کا قیام اور عمر کا ساٹھواں سال قریب الاختتام تھا کہ دست اجل نے ۱۲۸۱ھ کی ۱۳ تاریخ کو عالم اسلام کی بہترین اور مقدس تر اسلامی

تصویر کو صفحہ دنیا سے ہمیشہ کے لئے محو کر دیا، لیکن عدالت سیاست، فیاضی، مہر پروری، عفو رحم، اخلاق، تہذیب، علم و عمل، شعار اسلامی کی تعلیم و تبلیغ کے نمونے بساط حکومت پر اس کثرت سے باقی رہے کہ جتنی جھلک ٹونک میں آج بھی نظر آتی ہے ماحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

دولت جاوید یافت ہو کہ لکھنؤ نام زلیست  
(سعدی) کز عجبش ذکر خیر زندہ کند نام را

## عہد وزیری کے متفرق واقعات

۱۔ سرورج کے بعض معزز افغانی خاندان، اور دوسری مسلمان قومیں اگرچہ مذہباً ہستی ہیں لیکن اب سے تقریباً ۵۰ سال قبل ان لوگوں نے تعزیه داری کو اپنا مذہبی شعار بنا لیا تھا، اگرچہ ان کا طریق عمل فاتحہ خوانی اور مسالین نوازی تک محدود رہتا تو کوئی قابل اعتراض بات نہ تھی، لیکن محسنِ رسم سے گذر کر نئی نئی بدعتیں شروع ہو گئیں، تعزیه داری کے ساتھ براق کی تصویر، گھوڑوں کی تصویر، مختلف جانوروں کی تصویر، بنانا شروع کیں، اور جب اس شان سے دسویں تاریخ محرم کو تعزیه گشت کے لئے نکلتے تو پھری، گدگا، پٹا، بیٹی وغیرہ کے اکھاڑے بھی ساتھ ہوتے، اور ایک محلہ کی جماعت دوسرے محلہ کی جماعت سے اپنا جلیں

نکلنے میں سبقت کرتی، اس کشمکش کی صورت میں چند بار فسادات رونما ہو کر لوگ مجروح بھی ہو چکے تھے، اور آئندہ فساد کا قوی احتمال تھا، اس لئے مجبوراً سیاست وزیر نے تقاضا من کے استدعا کی غرض سے فوجی مداخلت کی، سرونچ کے افغانوں نے حکومت سے مقابلہ کیا، کچھ لوگ مجروح و مقتول ہو کر نتیجتاً مغلوب ہوئے، چونکہ آئندہ کے لئے قیام امن کی کوئی معتبر ضمانت نہ تھی، اور تعزیرہ دارمقتول کے دلوں میں امن سوز جراثیم پرورش پا رہے تھے، اس لئے وزیر کی حکمت عملی نے فریقین کے سربراہان اور وہ لوگوں کو دارالحکومت میں جمع کر کے مصالحت کی کوشش کی اور جوش و خروش کے سرد ہونے تک تعزیرہ داری کی رسم کو طعناً بند کر دیا، اس کے بعد نہ آج تک تعزیرہ داری ہوئی، نہ شورش پیدا ہوئی،

۲۵ سالہ کا محسوس سال بغاوت کی عام شررباری کی بنا پر ہندوستان کی تاریخ میں ہمیشہ یاد رہے گا، جس نے اطراف ہند کی بیشتر آبادیوں کے پرامن قلعوں میں آگ لگا دی تھی، خطہ سرونچ کا سینہ زار بھی اُسکی شعلہ افشانیوں کی لپک سے نہ بچ سکا، عادل خاں جاگیردار گڑھی امبہا پانی (متعلقہ ریاست بھوپال) نے دیکھا کہ عام بغاوت کی وجہ سے ملک ہند کا نظام درہم و برہم ہو رہا ہے، اور دوسری طرف امر اور دوسائے ہند علیحدہ فکر مند ہو کر گورنمنٹ کی امداد اور اپنی اپنی وقاداریوں کے امتحانات میں مصروف ہیں، سرونچ قریب تھا، تین چار سو جوانوں کو ہمراہ لے کر پہنچا اور پہنچ کر سرکاری کوٹ کو محصور کر لیا،

مولوی خیر الدین عامل، اور صاحبزادہ رطب الدین خاں نائب عامل تین روز تک محصور رہ کر توپ و تفنگ سے مقابلہ کرتے رہے، چوتھے روز جاگیرداران سرونچ آہٹ ٹک کے تقاضوں سے شمشیر بکھٹ ہو کر نکلے، نواب امتیاز الدولہ احمد علی سعید خاں بہادر مقیم جنگ عرف خاں میاں (نیرہ توالیہ احمد سعید خاں بہادر ظفر جنگ جاگیردار حلقہ اوارسی تال) بجلی کی طرح ٹھکرتلے... کے ناکے پر پہنچے، محاصرے کو تیغ امیری کی کاٹ دکھلاتے ہیں مصروف لہ گڑھی امبہا پانی سرونچ سے ۱۰۰ کوس کے فاصلہ پر ایک ٹھکانہ ہے ۱۲ مولے، لکھ دیکھ سلسلہ خاندان جدید متاثر ہے



تھے کہ دوسری طرف سے رسالہ دار ولید اذخاں مشہور جنگ باز اپنی جمعیت کے ساتھ آئے اور آتے ہی حامی دروازہ کے ناکے کو کاٹا ،

سرکاری کوٹ کے جنوبی دروازہ پر غنیم کی دو توپیں برابر اپنے کام میں مصروف تھیں شیردل صاحبزادہ رطب الدین خاں نائب عامل نے دیکھا کہ سپاہ محصوران توپوں کی آتش فشا نیوں سے مضطرب الحال ہے ، فوراً اپنے ایک رفیق کو ہمراہ لئے ہوئے نکلے جنوبی دروازہ کھوکھو توپوں کی طرف رخ کیا ، توپچی نے چاہا تھا کہ حملہ آوروں پر فیر کرے ، لیکن صاحبزادہ صاحب موصوف کی تلوار نے عین وقت پر اپنا جوہر دکھلایا ، جس سے توپچی کا ہاتھ برکا ہو گیا ، دوسرے نے صاحبزادہ صاحب پر ... قرابین کا فیر کرنا چاہا ، ہنوز قرابین سیدھی بھی نہ ہونے پائی تھی کہ صاحبزادہ صاحب کے ہمراہی جوان کی تلوار نے اس کا کام تمام کر دیا ،

امیری تنک خواروں کی تلواروں کی آہنگ کے سامنے ٹھہرنا آسان کام نہ تھا ، تیغ جو ہر دار کی گرمیوں سے پناہ مانگتے ہوئے محاصرین فرار ہو گئے ، ۳۰ آدمی غنیم کے قتل ہوئے اور بہت لوگ مجروح ہوئے ، عادل خاں کو شکست کی ملامت بنے تانیا ٹوپ کے پاتوں پر گر ادیا ، وہ ہمہ نزار افواج لئے ہوئے سروخ کے شمالی میدان بجلی کو نڈل میں آکر خمیہ زن ہوا ، اور مولوی خیر الدین عامل کو پلو کر نظر بند کر لیا ، اس سوال پر کہ عادل خاں کے جوانوں کو کیوں ہلاک کیا گیا ، مولوی صاحب نے اپنی فطری بیباکی اور حسن تقریر سے الزامی جواب دیتے

ملہ دیکھو سلسلہ فائدہ ان جدید ملک باب ہشتم

تک کچھ واقعات گزیر سے لئے گئے ہیں اور کچھ مولف نے ان لوگوں سے سنا ہے ، جنہوں نے واقعات کو اکٹھا کر دیکھا ہے ، قاضی عبدالرحمن خاں ۹۰ سالہ وہ بزرگ ہیں جو محصورین میں شامل رہ کر مجروح بھی ہوئے اور اس صلہ میں معافی بھی پار ہے ہیں ، انہوں نے تفصیلی واقعات بیان کرنے میں مولف کو قابل قدر مدد دینے چاہی ہے دوسرے ذرائع سے بھی ان تمام واقعات کی تصدیق ہو چکی ہے ، ۱۲ مولف

ہوئے تانتیا پر ثابت کرا دی کہ قصور عادل خاں کا ہے تاہم عادل خاں کی دجوبئی کے خیال سے  
 ۱۰ ہزار روپیہ بطور تاوان تانتیا نے عادل صاحب سے مانگا، صاف انکاریں خطہ تھا، مصلحتاً  
 متواتر وعدوں پر پندرہ دن ... گزاریے، ماورائے انتظار، کہ خفیہ طریقہ پر گونا گویا وسیع ہوا، کتنی  
 سے جو انگریزی امداد طلب کی گئی ہے وہ جلد تریہو پیچ جائے، سوہویں دن کرنل رکاروش جی  
 بہادر اور تین صاحب بہادر تو پختہ اور پٹن لئے ہوئے سروجن کے قریب پہنچ گئے، مگر بدست  
 حریت کی آمد کی خبر سنکر سرکاری دو توپیں سروجن سے لیکر روانہ کر چند پیری کے جنگل کی طرف  
 بھاگ گیا، انگریزی افواج متعاقب گئی، لیکن وہ بھل چکا تھا، چونکہ باغیوں کے لئے سروجن  
 اور راہگو گڑھ کی جھاڑیاں پناہ تھیں، اس لئے کامل امن و امان قائم ہونے تک موضع دیو پور  
 علاقہ سروجن کے مرتفع اور مہوار میدان میں انگریزی افواج نے قیام کیا جہاں مسلسل  
 دو سال تک قیام کرنے کے بعد گھوٹا جاکر مستقل چھاؤنی کی بنیاد رکھی،

لے کتاب واقعات ٹونک میں اس واقعہ کی بابت جو مضمون درج ہے، اس کا اقتباس ذیل میں درج کیا جاتا ہے  
 باغیان انا تھہ دوارہ بولٹکست رخت او بارو وادری جھاڑی راہگو گڑھ، و مقصود گڑھ و سروجن کشیدہ اول در  
 سروجن رسیدہ عادل و علم و عمائد شہر را گرفتار ساختہ معادہ گرفتند چوں فوج انگریزی در ہر جا بہ تعاقب ایس  
 مفسدال مامور بود تانتیا ٹوپی و راہ صاحب دی جھاڑی ما دون گڑھ آمدہ یہ کیف کردار رسیدند و عادل خاں  
 جاگیر وار بھوپال انا قاسے خویش بغاوت اختیار کردہ بر سروجن یورش نمود قلعہ و کوٹ سرکاری کہ امن و لمجاؤ  
 عال است محاصرہ کرد، تفنگ اندازی و توپ بازی از ہر جانب براہالیان قلعہ کو را غارت نہاد و بعض نمک  
 حرامان شہر یا نیاں سارن نمود و باطلہ و اشتر بہ غور و نوش نہائی کرد و بالیشان معاون ہمراہ شد مگر مولوی  
 خیر الدین کہ عامل برگنہ سروجن بود۔ مردمان ملازم فوج سروجن سرکاری را با انواع انواع واکرام امیدوار  
 کردہ در کوشش و کوشش و چاندی و سامان حرب و ضربہ دین نہ نمودہ مقابلہ آراش نہ چوں حمایت حافظہ  
 حقیقی در کار ایال شامل بود ہونہ تعاسے باغیان شکست فاش یافت و سر از پاشناختہ قرار برقرار نمود غنیمت دانند  
 واکثر از باغیان دریں گردش و ہرزہ بیانی و پریشانی بجانب بلاد معاد و دندیدہ درل جھاڑی رقیقہ آئینہ

دیو پور کے قیام کے زمانہ میں سات سار جٹ انگریزی نے وفات بھی پائی ہے، جنکی  
 بختہ قبریں مع لوح کتبہ دیو پور میں آج تک یادگار ہیں اور انکا سالانہ نقشہ نظامت سے توسط  
 (۱) کاربول مل صاحب ولیم اہرن، اپنی ہجرتی ہشتاد و نہم جس نے یکم نومبر ۱۸۵۹ء کو پھر ۲۵ سال انتقال کیا۔  
 (۲) مہری گلستان کہا کی اپنی ہجرتی ہشتاد و نہم رجٹ ۶ اکتوبر ۱۸۵۹ء کو فوت ہوا۔  
 (۳) سار جٹ ولیم سرد نری بعد پیر ہجرتی کے ولیم رجٹ کے سار جٹوں سے بطور نشان عزت بیادگار متوفی  
 جس نے لشکر میں قریب سرونج کے ۲۵ اکتوبر ۱۸۵۹ء کو پھر ۲۵ سال انتقال کیا، اقرار کیا گیا ہے کہ  
 اُس کے سپاہیانہ اوصاف نے اوسکو اسکی جانب سے دونوں میں معزز بنا دیا تھا،  
 (۴) ویل پکارک اپنی ہجرتی ہشتاد و نہم رجٹ جس نے ۲۲ اکتوبر ۱۸۵۹ء کو پھر ۲۵ سال انتقال کیا،  
 (۵) ایٹ ویلک جزل اپنی ہجرتی ہشتاد و نہم رجٹ جس نے ۲۲ ستمبر ۱۸۵۹ء کو پھر ۲۵ سال انتقال کیا،  
 (۶) کارپورل جان کنگام ہجرتی ہشتاد و نہم رجٹ اکتوبر ۱۸۵۹ء میں مرا،  
 (۷) فیلٹ بارسن اپنی ہجرتی ہشتاد و نہم رجٹ جس نے ۳ ستمبر ۱۸۵۹ء کو پھر ۳۰ سال انتقال کیا،  
 (منقول از کاغذات سرکاری مینوسٹریل کمیٹی سرونج)

بقیہ صفحہ گذشتہ) تادم سال مسکن پذیر ماندند باریاں برائے دار دیگر آٹال یک چھاوئی انگریزی بمقام للٹ پور و دوی  
 در دیو پور در سرونج با فخر مجوزین صاحب بہادر کمانڈنگ و کپتائ برادر فورڈ، صاحب وغیرہ افسران فوج  
 مقرر شد، صاحبان مدوح ہائیکہ خیر قیام و مقام باغیان می یافتند تقابلی فرمودند، مگر بیاعت کثرت  
 اشجار و زخاں و جھاڑی کہ در گرد و نواح سرونج واقع است باغیان قابو نمی یافتند و اکثر از باغیان چوں از  
 قلع را و صاحب ششتری شدند۔ در جھاڑی مذکور می آمدند آگے باغیوں کی پر گزہ علی گڑھ کی طرف آمد اور اس کے  
 انداد کا حال درج کر چکے کے بعد لکھا ہے) و ہر گاہ کہ از سرکار انگریزی احکام معافی قصورات باغیان شرف  
 صد دریافت باغیان پناہ پذیر جھاڑی، سرونج مقصود نگڑھ و راگہو گڑھ وغیرہ یا از سر شناختہ بہ جان بخشی،  
 روح تازہ در قالب انظار خرمساکن و اماکن غور خستہ او بار کشیدند و جھاڑی سرونج از خس و خاشاک این مفسدین  
 پاک و صاف شد و چھاوئی انگریزی از دیو پور عمل سرونج خیر فرماست گروید، ۱۲

مختصہ کونسل ایکٹی متعلقہ میں بھیجا جاتا ہے ۱۱

(۴) میاں منور محمد خاں سروج کی حکومت پر تقریباً ۲۵ سال ۱۲۵۵ھ تک قائم رہے ، اسی سال نواب صاحب وزیر الدولہ بہادر مسند نشین ہوئے ، یہ سال میاں منور محمد خاں کو مبارک نہ ہوا ، علامہ قبضہ کے استحقاق سے گزر کر فاضلانہ روش اختیار کی ، اور ایک سال تک پرگنہ کی آمدنی دارالحکومت کو روانہ کی ، نیت بُری ، اور ارادہ باغیانہ تھا ، ان حالات کو دیکھ کر رسالہ داروکی داد خاں اور محب اللہ خاں قوم منی خیل رفیقان خاص ، میاں منور محمد خاں سے کنارہ کش ہو کر ٹونک چلے گئے ، نواب وزیر الدولہ بہادر نے حالات معلوم کر کے ماہ ذی الحجہ ۱۲۵۵ھ میں مختار الدولہ محمود خاں بہادر کو چھڑہ اور سروج روانہ کیا ، صاحبزادہ عبدالکریم خاں بہادر (نواب وزیر الدولہ بہادر کے علائی بھائی) منور محمد خاں کے داماد تھے ،

لے کتاب واقعات بست سالہ عہد وزیری کی عبارت یہ ہے (محمود خاں بنیت بدخواہی دارادہ فتنہ پروازی تا ایک سال ماں داچی سرکار سب کا روائی لگی بدینہ او بود لطایف الجمل گر لایندہ داخل خزائنہ نمود و مکر باطن داشت کہ چون خیرین کم خواہ شد لامالہ سپاہ ادب خود نیافتہ فتنہ و فساد بر پا خواہند کرد بدین واسطہ کارمن ترقی خواہ گرفت) اسکے بعد مختار الدولہ بہادر کی روائی کا ذکر درج ہو کر ذیل کی عبارت درج ہے (محمود خاں مائل وانا آتقت جنگ مناسب ندیدہ ، بعون بہین عزائمہ تدبیر پذیر بار سال دانشمندان ہوشیار صرف بھمائیش عقلی و تحریف و انائی پر گنہ سروج از دستش تخلص نمودہ تاشش ماہ در سروج ماندہ انتظام آجاکرد ، ولیداد خاں و محب اللہ خاں وغیرہ نکت طالان وغیرہ خاں در سروج پیش نمود خاں بہادر حاضر نہ ۱۲

لے، ترکہ ۵ پرگنہ سروج کی جاگیر داران انہی کی اولاد ہیں ، (دیکھو سلسلہ خاندان جدید کے ۱۲) ۱۳ صاحبزادہ محمد عبدالکریم خاں بہادر نے ۱۲۵۵ھ میں دوبارہ چھڑہ پر راخت کی ، ریاست کی طرف سے ملاقات ہوئی ، احمد علی خاں ، و محب اللہ خاں رسالہ دارمقول ہوئے ، رسالہ دار محمدان خاں اور رسالہ دار غلام حیدر خاں قلعہ بند ہوئے اور پھر قلعہ سے نکل کر داؤد مرانگی دی ، صاحبزادہ موضوع مہرورد ہو کر وزیر ملت راجستان کے پاس پہنچ کر ریاست کے مدعی ہوئے اور عوی خارجی ہوا ، اور حسب سفارش کہ نیل جان صدر بیتن بہادر وزیر ملت راجپوتانہ

اس انتساب سے وہ بھی اپنے خسر کے رفیق کا رہنے، مختار الدولہ کی فہمائش جب بے اثر ہوئی تو مجبوراً انہوں نے نصف آرائی کی۔ میاں منور محمد خاں بھی قلعہ بند ہو کر آدھ جنگ ہوئے بالآخر تاب مقابلہ نہ دیکھ کر قلعہ سے باہر نکلے اور، رمضان المبارک ۱۲۵۲ھ کو راہ فرار اختیار کی، مختار الدولہ بہادر پر گنتہ چھڑو کی مگر رضا کو صاف کر کے سروخ آئے، اور چھ مہینے تک سروخ کی عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے کر اور مالک ریاست کا اثر سیاست بحال کر کے ٹونک واپس گئے،

وہ، دارالضرب سروخ سے چٹور شاہی سکس مسلوک ہو کر جاری ہوا جس میں امام شہ چاندی اور نصف ماشہ کا رتی پے سنگ ۱۹۰ سالہ تک سروخ میں چلتا رہا، اس کے بعد کلدار و سپہ کا چلن ہو گیا۔

## نواب وزیر الدولہ بہادر کی علمی، تہذیبی، مذہبی، اخلاقی اور انتظامی صفات پر ایک نظر

سروخ کے انتظامی مختصر حالات درج ہو چکے ہیں ریاست کے باقی اضلاع کے تنظیمی اوراق، علمی مجالس کے صفات، علمی نقوش، علمی و ادبی مرقع، سیاسی کارنامے، شہریت پرستی کے افسانے، اخلاقی اعمال نامے، منہ مندی و قدر دانی کے تذکروں پر نگاہ کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ اس جامعیت کا بے نظیر پیکر مادر روزگار کو بہت کم نصیب ہوا ہو گا جسکی عالمگیر تنویر نے آسمان حکومت کے تمام ثوابت و سیاروں کو ماند کر دیا تھا،

نواب وزیر الدولہ بہادر کا دربار مہذب و عالمانہ دربار تھا، جسکی شان یہ تھی کہ ایک طرف ناظران و مدبران ملک اُن سے درس آئین جہاں نابانی ماسل کرتے میں مصروف ہیں

لے دہزار روپیہ اور ریاست سے مقرر ہو گیا، عاجز اور محقق بہادر و مدد خاں و بیٹے یادگار و پھر پانچواں کا بھی انتقال ہو چکا ہے (تاریخ قریب)

تو دوسری طرف افسران عساکر جنگی سبق لے رہے ہیں، کبھی فقہی مسائل میں فقہائے سرگرم مباحثہ ہیں، اور کبھی محدثین و مفسرین سے اصول روایت و روایت پر گفتگو ہے، حکماء نے کوئی سوال اٹھایا تو فلسفہ قدیم و جدید کے دفاتر کھول کر رکھ دیے، اہل ان کے اگر اخلاط کی بحث چھیڑی تو علل و اسباب پر گفتگوں تقریر کی۔

مورخین نے استفادہ چاہا تو قوت حافظہ نے مصر، بابل، تینوا، یونان اور عرب قدیم کی پارسیہ داستانیں بیان کر دیں۔

تقریر کے چلے کان ادب کے جواہر ریزے تھے، بیان میں صداقت اور صداقت میں اثر تھا، دہلی اور لکھنؤ کے اہل علم و کمال قدر دانی کی کشش سے ٹونک میں استفادہ جمع تھے کہ دارالاسلام ٹونک اسوقت ہندوستان کا شیراز نظر آ رہا تھا،

شجاعت، بسالت، اور استقلال نسلی جواہر تھے، سپہگری کے تمام فنون کے اکتساب نے ان جواہروں کو اور زیادہ چمکادیا، یہاں تک کہ اساتذہ فن خود ان سے کسب کمالات کرتے رہے، علمی مجلس میں جب کبھی شاہنامہ کی رزمیہ داستانیں پڑھی جاتیں تو شجاعانہ لہجہ میں ارشاد ہوتا۔  
ہر آنکس کہ خود تیغ رانی کند

چہ حاجت کہ شہنامہ خوانی کند

دارالحکومت ٹونک سے سوائے پرگنہ علی گڑھ کے باقی پرگنات نیما ہیڑہ، پڑاؤہ، سرورنج، پھیرہ، سینکڑوں میل کے فاصلہ پر ہیں، جن کے مابین غیر ریاستوں کے علاقے شامل ہیں آج کی طرح اسوقت آمدورفت کے وسائل میں آسانیاں نہ تھیں، فوراً خبر رسائی کے ذرائع مفقود تھے، ان حالتوں میں نظام اور اسکا استحکام قائم رکھنا دشوار تر امر تھا، لیکن تمام موانع کے باوجود، غیر متدن علاقوں کو متدن، اور غیر مہذب ہستیوں کو مہذب بنانا، قواعد چاندنی کو شرعی اصول پر چلانا، رعایہ کو مانوس کرنا، اور خود راعی کا رعایہ سے مانوس ہونا تاریکی میں روشنی، کثافت میں لطافت پیدا کرنا، مظالم و بدعات سے ہرزہ زین کو صاف کر کے عدل و

انصاف کی تخم بربری کرنا، اصول جہان بینی، اور قوت انتظامیہ کی حیرت انگیز کامیابی ہے۔  
 نواب وزیر الدولہ کا قلب، اعمال حسنہ کا مظہر، سینہ عفو و رحیم، اخلاص و محبت کا مصدر  
 تھا، متانت، شرافت و وقار، تمکنت، معدلت، سخاوت، تہذیب، اخلاق وغیرہ اوصاف  
 وہ جواہر تھے جنکی آب و تاب نے معاصرین ہند میں انکو ممتاز تر بنادیا تھا، پیرائے شریعت اور  
 اتباع سنت میں صحابہ کے نمونہ تھے، جس کی روشنی دارا الملک اور اسکے تمام پرگنات میں  
 چاندنی صفت چٹکی ہوئی تھی، شرک و بدعات کی تاریکی کا نام و نشان تک نہ تھا، یہ ہی  
 افضل ترین وہ صفت تھی کہ جسکی طرف مرزا اسد اللہ قاسم غالب مرحوم نے ایک مدحیہ قصیدہ  
 میں ان کو اس طرح مخاطب کیا ہے

حقاً کہ زنام تو عیان است کہ در شرع      فرزادہ وزیری شہ بطبی و حرم را

اس طرح شان و شوکت، آداب و تہذیب کے لحاظ سے دربار وزیری کو خاص امتیاز  
 حاصل تھا جسکو بالکل شاہانہ تیموریہ کے دربار کے نمونے پر کراستہ و پیراستہ کیا تھا، وجہ یہ تھی کہ  
 خود نواب وزیر الدولہ بہادر زمانہ ولیہدی میں تقریباً دو سال تک دہلی میں قیام پذیر رہے،  
 ہر قسم کے اہل علم و کمال سے صحبت رہی، اکثر شاہ ثانی سے قرابت بھی تھی، اس سلسلہ سے قلعہ  
 معلے اور دربار شاہی کے نقش و نگار دیکھنے کا اکثر اتفاق ہوا، مہذب طبیعت نے پسندیدہ  
 طریقوں کو کثرت سے اقتباس کیا، یہاں تک کہ جب ممدوح الصدر مسند آراؤ ریاست  
 ہوئے تو وہی شاہی مناظر ٹونک میں بھی نظر آنے لگے، آج بھی تہذیب و آداب کے گلدستے  
 ٹونک کے دربار میں استعد رہا ہے کہ حیدر آباد کے سوا، دوسری ریاستیں انکا جواب  
 پیش نہیں کر سکتیں۔

زبائے تاب سرش ہر کجا کہ می نگریم      کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینچا است (ذیل)

۱۔ اکبر شاہ ثانی نواب وزیر الدولہ کی والدہ امیر بیگم کے حقیقی خالوتھے، اور اسی بادشاہ نے بذریعہ فرمان  
 ۲۵ شوال ۱۲۱۵ھ وزیر الدولہ امیر الملک بہادر نصرت جنگ کا خطاب عنایت کیا تھا ۲۲ تاریخ ٹونک

# نوابین الدولہ وزیر الملک محمد علی خان بہادر صولت جنگ

## کا عہد حکومت

پیدائش	مسنڈینی	معزولی	مدت حکومت	وفات
۱۲۴۵ھ	۱۵ محرم ۱۲۴۵ھ	۲۳ شعبان ۱۲۴۵ھ	۲ سال	۱۷ اگست ۱۲۴۵ھ
۱۲۴۶ھ	۲۰ جنوری ۱۲۴۶ھ	۲۰ دسمبر ۱۲۴۶ھ	۳ ماہ	۲ اگست ۱۲۴۶ھ

آفاق و فلالک این منجلی ست  
کہ منقاد حکم محمد علی ست

یہ شعوبین الدولہ بہادر کا بیچ تھا، جو خط طغرائیں سرخ و روشنائی سے فرامین پر سیاہ  
جہر کے ساتھ نقش ہوتا رہا، شعر میں جس طرح پر شکوہ القاطین، اسید طرح شان و شوکت  
جلال و عظمت کے ساتھ ۱۲۴۵ھ مطابق جنوری ۱۲۴۵ھ میں مسند ریاست کو  
زینت بخشی، الواعزم، بلند خیال، صاحب حوصلہ، پرجوش شجاع، دلیر، تبحر عالم،  
اور روشن خیال رئیس تھے،

یہ سب کچھ تھا، لیکن قسمت میں ریاست و حکومت کا حصہ بہت کم مقدر تھا، تاہم  
ریاست کی اصلاح کی طرف خاص توجہ رہی، فوجی نظام کو جس اعلیٰ پیمانہ پر مرتب کیا تھا،  
وہ ان کے الواعزمانہ ارادوں کا ایک دیباچہ تھا، اصلاحات کے سلسلہ میں پہلی اصلاح  
یہ کی کہ دفاتر میں فارسی کی جگہ اردو سے محلے کو بخشی، دوسری اصلاح یہ فرمائی کہ سادہ کاغذ  
کے بجائے اسٹامپ جاری کیا، جس سے ایک گونہ آمدنی میں توفیر ہوئی، دارالضرب

۱۵۰۰ بارغ مرادہ سال ولادت ہے اور سال وفات، حاکم بارغ ارم  
حدیقہ راجستان  
عرف تاریخ ٹونک ۱۳۱۳ھ

۱۲۴۵ھ



سروخ سے محمد خانی سکے بھی جاری ہو جو ۱۲۰۶ء تک برابر چلتا رہا۔  
 ۱۲۰۶ء کے دوڑ میں کشتورگنڈ کے قریب سے کیتھن ندی کا رخ شمال کی طرف .. ۳۳ گز  
 پھیر کر بوہروں کے باغ کے متصل اسی ندی میں ملایا، کام اچھا تھا اس ترکیب سے تقریباً دو سو  
 بیگہ اراضی کا ہموار قطعہ مکانات کی آبادی کے لئے نکلتا تھا لیکن جو بند باندھا گیا تھا وہ مستحکم نہ تھا  
 اول ہی مرتبہ ندی کی طغیانی نے اسے بہا دیا، اور بدستور قدیم اپنے سابقہ راستہ پر جاری رہی  
 ۱۲۰۶ء کے آخر میں لاوہ کے ٹھاکروں کے قتل کا واقعہ پیش آیا، اس واقعہ کے اشتباہ میں  
 ۲۳ شعبان ۱۲۰۶ء مطابق ۲۰ دسمبر ۱۸۰۶ء کو اپنے بڑے صاحبزادہ کے حق میں ریاست  
 سے دست بردار ہو کر بنارس جانا پڑا، جہاں ۲۸ سال تک مقیم رہنے کے بعد ۱۹ صفر ۱۲۳۱ء  
 مطابق ۲۸ اگست ۱۸۹۵ء میں دینا سے نہفت کی، مرحوم کی بنا کردہ مسجد اور ایک مدرسہ  
 عربیہ بنارس میں یادگار آثار ہیں، جنگی حفاظت و آبادی کا انتظام ریاست کے ذمہ ہے،  
 موذن، جاربو کش، معلم، ملازم ہیں، جگہ ماہوار تنخواہیں دی جاتی ہیں،  
 علمی مشاغل اور تصانیف کے سلسلے میں انہوں نے ہر فن کی کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ جمع  
 کیا تھا، جبکہ زیادہ حصہ اُن کے منجملہ صاحبزادہ، صاحبزادہ قاری حافظ محمد عبد الرحیم خاں بہادر مظفر  
 جنگ مرحوم کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔“

نواب امین الدولہ وزیر الملک حافظ محمد ابراہیم علی خان

بہادر صولت جنگ!

جی، سسی، ایس، آئی، جی، ماسی، آئی، ای، موجودہ رئیس اعظم ٹونک امام اقبال

کا عہد حکومت

مبارک سکہ زرد افضل یزداں رئیس ٹونک ابراہیم علی خان

ولادت ، مسند نشینی ، اختیارات ، مدت حکومت اس کتاب کی ترتیب تک  
 ۲۷ رزی الحجہ ۱۲۵۵ھ ۲۳ شعبان ۱۲۵۵ھ ۲۸۶ھ  
 مطابق ۲۰ دسمبر ۱۸۶۷ء ۱۲۵۵ھ

نواب امین الدولہ بہادر کی اقبال مندی وارجندی کی دلیل اس سے بڑھ کر اور کیا  
 ہو سکتی ہے کہ آپ کو آپ کے والد ماجد نواب امین الدولہ بہادر نے اپنے مبارک ہاتھوں سے  
 مسند نشین فرمایا ، اور بیستم آئینہ لہجہ میں یہ فرماتے ہوئے توپوں کی سلامی کا حکم دیا ،

کہ شہباز من صید دام تو شد  
 مرابود دولت بنام تو شد (سعدی)

چونکہ آپ کی عمر اس وقت ۲۰ سال کی تھی ، اسلئے ہمت ملی پنچایت (کونسل) کے ذریعے سے  
 مسٹر بلیر بہادر پولٹیکل ایجنٹ کی نگرانی میں انجام پاتے رہے جس میں ممبران ذیل شامل تھے ،  
 (۱) عالیجناب صاحبزادہ حافظ محمد عبداللہ خاں بہادر ابن نواب امیر الدولہ بہادر رکن اعلیٰ  
 (۲) عالیجناب افتخار الامرا مخر الملک صاحبزادہ محمد عبید اللہ خاں بہادر فیروز جنگ ۔

سی ، ایس آئی ابن نواب وزیر الدولہ بہادر افسر مال

(۳) عالی جناب صاحبزادہ وزیر محمد خاں بہادر معتد الامرا منتظم الملک ابن محمد مستقیم خاں  
 بہادر ، داماد نواب نوزید الدولہ بہادر ، افسر گرائی ، (فوجداری)

(۴) مدیر الملک منشی سید ظہور علی ، اہلکار اعلیٰ (املاوہ ملک آئین کے باشندہ تھے)  
 دو سال کے بعد جب نواب امین الدولہ بہادر قافونی عمر کو پہنچے اس وقت ۱۲۵۶ھ میں انکو

حکمرانی کے کامل اختیارات ملے ، اس کے بعد آپ نے صاحبزادہ محمد عبید اللہ خاں بہادر کو اپنا

نائب مبارک تخت ، مادہ تاریخ ولادت ہے ، ۱۲ (تاریخ طوٹکا)

۱۲۵۶ھ میں پیدا ہوئے ، آپ کے بڑے بھائی نواب محمد علی خاں بہادر نے ۱۲۵۵ھ میں آپ کو مختار دیا  
 کا عہدہ دے کر مختار المہام افتخار الامرا بہادر فیروز جنگ کا خطاب دیا ، بعد میں ریاست کا کام واپس لیکر ۱۲۵۶ھ

دستور اعظم مقرر کیا، سرویج کے سابقہ انتظامات اس وقت تک بدستور بحال تھے ۱۸۸۸ء میں اصلاحات کا نفاذ شروع ہو کر نائب ال ریاست بہادر کے اندر سے دیہات سرویج کا اجارہ انگریزوں کو دیا گیا، سال کو ختم ہونے پر دوسری مرتبہ ہفت سالہ میعاد دی اجارہ حکیم شیخ احمد صاحب عامل سرویج کی نگرانی میں ۱۸۸۸ء میں ایک لاکھ (۱۶۲۵) روپیہ سالانہ آمدنی پر دیا گیا جو ۱۸۹۲ء تک قائم رہا۔

## ملکی اصلاحات کا پہلا دور

ابتداء سے ۱۸۸۵ء تا ۱۸۸۶ء

سال ۱۸۸۵ء... اس یادگاری انتساب سے مبارک سال ہے کہ سرویج کے دارالفرمان میں ذیل کا فقرہ سکھ حضور نواب امین الدولہ بہادر کے نام کا مسکوک ہو کر جاری ہوا

۴۴ قمار اللہام کے بجائے نذر الملک کا خطاب دیا حکیم خوری شہید میں نائب ال ریاست ہوئے ۲۳ جولائی ۱۸۸۵ء تک اسی عہد پر قائم رہے پھر کنار کش ہو گئے، اسی اثنائیں گورنمنٹ کی طرف سے امیر شیر علیاں والی کابل کے پاس جو کمیشن روانہ ہوا، اسیں آپ کا بھی انتخاب ہوا، گورنمنٹ نے سی، ایس، آئی کا تمغہ ۶ ستمبر ۱۸۸۵ء کو عنایت کیا اور ۸ ستمبر ۱۸۸۵ء کو آپ کابل کے ارادہ سے روانہ ہو گئے، امیر شیر علیاں نے مشن کو علی مسجد سے لے کر بڑھنے کی اجازت نہ دی، اسلئے آپ ۸ ستمبر ۱۸۸۵ء کو شملہ واپس آ گئے اور ۱۳ ستمبر ۱۸۸۵ء کو دوبارہ آپ ٹونک کی وزارت پر بحال ہوئے، منظم بارعب اور ذی اثر سردار تھے بحالت وزارت چند ماہ طویل رہ کر ۲۵ جولائی ۱۸۸۵ء مطابق ۲۰ ستمبر ۱۸۸۵ء پنجپہ کے روز انتقال کیا، نذر الامراء اتمار الملک صاحبزادہ عبدالعلیم خاں بہادر فیروز جنگ مرحوم کے بڑے صاحبزادہ ہیں، دوسری زوجہ سے صاحبزادہ امانت اللہ خاں ہیں، مولف نے مرحوم کے انتقال کی وقت حسب ذیل تاریخ موزوں کی ہے ۱۸۸۵ء افسوس وہ عید اللہ! مآقل وہوشیا زفرانہ! ٹونک کا کل جو صدر اعظم تھام، مانتے تھے بیسے ہر ایک دانہ! پھر کرتا تھا حق مولت جنگ! قدم کرتے تھے نیکی فرزانہ! ذات جکی تھی مسدداً الطاف! مرجع عام جسکا کاشانہ! پاتے تھے جبکہ گھر سے گوہر چوہا! پیا روغیاں گوشہ میگانہ!

مبارک سکے زدا فضل یزداں رئیس ٹونگ ابراہیم علیخان  
 یہ شعر سکے کے پہلے رخ پر تھا اور ذیل کی عبارت دوسرے رخ پر نقش تھی ۔  
 عہد سلطنت ملکہ معظمہ انگلستان و قیصر ہند ، ضرب سرونج ۱۸۵۷ء  
 ۱۸۵۷ء کا سال سرونج میں صاحب زادہ نظام علیخان صاحب کی حکومت کا سال تھا  
 جو امیرانہ شان و شوکت کے ساتھ ہوتا اور منتظم سردار تھے ، انہوں نے والی ملک کا مشورہ حاصل  
 کرنے کے بعد جب ذیل اصلاحات کا نفاذ کیا ،  
 (۱) صیف پولیس کا جدید مستقل انتظام جسکی رو سے ۱۳ تھانے ذیل کے مقامات پر قائم ہوئے  
 کوٹوالی سرونج ، دیو پور ، ایند پور ، لیٹری ، علیگڑھ ، ٹوکرہ ، اونا لسی کلان ، اونا لسی  
 تال ، امیر گڑھ ، دپینا نکھیرہ ، جھنڈوہ ، مہولی ، بھگونت پور ، سات چکیاں  
 علاوہ تھیں ،

ہر پولیس اسٹیشن میں ایک تھانہ دار ، ایک جمعدار دسید محمد ( ایک حوالدار اور  
 پانچ کنسٹبل رکھے گئے ، اس انتظام سے پرگنہ سرونج کا وسیع رقبہ تقریباً محصور ہو گیا ،  
 جس سے السدادی کارروائی میں اچھی کامیابی رہی ، اسوقت مقامی عامل ہی پولیس  
 کا اعلیٰ افسر قرار دیا گیا ،

(۲) دار الشفاء کا وجود جسکی نگرانی کا تعلق اس زمانہ میں ایجنسی میہور کے سونے سرجن سے تھا  
 (۳) میٹروپولیٹن کمیٹی کا انعقاد جس سے راستوں کی صفائی ، اور روشنی کے انتظام میں نمایاں کام کیا  
 (۴) محکمہ سائبر کی آمدنی میں افزائی خیال سے علی گڑھ کے شہر میں میلے کا انعقاد یہ میلہ پندرہ

ص ۴ آج دینا سے کر گیا رولت پورہ گیا نام اور افسانہ پگل سوا آہ رہ چراغ کہ تھا ، ہر قبائل جبکا پر واندہ نکریاں  
 وفات میں پاکر ، نظر غمزدہ کو دیوانہ ، عالت غیب نے کہی تابینچ ، تھا گہر زیب راجپوتانہ  
 ملکہ گریٹر سرونج - ۱۲ ملکہ نواب امیر الدولہ بہادر کے نواسے اور قاسم علیخار قلعہ دار کے بیٹے تھے ،  
 ملکہ جھڑنہ موٹائی کی درگاہ کے شمال میں جو میدان ہے ، یہی میدان گجگتھی میں جگہ گویوں کی آبادی بھی ہوئی ہے

روز مسلسل قائم رہتا، بیرونی علاقوں سے بھی تجارت کثرت آتے اور انتفاع حاصل کرتے  
ضابطہ کے لئے پولیس کا ضابطہ سرکاری رسالہ کے سوار اور جاگیرداران سمروں مامور ہوتے۔  
مالی وعدہ انتی نظم و نسق میں کوئی اہم تبدیلی نہیں ہوئی، بدستور پرگنہ زیر اجارہ رہا،

## ملکی اصلاحات کا دوسرا دور

ابتداء سے ۱۸۵۷ء لغایت ۱۸۵۷ء

دنیا کی تاریخ شاہد ہے کہ جب نظام عالم، اور اسکا تمدن قدیم ہو جاتا ہے، اور اسکی  
خوبیوں پر قریبیاں غالب آجاتی ہیں تو ایک جدید دور کا افتتاح ہو جاتا ہے جو جدت و  
اختراعات کے لحاظ سے گذشتہ تمدنی نقش و نگار سے بہتر اور مہذب اشکال میں جلوہ گر  
ہوتا ہے جبکی طرف افراد عالم ذوق و شوق سے متوجہ ہوتے ہیں اور زمانہ خود بھی اپنی  
ضرورتوں سے مجبور ہو کر نئی روشنی اختیار کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔

قیام عالم سے آج تک پیکر تمدن سواروں رنگ بدل چکا ہے، نہیں معلوم کہ آئندہ  
اور کیا کیا اس میں تبدیلیاں واقع ہوں،

نواب امیر الدولہ امیر الملک بہادر بانی ریاست کا عہد حکومت عام جنگی نظام کے  
ماتحت رہا اسلئے کہ وہ خود میدان رزم کے الواعزم جنرل اور ان کے تمام رفقاء وندما جنگی  
آدمی تھے جو رزم سے زیادہ تر باسا طر رزم کے سنوارنے والے تھے، تاہم انہوں نے ۶۷ سال  
شمیر و علم کی طرح عرصہ جہان بینی میں قلم کا بھی زور دکھلا کر حریفوں پر ثابت کر دیا کہ وہ اُس زمانہ  
کے تمدنی ضرورتوں کے مطابق نظم آرائی میں بھی دوسروں سے پیچھے نہ تھے،

اسکے بعد جب نواب وزیر الدولہ بہادر کا عہد حکومت آیا تو خدا اور ریاست کے تمام انتظامی  
حکد سے حکام شریعت کی آبیاری سے سرایا طرب فیروز شاداب نظر آنے لگے، حکمرانی کا تیسرا  
منہایت سے علی گنج محلہ شہر ۱۸۵۷ء تک مولف نے میلہ کو آباد دیکھا تھا، حاکموں کی عدم دلچسپی سے یہ موقوف ہو

ممبر نواب امین الدولہ بہادر کا تھا، لیکن ریاست کی قسمت میں اس جو بہر قابل کے مافوق  
تدبر کا استفادہ مقدر تہ تھا تین سال کے اندر ہی ریاست کو اس سے محروم ہونا پڑا،  
بہر حال گزشتہ دور اور خود نواب امین الدولہ بہادر صولت جنگ کی ابتدائی حکومت  
میں جب قدر بھی اصلاحات ہوئیں وہ ضرورت کے لحاظ سے کافی تھیں، چونکہ اب تمدن  
نے لباس کا خواہشمند تھا، اس لئے حضور انور نے بذات خود اس طرف توجہ فرمائی  
جبکہ آغازِ مسلمہ میں انعقاد مجلس شوریٰ (کونسل) سے اس طرح پر ہوا

(۱) امین الدولہ وزیر الملک نواب حافظ محمد ابراہیم علی خاں بہادر صولت جنگ  
فرمانروائے ریاست ٹونک ..... پریسیڈنٹ ،

(۲) افتخار الامرا فخر الملک صاحبزادہ بلید اللہ خاں بہادر فیوز جنگ نائب ریاست  
والس پریسیڈنٹ مسلمہ میں جبکہ ان کا انتقال ہوا تو نجم الامراء اقسام الملک صاحبزادہ  
محمد عبدالوہاب خاں بہادر صفدر جنگ نائب ریاست مقرر ہوئے ،

(۳) شمس الامراء عمدة الملک صاحبزادہ احمد یار خاں بہادر فتح جنگ جنرل افواج ریاست  
ممبر فوج ،

(۴) خانصاحب محمد نجف خاں صاحب پیشنہ جگ گورنمنٹ ساکن کرناں جوڈیشل ممبر -

(۵) خانصاحب میرزا محمد علی خاں صاحب اعما د جنگ ممبر اصلا ع غیر -

(۶) بابو وناک راؤ (راؤ بہادر) فنانشل ممبر، ہر ایک ممبر کے تعلق مختلف صیغے تھے جو محکمہ بنیاد  
کے ماتحت رکھے گئے -

عدالتوں کی ترتیب گناہیں اس طرح پر ہوئی ،  
**عدالتی انتظام** (۱) عدالتہ العالیہ شرعیہ ، مذہبی خصومات کی رجوعات اور انکشاف فیصلہ

(۲) عدالت مضفی ، دو ہزار روپیہ تک کی ناشائستہ کی سماعت ،

لے ۸ مئی ۱۹۴۷ء کو آگ میں جلا کر اسی صدمہ سے فوت ہوئے - ۱۲ تاریخ ٹونک

رسم، عدالت فوجداری، مقامی ناظم کو ایک سال تک کی قید اور دو سو روپیہ تک کے جرمانہ کا اختیار۔

(۴) صیغہ رجسٹری، مقامی ناظم کو سب رجسٹری کے اختیارات، عدالت عالیہ شریعت کی تجویز کا اپیل، جلسہ علماء شریعت صدر سے رکھا گیا اور انتظامی معاملات نظامت شریعت ٹوئک سے متعلق ہوا، باقی آخر الذکر تینوں صیغوں کا اپیل جوڈیشل ممبر سے رکھا گیا،

اپیل ثانی کونسل اور صدر مرفوعہ خاص اجلاس حضوری میں سماعت ہونا قرار پایا ساتھ ہی عدالتوں کی رہنمائی کے لئے حسب ذیل قوانین مرتب اور مطبوع ہو کر جاری ہوئے ضابطہ صیغہ اجرائے ڈگری، ضابطہ فوجداری ریاست، ضابطہ دیوانی، قانون کورٹس قانون رجسٹری، قانون مال لاوارث، قانون اسٹامپ، قانون حد سماعت، قانون محصول چٹائی، ان کے علاوہ مقامی رسم و رواج کو زیر نظر رکھتے ہوئے عدالتوں کی رجسٹری کے لئے وقتاً فوقتاً پچاسوں سرکارات جاری ہوئے، جنگی پابندیوں سے عدالتیں ایک سیدھے راستے پر آگئیں،

اعلام غیر سے ملزمان کی داد و ستم میں بڑی دقتیں پیش آتی رہیں، ان کے سلجھاؤ کے لئے سرکلر کرنل وائسلی صاحب بہادر کا اجرا ۱۸۹۵ء میں منظور کیا گیا، جس کے علمداری پر سے اتحاد امیر تاج برآمد ہوئے، آج بھی سرکلر نوکری پابندی عدالتوں کیلئے بہت کچھ مفید پولیس کا صیغہ اس وقت تک مقامی ناظم صاحبان کے زیر نگرانی تھا، اس دور میں اسکو نظامت سے علیحدہ کر کے

**صیغہ پولیس**

سے کرنل وائسلی صاحب بہادر سپہوار ڈسٹرکٹ انڈیا ایجنسی پر بعدہ پولیسکل ایجنٹ نامور تھے ۱۸۹۵ء میں انہوں نے سرکلر نوکری مرتب کر کے گورنمنٹ آف انڈیا کی منظوری سے جاری کیا، جسکو راجپوتانہ کی بھی اکثر ریاستوں نے منظور کر کے اپنے اپنے قلمرو میں قابل نفاذ قرار دیکر اجرا کی منظوری دی ۱۲

سپرٹنڈنٹ پولیس کے ماتحت کیا جبکہ مستقر دار ال ریاست ٹونک قرار پایا صاحب  
سپرٹنڈنٹ کی علی امانت کے لئے ہر پرگنہ میں ایک ایک انسپکٹر رکھے گئے، اور انسپکٹروں  
... کی نگرانی میں تہا نجات دیئے گئے،

چونکہ عہد گذشتہ کے مقابلہ میں اب امن و امان کا دور دورہ تھا، اور انسداد جرائم  
میں عہدہ داران پولیس کی کوششیں بہت کچھ نتیجہ خیز ثابت ہو چکی تھیں، اس لئے سابقہ  
۱۳ تھانوں کے بجائے ذیل کے ۹ تھانے قائم رکھے گئے،

کوٹوالی سرونج، لیٹری، ٹوکرہ گلراج کوٹہ، اونارسی تال، بامورچی سالہ، جھنڈوہ  
بھگونت پور، اونارسی کلاں، مناسب ناکوں پر سات چکیاں علاوہ مقرر ہوئیں،

موگیہ قوم ایک مشہور جرائم پیشہ قوم ہے، اُس کے افراد کو سرونج کے دیہات سے جمع  
کر کے موضع یوسف پور میں آباد کیا، ریاست سے انکو کاشتکاری کا سامان اور نقد روپیہ  
سے امداد دی گئی، متعدد موگیان کے نام سے ایک نگران افسر پولیس کی زیر سیادت مامور  
کیا گیا، قاصد اُن کے مستقر پر ضابطہ پولیس، اُن کی نقل و حرکت کی نگرانی سے لئے بھی  
مقرر ہوا، غیر حاضری کی صورت میں تعزیر کے لئے قانون بنایا گیا، جسکی پابندی سے  
موگیہ قوم کی مجرمانہ افعال کی طرف سے خاطر خواہ اطمینان ہو گیا،

یہ صیفہ شاہی زمانہ سے ہے، شہنشاہی تک سائیکل کی آمدنی زیر اجارہ رہی  
سائیکل جسکی مجموعی تعداد ۸۰ تھیں اور ۵۰ روپیہ پتی، جدید انتظام کے سلسلہ میں آمدنی  
اسکی خالص کیجا کر مقامی افسر منصرم سائیکل کافی عرصہ کے مقرر ہوا، جسکی رہبری کے لئے  
قانون محصولات سائیکل مرتب ہو کر نافذ ہوا،

جنگلات | اس صیفہ کا وجود بھی اصلاحات کے برکات کا نتیجہ ہے جسکی آمدنی، خوش

لہ صاحبزادہ محمد خان صاحب بہادر، ابن صاحبزادہ عبدالکریم خاں بہادر اس عہدہ پر مامور ہوئے، انہیں  
انسپکٹر علی کارخانہ جات ہوئے ۱۲۔ ۱۳ گنڈی سرونج ۱۲۰



انتظامی کی بدولت سینکڑوں سے ہزاروں تک پہنچ گئی ہے، جنگلات کا مقامی جہود اور  
فارسطر کے نام سے مامور ہوا ایسی مانتی میں عملہ کافی دیا گیا،

اس سے قبل دیہات پر گنہ عام طور پر زیر اجارہ تھے، سرکاری نے  
**صیغہ مال** پر گنہ کی باقاعدہ پیمائش کی طرف توجہ کی، کپتان ٹی، اسی پیرس تھا  
بہادر کو ان کی خدمات گورنمنٹ سے مستعار طور پر منتقل کرا کے ریاست کا اہتم بندوبست  
شعبہ میں مقرر کیا، جنہوں نے ریاست کے پرگنات کی جدا جدا سالوں میں پیمائش  
کرائی، سروج کا میرٹھ میں آیا تقریباً دو سال کے اندر کام ختم ہو کر ۱۸۹۹ء میں  
مالگداری مشغفہ سنادی گئی، جسکی رو سے ایک لاکھ چھپن ہزار اسی روپیہ کی جج آئی  
اور پرگنہ کا کل رقبہ ۹ لاکھ ۳۲ ہزار ۵ سو ۵۲ بیگہ برآمد ہوا،

بندوبست نے مستقل عملہ کی ضرورت پیدا کی، پٹواری پہلے بھی تھے، مگر اب  
تعلیم یافتہ تنخواہ دار رکھے گئے، قدیم حقوق موقوف ہوئے، چند پٹواریوں پر ان کے  
کام کی نگرانی کے لئے تین گرو اور قانون گونظامت کے ماتحت رکھے گئے، کاغذات  
دیہی کی ترتیب و تکمیل کے لئے نمونے انتخاب ہو کر مطبوع و شائع ہوئے، جب کا تعلق صد  
قانون کوئے سروج سے رکھا گیا،

۱۸۹۲ء میں راکر علیچاں دہلی کی نظامت کا سال تھا، انہوں نے بمشورہ دربار  
ٹونک، سروج کو ذیل کی چار تحصیلات پر تقسیم کیا، لیٹری، اندر پور، دیو پور، وینیا نکمیر  
ہر تحصیل میں ایک تحصیلدار اور اسکے تحت میں ذیل کا عملہ مقرر ہوا،

واصلاتی نویس، سیاہ نویس، محررینشی اور بعض تحصیل میں ایک اور بعض میں دو گرو اور قانون کوئے  
ان کے علاوہ چپراسیوں کی معقول تعداد مقرر ہوئی،  
چپراسیوں کے تعلق چند دیہات کی تحصیل رکھی گئی، اور چپراسیوں پر ایک  
جمعدار مامور ہوا،

اسی عہد میں مقامی حاکم کو عائل کے بجائے ناظم کا لقب دیا گیا،  
(جس میں انگریزی، فارسی، کلام مجید اور اردو کی تعلیم دی جاتی ہے) اسی  
**اسکول** نمائندہ میں قائم ہوا،

سروج کی سال بھی اسی زمانہ ۱۹۹۲ء میں حکم گورنمنٹ آف انڈیا، مسدود ہوئی،  
۱۹۹۵ء میں ٹیکر صاحب بہادر نجفی دیوٹی، پرمامور ہوئے جنہوں نے کاغذی ترمیم  
کر کے کمال پٹر طیار کیا، ساتھ ہی حکامان کی رہنمائی کیلئے بشوہور بار عالی وقار دستور العمل  
اور ہدایات انتظام ہال کے نام سے قوانین مرتب کر کے جاری کئے، جو ترتیب کاغذات  
اور تصفیہ مقدمات مالی میں بہت کچھ کارآمد ثابت ہوئے جن پر آج تک عملدرآمد ہے،  
۱۹۹۷ء سے اپریل ۱۹۹۸ء تک معتمد الملک معتمد خاص نجفی حافظ سید محمد خاں  
بہادر ظفر جنگ سروج کی نظامت پر مامور رہے، انہوں نے ایک تحصیل تحصیل کر کے  
ذیل کی تین تحصیلات قائم کیں، تحصیل صدر، تحصیل غری، تحصیل شرقی، آج تک تحصیل  
قائم ہیں، جدید تعمیرات بھی اس عہد میں زیادہ ہوئیں،

**متفرقات** نجفی سید محمد خاں بہادر ظفر جنگ کو خاص طور پر دربار عالی وقار نے  
سرک اور شہر کی صفائی کی طرف توجہ دلائی، اس عہد میں میونسپل  
کیٹی کو بہت زیادہ فروغ ہوا، یامورہ اسٹیشن سے مال اور مسافروں کی آمد و رفت  
میں ترقی ملی، اس لئے گھٹوار تک ۱۵ میل سرک پختہ ہزاروں روپیہ کے صرف سے  
تعمیر کرائی گئی، جو آب تک مخلوق خدا کے لئے مفادہ بخش ہے،

**مطبع محمدی** بھی اسی عہد میں قائم ہوا جس نے سرکاری کاغذات کی طباعت

لے شاہی عہد میں پرگنہ کے حاکم کو شفق دار عالم کہتے تھے، نواب امیر الدولہ بہادر بائی ریاست نے  
بھی یہی لقب جاری رکھا، اہلکروں کے زمانہ میں کما سدا لقب مشہور تھا، ۱۲ مولف  
۲ گھٹوار سروج پرگنہ کا سرہری موضع ہے جو سروج سے مشرق میں ۱۵ میل کے فاصلہ پر ہے،

میں آسانی پیدا کی،

اور متعدد عمارات کی تعمیرات اور ترمیمیں بھی اسی عہد میں زیادہ ہوئیں۔ چونکہ امین الدولہ بہادر کو ملکی انتظامی دیکھپیوں کے ساتھ شعائر اسلامی

## دیوان عام

اور دیگر امور و فرائض کی پابندی کا ہمیشہ سے خیال رہا ہے، اس سلسلہ میں ریاست نے جرائم زنا، بے نقابی، اور آزاد جوان عورتوں کا بازار میں پھرنے، اور اس قسم کے دیگر افعال کے اسناد کے لئے ۱۸۹۷ء میں خاص سرکلر جاری کئے، جس نے انسدادی اچھا اثر پیدا کیا، اور پرگنات میں فواحش کا کافی اثر روک دیا، اور آج تک یہ سلسلہ میں (جبکہ مسٹر ہائیس صاحب بہادر انسپکٹر جنرل پولیس ریاست تھے) انہوں نے دفعہ ۴۴ تعزیرات ہند کو بغیر قابل دست اندازی بنا کر اور سمجھا کر بلا استغاثہ عام عدم دست اندازی و عدم گرفتاری کے احکام جاری کر دیئے، لیکن بعد میں جب فواحش کی شکایات سماعت میں آئیں جدید حکم منسوخ کر کے سابقہ سرکلر کی پابندی کے لئے از سر نو احکام جاری کر دیئے گئے جس پر عمل سابق کامیابی کے ساتھ عمل ہے،

ممتاز لا مار معظم الملک صاحبزادہ محمد صدیق خان صاحب بہادر دلیر خٹک نے مئی ۱۸۹۸ء میں سروخ کی نظامت کا چارج لیا، انہوں نے سن ۱۸۹۸ء میں منظور شدہ دربار ٹونک ناظم پرگنہ کو محکمہ ریٹ اول اور پیشکار فوجداری کو محکمہ سرب و دم کے تفویض اختیار دلا کر سروخ کی عدالتوں کو انگریزی عدالتوں کے قاعدہ کے مطابق لانا چاہا۔ پولیس کا تعلق مقامی حکومت سے اس وقت علیحدہ تھا، انہوں نے اپنے لئے مقامی سپرنٹنڈنٹ کے بھی اختیارات حاصل کئے جس سے پولیس برنگرانی کا اچھا اثر مرتب ہوا،

## ملکی اصلاحات کا تسیرا دور !

ابتداء کے سلسلہ لغایت ۱۹۱۹ء

سید حفیظ اور نواب امین الدولہ بہادر والی ٹونک کے علاقائی بھائی تھے ۱۲

زمانہ تدبیر ترقی پذیر تھا، اُسی مناسبت سے نظام ملکی نے بھی پیرایہ اصلاحات میں مزید تبدیلی چاہی،

حضور علی القاب نواب امین الدولہ بہادر کی بیدار فہمی، وسیع النظری اور زمانہ شناسی نے اسکا احساس فرماتے ہوئے سنہ ۱۹۰۷ء میں مجلس شوریٰ (کونسل) کی از سر نو تنظیم فرما کر قابل تریں دل و دماغ کے ارکان سے اُسکے رونق دی، جس میں حسب ذیل اعلیٰ عہدہ دار نظر آنے لگے،

(۱) افضل الامرا مشتمل الملک صاحبزادہ محمد عبدالرحیم خان صاحب بہادر مظفر جنگ ریونیو ممبر۔

(۲) ممتاز الامرا معظم الملک صاحبزادہ محمد صدیق خان صاحب بہادر دلیر جنگ، ہوم ممبر

(۳) مرزا محمد علیاں صاحب بہادر اعتماد جنگ، جوڈیشل ممبر،

(۴) رائے بہادر بابو دامودر راؤ۔۔۔۔۔ فنانشل ممبر۔

دو تین سال کے بعد اور بہتر انتخاب ہوا، فقیر سید افتخار الدین مرحوم اکثر اسسٹنٹ پنجاب کی خدمات سرکار عالی نے ریاست میں منتقل کر کے ریونیو ممبر کیا، اور صاحبزادہ صاحب بہادر مظفر جنگ کو ہوم ممبر۔

ایک سال بعد جب فقیر صاحب گورنمنٹ کی طرف سے سیفر ہو کر کابل چلے گئے تو منشی محبوب عالم خاں اکثر اسسٹنٹ پنجاب کا انتخاب اُن کی جگہ ہوا، اور بابو دامودر راؤ کے ریشا کر ہوتے کے بعد، رائے بہادر بابو موتی لال جی اکثر اسسٹنٹ پنجاب ممبر فنانشل ہوئے سنہ ۱۹۱۰ء میں جب منشی محبوب عالم خان صاحب اپنی خدمات پر پنجاب واپس گئے تو بابو موتی لال جی ریونیو ممبر ہوئے، فنانشل کا صیفہ بھی ان ہی سے متعلق رہا، اس دور میں صیفہ مال نے بہت زیادہ ترقی حاصل کی اور تمام شعبے منظم ہو کر صیفہ مال کے ماتحت صفائی کے ساتھ نظر آنے لگے،

اولیٰ دونوں موجودہ رئیس ٹونک کے چھوٹے بھائی تھے، جبکہ انتقال ہو چکا ۱۹۱۱ء

اس عہد میں ایوان نظامت کے اندر خزانہ کی عمارت قائم ہو کر پہرہ مقرر ہوا اور آف وارڈس کا وجود، اور کلدار روپیہ کا اجراء بھی اسی دور کا یادگار ہے، جو ہر صیغہ کی آمدنی میں آج تک وصول ہو رہا ہے جسکی ابتدا <sup>۱۹۰۶ء</sup> فیصلی میں ہوئی ہے، پولیس کا تعلق نظامت سے مٹایا گیا، اور کل پرکناٹ کا پولیس فورس ایک سپرنٹنڈنٹ پولیس کے ماتحت کیا گیا، اس خدمت پر خاں صاحب محمد خاں اجیری، خاں بہادر سید جمال الدین حیدر، پنشنر گورنمنٹ، خاں بہادر منشی غلام قادر خاں، مولوی انوار الحق صاحب حال وکیل دربار ٹونک، مامورہ ایچ پی دیوٹی لپیکے بعد دیگرے مامور ہوتے رہے۔ جبکہ تعلق ہوم ممبر سے رہا۔

**متفرقات** مروج کے ملکی معاملات کے متعلق اضلاع غیر کا نظام اس وقت تک ایجنسی سپہور سے تھا <sup>۱۹۰۸ء</sup> میں سپہور سے علیحدہ ہو کر ایجنسی ہارڈوی ٹونک سے رکھا گیا، اسی طرح شفا خانہ کا تعلق سول سرجن سپہور سے جدا ہو کر دیوٹی کے سول سرجن سے اور پھر اسمٹ سرجن ٹونک سے متعلق کیا گیا۔

## پہلے اصلاحی دور

ابتداءً ۱۹۰۶ء لغایت ۱۹۱۵ء  
اس دور میں میر سید حسین صاحب خاں بہادر اکثر اسمٹس اجیری کی خدمت گورنمنٹ سے ریاست کی جوڈیشل ممبری کے لئے منتقل کرائی گئی، عدالتیں اس وقت تک ریاست کے مجوزہ قوانین پر عمل پیرا تھیں، چونکہ قوانین گورنمنٹ کی روشنی نے ریاست کی عدالتوں میں بہت کچھ ضیا پیدا کر دی تھی، اس لئے ممبر صاحب بہادر نے سرکار عالی وقار ٹونک کا استعراج سے کر ذیل قوانین انگریزی سے ترجمہ کر کے شائع کئے، لیکن وہ متعدد امور جو علاقہ کے رسم و رواج قدیم کے مخالف تھے قوانین ریاست میں شامل نہیں کئے گئے، قانون میعاد سماعت، قانون اسٹامپ، قانون رجسٹری، قانون سٹریٹ جان نشینی، قانون شاہ

قانون پیشہ ، قواعد طلب نامہ ، اسکے علاوہ ضابطہ ہائے دیوانی و فوجداری ، اور تعزیرات  
بہند مجریہ گورنمنٹ سے امداد لئے جانے کی بھی ہدایات جاری ہوئیں ۔

اس عہد میں عدالتیں بالکل انگریزی عدالتوں کے نمونہ پر قائم ہو گئیں ، جنگی پابندیوں  
سے رعایہ کے معاملات میں آسائیاں پیدا ہو کر حصول انصاف میں مزید اعانت حاصل ہوئی  
و کلاز کا سالانہ باقاعدہ امتحان بھی اسی عہد میں جاری ہوا ،

میر سید حسین مرحوم کے انتقال پر نجم الامرا اختتام الملک صاحبزادہ محمد عبدالوہاب  
خان بہادر صفدر جنگ جو ڈیپٹی کمشنر ہو کر ۱۹۲۱ء تک مامور رہے ، اسکے عہد میں  
عدالتی نظام کو مزید ترقی ہوئی ،

چونکہ گذشتہ بند ولایت میعاد ہی میں سالہ تھا اور وہ میعاد ختم ہو چکی تھی  
اس لئے جدید تر بھی بند ولایت کا افتتاح بھی اسی دور میں ہوا ،

### صیغہ مال

۱۹۱۱ء میں کام کا آغاز ہو کر ۱۹۱۵ء میں سرورج کی مشخصہ جمع منائی گئی جسکی رو سے  
۱۹۱۵ء کی خالصہ زرعی آمدنی تھی ، آج دس سال بعد موجودہ فرمانروا  
ریاست ٹونک دام اقبالہ کے حسن انتظام سے آمدنی زرعی میں ایک لاکھ روپیہ کا اضافہ  
ہو کر ۲۹ لاکھ تک جمع پہنچ گئی ہے ، کل رقبہ ۸ لاکھ ۹۳ ہزار ۷۳۷ بیکہ ۱۳ بسوہ ہر آمد  
ہوا ، سابق بند ولایت کے مقابلہ میں ۹۴ ہزار ۷۳۷ بیکہ ۱۳ بسوہ کی کمی ہے ، یہ کمی محض رقبہ  
برآری کے طریق عمل کا سبب ہے ، سابق میں چومینڈے سے رقبہ نکالا گیا تھا ، اور اب  
کنگھی سے برآمد کیا گیا ،

اس بند ولایت کے مہتمم مسٹر ایم کین صاحب بہادر تھے ، جنگی خدمت ریاست نے  
گورنمنٹ سے حاصل کر لی تھی ، اختتام بند ولایت کے بعد ہلکاران مال کی رہنمائی کے لئے  
قواعد پٹواریان قواعد گرو اوران ، دو کتابیں مسٹر ایم کین صاحب بہادر نے منظور و دربار  
مرتب کر کے شائع کیں ، داخل خارج اور میدان غلی کے بھی قوانین جاری ہوئے ،

## اصلاحات کا پانچواں دور

ابتداءً ۱۹۱۶ء لغایت ۱۹۲۶ء

### صیغہ پولیس

دربار عالی وقار امین الدولہ بہادر نے پولیس میں مزید اصلاحات کی ضرورت محسوس فرماتے ہوئے اپنی ریاست میں مشر پولیس ٹی ہالینس صاحب بہادر کی خدمت ۱۹۱۵ء میں گورنمنٹ سے منتقل کرائیں، جنہوں نے سب سے پہلے پرگنات کا دورہ کیا، اصلاح طلب امور کو زیر نظر رکھ کر یادداشت میں درج کرتے رہے، پرگنہ کی وسعت، طرز معاشرت، اقوام کی آبادی اور ان کی سوسائٹی وغیرہ حالات پر مبصرانہ نگاہ ڈال کر منظوری سرکار عالی ۱۹۱۶ء میں از سر نو تنظیم پولیس کا سلسلہ شروع کیا، رفتہ رفتہ سروج پولیس نے قواعد اور قانون دانی میں بہت زیادہ ترقی کی وڑوایاں اور دیگر لوازم سرکاری خاص امتیازی نشان کے ساتھ بنوائے گئے، عہدہ داران پولیس کی تنخواہوں میں تقریباً المضاعف اضافہ منظور ہوا، اضلاع ٹونک بہا متحلی انسپکٹر جنرل پولیس دو ذیل کے سرکلوں میں تقسیم ہوئے، (۱) ٹونک (۲) چھبرہ اور ہر سرکل کے تحت میں تین اضلاع رکھے گئے، سرکلوں میں اپنا راج دو سپرنٹنڈنٹ پولیس ہوئے جنکی خدمات یو پی علاقہ گورنمنٹ سے مستعار منتقل کرائی گئیں، سروج، چھبرہ سرکل کے نگرانی میں رکھا گیا، جہاں خان صاحب مولوی الوار الحق فیض پورے انسپکٹر سپرنٹنڈنٹ پولیس مامور ہوئے، جنہوں نے قانونی اور اسنادی روشنی پہنچانے میں قابل تعریف حصہ لیا تھانہ داروں کے لئے بلحاظ قابلیت اول، دوم، سوم تین درجے سے سے صہ تک کی تنخواہ کے قائم ہوئے، اسلئے ہر ایک عہدہ داران کے مابین کارگزاری کے لحاظ سے مدارج قرار دیے گئے پولیس کی عام رہبری کے لئے مینول پولیس ریاست ٹونک کے نام سے نہایت کارآمد کتاب انسپکٹر جنرل بہادر نے مرتب کر کے دربار کی منظوری سے شائع کی

اور اکثر وہ رجسٹر کھولے گئے جو یو پی میں زیر عمل ہیں نیز مزید امتیعات کیلئے پولیس ایکٹ و دیگر قوانین، مرتبہ ٹریننگ اسکول مراد آباد کا اجرا منظور ہوا، خلاصہ ہے کہ پولیس سرفیج اصلاحات کے بعد جس پیمانہ پر پہنچا، اسکا اندازہ ذیل کے نقشہ سے ہوگا، جو کتاب عملہ پولیس مرتبہ مسٹر بالینس صاحب بہادر سابق انسپکٹر پولیس سے نقل کیا جاتا ہے،

نام تھانہ	تھانہ میل	آبادی	تعداد موٹروں	بائیکس	پہیزو	کنستبل	کل عملہ	کامیابی	کیفیت
کوٹوالی سرفیج	۹۵۶۵	۱۶۲۵۲	۲۷	۲	۲	۳۵	۳۹	سیل ٹری یوسف پور	
سیلیور	۸۸۵۷۹	۱۰۲۹۸	۶۰	۱	۱	۱۱	۱۳	۰	قصبہ سے جانب شرقی ۱۰ میل
سگنا کھٹری حال ٹوکرہ	۹۵۲۴۶	۶۹۶۰	۶۲	۱	۱	۱۱	۱۳	۰	قصبہ سے جنوب مغرب میں ۱۲ میل
دینپنا کھٹری	۱۲۰۷۷	۱۵۳۲	۷۳	۱	۱	۱۲	۱۳	۰	۱۵ میل کھٹری قصبہ سے ۳۴ میل جانب شمال
پیلیا	۹۱۵۶	۶۷۶۰	۶۶	۱	۱	۸	۱۰	۰	قصبہ سے ۳۴ میل گوشہ شمال و مغرب
اتندپور	۹۷۶۵	۱۱۱۸۲	۶۱	۱	۱	۱۱	۱۳	۰	قصبہ سے ۱۶ میل جانب مغرب
اوناری کلاں	۳۳۷۷۵	۳۲۱۳	۳۱	۱	۱	۱۱	۱۳	۰	۲۵ میل گوشہ جنوب و مغرب
نینواس کلاں	۱۰۵۷۶	۶۹۶۰	۳۰	۱	۱	۸	۱۰	۰	۱۷ میل جانب جنوب و مغرب
لیٹری	۹۹۲۷۵	۷۳۷۳ خاص روڈ ۱۸۵۷	۵۳	۱	۱	۲۰	۲۲	۰	۲۰ میل مغرب



لکڑی کوڑہ	۱۱۵۴	۲۶۲۳	۳۶	۱	۱	۸	۱۰	۰	قصبہ سے ۲۴ میل جانب مغرب
۱۰ میزائل	۰	۰	۵۲۹ میزائل دہلی	۱۱	۱۱	۱۳۵	۱۵۷	۶	

نوٹ :- اصل کتاب میں اطراف غلط ثابت ہو گئے ہیں مولف نے صحیح سمت درج کر دی ہے ۱۲ پولیس کی ترقی کا صحیح اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اصلاحات سے قبل سروسچ پولیس کا بجٹ ۱۵ ہزار روپیہ سالانہ تھا، اصلاحات کے بعد لوٹکے ۱۹ ہزار ۹ سو روپیہ سالانہ صرف دربار نے منظور فرمایا، اور اب ۱۹۲۶ء میں لوٹکے کا بجٹ ہے ۱ گومسٹر ہالینس صاحب بہادر اخیر ۱۹۱۸ء میں واپس گئے، لیکن انتظام آج تک کسی قدر ترمیم کے ساتھ بدستور بحال ہے، موجودہ زمانہ میں سروسچ میں مستقل سپرنٹنڈنٹ کا دفتر ہے اور دو انسپکٹر ہیں، پانچ چھ سال قبل سروسچ اور اطراف علاقہ سروسچ میں بد معاشوں کی بہت زیادہ یورش ہو گئی تھی، اس واسطے ایک انسپکٹر کا اضافہ اور ہو کر چھٹہ سے سروسچ میں صاحب سپرنٹنڈنٹ کا ہیڈ کوارٹر منتقل ہو گیا، جہاں اس وقت تک قائم ہے،

باوجودیکہ عدالتوں کا نظام مالک آئین کے طریقہ پر قائم ہو چکا تھا تاہم دربار عالی وقار نواب آئین الدولہ بہادر کی میدا ر مغزی اور عدالتی نظام عمارت جہاں بانی کی دیکھ پیوں نے مسٹر ایڈورڈ صاحب بہادر مشہور سشن جج مالک متحدہ ججیہ قابل ترین قانون دان ہستی کے انسان کو اپنی ریاست کے جوڈیشل عداوت کیلئے انتخاب فرما کر مزید رونی بخشی، جب مسٹر ایڈورڈ صاحب بہادر واپس گئے تو مسٹر ہالینس صاحب بہادر (سابق انسپکٹر جنرل پولیس ریاست) کو جناب علی القاب دربار ٹونک نے جوڈیشل ممیری کے لئے نامزد فرما کر گورنمنٹ سے مستعار لے لیا،

سر موصوف ۵ نومبر ۱۹۲۱ء سے آخر مارچ ۱۹۲۵ء تک جوڈیشل ممبر رہے اپنے زمانہ میں انہوں نے اور زیادہ اصلاحات کیں، جوڈیشل میجسٹریٹ کے شائع کیا، قوانین وادری، حق آسائش، انتقال جائیداد، انگریزی کا اجرا منظور کر دیا، علاوہ ان کے حسب ذیل قوانین مرتب اور دوبارہ سے پاس کر کے نافذ کئے جنکی پابندیوں نے رعایہ کی اخلاقی حالت پر اچھا اثر پیدا کیا، قانون قمار بازی، سونا واجب السداد ایکٹ، جرائم پیشہ، اور گزٹ ریاست کا بھی اجرا اسی دور میں ہوا، جیسے ہر صیفہ کی ہدایتی، انتظامی، تقرری، تبدیلی، برطرفی، ملازمان وغیرہ کے احکام مہینہ میں دوبارہ درج ہو کر شائع ہوتے رہتے ہیں،

اس صیفہ میں کیتان ڈبلیو، الیف دیپ صاحب بہادر کی خدمات ریونیو ممبری پر حاصل کی گئیں جنہوں نے اجارہ دیہات مفید سمجھ کر بنظروری دوبارہ عالی وقار سرورخ کے دیہات کو مطبوعہ شرائط کے تحت میں اجارہ دے کا عمل جاری کیا، تقریباً ایک ثلث دیہات پر گنہ اسوقت زیر اجارہ ہیں، یہ طریقہ آبادی پر گنہ کے لئے مفید ہے اسلئے کہ مستاجرین اپنے انتفاع کی غرض سے غیر آباد قابل زراعت رقبہ کو بہت زیادہ آباد کریں گے، اور اس آباد رقبہ کی آمدنی اختتام اجارہ کے بعد ریاست کے حق میں محدود کرے گی،

## صیفہ مال

رعایہ کی فلاح و بہبود کے لئے اس دور میں ایک مجلس نام نہاد (کیٹی شوری) منعقد ہوئی اور رعایہ کو اختیار دیا گیا کہ سرورخ پر گنہ سے ۳۰ ممبر اپنی مرضی کے منتخب کر لیں، اور وہ منتخب بھی ہو گئے، جو سالانہ ریاست کے مصارف سے ٹونک آنے جاتے ہیں۔ مانی صیفہ میں ان کے مشوروں کو قبول کیا جا کر اسی کے مطابق احکام جاری ہوتے ہیں، رعایہ کی فلاح و بہبود کا اس سے بڑھ کر اور کیا انتظام ہو سکتا ہے، حکومت دوبارہ عالی وقار کی رعایہ تو از طبیعت نے ایجاد کیا۔

## متفرقات

ریڈ کراس رعل جراحی کی تعلیمی کمیٹی، کا بھی انعقاد اسی دور کی برکات میں سے ہے، مقامی اسسٹنٹ سرجن کی زیر نگرانی تعلیم کا سلسلہ ہے جس میں ملازم اور غیر ملازم شوق سے

شریک ہوتے ہیں، گوہدایات انتظام مال میں شکار کے مختصر احکام درج تھے، لیکن مستقل شکار گاہ کا قانون بھی اسی عہد میں جاری ہوا، اہل خاندان کی اصلاح اور اُن کے دیوانی معاملات کے تصفیہ کے لئے پنجائیت کا جداگانہ صیفہ کھولا گیا، جہیں خاندان ریاست کے معزز اصحاب ممبر بنائے گئے،

جدید وضع کا دارالشفاء، ٹاک بنگلہ بھی اسی دور کے یادگار ہیں، جنگی تعمیر پر ریاست نے کثیر روپیہ صرف کیا ہے، تعمیر بھی سنگین اور خوبصورت ہے، جوڈیشل افسران، پٹواریان، گرواواران، تحصیلداران، تاسب ناظمان کے امتحانات کا بھی سلسلہ اس دور میں مستقل طور سے قائم ہوا، جو عرصہ افزائی اور تحصیل علم قانونی کے لئے مفید ہے،

**ہنر ہائیں امین الدولہ وزیر الملک بہادر صولت جنگ**

**بجھج القاب کی انتظامی قابلیت اور عام صفات پر مورخانہ تبصرہ**

محتاج پور ملک بہادر پٹواریاں آخر مراد ٹک روکر دروڑ گار

موجودہ القاب امین الدولہ وزیر الملک صولت جنگ بہادر دام  
**قوت انتظامیہ** فرمانروائے ریاست ٹونک، کو مستند حکومت پر جلوہ فرماتے

ہونے پورے ۶۰ سال ہوئے اس مدت میں حضور مدوح نے ریاست کے دیگر اضلاع کے انتظامات و اصلاح پر اپنی جدت طرائف اور نکتہ رس و دماغی طاقت سے جیسقدر توجہ صرف کی ہے اور انکو جس مہذب لباس میں آراستہ کر کے نظام عالم کے سامنے جلوہ گر کیا ہے، جو اس کتاب کا موضوع نہیں ہے، اگر انکو نظر انداز کر کے صرف سرونج کی اُن ساٹھ سالہ اصلاحات کو دیکھا جائے، جنگی اجمالی تفصیل پانچ اصلاحی دور کے عنوانات میں اوپر گزر چکی ہے، تو اقرار کرنا پڑتا ہے کہ (ہنر ہائیں نے زمانہ کی رفتار اور تمدن کی تبدیلیوں کے

ساتھ ساتھ پرگنہ سروج کے تمام سرکاری محکمات اور ان کے شعبوں کو آراستہ و پیراستہ کرنے  
عدالتوں کو قوانین کے ماتحت بام ترقی پر پہنچانے، زرعی آمدنی کو ترقی دینے میں چیرٹیکٹر  
و کچسپی کا اظہار فرمایا ہے، تاہم یہ دعوے نہیں کیا جاسکتا کہ نظام ٹونک میں اصلاح کی  
گنجائش نہیں رہی اور اسکا داخلی و خارجی نظام عیوب سے پاک ہے، اسی طرح کسی  
بڑی سے بڑی سلطنت کو بھی اپنے کمال تنظیم کا دعوے نہیں ہو سکتا، ضرورت پر ہر  
حکومت میں اصلاحات کا نفاذ ہوتا رہا ہے، اس اصول سے ٹونک کا محکمہ تنظیم بھی غافل  
نہیں رہا، آج سروج میں عدالت ہائے مجسٹریٹ ڈیو اول درجہ دوم، منصفی، رجسٹری  
سیف پولیس، میں ایک مستقل سپرنٹنڈنٹ، دو انپکٹران، ۱۲ پولیس اسٹیشن اور متعدد چوکیا  
کا وجود، صیف مال میں تین تحصیلات کا تقرر، جنگلات کا شعبہ، ناسب نظامت کا عہدہ،  
بندوبست کا اجراء، لین ریکارڈس، دفتر رجسٹرار قانون گوئی، باقاعدہ گردواران،  
پٹواریان کا تقرر، صیف تعلیم پٹواریان، خزانہ کا انتظام، اسکا مکان، متفرقات میں  
مینوسپل کمیٹی کا وجود، کورٹ آف وارڈس، صیف انسداد اشخاص جرنل کمیشنر، مدرسہ  
دارالشفاء، دہان سرائے، ڈاک بنگلہ، کسٹم ہاؤس، وغیرہ اور ان تمام سیفوں اور  
عدالتوں کے لئے قوانین کی ترتیب اور ان کی اشاعت، وکلاء کا تقرر، اور انکا باقاعدہ امتحان  
پختہ شاہراؤں، سڑکوں اور چلوں کی تعمیر، ان کے لئے، اور سیری کا مستقل علم،  
جیلخانہ اور دیگر بے شمار قاضیہ و انتظامیہ، امور جو آج نظر آ رہے ہیں، یہ سب ہزارئیس  
ہی کے مبارک عہد حکومت کے خوشنایا دگاری نقش و نگار ہیں، جو گذشتہ دور کو نصیب نہیں  
ہوئے، یہ اسی بیدار مغزی کے برکات ہیں کہ سروج پرگنہ آج تمدن سے متہدن اور آئینی  
ضلع کے ہم پہلو نظر آتا ہے، توجہ اور حسن انتظام سے پرگنہ کی آمدنی میں بھی اس قدر توفیر ہوئی ہے  
کہ شاہان تیموریہ کے عہد سے لے کر گذشتہ دور میں کبھی نہیں ہوئی، دیکھو اعداد و مندرجہ  
نقشہ نمبر (۱)

## فرائض جہانبنانی

قانون الہی کی رو سے، راعی پر رعایہ کے جو حقوق عائد کئے گئے ہیں ان کے سمجھنے اور ادا کرنے میں نواب امین الدولہ بہادر نے

جس مستعدی کا اظہار فرمایا ہے، اسکا اندازہ اس سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ حضور ممدوح نے دار الحکومت ٹونک سے ۲۵۰ میل کا سفر بلا لحاظ موسم اختیار کر کے گیارہ مرتبہ ذیل کے سالوں میں سرونج کا دورہ فرمایا، ۱۸۴۳ء، ۱۸۴۶ء، ۱۸۴۹ء، ۱۸۵۲ء، ۱۸۵۵ء، ۱۸۵۸ء، ۱۸۶۱ء، ۱۸۶۴ء، ۱۸۶۷ء، ۱۸۷۰ء اور ہر مرتبہ کبھی تنہا اور کبھی لشکر کے ساتھ دیہات پر گئے میں تشریف لے جا کر رعایہ سے بلا واسطہ اور بالواسطہ اُن کے حالات ضروریات، اور شکایات دریافت فرماتے رہے، رعایہ کے اکثر معروضات کافی الوقت اور بعض کا تحقیقات کے بعد انتظام فرمایا، جو جو خرابیاں گذشتہ انتظامات میں نظر آئیں اُن کو دور کر کے اوس سے بہتر اُس کی جگہ دوسرا اعلیٰ نمونہ قائم فرمایا، رعایہ کی خاطر اہلکاروں کے تبادلہ کرنے، قصور پر سزا دینے میں کبھی دریغ نہیں فرمایا، جن ابواب اور محصولات کا بار رعایہ سے اُٹھتا تھا اسکا اٹکنا بلا لحاظ نقصان ریاست قطعی مرفوع القلم فرمایا، اس سے بڑھ کر دجوبی اور رعایہ نوازی کی اور کیا مثال پیش کیجا سکتی ہے (جو مؤلف کے مشاہدات ہیں) کہ ادنیٰ سے ادنیٰ، اور غریب سے غریب، رعایہ نے دورہ دیہات کے سلسلہ میں جب رعیتانہ اور محکومانہ اخلاص کے ساتھ جوآر اور مٹکا کی سوکھی روٹی اور صحرائی ترکاری چھنی ہوئی آپکے سامنے پیش کی ہے تو آپ نے خوش ہو کر قبول فرماتے ہوئے اُن ہی کے سامنے دوچار مقبے بھی تناول فرماتے،

زقدر شوکتِ سلطان نگشت چیرے کم از انتفات بہ ہما نسراے دہقانے  
کلاہ گوشہ دہقان آفتاب رسید کہ سایہ بر سرش انداخت چو تو سلطانے  
اس پرسترازیہ کہ رعایہ کی اصلاح و فلاح... کی خاطر ریاست کے مدخل و مخرج کا  
پاس نفرماتے ہوئے بڑے بڑے مشاہروں کے یورپین افسر ریاست کے محکمات میں مقرر

فرمائے، جو آج بھی موجود ہیں،

ان تمام محبت آمیز باتوں کا رعایہ کے قلوب پر گہرا نقش ہے، تین سال ہوئے جب نواب امین الدولہ کی علالت زیادہ ترقی پذیر ہو گئی تھی تو مولف نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ شہری اور دیہاتی رعایہ اپنے اپنے مذہبی اعتقادات کے مطابق اپنے معابد کے سامنے جھکی ہوئی دعاۓ صحت میں تر زبان تھی، ملحق الحدود علاقہ جات میں بھی یہی اثر دیکھا گیا، اور جب خداوند کریم نے آپ کو صحت یاب فرمایا اور غسل صحت کی خبر سروسچ پہنچی ہے تو اس رات سروسچ کا کوچہ و بازار اظہار مسرت میں چراغان تھا، مدارس کے طلبہ اور محتاجوں کو رعایا نے حسب حیثیت شیرینی تقسیم کی، کھانا کھلایا اور سیکڑوں کی تعدادیں مبارکبادی کے تار دربار میں بھیجے گئے، اکثر عکہ دیکھا گیا ہے کہ دورہ کی کشاکش سے رعایہ بہت زیادہ گھبراتی ہے، زبان سے کچھ نہیں کہہ سکتی تو دل ضرور تکالیف کا احساس کرتے ہوئے خدمت گزاری سے بچنا چاہتا ہے، لیکن حضور مدوح دام اقبالہ کی مقبولیت اور ہر دلعزیزی رعایہ کے دلوں میں اس درجہ جاگزیں ہے کہ وہ مقامی حکام سے ہر موسم سرا میں سرکاری آمد کی خبر معلوم کرتی ہے، اور جب سرکاری تشریف آوری کی صحیح اطلاع اُن کو ہو جاتی ہے، تو علی طور پر اپنے عمیق مسرت کا اظہار کرتے ہوئے متعلقہ انتظام میں مصروف ہو جاتی ہے،

اس صفت میں آپ کا دستِ کرم اپنے پیشروؤں سے بلند تر ہے، کبھی اور **سخاوت** کسی وقت دوسروں کی طرح اخباروں کے ذریعہ سے اپنے جو دو کرم کی تشہیر گوارا نہیں فرمائی، نمائشی فیاضی سے ہمیشہ ولی نفرت رہی، مستحقین اور اہل حاجات کی ضروریات پورا کرنے سے حضور بے حد خوش ہوتے ہیں، اور اس میں نواب بھی مضمر ہے، تاہم سحابِ کرم کی بارانی سطحاتِ ارضی پر اپنا اثر دکھائے بغیر نہیں رہ سکتی،

نہ ذکرِ جمیل نہاں میرود کہ صیتِ کرم در جہاں میرود (سعدی)

مولف کا مشاہدہ ہے کہ ہر روز آپ کا آستانہ مرجعِ خلایق بن رہتا ہے، مقامی اہل حاجات

کے سوا بیرونی دنیا کے مسافر اور غیا کثرت سے موجود رہتے ہیں، بابِ غلیل اور خوانِ خلیل  
ہر ایک کے لئے کھلا ہوا، اور بچا ہوا رہتا ہے۔

بریں خوانِ یغمہ پچھلے چہرے دوست

رزا ق مطلق نے خوانِ غلیل میں وہ برکت عطا فرمائی ہے کہ کوئی ساکلی بھی بھوکا اور  
بے نیل مرام واپس نہیں جاتا، سیکڑوں روپیہ کی بخشش اگر اخلاص کے ساتھ ہو تو وہ لاکھوں  
اور کروڑوں روپیہ کی نمائش سے بدرجہا افضل ہے،

آپ کے بحرِ نوالِ طبیعت کے آگے کروڑوں روپیہ کا ملک بیچ ہے ۶۰ سالہ دورِ حکومت  
میں مدوح کے ابرکرم نے فیاضی کے جو دریا بہائے ہیں، اور دستِ عطا جس قدر  
گیر افشائیاں کی ہیں اُس سے نہ صرف ملک راجو تانہ، بلکہ ارضِ مہند کا چپہ چپہ سیراب  
و مال مال ہے اور اکثر بلادِ عرب بھی مستفیض ہیں،

منقولہ مال کی بخششوں کا تو شمار نہیں ہو سکتا، لیکن ٹونک اور اضلاع ٹونک میں غیر منقولہ جائیداد  
کی آج جس قدر جاگیریں، اور انعامی و معافی اراضیات لوگوں کے قبضہ و تصرف میں موجود ہیں،  
وہ آپ ہی کی فیاضی اور دریادلی کا تحریری ثبوت ہے، شعر

در پوزہ گیر رشخہ اویند حریفان      انحن رگ ابرقش بحر نوال است (حزین)

خاص سرفروغ میں معافی اراضیات کا بیشتر حصہ اور جاگیرات کا کثیر حصہ راجہ نقشہ نمبر ۱۲

میں درج ہو یہ آپ ہی کے رشحاتِ کرم کا نتیجہ ہے، کوئی سال خالی نہیں جاتا کہ جس میں ہزار  
پانسویکھ قطعات آرضی کے معافی کے کاغذات آپ کے دستخطوں سے جاری ہوتے ہوں،

اللہ کو سہ حسن رقم اور زیادہ

آپ کے صحیفہ اخلاق کے روشن ترین الہاب ہیں،

رحم و مروت علمِ عفو

ان تمام اخلاقی اوصاف میں ہندوستان آج مدح کا

حریف پیش نہیں کر سکتا، رعایہ اور ملازمین نے تقصیرات کے پاداش میں گواہانین کے

ما تحت ستر میں پائی ہیں، لیکن ہزاروں مثالیں موجود ہیں کہ جب بالواسطہ یا بلا واسطہ ہزار تینس سے عفو و رحم کی درخواست کی گئی ہے تو آپ نے اصول قوانین کو نظر انداز فرماتے ہوئے بڑے بڑے خاطیوں کو معاف فرمایا ہے، یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جس نے خدا اور رسول کے واسطوں سے عفو کی درخواست کی ہے، مدد و رح کا دل کا سپ اٹھا ہے اور جب تک سائل کی درخواست منظور نہیں فرمائی، دوسرے کاموں کی طرف توجہ نہیں فرمائی، مشہور مصرع ہے، در عفو لذت نیست کہ در انتقام نیست،، حق یہ کہ عفو کی لذت سے جس قدر حضور کا ضمیر آشنا ہے، اور اس بات میں جتنی قوت ذائقہ رب العزت نے آپ کو بخشی ہے، دوسروں کو نصیب نہیں ہوئی، یہ وہ صفات حسنہ ہیں جنکی جلوہ ریزیوں نے تو تک کا نام پرگزشت میں دار العفو مشہور کر رکھا ہے،،

فریادی، درد مند، اور خطاکاروں کا اگر وہ حب دارالاسلام ٹونک پہنچ کر نظر باغ کی چار دیواری کے سایہ میں پناہ گیر ہوتا ہے تو قطعی اسکو کامیابی ہوتی ہے، خود مؤلف کے ایام ملازمت کے اعلا نامے شاہد ہیں کہ در وقت تکلیف کے زمانہ میں تین مرتبہ جنتان خلیل کی صحت باآب و ہوا میں ٹونک پہنچا اور ہر مرتبہ نسیم عفو نے نئی زندگی بخشی، اگلے مقصود سے دامن پر کئے ہوئے نسیم مسرت کے جھوں کو نہیں یہ کہتا ہوا کامیاب واپس آیا،،

جب تک کہ بوستاں میں رہے آید بہار  
تیرے چمن میں پھول کھلیں نہ تھے خلیل  
جب تک کہ فرش گل پہ صبا خوشخرام ہو  
گلشن پہ تیرے بارش رحمت مدام ہو  
(دارمؤلف)

ان تمام حالات اور مشاہدات کی بنا پر یہ کہنا بیجا نہیں ہے کہ  
امروز کس نشان نہ ہو در لبیط خاک  
مانند آستان درت، امن رضا  
برست پاس خاطر بیجا گان و شکر  
برما و بر خدائے جہاں آفریں جزا  
(معدی رحمۃ اللہ علیہ)

لے نظر باغ، اس باغ میں سرکاری محلات ہیں، دیوان قانہ خاص و عام بھی اسی میں ہے ۱۲



## عدالت

جہاں بانی اور حکمرانی کے فرائض میں انصاف اعلیٰ جوہر ہے اس میں بھی ہر باتیں کامل اور اسکے صحیح استعمال پر قاعدہ ہیں، عدالتی نتیجہ نکالنے میں آج ۱۰ سال کی عمر میں بھی آپ کا دماغ استفادہ صحیح ہے کہ جس کی نظیر نہیں مل سکتی، اسوائے یوم جمعہ کے کوئی دن بھی اجلاس فرمانے اور عدالتی احکام صادر کرنے سے خالی نہیں رہتا، دوسروں کو نسل کے اجلاس کے لئے مخصوص ہیں اور باقی چار یوم چاروں ممبری کے کاغذات کے اجلاس کے لئے معین ہیں، یہ تمام محنت شاقہ محض اصول جہان داری اور انصاف رسانی کے اتباع میں ہے، آپ کی میزان عدالت میں رعایہ اور فرزند برابر ہیں، جسکی مثالیں متعدد موجود ہیں، آپ گزشتہ شاہان عادل کی طرح راتوں کو اکثر بھیس بدل کر شہر اور دیہات میں پھرتے رہے ہیں، محکمہ خبر رسانی کے ذریعہ سے بھی واقعات و حالات سے آگاہ ہو کر کمزوروں کی اعانت فرمائی ہے،

حقوق العباد کے متعلق انصافانہ احکام نافذ فرمانے میں ہمیشہ عمیق و بچپی لیتے رہے ہیں بار ہا ریاست کے نقصانات کو برداشت فرمایا، ذاتی معاملات میں درگزر کی، لاکھوں مرتبہ قصور کی معافی بخشی، لیکن حقوق العباد معاملات میں اندرونی و بیرونی مداخلت کے باوجود بھی جادہ عدالت سے بال برابر بھی آگے پیچھے نہیں ہرکے، اگر کبھی کوئی غلط واقعہ حلف کے ذریعہ سے صحیح اور راست ثابت کرادیا گیا ہو تو یہ امر آخر ہے اور اس قسم کی غلطیاں سلاطین عادل کے کارناموں میں بھی نظر آتی ہیں،

زہے دین و دانش زہے عدل داد زہے ملک و دولت کہ پایندہ باد (سعدی)

یہ وصف نواب امین الدولہ بہادر نے اپنے نامور اہل علم اسلاف سے وراثت میں پایا ہے، جسکے نفاذ جوہر سنی کے ساتھ ہمیشہ فرماتے رہے ہیں، دار الحکومت ٹونک بٹر پوری، علمی قدر دانی، جوہر پرستی، کی کشش سے آج دارالعلوم، و دارالافتون کے درجہ پر نظر آتا ہے،

## علوم و فنون کی قدر دانی

ممدوح کو غزوات اور سیر صحابہ کی کتابوں سے دلچسپی ہے، اشعار و سخن سے بھی شوق ہے،  
خیل مخلص فرماتے ہیں، نعتیہ اور عاشقانہ کلام کے دو دیوان بھی ترتیب کے ساتھ مکمل ہیں،  
مصنفین و مؤلفین کے سرپرست ہیں، تاریخی اور اخلاقی تصانیف کی اشاعت، نثری  
کتابوں کے تراجم اور ان کی طباعت پر خاص توجہ ہے، ماہرین علوم اور واقفین فنون کو علم قدر  
مراتب، جاگیرات، نقد انعامات اور خطابات سے سرفراز فرما کر حوصلہ افزائی کی اعلیٰ مثال قائم  
فرماتے رہے ہیں،

مولوی افتخار حسین خان صاحب مضطر خیر آبادی نے علم ادب کی ترقی کے صلہ میں افتخار الشعراء  
اعتبار الملک خان بہادر اقتدار جنگ کا خطاب حاصل کیا،  
کپتان سید نور الدین احمد صاحب مرحوم فصیح الملک کے خطاب سے معزز ہوئے،  
مولانا مولوی حکیم برکات احمد صاحب طب یونانی کی ترقی کے صلہ میں افسر اطباء  
ہوئے، مولوی منشی سید علی اصغر صاحب (نام نہاد بیٹہ) نے تاریخ علی گڑھ اور تاریخ نیما ہیٹھ  
کو مرتب فرما کر اردو انشا پردازی کے ساتھ تاریخی تحقیقات کا جو عالمانہ و تحقیقاتی نمونہ پیش کیا  
ہے اس کا موزون اور واجبی صلہ یہی ہو سکتا تھا کہ سرکار عالی دام اقبالہ کے دقیقہ رس دماغ  
نے عطائے جاگیر کے علاوہ امیر الانشاء و دبیر الملک کے معزز خطاب سے آپ کو ممتاز فرمایا،  
مولوی منشی سید محمد اسماعیل صاحب (موجودہ میر منشی دربار ٹونگ) فن نگار، گوئیائی اور انشا پردازی  
تیسرے سرکاری ہر قسم کے مسودات کے تراجم اور ان کے ترتیب کے صلہ میں افتخار الانشاء  
مشیر الملک کے اعلیٰ خطاب سے ممتاز فرمائے گئے،

ان بجا قدر دانیوں سے علوم و فنون کی ترقیوں کی شاہراہیں ہر طرف کشادہ نظر آتی  
ہیں، جن کا مستقبل حوصلہ افزا ہے،

ہنر ہر کجایاقت قدر تمام بدولت خدائی برآورد نام (نغمی)  
مذہبی حیثیت | نوابین الدولہ بہادر تقلید کے لحاظ سے حنفی المذہب، صوم و صلوات

اور دو وظائف کے بے حد پابند اور تہجد گزار ہیں آغاز جوانی سے اس وقت تک بلا  
موانع و عذر شرعی کے کبھی نماز تہجد نہ نہیں فرمائی، عبادات کے تمام ارکان خشوع و  
خضوع اور عمیق اخلاص عبودیت کے ساتھ ادا کرنے میں صادق الایمان عابدین کے نمونہ ہیں،  
امور جہانتانی کی ذمہ دارانہ مصروفیتوں کے باوجود شب بیداری کے کیف و محروم سے آپ کا  
قلب اس قدر آشنا ہے کہ صرف ڈیڑھ دو گھنٹہ ابتدائی راتوں میں ظاہری صحت کے خیال  
سے آرام فرمانے کے عادی ہیں،

یہ کوئی سنی سنائی بات نہیں ہے، بلکہ مولف کا مشاہدہ ہے کہ ایک ایک گھنٹہ کامل آپ کے  
ہاتھ، اظہار فکر، اظہار محنت، اظہار عجز، اظہار انکسار، اظہار عبودیت، طلب حسنات، طلب  
معفرت میں شہنشاہِ حقیقی کے سامنے بلند اور اسی طرح گھنٹوں مسجود حقیقی کے آگے سر بسجود رہتی  
ہیں، ہر مائیس کا وقار و انکسار بالکل اس شعر کے مطابق ہے،

گلہ گوشہ برا سمان بریں      مہنوز از تواضع سرش بر زمین (سعدی)

## حسن عقیدت اور جوش اخلاص کی ایک بصیرت افروز منظر

محمد عربی کا بروئے ہر دوسرا ست  
کسیکہ خاک درش نیست تا کہ بر سر او (شیخ احمد سرہندی)

ہنوز سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات مبارک ہستی مقدس سے آپ کو  
حب قدر خلوص، حب قدر حسن عقیدت، جس حد تک عشق و محبت ہے اسکا اندازہ تو صرف  
وہی روشن تنمیر اور کیف آگین ہستیاں کر سکتی ہیں، جو اپنے درو آشنا قلوب، لذات کش  
سینوں میں اُسیدرج کی کھٹک، اُسی درجہ کا درد، اور اسی درجہ کی تڑپ اور اسی درجہ کا ولولہ  
وہوق و شوق پنہاں رکھتی ہیں، مگر ان گنہگار آنکھوں سے بھی چند بار ایسے دل افروز و بجا  
افزا مناظر گزریں ہیں کہ جنکی تمنائے باز دید آج بھی بجلی کی طرح قلب شتاق میں تڑپ جاتی ہو

چشم عاشق ز تماشا کئے تو چون سیر شود  
(عائب) ہر نگہ سلسلہ جنیان نگاہ دگر است

وہ مناظر کیا ہیں، وہ مظاہر ہے، آپ کے جذبات خلوص کا جو ہر نچسبہ کہ سیراہ کی پٹی  
تاریخ کو دور بالتخصیص ماہ ربیع الاول کی ۹ تاریخ سے ۱۶ تاریخ تک جو ایک سعادت طراز منزلت  
افراز دربار کی صورت میں جتہ للعالمین کی مجلس مولود کے درخشندہ نام سے روح افزا رویوں  
کے ساتھ منظر عام پر آتا ہے، ان ایام میں آداب و عبادت کے طاق سے وقا تر میں تعطیل بھی  
رہتی ہے، اس محفل نور و شہر کی کیفیت بارعبہ دینیاں، اور اس جہنستان معطر کی فرحت افزا  
شمیم انگیزیوں کیا عرض کروں،

ایک زر نگار ایوان شاہی ہے، جو مختلف اقسام کی ضیاء شمعوں سے جگمگا رہا ہے  
بیش قیمت قالین، مصفا و نقش فروش، دیدہ زیب آلات شیشہ، قنادیل، فانوس، نقری  
و طلائی شمعدانوں سے سجایا ہوا ہے، تہذیب و سلیقہ کے ساتھ چھوٹی چھوٹی میزوں پر حسین نگار  
معطر کلدستوں سے آراستہ ہیں، وسط ایوان میں نقرہ استادوں پر زردوزی، مختصر شامیانہ  
نگیرہ کی صورت میں قائم ہے، اس میں بلوری نقری جالیدار ہانڈیاں، قمقمے اور دیگر مختلف  
نگار، جنی آرائشی سامان آویزاں ہے، جگہ جگہ صوفیاں، شامیانہ کو بقیعہ نور تیار ہی ہیں،  
اسکے نیچے پھولوں کی معطر چادر تنی ہوئی ہے، پھولوں کی بولمونی، اور ان کی نکتہ پزیروں  
سے شامیانہ چین زار نظر آتا ہے، پھولوں کی تبسم بریز لڑیاں شامیانہ کے چاروں طرف حوائشی  
میں لٹی ہوئیں، و فورسرت میں فرش کی طرف مائل، اور شوق نظار کی میں ہمدن جوتماشا  
ہیں، ان تمام زیبائشی نگار میں شامیانہ مسہری کا جواب بنا ہوا ہے نیچے سبز مخمل کی زرد نگار  
مسند بھی ہوئی ہے، جس پر ایک خوبصورت، جاذب نظر، بیضاوی نقری میز رکھی ہوئی ہے  
اور اس میز پر صحیفہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم (جو محدثین و مفسرین محتاط علماء کا ترتیب دیا ہوا ہے)  
رکھا ہے جسکو ایک سعادت نشان، خوش الحان قاری بلند آواز کے ساتھ پڑھ رہا ہے، اور نشر

خواں قاری کے گرد اُفتِ خوانوں کا حلقہ ہے جو وقفہ کے ساتھ نواب امین الدولہ بیادر کی کہی ہوئی  
منظوم نعتیں غزلیں سوز و گدازِ لہجہ میں پڑھتے ہوئے نظر آتے ہیں، جنکی جاذبانہ تاثیر سے  
خدا و مان رسالت پر محویت کا عالم، اور عاشقانِ محمدی پر کیفیت و سرور غالب ہو رہا ہے، اربابِ نظر  
ایک گوشہ میں بیٹھتے ہوئے

فتاد سامعہ در موجِ کوثر و تسنیم (عرفی)  
کا لطفِ سردی اٹھا رہے ہیں، اور جو ہوشیار ہیں وہ بآداب آہستہ آہستہ شعلِ درد میں  
مشغول ہیں،

دردِ ملکِ بردوانِ توباد بر اصحابِ ویرِ پیرانِ توباد (سعدی)  
گو بھومِ خلاق ہے، مگر ہر طرف سکوت، تمام پہلوئے آدابِ ملحوظ، فضائے ایوانِ منور و معطر،  
اس عام مگر خاص اور مقدس دربار میں ایک ایسی درخشندہ ہستی بھی ہے جو اپنی مخصوص تریں  
خصوصیت کی بدولت محفلِ مبارک میں ممتاز نظر آ رہی ہے گو وہ دنیاوی لحاظ سے ایک بلند مرتبہ  
رئیس، ایک با عظمت فرمانروا، ایک اقبالِ مندا تاجدار کی حیثیت رکھتی ہے لیکن اس وقت سراپا عجز  
سراپا انکسار، سراپا نیاز، سراپا شوق، سراپا ذوق، ہمہ تن گوش، ہمہ تن سوز، ہمہ تن گداز،  
یکسر کیفیت، یکسر محو، یکسر بندِ سبب، مرقعِ تادیب، مجسمہِ اخلاص و عقیدت کی صورت میں اپنی  
تمام تقویٰات، کیفیات کے ساتھ صلوة و تسبیح میں مشغول ہے،

یہی تاجدارِ حاضرینِ دربار کو تبریکاً کبھی مشروبات پیش کرتا ہوا نظر آتا ہے، اور کبھی لوگوں  
کے ملبوبات کو دستِ خاص سے معطر کرتا ہوا،

اس اخلاص آگینِ طلقِ گل سے اُسکا دامنِ نیاز، سعادت کی کلیوں، رحمت کے  
پھولوں سے، رشکِ دامنِ گلچیں، اور اسکی فروتنی دربارِ رسالت میں رفعتِ آفریں نظر آ رہی ہے  
جس دربارِ رحمتِ باریکی شانِ یہ ہے،

در جوارِ حرمتِ عرشِ مشرقِ بسجود در دیارِ کرمتِ جودِ مطلقِ بہ نیاز (عرفی)

مجموعی حیثیت سے اس چمکھٹ منظر کا اثر ایک ایسے شخص کی طبیعت پر جو شاعرانہ ذائقہ بھی رکھتا ہو ضرور پہنچنا چاہیے تھا، بالآخر پہنچا، اور اُس کے جذبات ان موزون و عاینہ منظوم فقروں میں منتقل ہو گئے،

### بندہ

دلِ مومن میں پرو تو حیدر رب العالمیں جتیک کریں اہل سنن پابندی شرع میں جتیک  
عزیزِ ازجاں رہے ارشادِ ختمِ المرسلین جتیک گزرا اعمالِ صالح کا ہوتا عرشِ بریں جتیک

تری محفل میں دائم ذکرِ میلادِ پیغمبر ہو  
ترا آئینہ دل حسنِ اعمالوں کا منظر ہو  
(از مولف)

حضورِ معلیٰ القاب امین الدولہ وزیر الملک بہادرِ صولت جنگ جی، سی، ایس، آئی  
جی، سی، آئی، اے دامِ ملکہ کے حسنِ انتظام نے پرگنہ کی آمدنی کو جس ترقی پر پہنچا یا ہے، وہ  
ذیل کے حکومت واراندرج سے واضح ہے،

### نقشہ

سال	عہد حکومت	تعداد آمدنی پرگنہ	کیفیت
۹۸۳ھ	عہدِ جلال الدین اکبر شاہ	۳۵۰۰ روپے دولاکھ ہزار	سکہ اکبر شاہی
۱۰۹۰ھ ۱۶۸۳ء	عہدِ شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر	۵۰۰۰ روپے ۵ لاکھ	سکہ عالمگیری
۱۱۸۱ھ ۱۷۶۳ء	ناصر الدین محمد شاہ روشن اختر	۱۰۰۰ روپے ۱ لاکھ	سکہ محمد شاہی
۱۲۰۱ھ ۱۷۸۶ء	بالاجی راؤ دوم پیشوا	۱۰۰۰ روپے ۱ لاکھ	ایضاً

۱۱۶۱ ۶۱۷۵۴	عہد ملہار رائے پلگر	۱۱ لاکھ	سکہ محمد شاہی
۱۱۷۹ ۶۱۸۰۹	عہد نواب امیر الدولہ بہادر	۱۱ لاکھ	ایضاً
۱۲۷۹ ۶۱۸۶۳	عہد نواب وزیر الدولہ بہادر نصرت جنگ	۱۱ لاکھ	سکہ چنور شاہی
۱۲۹۲ ۶۱۸۸۷	عہد نواب امین الدولہ بہادر صولت جنگ	۱۱ لاکھ	سکہ محمد خالی و چنور شاہی
۱۲۹۵ ۶۱۸۸۹	ایضاً	۱۱ لاکھ	سکہ ایضاً بروئے بندوبست پیرس صاحب بہادر ہتیم بندوبست
۱۳۰۷ ۶۱۸۹۵	ایضاً	۱۱ لاکھ	سکہ ایضاً بروئے ترمیم شکر صاحب بہادر سابق پولیشیل ایکٹ دیوی
۲۲ سرف ۶۱۸۱۵	ایضاً	۱۱ لاکھ	بروئے بندوبست کین صاحب بہادر ہتیم بندوبست سکے ایضاً
۳۳ سرف ۶۱۸۲۲	ایضاً	۱۱ لاکھ	سکہ ایضاً
	عین المال ۱۱ لاکھ	سائر دولاکھ	جنگلات سوائے متفرقات ۱۱ لاکھ

نقشہ ۲

پہر گنہ سروج کے دیہات اور ان کے رقبہ کی تعداد نقشہ ذیل سے واضح ہوگی ،  
بروئے بندوبست مسٹر ایم کین صاحب بہادر ہتیم بندوبست ۱۱ لاکھ

نام تحصیل	قسم دیہا	تعداد دیہا	تعداد رقبہ	کیفیت
تحصیل غری بیڑی	خالصہ	۱۸۳	۱۸۳ لاکھ	
تحصیل شرقی سیلپور	"	۱۳۹	۱۳۹ لاکھ	
تحصیل صدر سرونج	"	۱۰۹	۱۰۹ لاکھ	
میزان	۳۱	۳۱ لاکھ	معافیات ہر قسم خالصہ رقبہ ۱۶ لاکھ	
جاگیر	خالصہ شتر معافی ۸۴ ۳۶	۸۴ ۳۶ لاکھ		
استمرار	۲	۲ لاکھ		
میزان کل	۴۸۵	۴۸۵ لاکھ	مزارع غیر فوری علاوہ میں جنگل اور خیر علیہ نہیں	۱۳ لاکھ
جدول نمبر ۳۳				
عالمان و تاجان سرونج ابتداء حکومت نواب امیر الدولہ بہادر				
لغات ۱۳۳۵ھ ترتیب و تکمیل تاریخ سرونج تک				
۶۱۸۲۶				



بزرگوار	نام	ستہ تقریباً	مختصر کیفیات
۱	محمد یوسف خاں	۱۲۱۲ھ ۱۸۹۸ء	یک سال تجہ بہیر قلعہ اندور کے بود جبکہ سروخ بہار راجہ جوت راؤ ٹکمر کی طرف سے نواب امیر الدولہ بہادر کو دیا گیا اس وقت پہلا مال سروخ پر محمد یوسف خاں مامور ہوا جلال آباد لوہاری وطن تھا، چھپوں اور امیر گڈہ دیہات جاگیر میں ملے انکے پر پوتے محمد شیر خان صاحب حیات اور جاگیر سرقا میں ہیں۔
۲	میاں منور محمد خاں	۱۲۱۶ھ ۱۸۹۹ء	۱۱ سال نواب امیر الدولہ بہادر کے سامنے اور موتی بیگم کے بھائی تھے انکے عہد میں راؤ دغاں رامپوری پٹھان کو بڑا دخل رہا ۱۲۲۳ھ میں جبکہ نواب امیر الدولہ بہادر ناگپوری افواج سے برسرِ پیکار تھے، اس وقت انگریزی فوج کی امداد سے راجہ ناگپور نے سروخ پر قبضہ کر لیا تھا، میاں منور محمد خاں مقابلہ کی طاقت نہ دیکھ کر لٹری کی طرف چلے گئے تھے، لیکن نواب امیر الدولہ بہادر کی بروقت مداخلت سے قبضہ بحال ہو گیا، ..... تاہم امیر نامہ
۳	شمس الدولہ نواب محمد سعید خاں بہادر اور سرفراز الدولہ نواب سرفراز بہادر	۱۲۲۴ھ ۱۳۰۸ھ ۱۳۱۲ھ ۱۹۱۲ء	۳ سال دونوں حقیقی بھائی تھے، حکومت پر کچھ شہر کا مامور ہوئے وسعت حقوق کے لحاظ سے ۲۲ گاؤں ان کی جاگیر میں دیے گئے جو بیالسی مشہور ہے انکے مفصل حالات سلسلہ خاندان جدید میں درج ہیں

نمبر شمار	نام	سنہ تقریباً	مختصر کیفیات
دوبارہ	میاں منور محمد خاں دوسری بار	۱۲۳۰ھ نفاذیت ۱۲۳۱ھ ۱۸۴۶ء	دوبارہ مامور ہوئے ان سالوں میں سرسوج پر گرنے انکے اجارہ میں بھی رہا مشہور نئی حویلی کی تعمیر بھی اسی زمانہ میں ہوئی
۴	نواب وزیر الدولہ بہادر بزبانہ وسیعہدی	۱۲۳۳ھ نفاذیت ۱۲۳۴ھ ۱۸۴۸ء	ان کے عہد میں ملکی اصلاحات کا نفاذ ہوا ۱۲۳۲ھ میں مقام شیرگلہ علاقہ کوٹہ انجمن زائدہ محمدیاز خاں کی دختر کے بطن سے پیدا ہو کر ۱۲۳۵ھ میں مسند نشین ہوئے اور ۱۲۳۷ھ میں وفات پائی،
سیرہ	میاں منور محمد خاں	۱۲۴۰ھ نفاذیت ۱۲۵۱ھ ۱۸۳۴ء	پرگنہ سرسوج و چٹہہ دونوں زیر حکومت اور زیر اجارہ رہے نواب وزیر الدولہ کے مسند نشینی کے بعد پرگنات پر خاصیانہ عمل کیا، مختار الدولہ بہادر نے ٹونک سے آکر ان کو بیکلے پر مجبور کیا جس سے دوبارہ پرگنات زیر کے قبضہ میں آئے،
۵	مختار الدولہ محمود خاں بہادرتاب جنگ	۱۲۵۲ھ نفاذیت ۱۲۵۳ھ ۱۸۳۵ء	لوہاری جلال آباد کے نجیب الطرفین افغان تھے ان کے کارنامے مشہور ہیں، ابتداً مختار الدولہ محمد شاہ خاں کی نیا میں فوجی افسر رہے، اسکے بعد ۱۲۵۱ھ میں جتہل افواج ہوئے مختار الدولہ ثابت جنگ کا خطاب ملا ۱۲۵۹ھ میں بمقام ٹونک انتقال کیا، انکے بعد قریب پڑھ کرندہ

نمبر شمار	نام	سنہ تحریر	محکمہ کیفیات
			<p>وفات خان والا شان محمود بہتر اردو صد و پنجاہ و نہ ہجرت  انکا جدی وطن خیر ملک افغانستان ہے، انکے والد  احمد خان پشمالہ میں غارتگروں کے ہاتھ سے شہید ہوئے  اسوقت تختہ رالدولہ کی عمر ۳۷ سال کی تھی تلاش روزگار  میں نکال کر امیری قوج میں داخل ہوئے، تختہ رالدولہ  محمد شاہ خاں نے سرپرستی کی، ۲۳۱ھ میں نواب محمد شاہ خاں  کا انتقال اجیر میں ہوا وہیں قبر ہے، اپنے محسن کی  یادگار میں انہوں نے اپنے خانی مصارف سے مزار  نہجہ جبکہ سنہ تعمیر ۱۲۳۹ھ ہے جسکے اہتمام میں  بنائے ہوئے محمد دعالی نگاہ مزار محمد شہ دین پناہ  زینت الخ تعمیر گوید لطیف رہے مقبرہ مسجد خانقاہ  افتخار التواریخ صفحہ ۴۲۷</p>
۶	نواب بہمت خان بہادر	۱۲۵۳ھ ۱۸۳۶ء نفاذیت ۱۲۵۴ھ ۱۸۴۰ء	<p>ان کا مولد سکن موضع کوٹہہ پرگنہ پڑاؤہ علاقہ ٹونک  ہے، نواب امیر الدولہ بہادر نے ان کو اپنا اصافی فرزند  بنایا تھا انکے پوتے صاحبزادہ گوہر علیاں موصوفات،  بہت گڑھ، ادا سادہ، بویہند کے معززہ گیر دار ہیں۔</p>
۷	صاحبزادہ نادر شاہ	۱۲۵۴ھ ۱۸۴۰ء نفاذیت	<p>گلشن بیگم صاحبہ دختر نواب امیر الدولہ بہادر ان کو منسوب</p>

نمبر شمار	نام	سنہ تقریباً	مختصر کیفیات
		۱۸۴۴ء ۱۲۶۱ھ	تھیں، اُن کے بطن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی دوسری زوجہ سے حیدر شاہ خاں ہوئے جنکے بیٹے حضرت شاہ خاں سرونج میں بقید حیات ہیں، مادر شاہ خاں کا انتقال ۱۲۷۹ھ میں ہوا
۸	سید عبد العظیم مرحوم	۱۸۴۵ء ۱۲۶۲ھ تغایت ۱۸۵۰ء ۱۲۶۳ھ	تعبہ سہوان ضلع بدایوں کے رہنے والے تھے،
۹	مولوی خیر الدین مرحوم	۱۸۴۶ء ۱۲۶۴ھ تغایت ۱۸۵۰ء ۱۲۶۶ھ	تعبہ شیرکوٹ ضلع بجنور، یوپی کے رہنے والے، تبحر عالم مقرر، شجاع، اور حضرت امیر المومنین مولانا سید احمد شہید بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفا اور معتبرین خبروں میں سے تھے آپ کے مختصر کا زمانہ باب پنجم عہد فریری کے متفرق واقعات کے سلسلہ میں گزر چکے ہیں، آپ ہی کی شجاعت و تدبیر کا نتیجہ تھا کہ اس وقت سرونج عادل خاں، اور تانیا ٹوپ کے حملوں سے محفوظ رہا، حضرت سید صاحب کے جہادی مشغلہ کے سلسلہ میں آپ نے نمایاں خدمات انجام دی ہیں، ہمارا جبرنجیت سنگھ والی لاہور اور اسکے مشہور فرانسسی جنرل انٹورہ صاحب کے دربار میں حضرت سید صاحب کی طرف سے آپ ہی سفارت پر مامور ہو کر گئے تھے، فضیلت جہاد پر جس میاکی کے ساتھ

نمبر شمار	نام	ستہ تقریر	تاریخ	مختصر کیفیات
				<p>عالمانہ تقریر کی ہے وہ تاریخ سوانح احمدی میں درج ہے جس نے دونوں کو مرعوب کر دیا تھا، ٹونک آنے کے مختصر واقعات یہ ہیں کہ جب ۲۴ ذیقعدہ ۱۲۵۶ھ کو جنگ بالاکوٹ (پنجاب) میں حضرت سید صاحب کی شہادت یا غیوبیت کی خبر مشہور ہوئی، تو مجاہدین کا شکر منتشر ہو گیا، جو لوگ غیوبیت کے قائل تھے وہ دریائے یاسین پر مقیم تھے، اور جو اصحاب درجہ شہادت کا غالب گمان رکھتے تھے وہ اپنے اپنے وطن کو واپس آئے، نواب وزیر الدولہ بہادر نے اولاد و ناموس حضرت سید صاحب کو طلب کر کے ٹونک میں آباد کیا، اور وظائف و جاگیریں اوکو دیکر معاش کی طرف سے بے فکر کر دیا،</p> <p>۱۲۵۶ھ میں نواب وزیر الدولہ بہادر نے مولوی خیر الدین شیخ ولی محمد، شیخ حافظ حاجی و حبیہ الدین رحمۃ اللہ علیہم کو نہایت اخلاص مندانہ خط لکھ کر ٹونک بلوایا، اور حسب مراتب تعظیم و تکریم کی، مولوی خیر الدین صاحب مرحوم نے چند سال ٹونک میں قیام کر کے اعلیٰ خدمات انجام دیں ۱۲۶۴ھ میں سرورج کی فطمت پر مامور ہوئے، حافظ شیخ و حبیہ الدین صاحب مرحوم سرکاری</p>

نمبر شمار	نام	سنہ تحریر	مختصر کیفیات
			<p>نوائے ابد و دیگر کارخانجات کے افسر مقرر ہوئے، مولوی          خیر الدین صاحب مرحوم کے بیٹے مولانا مولوی نورالحی صاحب          خستہ مشہور عالم و فقیہ گذرے ہیں، جبکہ بیٹے منشی بلال الدین          صاحب موجودہ زمانہ میں پٹنہ ریاست ٹونک کے پرگنہ          میں مجسٹریٹ ہیں،</p> <p>حافظ وجیہ الدین صاحب مرحوم کے بیٹے داروغہ          حافظ محمد یعقوب صاحب مرحوم عہد نواب امین الدولہ          بہادر میں مقیم و مخصوص شخصیت کے انسان تھے، فارسی          کے منتہی اور مورخ و ادیب بھی تھے، مولف سے تاریخ          و شعرو سخن پر اکثر گفتگو رہی ہے، ان کے بیٹے مسٹر          محمد یوسف صاحب بی اے، فوجیان، صاحب، اور          سرکار سعید الدولہ بہادر کے معتمدین خاص سے ہیں، مہتمم          خاص سرکاری ان کا عہدہ ہے و فاداری اور سن خدا          کے صلہ میں نواب سعید الدولہ بہادر کی طرف سے،          معتمد الملک، منتظم ریاست، سعید جنگ کے خطاب سے          مخاطب ہیں،</p> <p>شیخ ولی محمد صاحب مرحوم متراض ہستی کے انسان تھے          ان کی اولاد میں حکیم ظہیر الدین احمد صاحب طبیب خاص          بقید حیات ہیں، جس خط کے ذریعہ سے یہ تینوں حضرات</p>

سہ یہاں سے حالات خطاب تک ۱۹۳۸ء میں اضافہ کئے گئے ہیں ۱۲ مولف

نمبر شمار	نام	سنہ تقریر	مختصر کیفیات
			<p>تو تک آئے، اس کی نقل بحسنہ ذیل میں درج کی جاتی ہے اور اصل خط خاندان شیخ وجیہ الدین صاحب مرحوم میں محفوظ ہے،</p> <p>بسم اللہ الرحمن الرحیم - خدمت اصحاب امام زہرا وارباب صدق وایقان، ساعدان معارج حزب اللہ و ساعدان سراج انصاری الی اللہ، رہ نوروان صراط مستقیم حضرت رؤف رحیم، تاجران مایہ تجارت، شیخ محمد عذاب الیم، شیخ ولی محمد صاحب فہمیت، امام قافلہ عبادان و شیخ حافظ حاجی وجیہ الدین صاحب باطنی و مولوی خیر الدین صاحب شیر کوئی پیشوائے موطدان، سلم اللہ قلے، از در ماندہ نفس شیطان و نادم از ناخدی،</p> <p>عن کیشان محمد وزیر قاضی الخاطب بوزیر الدولہ والی تو تک برادران کرم و معظّم کہ این تعلق ناشی از خاندان شیخ حضرت امام زمان ست، بعد از رسم دعا گوئے اسلامی کہ عبارت از انشائے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ باشد دعائے دعوت برادران دینی وائینی رازبانی غامد ادب طراز بامید منظوری بعض میرسام کہ از بدو ابتدا شہر و فوار شہر جہد سعی با علل کلمۃ اللہ درون این دل گرفتہ و دیوت ہنہادہ اندہ از اینجا است کہ ہنگام رونق</p>

نمبر	نام	تقریر	مختصر کیفیات
			<p>افروزی امام زماں حضرت سید احمد صاحب بہ ٹونک درجیات  جناب والد بزرگوار مرحوم بشوق ذاتی خود دست بیعت  بذیل آن پاک دامن زوم ہاچوں بسین شعور رسیدم  بوجہ انقیاد و اطاعت پدر مہرباں بحضور امام زمان  توانم رسید، اکنون درد آں حرمان لاعلاج است کہ  خلوت ذات مقدس آنحضرت از خلوت زیر عالم بالا  جاگزید، مگر بہ توجہ شما برادران طریقت امید دارم کہ  طریق محبت و مودت را بقدم اتقان و احسان پیوید  ایں سنگلاخ ویران را بنیادابی گلزار جہاں رسانند تا اندر  حصول سعادت حضوری و دوائے درد دوری جویم اگر  از خدمت امام زماں بے نصیب ماندام، اند زیارت  جانشینان آں سرکار عالی سعادت دارین اندوزم  یقین کہ باتباع سنت شنبہ و شریعت مرضیہ دعوتم را  رد نخواہند فرمود و بعد از رسیدن بزم سعید زود ہر قدر کہ باشد  دریں سرزمین تشریف آورده ما اندر کفایت سفر  خواہند آسود،  بست و یکم صفر المنظر ۵۲۵۲ ھ نبوی علی اللہ علیہ وسلم  و تخط محمد وزیر،  و نواب وزیر الدولہ بہادر</p>



نمبر شمار	نام	تقریر	مختصر کیفیات
+	مولوی خیر الدین مرحوم	۱۸۵۱ء ۱۲۶۸ھ ۵ ماہ ۲۰ یوم	بشریح صدر
۱۰	رسالہ دار غلام حیدر خال مرحوم	ایضاً ۵ ماہ ۱۰ یوم	ہندیل کھنڈ کے اضلاع کے رہنے والے لادن سپاہ گری میں کامل تھے۔ ان کی اولاد سروج میں جاگیردار ہیں (دیکھو سلسلہ خاندان جدید صف ۹)
۱۱	رسالہ دار محمد شکیں خاں مرحوم	۱۸۵۲ء ۱۲۶۹ھ یک سال	رسالہ دار غلام حیدر خاں کے بیٹے تھے، ان کی اولاد سروج کے دیہات سنوٹی، اوسیا، مسوری، احمد پور کے جاگیرداروں میں سے آج بھی موجود ہے،
دوبارہ	مولوی خیر الدین مرحوم	۱۸۵۳ء ۱۲۷۰ھ ۱ سال	بشریح عدد صف
+	مولوی خیر الدین	۱۸۵۳ء ۱۲۷۰ھ ۴ ماہ ۲۳ یوم	"
۱۲	سید عبدالرحمن مرحوم المخاطب بقطب الامرا منظر جنگ بہادر	ایضاً ۵ ماہ ۶ یوم	مولوی سید عبدالرحمن مرحوم قطبی کے بیٹے اور شمش سید نور الدین بہادر ہریت جنگ کے چچا تھے، ابتدا میں خیر پور سندھ کا سفر اختیار کیا، اور وہاں پہنچ کر میر نواب مراد علی خاں بہادر کے ندیم خاص مقرر ہوئے، اس کے بعد چند روز خط مورخ حکیم صفر علیؒ نے نواب وزیر الدولہ بہادر

نمبر شمار	نام	تقریر	مختصر کیفیات
			<p>نے انکو بلوایا، پہلے ریاست کے اہلکار اعلیٰ (مشیر عظم) مقرر ہوئے، اس کے بعد عارضی طور پر انتظامی سلسلہ میں سرورج کی حکومت پر بھی مامور رہے، چھوٹے میاں عرفیت تھی، محلہ قافلہ میں (چھوٹے میاں کے بھیک سے انکی حویلی یادگار باقی ہے) نرسیر اولاد کا سلسلہ منقطع ہو گیا، نواب وزیر الدولہ بہادر نے آپ کی طلبی میں جو خط بھیجا تھا، اسکی نقل ذیل میں درج کی جاتی ہے، اس کے مضمون سے اُس کمال حسن عقیدت و ارادت کا اظہار ہوتا ہے جو حضرت پیر و مرشد سید احمد صاحب شہید بریلوی کی اولاد و خاندان سے نواب وزیر الدولہ بہادر کو تھی اسی عقیدت کا سبب تھا کہ حضرت میر صاحب کی شہادت کے بعد اُنکے ازواج و احقاد اور عام رفیقان و خادمان صداقت کیشان کو بلو کر ٹونک میں آباد کیا اور محلہ کا نام قافلہ رکھا جاگیر میں دیں اور نقد و طائف مقرر کئے، سید صاحب کی دھڑری اولاد سے میاں سید اسماعیل وغیرہ اسوقت بقید حیات ہیں</p> <p>پرتو نیر امامت، فروغ مشکوٰۃ ہدایت،</p> <p>اعتضادین الہی، واعتماد اسلام پناہی مرشد زادہ</p> <p>صاحب ارشاد و الیقان، سید عبد الرحمن صاحب</p>

نمبر شمار	نام	سنقر	مختصر کیفیات
			<p>حفظکم اللہ تعالیٰ من جمیع الآفات والفتن۔ بعد  از ادائے مراسم سلام سنون الاسلام کہ ادعیہ عالم  خیر الامام است، ایں نیازمند آن خاندان کہ  برگزیدہ دودمان مرتضوی، و فقیہ سلاطین مصطفویست  مدعائے خویش را با ظہار خادمت مخدوم غائب  و استیضار حصول رغائب، بہ بارگاہ اکسند  نشین درع و التقار، و ذینیت چارہاںش رفاقت  و اجتناب میرساند کہ از زمانہ ورود مسعود حضرت مقبول  بارگاہ خداوندی کہ کنوں جمال جان نوازش  انجشم مشتاقان دیدہ سیاه کردہ چشم روشنی  دیدار دراستند است، ایں ہمہ بیچ حصول نعمت  بیعت امام زمانہ بگی رسیدہ بود تا ایں گاہ  کہ پروگیاں قضا و قدر سیر اوقات نہانی را  بر عیانیش افکنده اند، از دعائے حصول مامول  کہ قدم بوس آن پیشوائے شرع حضرت رسول  مقبول صلی اللہ علیہ وسلم بود در خواست، بگو کہ  بہ نوید غم ایں صوب تشریف بہجت و مہبت  میں بخشند، تاکہ گلشن آرزو ہائے دیرینہ خویش  را برسیدن نوئے بہار بہار کہاد گویم، و بہ طاعت</p>

نمبر شمار	نام	تقریر	مختصر کیفیات
			<p>طاعتِ الہی کہ ہر یکے ازاں گروہ پر شکوہ برائیں  حلیہ گراں بہا مجھے وہم ازین جو اہر برترین اوج  مجھے است، ہر قدم کہ تو انم بھید کوشش آباد  خوانم، عرضداشت متوسل دیرینہ راہمتا سے  تقویم پارینہ بشرہ تحریک شوق استقبال را کہ  خاتمہ و خاتمہ از ایں بیگانہ بہترست، رگایہ  راہ نور د ایں دیار شوند، والسلام علیکم و علی  من لدیکم عاقبت بخیر باد معروضہ بست و یکم  از صفرا نطق ۱۲۵۲ھ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم  (محمد وزیر)</p> <p>دستخط نواب دریرالدولہ</p>
	سید عبدالرحمن خان قباہاد قطب الامر مظفر جنگ	۱۸۵۵ء ۱۲۶۲ھ	بشرح صدر
	سید عبدالرحمن خان مٹو	۱۸۵۶ء ۱۲۶۳ھ	۹ ماہ ۳ یوم
	سہ بارہ مولوی خیر الدین موم	ایضاً ۲ ماہ ۲۴ یوم	شرح ۹

نمبر شمار	نام	تقرر	مختصر کیفیات
۱۲	مولوی خیر الدین مرحوم	۱۸۵۶ء ۵۱۲۴۳	۱۰ ماہ ۲۱ یوم بشج ۹
۱۳	فیض احمد خاں مرحوم	ایضاً	۱ ماہ ۹ یوم شاہجہاں پور کے رہنے والے تھے، ان کے دو فرزند ممتاز احمد خاں، رؤف احمد خاں ہوئے، رؤف احمد خاں پیشکار مال رہے، تینوں باپ بیٹوں کا سروج ہی میں انتقال ہوا جبکہ مزارات بیرون جمالی دروازہ قادر شاہ کے ٹکیہ میں ہیں،
+	فیض احمد خاں مرحوم	۱۸۵۶ء ۵۱۲۴۵	۹ ماہ ۲۶ یوم بشج ۱۳
	مولوی خیر الدین مرحوم	"	۲ ماہ ۲ یوم بشج ۹
+	مولوی خیر الدین مرحوم	۱۸۵۹ء ۵۱۲۴۶	۱ سال
+	مولوی خیر الدین مرحوم	۱۸۶۰ء ۵۱۲۴۷	۲ ماہ ۱۵ یوم
دوبارہ	فیض احمد خاں مرحوم	"	۹ ماہ ۱۵ یوم شرح ۱۳
+	فیض احمد خاں	۱۸۶۱ء ۵۱۲۴۸	شرح ۱۳

نمبر شمار	نام	تقریر	مختصر کیفیات
+	فیض احمد خاں و صاحبزادہ سلط الدین خاں	۱۸۶۳ء ۱۲ یوم	شرح ۱۳ نبیرہ مولوی غلام جیلانی خاں بہادر راجپوری انکی اولاد پایان کھیری علاقہ سروخ کی جاگیر دار ہے
+	کپتان سعادت علی خاں	۱۸۶۵ء ۱۲ یوم	نثار الدلہ محمود خاں بہادر کے پوتے محمد علی خاں کے بیٹے تھے انکے دو بیٹے امجد علی خاں و عبدالعلی خاں ہوئے۔ امجد علی خاں زندہ اور ریاست کے وظیفہ خوار ہیں
+	کپتان سعادت علی خاں فیض اللہ خاں محمد شگیر خاں رسالہ دار	۱۸۶۶ء ۲۶ یوم ۱۲ یوم ۲ یوم	لوہاری کے نجیب الطرفین افغان اور صاحب جامہ ادا تھے مدتوں رسالہ دار بھی رہے، انکے دو بیٹے، عنایت اللہ خاں عطاء اللہ خاں ہوئے، عطاء اللہ خاں جو وہی پور کے علاقہ ٹریڈوان میں عرصہ تک حاکم رہے، عنایت اللہ خاں صاحب کا ۱۹۲۵ء میں انتقال ہوا، انکے دو بیٹے محمد علی خاں و اسد اللہ خاں یا نگا ہیں، عطاء اللہ خاں مرحوم کی اولاد جو وہی ہیں وسیعہ دار ہے، بشرح ۱۱
+	رسالہ دار محمد شگیر خاں حکیم شیخ احمد مرحوم	۱۸۶۶ء ۱۲ یوم ۱۲ یوم	بشرح ۱۱ قصبہ کاندھلہ ضلع مظفرنگر کے رہنے والے تھے، ناظم سابق میں رہے اور ذی علم قلم کے گوی ہیں انکے بڑے بھائی مولوی شیخ محمد صاحب مشہور علامہ ہیں

نمبر شمار	نام	سن تقریبی	مختصر کیفیات
۱۸	شیخ تہور حسین مرحوم	۱۸۶۸ء ۱۲۸۵ھ	۱۸۶۸ء ۱۲۸۵ھ
۱۹	مرزا حسین بیگ مرحوم	۱۸۶۸ء ۱۲۸۵ھ	۱۸۶۸ء ۱۲۸۵ھ
۲۰	سید محمد سعید مرحوم	۱۸۶۸ء ۱۲۸۵ھ	۱۸۶۸ء ۱۲۸۵ھ
+	سید محمد سعید مرحوم	۱۸۶۹ء ۱۲۸۶ھ	۱۸۶۹ء ۱۲۸۶ھ
دوبارہ	سید محمد سعید مرحوم حکیم شیخ احمد مرحوم مندرجہ بالا	۱۸۶۹ء ۱۲۸۶ھ	۱۸۶۹ء ۱۲۸۶ھ
+	حکیم شیخ احمد مرحوم مندرجہ بالا	۱۸۶۹ء ۱۲۸۶ھ	۱۸۶۹ء ۱۲۸۶ھ
دوبارہ	حکیم شیخ احمد مرحوم پتیاں سعادت علی خان مرحوم	۱۸۶۹ء ۱۲۸۶ھ	۱۸۶۹ء ۱۲۸۶ھ

نمبر شمار	نام	تذکرہ	مختصر کیفیات
+	کپتان سعادت علی خان مرحوم	۱۸۷۵ء نفاذیت ۱۸۷۷ء ۱۲۹۶ھ	بشرح ۱۵
۲۱	کپتان سعادت علی خان مولوی خادم حسین مرعہ	۱۸۷۸ء ۱۲۹۶ھ	۳ ماہ ۲۰ یوم ۹ ماہ ۹ یوم
+	مولوی خادم حسین خان مرعہ حکیم شیخ احمد مرعہ مندرجہ بالا	۱۸۷۹ء ۱۲۹۷ھ	۱۱ یوم ۱۹ یوم ۱۹ یوم
+	حکیم شیخ احمد مرعہ	۱۸۸۰ء نفاذیت ۱۸۸۱ء ۱۲۹۹ھ	۲ سال
+	حکیم شیخ احمد مرعہ کپتان سعادت علی خان مرعہ	۱۸۸۲ء ۱۳۰۰ھ	۶ یوم ۲۳ یوم
سہارہ			بشرح ۱۵ بشرح ۱۵



مختصر کیفیات	سنہ تقریباً	نام	مذہب
	سال ۱۸۶۳ء ۱۳۰۱ھ	حکیم شیخ احمد مرحوم مندرجہ بالا	پوختی بابا
بشن ملک ریاست کے خاندان میں ان کا شمار تھا	۵ ماہ ۲۲ یوم ۶ ماہ ۶ یوم	حکیم شیخ احمد مرحوم وصاحبزادہ نظام علی خاں مرحوم	+ ۲۲
صاحبزادہ محمد قاسم علیجاں صاحب قلعہ دار کے بیٹے تھے جنگوہریت سکیم صاحبہ دختر نواب میرالدولہ بہادر مسوخت تھیں	سال ۱۸۶۵ء ۱۳۰۳ھ	صاحبزادہ نظام علی مرحوم	x
تھبہ کنڈر کی ضلع مراد آباد کے رہنے والے تھے ادنیٰ درجہ کی ترقی کرتے ہوئے ناظم سرونج اور اس کے بعد اسٹنٹ مال ، ڈان بعد اسٹنٹ ہتھم بندوبست رہے اختتام بندوبست کے بعد پھر اسٹنٹ مال ہوئے اسکے بعد نشن حاصل کی پھر بھی ریاست نے سرحدی معاملات میں انکو معتمد رکھا ۱۹۱۵ء میں وفات پائی ، خیر خواہ نیک نام حاکم رہے ، لالہ رنگو پال اسٹنٹ مال اور لالہ رام لال ناٹھ ناظم انہی کے صاحبزادے ہیں	۱۸ ماہ ۱۲ یوم ۱۸ ماہ ۲ یوم	صاحبزادہ نظام علی منشی لالہ چنی لعل جی	۲۳
	سال ۱۸۸۴ء ۱۳۰۵ھ	منشی لالہ چنی لعل جی	

نمبر شمار	نام	تقدیر	مختصر کیفیات
۲۳	منشی لالہ چنی لال جی	۱۸۸۸ء ۱۸۸۸ء ۱۳۰۹ھ	بشرح ۲۳ سید احمد علی صاحب موجودہ ناظم کے چچا تھے اصلی وطن قبضہ جائیں تھا، ضلع رائے بریلی اودھ
۲۴	شید حیدر علی مرحوم	۱۸۸۸ء ۱۳۰۹ھ	مرزا اکبر علی خاں دہلی کے رہنے والے تھے پہلے ناظم سارگودھا پھر سرحد کی نظامت پر مامور ہوئے انہیں کے عہد میں عامل کے بجائے ناظم پرگنہ کا لفظی لقب تبدیل ہوا، خالصا صاحب مرزا محمد علی خاں سابق ممبر کونسل ریا کے بڑے بھائی تھے
۲۵	مرزا اکبر علی خاں مرحوم	۱۳۰۶ھ یکم مئی ۱۸۸۸ء	
۲۶	مرزا اکبر علی خاں مرحوم	۱۸۸۹ء ۱۳۰۶ھ ۱۸۹۲ء ۱۳۰۸ھ	بشرح صدر
۲۷	مرزا اکبر علی خاں و صاحبزادہ احمد یار خاں	۱۸۹۳ء ۱۳۰۹ھ	بشرح صدر شمس الامراۃ الملک بہادر فتح جنگ المتوفی ۱۳۱۹ھ مرحوم کو فیض بیگم صاحبہ دختر نواب امیر الدولہ بہادر منسوب تھیں، دوسری زوجہ سے مرحوم کے فرزند صاحبزادہ حافظ عبدالرحمن خالصا حب بقید حیات ہیں،
۲۸	مرزا افواج قائم مقام صاحبزادہ عبدالرحمن خالصا افضل الامراۃ الملک در مظفر جنگ	۱۸۹۳ء ۱۳۰۹ھ	
۲۹	افضل الامراۃ منتظم الملک صاحبزادہ عبدالرحیم خاں بہادر مظفر جنگ	۱۸۹۴ء ۱۳۱۰ھ	مرحوم موجودہ فرمانروائے ریاست ٹونک کے منجملہ بھائی تھے عدالت فوجداری صدر کی نظامت سے تبدیل ہو کر سرحد پر آئے اسکے بعد موم ممبر کونسل رہ کر ۱۳۳۹ھ

نمبر شمار	نام	تقریر	مختصر کیفیات
			انتقال کیا نہایت علیم اخیر انتظم و شریف پرورد سردار تھے،
۲۸	پکتان سید محمد خاں بہا ظفر جنگ معتمد الملک معتمد خاص	۱۸۹۵ء ۱۳۱۱ھ نفاذیت ۱۸۹۶ء ۱۳۱۲ھ	۳ سال بھٹی سید نور الہدیٰ خاں بہادر سہیت جنگ کے منجھلے بیٹے تھے اول ناسپ بھٹی الملک رہے ۱۸۹۵ء میں سروج کے ناظم ہوئے یہاں سے مئی ۱۸۹۶ء پڑا وہ کی نظامت اور وہاں سے ٹونک کی نظامت اور وہاں سے نیا ہیڑہ پر تبدیل ہو کر ۴ مئی ۱۸۹۷ء میں بمض طاعون و فوات پانی نیا ہیڑہ میں مرحوم کی قبر پر انتظم اور خیر خواہ ریاست میں تھے
x	ایضاً	۱۸۹۸ء ۱۳۱۵ھ	۵ ماہ بشرح صدر
۲۹	ممتاز الامرا معظم الملک صاحبزادہ محمد صدیق خاں بہادر دلیر جنگ	۱۸۹۷ء ۱۳۱۶ھ	۷ ماہ موجودہ فرمانروائے ریاست ٹونک کے علاقائی بڑا رہنما درجہ مدبر دزدی ہوش سردار تھے نظامت ٹونک سے تبدیل ہو کر یہاں آئے ۱۸۹۷ء میں ہوم ممبر ہوئے ۱۸۹۷ء میں انتقال ہوا،
+	ایضاً	۱۸۹۹ء ۱۳۱۷ھ نفاذیت ۱۹۰۲ء ۱۳۱۹ھ	۳ سال بشرح صدر
+	ایضاً	۱۹۰۳ء ۱۳۲۰ھ	۸ ماہ ۲۰ یوم بشرح صدر

نمبر شمار	نام	تقریر	مختصر کیفیات
۳۰	مولوی عبد القوی قائم مقام ناظم	۱۹۰۳ء ۱۳۲۰ھ ۳ ماہ ۱۰ یوم	بدایوں کے رہنے والے تھے، ابتدا میں بندوبست کے امین ہوئے، بعد ختم بندوبست گروا در مال اُس کے بعد تخصیلاً ان پھر نائب ناظم منتقل ہوئے ۱۹۰۶ء میں انتقال ہوا،
x	مولوی عبد القوی قائم مقام	۱۹۰۴ء ۱۳۲۱ھ ۴ ماہ ۱۳ یوم	بشرح صدر
۳۱	یدالامراضیاء الملک صاحبزادہ شیر علی خاں بہادر سرور جنگ	۱۹۰۵ء ۱۳۲۲ھ ۷ ماہ ۱۴ یوم	ابن صاحبزادہ عبدالرحیم خاں بن صاحبزادہ محمد طلال خاں بن نواب امیر الدولہ بہادر بانی ریاست، نہایت شاندار، وجہ، خوش اخلاق، مہذب اور بیدار و فز سر دار تھے، ابتداً علی گڑھ کے ناظم ہوئے وہاں تبدیل ہو کر چھٹہ اور چھٹہ سے سر و بخ آئے ۱۹۰۵ء میں نیما بیٹہ کی نظامت پر تبدیل ہو کر وہاں سے محبٹرٹ اول صدر ٹونک کے ہوئے، جہاں ۱۹۲۳ء میں انتقال کیا،
+	بشرح صدر	۱۹۰۵ء ۱۳۲۲ھ نفاذیت ۱۹۰۸ء ۱۳۲۶ھ ۳ سال	بشرح صدر
+	بشرح صدر	۱۹۰۵ء ۱۳۲۶ھ ۲ ماہ ۱۳ یوم	بشرح صدر

نمبر شمار	نام	تقریر	مختصر کیفیات
۳۲	سید اقبال علی شاہ	۵۶ ۲ یوم	پنجاب کے رہنے والے اور فقیر سید افتخار الدین مرحوم سابق ریونیو ممبر ٹونک کے آوردہ تھے ۱۱
۳۳	قاضی نظام الحق	۵۶ ۲ ۱۵ یوم	ضلع میرٹھ کے باشندہ اور حافظ محمد یعقوب حساداروغہ کے عزیز و نہیں تھے، ۱۵ سالہ میں بمقام سروخ و فالت پائی،
X	بشرح صدر	۵ سال ۱۹۱۰ء ۳۸ نفاذیت ۱۹۱۱ء ۳۶	بشرح صدر
۳۴	سید سعید الدین احمد قانمقام	۵۶ ۱۰ ۱۹۱۵ء ۳۳	دیکھو صفحہ آئندہ
۳۵	شیخ سعید الدین احمد قانمقام	۵۶ ۲	قبضہ ہم ضلع رتھک کے رہنے والے تھے ابتدا میں قنم سائر رہے، پھر تحصیلدار اسکے بعد نائب ناظم اور بعد ازاں چھڑہ کو گور پڑا وہ ڈونک کے ناظم رہے، تقریباً ۱۸ سالہ میں بمقام قبضہ ہم اپنے وطن میں انتقال کیا
X	سید سعید الدین احمد مرحوم	۵۶ ۲ ۱۹۱۵ء ۳۳ نفاذیت ۱۹۱۶ء ۳۴	ابن کپتان سید نور الدین فصیح الملک ابن سید سعید الدین مرحوم المتوفی ۱۲۶۹ھ سید سعید الدین مرحوم اہلکار اسلئے تھے، لاوہ کی جنگ میں شریک ہوئے فصیح الملک

نمبر شمار	نام	تقریر	مختصر کیفیات
			<p>رہالہ کے کپتان اور سرکاری میٹیرنل تھے ،  سید الدین سب سے بڑے فرزند تھے ، ابتداً سرکاری  مصاحبت میں رہے ۱۸۹۵ء میں ایٹری پر گنہ سرفروغ کے  تھیلدار ہوئے ، یہاں سے نیما سٹو تبدیل ہو کر اسی ضلع میں  پولیس سپرنٹنڈنٹ ہوئے ، ان بعد افسر کا رتھانہ جات  رہے اسکے بعد ۱۹۱۲ء میں نائب ناظم اور ۱۹۱۳ء میں چھٹرو  کے ناظم ہو کر ۱۹۱۶ء میں سرفروغ تبدیل ہوئے ، یہاں سے  جنوری ۱۹۲۲ء میں ٹونک کی نظامت پر تبدیل ہو کر اسی سال  ٹونک میں انتقال کیا ، خوش تدبیر اور بارعاب حاکم تھے ،</p>
۳۷	منشی سید محمد اسماعیل گنگوہی افتخار الانشا و میٹر الملک سابق میٹری	۱۹۲۳ء لغایت ۱۹۲۴ء ۲۰۱۳/۲۰۱۴	<p>سید صاحب مشہور عالم و زاہد و صوفی مولوی سید زین العابدین  مرحوم سابق میٹری دربار کے پوتے اور مولوی فضل حق مرحوم  سابق میٹری کے چھوٹے فرزند ارجمند ہیں انکے پروادا سید  نذر علی مرحوم نواب امیر الدولہ بہادر کے ہمراہ قصبہ گنگوہی ضلع  بجنور سے آئے تھے ، وفادار و خیر خواہ ریاست رہے  مولوی فضل حق کے وصال کے بعد انکے بڑے بھائی منشی  سید محمد ابراہیم میٹری ہوئے جنہوں نے نہایت قابلیت کے ساتھ  سرکاری منشا کے مطابق کام کیا ، منشی سید محمد اسماعیل  ابتداءً میں نائب میٹری رہے ، ۱۹۲۲ء میں پر گنہ چھٹرو کے</p>

نمبر شمار	نام	تقریر	مختصر کیفیات
			مجلس سربٹ و منصف ہوئے ۱۹۲۲ء میں سرویج تبدیل ہوئے اسی سال سرویج کی نائب نظامت پر تبدیل ہو کر مستقل ناظم ہوئے، جنوری ۱۹۲۵ء میں سریشی ہو کر خطاب و جاگیر سے ممتاز ہوئے، نہایت محاط دیندار، صاف گو، متقی اہل درو عایدہ اور خیر خواہ ریاست اہلکار ہیں
۳۷	منشی شیخ غلام محمد بہادر الدین اجیری	دسمبر ۱۹۲۳ء نفاذ ترتیب جدول ۱۹۲۶ء ۱۳۴۵ھ	شیخ حافظ محمد سلام الدین اجیری کے بیٹے اور محی الدولہ معین الملک نواب مرزا حاجی محمد خاں بہادر تخت یاور جنگ کے حقیقی نواسہ ہیں دو زبانہ غدر ۱۹۲۵ء مشہور ایجنٹ گورنر جنرل لارڈ لارنس کی پیشی میں ایک زوردار راہ یا اثر منشی راجپوتانہ گذرے ہیں، انہوں نے اجیری میں انگریزی تعلیم حاصل کر کے ۱۹۱۹ء میں الہ آباد یونیورسٹی کا انٹرنس پاس کیا، ملازمت کے سلسلہ میں ترقی کرتے ہوئے ۱۹۱۳ء میں بعد امتحانات تحصیلداری وغیرہ مستقل نائب تحصیلدار مقرر ہوئے، انریبل نواب گورنر جنرل
<p>۱۔ بعد میں نواب حاجی محمد خاں، خان بہادر مرحوم جو دھوروں میں دارالہمام ہو گئے تھے، خطاب مذکور بہادر تخت سنگھ جی کا عطا کیا ہوا ہے جو اس وقت جو دھوروں کے رئیس تھے، امر زامی الدولہ ۱۹۷۷ء میں بمقام لشکر نجی انصاف کی سازش سے شہید ہوئے، ان کی کوٹھی جو تاریخی کوٹھی اکسٹرونی جنرل افواج چھاؤنی نصیر آباد کی تھی ایک شہر عمارت وسط شہر میں قابل دید ہے ۱۲ مؤلف</p>			

نمبر شمار	نام	تقریر	مختصر کیفیات
			<p>بہادر راجپوتانہ کے انتخاب کی رو سے ۱۹۲۳ء میں ٹونک کی نظامت سائرس پرائیڈ خدات منتقل ہوئیں عمدہ خدمات کے صلہ میں بہ ترقی تنخواہ و عہدہ دسمبر ۱۹۲۳ء سے سرویج کی نظامت پر انکا تقرر ہوا، جہاں انکے نامور میں ۱۹۱۶ء میں ہریانہ نائب تحصیلداری حضور گورنر جنرل بہادر لارڈ چلمس فورڈ سے بصلہ انتظام کمپ لیکچرر ہری داس کے بہادر انکو انعام میں ملی اور ۱۹۲۱ء میں فوجی بھرتی کے صلہ میں دربار اجیر کے موقع پر تمغہ (رکروٹنگ بیچ) گورنمنٹ سے عطا ہوا، محتاط، منصف، روشن خیال، قانون دان، خوش اخلاق اور مدبر حاکم ہیں،</p>
جدول پیشکاران مال و نائب ناظران سرویج			
نمبر شمار	نام	تقریر	مختصر کیفیات
۱	صاحبزادہ رطب الدین خاں پیشکار مال	۱۸۵۹ء نفاذیت ۱۸۶۴ء	<p>اسی سال یہ جدید عہدہ بماتحتی عامل سرویج قائم ہوا، موصوف مولوی غلام جیلانی خاں بہادر کے پوتے اور صاحبزادہ غلام حیدر خاں جاگیر دار چانھولی پرگنہ سرویج کے نتیجے تھے، مذکورہ زمانہ کی کئی کارگزاریاں مشہور ہیں، انکو پہلے موضع چوکی پرگنہ چھبرہ جاگیر میں ملا، پھر سیلپور</p>



نمبر شمار	نام	تقریر	مختصر کیفیات
			سے تبادلہ ہوا اسکے بعد پاما ٹکھیری ملا جس پر ان کی اولاد قابض ہے ، ۳۰ فروری ۱۹۰۷ء کو آپ نے انتقال کیا ،
۲	منشی بشیر الدین	۱۸۶۵ء ۱۸۶۶ء	پیر امین الدین مرحوم کے بیٹے اور منشی محمد یوسف سابق میرٹھی دربار ٹونک کے بھائی تھے ،
۳	شیخ تہور حسین	۱۸۶۶ء نفاذیت ۱۸۷۰ء	بدایوں کے رہنے والے محمد حسین خاں عامل پرگنہ نیما ہیڑہ کے بہنوئی تھے ،
۴	سید حیدر علی	۱۸۶۱ء نفاذیت ۱۸۷۵ء	منشی سید احمد علی صاحب ناظم ٹراؤہ کے چچا تھے ، قدیم وطن انکا جائس ضلع رائے بریلی تھا بعد میں سروج و پھیرہ کے ناظم بھی رہے ۔
۵	پنڈت جگناتھ پرشاد	۱۸۷۶ء ۱۸۷۷ء	کشمیری برہمن تھے ،
۶	رووف احمد خاں	۱۸۷۸ء	شاہجہا پور کے رہنے والے ، اور فیض احمد خاں عامل پرگنہ سروج کے بیٹے تھے ، انکے بیٹے شتاق احمد خاں ہوئے جنہوں نے سلطانہ میں بزمانہ سب ٹکھیری سروج ڈاکوؤں کے ہاتھ سے گولی کھا کر انتقال کیا ، فیض احمد خاں اور انکے دونوں بیٹوں رووف احمد خاں و ممتاز احمد خاں اور پوتے احمد خاں کی قبریں سروج ہی میں ہیں ،

نمبر شمار	نام	تقریر	مختصر کیفیات
دوبارہ	سید حیدر علی	۱۸۷۹ء نفاذیت ۱۸۸۳ء	شرح ۷
۶	لالہ ہر سہائے	۱۸۸۲ء ۱۸۸۵ء	قبضہ گاؤں ضلع بلند شہر کے رہنے والے تھے،
دوبارہ	پنڈت جگناتھ پرشاد	۱۸۷۶ء نفاذیت ۱۸۷۹ء	شرح ۷
۸	شیخ محمد فاروق	۱۸۷۹ء نفاذیت ۱۸۹۶ء	قبضہ جابیں ضلع رائے بریلی کے رہنے والے تھے، ملک محمد جالسی کی اولاد سے تھے، بعد میں چھٹہ اینٹا میٹر کے ناظم بھی رہے، ۱۹۱۸ء مقام جالسی وفات پائی، بندوبست کے کام کو کر رہے تھے، ٹونک میں جب پہلا بندوبست ہوا ہے، اوس میں صدر منصر رہ چکے تھے، اسی سلسلے انکو ریاست میں منتقل جگہ ملی
۹	شیخ ابجد علی مرحوم	۱۸۹۱ء	ہندی میاں کی ایٹمی ضلع لکھنؤ کے باشندہ اور بندوبست کے کام کر رہے تھے، بعد میں ٹونک کے ناظم ہوئے، اور وہیں انتقال کیا،
۱۰	حاجی منشی فیض احمد	۱۸۹۶ء نفاذیت ۱۹۰۲ء	شیخ نصیر الدین مرحوم سابق کوٹوال ٹونک کے چھتے میں اس عہدہ پر ترقی پا کر سسٹنٹ ڈائریکٹر عرصہ تک رہے اب اسٹنٹ ممبری فنانس کے عہدہ پر مامور ہیں، معاملہ فہمی و حساب دانی انکا خاص حصہ ہے، انگریزی میں بھی اچھی قابلیت ہے، ریاست کے

نمبر شمار	نام	تصویر	مختصر کیفیات
			انشا پرداز اہلکار نہیں ممتاز ترین اہل قلم ہیں ۔
۱۱	مولوی عبدالقوی	۱۹۰۳ء	بدایوں کے رہنے والے تھے، ہندو لیٹ ٹوٹک کی کارگزاری کے صلہ میں گروادرمال ہو کر تحصیلدار پھر پٹیکار مال ہوئے قائم مقام ناظم بھی رہے،
۱۲	شیخ سعید الدین	۱۹۰۴ء	قصبہ ہم ضلع رمتک کے رہنے والے تھے بعد میں ترقی کرتے ہوئے ناظم بھی ہوئے،
۱۳	میر عجاہ حسین نائب ناظم	۱۹۰۵ء ۱۹۰۸ء	اس سال پٹیکار مال کے بجائے نائب ناظم کا لقب ہوا، قصبہ امروہہ ضلع مراد آباد کے رہنے والے تھے پڑاویہ میں وفات پائی، مشر حامد حسین بی لے، ایل، ایل، بی سکے فرزند ہیں اور دوسرے صاحبزادہ مشر اختر حسین ملازم کونسل ہیں،
۱۴	مولوی سید علی اصغر صاحب موجودہ ناظم نیما ہیٹھ	۱۹۰۶ء	۱۹۰۶ء میں نیما ہیٹھ سے تبدیل ہو کر آئے، ذی علم، ادیب، مدیر اور مقرر ہو نیکی علاوہ صاحب تصانیف بھی ہیں، امیر انشاد، دبیر الملک مصاحب خاص سرکار عالی کی طرف سے آپ کو خطابات ہیں تقریباً ۱۶ سروخ میں نائب ناظم رہے تھے ۔
۱۵	لارہ بھگوتی سہائے	۱۹۰۹ء	

مختصر کیفیات	تاریخ	نام	مذہب
فصل دہائی خلع بلند شہر کے رہنے والے تھے بعد میں ناظم بھی ہوئے لیکن پھر وہ اور علی گڑھ میں رہے، تنقی اور دیانت دار تھے،	۱۹۰۹ء	مولوی اصبح الدین	۱۶
بشرح صدر بشرح مندرجہ ۱۳ ابن فصیح الملک کپتان سید نور الدین احمد مرحوم ٹوکی	۱۹۱۰ء نفاذیت ۱۹۱۵ء	مولوی اصبح الدین میر مجاہد حسین سید سعید الدین احمد	۱۷
رامپور کے رہنے والے میاں کمال شاہ کے داماد تھے پہلے گرو اور مال تھے، پھر تحصیلدار، پھر نائب ناظم پرگنات میں عرصہ تک رہے آخر میں موقوف ہو کر رامپور چلے گئے،		محمد شریف اللہ خاں	۱۸
بشرح صدر	۱۹۱۷ء نفاذیت ۱۹۲۱ء	محمد شریف اللہ خاں	۱۹
انکا تذکرہ نظامت کی جدول میں کیا جا چکا ہے،	۱۹۲۲ء	منشی سید محمد اسماعیل موجودہ منشی	۲۰
مولوی عبدالرحمن مرحوم سابق ناظم سائرات کے بیٹے اور مولوی سید علی اصغر صاحب امیر لائٹا و وزیر الملک کے چھوٹے بھائی تھے، ۱۹۲۲ء میں مقام پھر وہ وفات پائی،	۱۹۲۳ء	مولوی سید محمد باقر گنوی	۲۱
رامپور کے رہنے والے ہیں، ادنیٰ عہدہ سے ترقی کرتے ہوئے	۱۹۲۳ء ۱۹۲۴ء	منشی نذیر احمد خاں رامپوری	۲۲

نمبر شمار	نام	تقریر	مختصر کیفیات
			اب پڑا وہ کے ناظم ہیں اور روشن خیال اہلکار ہیں
۲۱	نشی محمد مسعود ٹونکی	۱۹۲۳ء ۱۹۲۴ء	ٹونک کے رہنے والے، محنتی اور زہد و فہم اہلکار ہیں، ادنیٰ درجہ سے ترقی یافتہ ہیں
۲۳	صاحبزادہ عبدالقدوس ٹونکی	۱۹۲۵ء ۱۹۲۶ء اس جدول کے مرتب ہونے تک	بن اعتبار الامر ایدہ بر الملک صاحبزادہ ہدایت اللہ خان صاحبزادہ انسر ٹونک ایڈیٹنگ حضوری، انگریزی تعلیم یافتہ، ذہین اور معاملہ فہم افسر ہیں
<b>جدول پیشکاران فوجداری، مجسٹریٹ درجہ دومین عہدہ منصفی</b>			
۱	مولوی سخاوت حسین خاں پیشکار فوجداری (نوٹس) اس کتاب کے شائع ہونے سے قبل ۳۰ رمضان ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۴ فروری ۱۹۶۹ء کو سرنج میں آپ کا انتقال ہوا	۱۸۸۴ء ۱۸۸۵ء	اس سال ناظم صاحبان کے ماتحت ہیڈ فوجداری میں پیشکار فوجداری کا نیا عہدہ قائم ہوا، موصوف مولوی خادم حسین خاں مرحوم سابق عامل سرنج کے فرزند ہیں، بعد میں عرصہ تک آجوا دیوٹی کے وکیل منجانب دربار ٹونک مامور رہے اب عرصہ سے پوجہ منشی خانہ نشین ہو کر سرنج میں اقامت گزری ہیں، ریاست سے بطور وظیفہ اراضی معافی بھی انکو حاصل ہے، قصہ گو یا موصوف ہر دوئی انکا وطن ہے
۲	نشی سید حسن احمد	۱۹۲۵ء ۱۹۲۶ء	تقسیم پالی میں ہر دوئی کے رہنے والے ہیں نائب وکیل

نمبر شمار	نام	تقریر	مختصر کیفیات
			بھی رہے، موجودہ زمانہ میں میونسپل کٹی سروس کے مہتمم ہیں۔
۳	منشی اسپڈت جگنا تھ پرشاد	۱۸۹۳ء	کشمیری بہمن تھے،
۴	منشی حسام الدین	۱۸۹۴ء	تحصیل باغپت ضلع میرٹھ کے رہنے والے تھے، ابتداً عدالت فوجداری ٹولک میں سر مشد دار رہے، پھر ٹیکہ فوجداری بھی ۱۹۰۶ء میں ٹیکہ گورٹ ہوئے، عرصہ ہوا انتقال ہو چکا ہے،
دوبارہ	منشی سید حسن احمد	۱۸۹۵ء نفاذیت ۱۸۹۹ء	بشرح ۲
۵	صاحبزادہ صابر علی خاں محبشریٹ درجہ دوم اور نصف	۱۹۰۱ء	راہپور کے رہنے والے صاحبزادہ محمد صدیق خاں بہادر دیر جنگ کے نسبی برادر ہیں، صیور کی وکالت سے آکر محبشریٹ دوم ہوئے، اسی سال یہ عہدہ بھی قائم ہوا، ایک سال بعد صیور کی وکالت پر واپس گئے، پھر دیوبند کے وکیل ہوئے آجکل بیکار ہیں،
۶	مولوی سید قطب الدین احمد قطبی	۱۹۰۱ء نفاذیت ۱۹۰۶ء	سادات قافلہ سے تعلق تو رائد کے مرحوم کے داماد ہیں پہلے بنامیہ پرگنہ میں تھے اولیٰ سے تبدیل ہو کر سرخ آئے۔

ملک مولف نے سب ذیل قطعہ تاریخی لکھا ہے، حیف باشد قطب دین احمدیؒ سید عالی نسب والا تبار ہو۔  
 قتلہ آنجناب خاندان قطبیہؒ قافلہ سالار و قطب نامدارؒ بہت آخریں جہاں رخت سفرؒ دیدہ سادات گشتہ اشکیارؒ  
 شد چو رخش داخل خلد بریںؒ چور و غلام شاد گشتہ و شمارؒ گفت تاریخ نظر روح ادبؒ بادیم رحمت پروردگارؒ  
 ۱۱۳ ۴۵

نمبر شمار	نام	تقریر	مختصر کیفیات
دوبارہ	منشی حسام الدین	۱۹۰۷ء	شرح سند
دوبارہ	سید قطب الدین	۱۹۰۶ء و ۱۹۰۹ء	شرح ملک ۱۹۰۹ء کے بعد اپنی جگہ اپنے بیٹے سید عبدالشکور مقرر کر کے خود پیش روئے ۱۹۳۵ء میں وفات پائی،
۷	منشی سید نصیر الدین احمد	۱۹۱۰ء لغایت ۱۹۱۳ء	فصلیہ الملک کپتان سید نور الدین مرحوم کے منجملہ ماہر زادہ ہیں، آجکل پرگنہ چھپرہ میں محیٹرٹی اور منصفی کا کام کر رہے ہیں
۸	منشی سید وحید الدین احمد	۱۹۱۲ء لغایت ۱۹۱۹ء	مولانا سید حیدر علی ٹوٹی کے خاندان سے تھے، سرونج میں حلت کی
۹	سید احمد	۱۹۱۹ء و ۱۹۲۰ء	سادات قافلہ میں انکا نہال ہے، مولوی محمد باقر مرحوم کے چھوٹے ہیں
۱۰	منشی سید اسماعیل تگینوی حال میرمنشی دربار ٹونک	۱۹۲۱ء	انکا مختصر حال نظامت کی جدول میں درج ہے،
۱۱	حافظ داؤد خاں	۱۹۲۲ء و ۱۹۲۳ء	منشی محمود خاں کے چھوٹے بھائی تھے، اس سے پہلے نیما ہیڑہ و پڑاؤہ میں نائب ناظم رہے تھے، اور علیگڑھ میں ناظم رہے، یہاں سے تبدیل ہو کر نیما ہیڑہ گئے۔ ۱۹۲۶ء میں مقام ٹونک انتقال ہوا،

نمبر شمار	نام	تقریر	مختصر کیفیات
۱۲	صاحبزادہ محمد توفیق خاں	۱۹۲۴ء	ابن جناب صاحبزادہ محمد رفیق خان صاحب خلیفہ اصغر نواب محمد علی خان صاحب بہادر صولت جنگ، اسوقت آپ پڑاؤہ کے محبوس ہیں، ذہین و متین سردار ہیں، امروت اور ہتھیاب میں ان کا خاص حصہ ہے ۱۱
۱۳	منشی نذیر احمد خاں قامقام	۱۹۲۴ء	راہپور کے رہنے والے ادنیٰ عہدہ سے ترقی کرتے ہوئے اسوقت چھپرہ کے ناظم ہیں،
۱۴	حافظ نعمت اللہ خاں	۱۹۲۵ء	ابہام الدین خاں رسالہ دار کے خاندان سے ہیں اور اسوقت علیگڑھ کے محبوس ہیں پہلے پولیس میں سپرنٹنڈنٹ تھے،
۱۵	صاحبزادہ عبدالصبور خاں	۱۹۲۵ء ترتیب جیل ہذا	ابن صاحبزادہ عبدالغفور خان صاحب بن صاحبزادہ محمد اکرم خان صاحب بہادر مرحوم بن نواب امیر الدولہ بہادر بانی ریاست ٹونک، صاحبزادہ صاحب موصوف ایک قانون دان، نکات فہم، ذکی الطبع اور مصنف افسر ہیں، (نوٹ) جن لوگوں کا سرویج کی حکومت پر مکر اور سہ کر تبادلہ ہوا تکرار کے خیال سے ان کے ناموں پر سلسلہ کا نمبر اس نقشہ میں درج نہیں کیا گیا ۱۲ مؤلف



# پچھا باب

## آثار قدیمہ

از نقش و نگار و رودیوار شکستہ  
آثار پدیدارست صنایع عمرا  
(عرفی)

مؤلف نے اپنے ۳۴ سالہ زمانہ قیام سروج میں بارہا آثار قدیمہ کی سیر کی ہے اور ہر ایک قدیم یادگار کو کم سے کم دس دس مرتبہ دیکھا ہے، لیکن اس وقت کا دیکھنا محض ایک تفریحی نظارہ تھا، اب سروج کی تاریخ کی ترتیب کے سلسلہ میں ان ہی آثار قدیمہ کو مؤلف نے تحقیق و مبصرانہ نظر سے دیکھا ہے، بابیان عمارات و منازل کے پتہ لگانے میں بڑی عرق ریزی و جگر کا دی کی گئی ہے، زبانی روایتیں ایک مورخ کی نگاہ میں قابل استناد نہ تھیں، اسلئے پُرانے کاغذات دیکھنے اور ان کے ہم پہنچانے میں زیادہ وقت صرف ہوا، تاہم پورے طور پر کامیابی نہیں ہوئی، جب کا افسوس کے ساتھ اعتراف ہے،

قابل ذکر عمارات میں، مساجد، مقابر، منادر، باولیان، چھتیریاں، اور ایوانات بکثرت ہیں، لیکن اکثر عمارات آج منہدم ہو کر زمین کے برابر ہیں، قدیم عمارات کو اکثر کبتوں سے خالی نہیں ہیں، مگر بیشتر کبتوں کا آج پتہ نہیں ملتا، بیشتر کبتوں کا سراغ چوڑے کی تہہ کو کھرج کر لگایا ہے، جو نظروں سے پوشیدہ تھے،

قبروں کے بے شمار نشانات قدیم، شہر اور سواد شہر میں مساجد کی کثرت سے پتہ چلتا ہے کہ گذشتہ دور میں مسلمانوں کی آبادی یہاں زیادہ تھی، سنگین پنختہ چوڑوں، سرخ پتھروں کے اعلیٰ علیٰ منقش تونیزوں اور ان کے مصارف پر اندازہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگلے لوگوں کو

(جو معزز خاندانوں سے تعلق رکھنے والے تھے) یادگاری عمارات بنانے کا بہت زیادہ شوق رہا ہے، اسکے علاوہ شہر کی عام عمارات پر نظر کرنے سے اس زمانہ کے معمول اور اعلیٰ تمدن پر بھی کافی روشنی پڑتی ہے، مگر جو کچھ محسوس ہوئی وہ یہ ہے کہ کوثر خدلی سے عام تعمیرات پر روپیہ صرف کیا گیا ہے، لیکن یانیاں عمارات نے باستان کے چند آثار کے عموماً کتبہ ایسا نہیں لگایا جس سے ان بزرگوں کے صحیح نام و نشان کا پتہ چلتا، یہی حال مقابر کا ہے،

نہیں معلوم کیسی کیسی برگزیدہ اور الو العزم ہستیاں اس طرح گمنامی کے ساتھ خواب استراحت میں ہیں، جنگی اولاد و احفاد کا آج پتہ تک نہیں ہے اور ان کی رو میں محتاج فاتحہ ہیں، جن کی اہل بصیرت سے یہ شکایت بجا نہیں ہے،

بروز مار مار کر باں نے چراغ نے گلے  
نے پر پروانہ سوز دے صدائے بلبلے  
ہر ایک عمارت کی اگر تفصیل لکھی جائے تو اس کے لئے دفتر چاہیے، اسلئے چند ایسے آثار کا تذکرہ  
ذیل میں درج کیا جاتا ہے کہ جن میں کتبے وصل ہیں یا جو بقیہ کتبوں کے مشہور ترین ہیں،  
کالاحل، ناتھو ملا کا محل، ہتیا پول وغیرہ بھی عالیشان اور مشہور عمارات ہیں، مگر چونکہ ان کا اکثر حصہ منہدم ہو چکا ہے، اسلئے ان کا مستقل تذکرہ جدا گانہ بے کار سمجھ کر ان کو نظر انداز کر دیا ہے۔

## سلسلہ مساجد

یہ چھٹی سی خوبصورت اکبری مسجد شہر نہاہ کی فیصل کے اندر شمالی  
ومغربی گوشہ میں ظریف خان کی کھڑکی کے متصل، لب دریا کے کتبہ

## مومنوں کی مسجد

واقع ہے، جبکہ اندرونی عرض ۱۱ فٹ طول ۲۵ فٹ اور صحن کا طول ۲۵ فٹ عرض ۱۳ فٹ ہے، پتھر کے ہشت پہلو ستون، اور محرابی دریں، شمال و جنوب کی سمت چار چار فٹ طول و عرض میں کھڑکیاں ہیں، جن کے آگے شہ نشین ہیں، اور دروں کے اوپر ۵ فٹ عرض چھبے مسخ پتھر کے اور چھبے کے اوپر چھوٹے پھوٹے کنگورے اور سہ چار گوشوں پر بلند مینار مخروطی اور دو منار

وسطی محراب کے محاذ پر قائم ہیں، پتھر کے شہتیر اور بیٹوں سے مسجد کا درجہ مستقیم ہے، حاشیوں پر بنائے  
 حسین پھول بوٹے سنگی لوح پر تراش کر اوہارے گئے ہیں سطح زمین سے ۱۰ فٹ بلند سطح مسجد  
 کمر سی ہے، جو دور سے نہایت شاندار اور خوشنام معلوم ہوتی ہے، مسجد کی دیواریں سیاہ پتھر کی ہیں  
 جن میں چھکاریاں دو ڈیرہ فٹ لابی صاف اور ہموار تراش کر وصل کی گئی ہیں، وسطی محراب میں ایک  
 مستطیل شکل کی سنگی لوح نصب ہے جس پر خطاطی کی عبارت درج ہے، جہاں جہاں بیاض  
 چھوٹی ہوئی ہے، وہاں کے حروف اُپرے ہوئے ٹوٹ گئے ہیں، اسلئے پڑھنے میں نہیں آتے،

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَلَّمَ الدُّنْيَا فِي خَمْسَةِ  
 مَوْضِعَاتٍ

وَالثَّلَاثُ فِي بِلَادِ الْقُرْآنِ وَالرَّابِعُ فِي وَقْتِ الْإِذَانِ وَالْخَامِسُ  
 فِي مَوْضِعِ الْقَبْرِ لَعَنَهُ اللّٰهُ تَعَالَى -

تعمیر عہد خلافت صاحبقران ثانی شاہجہاں بادشاہ غازی  
 فی شہر صفر سنۃ ہجری بانی مسجد حسن دین  
 بن فتح محمد

علی رض

عثمان رض

چاروں گوشوں پر خلفائے راشدین کے اسمائے مبارک نقش ہیں، پیش صحن چاہ بھی ہے،  
 اور تکیہ بھی ہے، جس میں قبروں کی علامتیں پائی جاتی ہیں کتبہ کے اعتبار سے شاہجہانی عہد میں  
 اس مسجد کی تاسیس ثابت ہوتی ہے، لیکن سنۃ ہجری غلط کندہ ہوا ہے۔ غالباً سنۃ ۱۰۵۰  
 سنگ تراش کی لاطینی کی بنا پر بجائے ۵ کے عدد کے صفر کندہ ہو گیا ہے، کیونکہ سنۃ ۵  
 شاہجہاں کی پیدائش کا سال ہے اور سنۃ ۱۰۳۰ تحت نشینی اور سنۃ ۱۰۶۸ معزولی و نظر بندی کا  
 سال ہے، سنۃ ۱۰۸۰ جو شہنشاہ اکبر کے اڑتیسویں جلوس کا سال ہے، وہ عہد خلافت شاہجہاں

کیسے قرار پا سکتا ہے،

بانی مسجد حسن دین کی اولاد کا پتہ باوجود تلاش و جستجو کے نہ یہاں ملا، نہ چند سیری وغیرہ میں، مگر مومنوں کی نسبتی شہرت اور مومنوں کے محلہ کے قریب واقع ہونے سے قیاس اغلب یہی ہے کہ حسن دین مرحوم نور بافوں میں سے تھے، اُس زمانہ میں اُس قوم کا تمدن ترقی پذیر تھا، اور اسلام کی طرف بھی خاص توجہ تھی، سروج میں اُن کی آبادی سات محلوں میں تھی، اور جب اُن کے عروج کا زمانہ تھا تو پانچ گھرانے کے یہاں معمور اور آباد تھے، جسکی تصدیق معمر لوگوں سے ہوئی ہے، بعض شاہی اسناد سے (جو پیر محمد نور بانے مجھے دکھلائی ہیں) اس امر کی بھی تصدیق ہوتی ہے کہ سروج کے نور بافوں میں سے خاص خاص لوگ چٹہ شاہی بنائے پر مامور تھے، اور اُن کو اسناد میں سفید بان کے پیشے سے منسوب کیا گیا ہے،

اگر مولف کے قیاس کے مطابق سنہ ۱۰۰۰ ہجری تکمیل و تعمیر مسجد کا سال قرار دیا جائے تو ۱۳۳۳ھ تک (جو اس کتاب کی ترتیب کا سال ہے) ۲۹۴ سال ہوتے ہیں، سالم اور آباد مساجد میں سے کوئی مسجد اس سے زیادہ قدیم شہر کے اندر یا باہر مولف نے نہیں دیکھی، اس مسجد میں پنجگانہ نماز بھی ہوتی ہے، اور ماہ رمضان المبارک میں کبھی کبھی کلام مجید کا ختم بھی ہوتا ہے،

محکمہ کتب گنج کی مسجد | یہاں گنج سروج کے ایک محلہ کا نام ہے، جو شہر کی مشرقی سمت واقع ہے، پہلے اس محلہ میں مشائخ کے مکانات

تھے، اب قوم گدی مسلمان زراعت پیشہ زیادہ آباد ہے، اس نئی آبادی کی وجہ سے اُسے نیا پورہ بھی کہتے ہیں، اس میں ایک اکبری مسجد لداؤ کی ہے، جس میں تین محرابی دروازے ہیں گنبد میں اندرونی درجہ کا طول ۳۴ اور عرض ۱۴ فٹ، صحن کا طول ۳۴ اور عرض ۲۳ فٹ ہے، مسجد کی دیوار اینٹ اور چوٹے کی ہے، اندر اور باہر چوٹے کی استرکاری ہے، بظاہر تعمیر نہایت نچمٹے اور سنگین ہے اور سنہ زاپنی قدیم حالت پر قائم ہے، درمیانی محرابی دروازہ پر اوپر سے ہوئے

حروف میں سنگین کتبہ بھی وصل ہے، جسکی عبارت یہ ہے،  
 بِحکمِ حدیثِ نبوی مِنَ الصَّلَاةِ اَفْضَلُهَا مَنْ بَنَى لِلّٰهِ مَسْجِدًا فِي الدُّنْيَا نَبَى اللّٰهِ  
 لَهُ يَبْنِيَّ اَنِي الْجَنَّةِ ۔

در عہد خلافت شہاب الدین صاحبقران ثانی شاہجہاں بادشاہ غازی بندہ  
 محمد صالح صدیقی کہ خدمتِ صوبہ مالوہ داشت، در ۶۶۰ھ میں بقعہ  
 فیض بنیاد کیا۔ بحساب محلّ ایں دو تاریخ گفتہ شد

معبود شاخ  
 ۱۰۶۶ھ

بقعہ فیض  
 ۱۰۶۶ھ

تکمیل مسجد کو باعتبار شہادت مکتوبی، سال تالیف ۱۰۶۶ھ تک ۲۰۸ سال ہوتے ہیں،  
 اسی مسجد کے متصل جنوبی سمت بانی مسجد کا مقبرہ بھی ہے، جبکہ تذکرہ آثار مقابر کے سلسلہ میں آئیگا،  
 قصبہ کے وسط میں لبِ مرکز بڑے بازار کے متصل دو درجہ کی واقع ہے  
**مسجد جامع** جسکے دو دروازہ ہیں، ایک جنوبی، دوسرا شمالی، سطح زمین سے ۶ فٹ

بلند کر سی ہے جسکے نیچے دو کمان ہیں، صحن مسجد کا طول ۸۵ اور عرض ۳۸ فٹ ہے،  
 صحن سے ایک فٹ بلند کر سی پر مسجد کا اندرونی حصہ واقع ہے، جس میں مسقف دوہرے دو درجے  
 اور ہر درجے میں ۷ درمخانی ہیں، ہر ایک درجہ کا طول ۴۹ اور عرض ۱۴ فٹ ہے، اگلے  
 درجے میں ۵ ستون پتھر کے دوہرے، اور دوسرے حصہ میں ۵ ستون اکھرے ہشت  
 پہلو ہیں، بقی نیم ستون علیحدہ ہیں، جو ایک ایک فٹ کی بلند کر سیوں پر رکھے ہوئے ہیں، مسجد

۱۰۶۶ھ شاہجہاں کے جلوس کا تیسواں سال تھا، ایک سال بعد ۱۰۶۸ھ میں بیمار ہوا اسی سال  
 مالگیر نے ملکی مصلحت سے نظر بند کیا، ۳۱ سال دواہ ۲۳ یوم سلطنت کی، ۸ سال نظر بند رکھا،  
 برس کی عمر میں ۱۰۶۸ھ میں رحلت کی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تاریخ ہے ۱۲۱۱

۱۰۶۶ھ بحسب جمیع و تشدید فتح میم یعنی حساب اعداد حروف امجدہ بتخفیف میم نیز آمدہ (از غیاث) ۱۲

پتھر کے شہتیر اور ٹپیوں سے مسقف ہے، دیواریں سیاہ چٹکھاریوں کی ہیں، محرابوں اور محرابوں کے اُپر اور اُن کے حاشیوں میں خوشنما نقش و نگار ہیں، اندرونی محرابوں کے اُپر مستطیل شکل کی متعدد سنگی لوحیں نصب ہیں، دلوچ پر اشعار کندہ ہیں، باقیوں میں سورہ یسین شریف کی چند آیات، اور سورہ الم نشرح پوری لکھی ہوئی کندہ ہیں، جبکہ حروف اُبھرے ہوئے عربی خط میں ہیں، چاروں گوشوں میں چار منار مخروطی شکل کے دس دس فٹ بلند اور مغربی دیوار میں وسطی محراب کے اوپر دو منار دو فٹ کے فاصلہ سے قائم ہیں، مغربی سمت چھوڑ کر باقی تین اطراف ہیں، ٹوریوں پر پانچ پانچ فٹ عریض سرخ پتھر کی پٹیاں بطور چھجے کے خوبصورتی کے ساتھ نصب ہیں، چھجے کے اُپر ایک فٹ اونچی فصیل ہے، جس پر خوشنما سنگی کنگورے ہیں، جنوبی دروازہ کے متصل کنواں ہے اور شمالی سمت صحن سے ملا ہوا شرعی پیمائش کا پختہ حوض ہے، جبکہ وسط میں ہشت پہلو فوارہ ہے، حوض میں پانی اسی فوارہ کے ذریعہ سے آتا ہے، حوض کے قریب غلخانہ اور حمام بھی ہے، مسجد کے شمال میں ایک ٹجرہ اور حجرہ سے متصل دو کوٹھریاں بھی ہیں جن میں مسجد کا سامان ضروری محفوظ رہتا ہے

مسجد کا اندرونی و بیرونی فرش مہوار اور مصفا پتھر کے ٹیٹوں کا ہے، اور صحن کے خاتمہ پر لب مرک دو فٹ بلند فصیل اسلئے ہے کہ نمازی شب تاریک میں گرنے سے محفوظ رہیں، جنوبی دروازہ پر جو چھت ہے وہ ہی کبوتر بھی ہے، مؤذن اسی چھت پر سے پنجگانہ اہل اسلام کو تسبیح و تہجد کے ساتھ صلوٰۃ اور فلاح کے لئے بلاتا ہے، درمیانی محراب کے اوپر کتبہ بھی ہے جسکی نقل مجسمہ حسب ذیل ہے،

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ  
مسجد کش چشمہ خضر و راوپا کیش  
ہر کہ مبتدیا دار حکم و اسجد اقرب  
۱۰۰۱ھ

لہ پتھر کے مصفا ٹکڑوں کو یہاں کی زبان میں چٹکھاری کہتے ہیں، ۱۲ مولف

لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ مصرع ثانی یا اُس کے کسی جملہ سے تالیخ نکلتی ہے، شعر کے نیچے بطور اظہار تکمیل مسجد کا کتبہ لکھ دیا گیا ہے، دوسرے شمالی محراب میں حسب ذیل ہیں،  
اشعار کا فارسی قطعہ ایک پتھر کی مربع لوح پر کندہ ہے،

عہد اور نگ زیب عالمگیر یافت توفیق خضر از سبحان  
آلف و ہفتادویک ز ہجر رسول شدم رب چور و صہ رضوان  
عالیہ در نظارہ او گو یاں شہر خالی مباد از نیکاں

ان اشعار سے بھی تالیخ برآمد نہیں ہوتی، دوسرے شعر کے پہلے مصرع میں ۱۰۷۱  
کے اعداد عربی و فارسی میں تبادیلے گئے ہیں اور عہد عالمگیری بھی تبادیلے گیا ہے، شہنشاہ  
اور نگ زیب ۱۰۷۱ء میں تخت نشین ہوا ہے، ۵۰ سال سلطنت کرنے کے بعد ۱۱۱۱ھ  
میں وفات پائی ہے، اس حساب سے عالمگیری جلوس کے چوتھے سال مسجد کا مکمل ہونا ثابت  
ہوتا ہے، جسکو آج تک ۲۷۳ سال ہوئے۔

پہلے شعر کے دوسرے مصرع سے بانی مسجد کا نام خضر ثابت ہوتا ہے ایک ہفتہ کی مسلسل  
تجسس و تلاش کے بعد پیر محمد نامی ایک ۱۴ سالہ نوجوان نوریا فوں میں سے ملے، مولف کے  
سوالات کے جوابات کافی اور اطمینان بخش زبانی نہ دے سکے، بالآخر مولف کی استدعا پر اپنے  
پرانے کا غذات مولف کے سامنے لا کر رکھ دیے، ان کا غذات میں نقل راضی نامہ مصدقہ  
عدالت شریعت نظر سے گذری، جس کے ذریعہ مابین سرگرمہ دلالان، مسمیٰ خضر اور دیگر اہل دہلی  
کے ایک خانگی معاملہ میں راضی نامہ ہو کر تصفیہ ہوا تھا، دوسرا کا غذات نقل رہن نامہ مصدقہ عدالت  
شریعت ہے، جو بہادر ولد جو کی طرف سے لکھا گیا ہے، اس سے خضر کا مکان پختہ جامع مسجد  
سے متصل اور شمال جانب یا زار کی دو دکانوں کا ملکہ خضر ہونا ثابت ہوا ہے، اور یہ بھی ثابت  
ہوا ہے کہ مسجد کی پشت پر جانب گوشہ شمال نوریا فوں کی آبادی تھی، اور وہ لوگ دلالی کا پیشہ  
کرتے تھے، اسی مناسبت سے اُس حصہ آبادی کا نام دلال پورہ تھا، اب تمام پختہ مکانات

مہندم ہیں اور ان کے بجائے جدید خام مکانات سفال پوش نظر آتے ہیں، چونکہ اب اس محلہ میں بالیوں کے مکانات متعدد ہیں، اسلئے بجائے دلال پورہ کے مائی پورہ مشہور ہے، دلال پورہ کا نام صرف قدیم کاغذات میں باقی رہ گیا ہے، خضر صاحب کی جوہی جس زمین پر بتائی جاتی ہے اُس زمین پر میر محمد کا اب تک قبضہ ہے جنکا سلسلہ نسب اس طرح ہے میر محمد ابن میر محمد ابن حسن محمد ابن امام بخش ابن جہاں بہادر ابن گھانسی ابن چاند ابن خضر بانی مسجد جامع بانی مسجد یہی خضر ہیں، جنہوں نے دنیا میں مسجد تعمیر کر کے جنت میں اپنے لئے قصر عالی حاصل کر لیا ہے، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

مسجد کا اگلا اندرونی درجہ پانچ در کا قدیم ہے ۱۳۲۱ھ میں بدر الامراضیہ الملک جناب صاحبزادہ محمد شیر علیاں صاحب بہادر سرور جنگ ناظم سروج کے مشورہ سے تقدس آب مولوی مفتی وقاصی احمد جان خان صاحب مرحوم۔

(موجودہ قاضی حافظ عبد المجید خان صاحب کے والد نے) باداد اہل اسلام مسجد کا پچھلا اندرونی درجہ تمام و کمال اور جانب شمال، دو دروں کا اضافہ کر دیا ہے، جس سے مسجد کی وسعت اور اُس کی شان بہت بڑھ گئی ہے،

توسیع و تکمیل مسجد کے زمانہ میں، مؤلف سروج کی فوجداری عدالت میں سر درشتہ دار تھا بعض اجاب کی فرمائش سے یا مؤلف نے بطیب خاطر (یہ یاد نہیں رہا) قطعہ تاریخ توسیع و تجدید مسجد موزوں کیا تھا، جو پتھر پر کندہ ہو کر مسجد کی تیسری شمالی محراب پر لگا ہوا ہے، جس کے اشعار یہ ہیں،

حالتِ تعمیر اس بیت الشرف	نیست مخفی بر ہمہ اہل زمین
آفتِ سلیمین و احد بود سال	تا بنا فرمود خضر راہ دین
سروم شیر علی خاں ناسطی	از خیال تنگیش گفتہ چنیں

لفہ مراد از بدر الامراضیہ الملک صاحبزادہ محمد شیر علیاں بہادر سرور جنگ ناظم سروج ہیں۔



کین عبادت گاہ را وسعت دیند  
از غنایات خداے لم نزل  
یا دو کار باد تاریخ از نظم  
یافت وسعت سجدہ گاہ منین

هٰذِهِ اَبْنِيَّةُ اللَّهِ الْحَمِيدُ الْوَهَّابُ

یہ عربی مادہ بھی صدر دروازہ کے لئے مولف نے استخراج کیا تھا، لیکن کسی وجہ سے کندہ نہ ہو سکا۔  
مولوی غلام خیلانی تحصیلدار پنجابی نے ذیل کا مادہ نکالا تھا وہ درمیانی محراب کے اوپر نقش ہو کر چل ہے

هٰذِهِ مَسْجِدُ اللَّهِ الْكَرِيمِ الْعَالِ

یہ مسجد مادہ طرز کی اکبری پانچ دروں کی ہے، چنگین شہتیر اور پیونے  
مستقف ہے، قدیم مسجد تین دہائی تھی، ۱۸۹۲ء میں مرزا اکبر علی خاں

کوٹ کی مسجد

مولوی ناظم مرنجی نے شمال جانب دو دروں کا اور اضافہ کر دیا ہے، جس سے اب مسجد کا طول ۵۴  
اور عرض ۱۳ فٹ ہو گیا ہے، اور ہر در کی چوڑائی ۱۵ فٹ ہے، صحن ۱۲ فٹ عرض  
اور ۵ فٹ طویل ہے۔

صحن سے ملا ہوا جانب شرق ۲۰ فٹ قطر کا ایک حوض ہے، قدیم حوض محرابی طرز کا تھا۔  
خوشنابنا ہوا تھا، جس کے وسط میں فوارہ بھی تھا، چاہ حامی سے (جو کوٹ کے چھوٹے دروازہ کے  
باہر جنوب میں ہے) اس حوض میں پانی کی آمد تھی مسجد کے گوشہ شمالی میں مولسری کا درخت  
تھا، جس کی جڑوں سے سطح حوض شق ہو کر اُس میں پانی جذب ہو جاتا تھا، اس لئے ۱۹۱۲ء میں  
درخت مولسری کاٹ کر اس کی جڑیں نکال لی گئیں اور از سر نو حوض سادہ شرعی پیمانہ پر تعمیر ہوا  
جس میں پانی باولی واقع کوٹ سے مینہ میں دوبارہ نچتہ نالی کے ذریعہ سے لایا جاتا ہے، مسجد کے  
درمیانی محراب کے اوپر کتبہ لگا ہوا ہے جس کے اشعار یہ ہیں،

در زمانے شہر جہاں داور  
شاہ اورنگستان دعا لگیر  
کز تلاش بنائے دین است پائے  
زمین شریعت میں و کفر زراستے

یکے از بندگان ذوالقدر سے کہ عدلیش بدہر نیست بجائے  
 رکن السلطنت برائے قوی یعنی آرام دیں امیر الامرائے  
 شیخ عبدالغفار نور الدین کراہیں مشعر عظیم بنائے  
 سال تاریخ اوزین دریاب سجدہ گاہے رسیدہ گاہ خلاء

۳۰۰ء کے حساب سے آج تک ۲۰۱ سال ہوتے ہیں ،

بانی مسجد کو شاعر نے امیر الامرا لکھا ہے ، اس دھوکے میں پڑ کر مولف نے اثر الامراء وغیرہ  
 کتابیں دیکھیں ، لیکن اس نام کے کسی صاحب کا عہد عالمگیری میں سلطنت کے مشہور ارکان  
 میں ہونا پایا نہیں گیا ، نہ مسجد اس قدر وسیع و عاقلانہ ہے ، اور نہ انہیں ایسے نقش و نگار ہیں ، جو  
 ایک امیر الامرا کے شایان شان ہو سکیں ، قیاس غالب یہ ہے کہ عہد عالمگیری میں شیخ نور الدین  
 صاحب کسی خدمت پر ممتاز ہوں گے ، خواہ وہ سر و سنج خاص کی حکومت ہو یا ضلع کی ، شاعر کے  
 دل میں بانی مسجد کی جو عظمت تھی ، اس نے رکن السلطنت اور امیر الامرا بنادیا ہے ، ممکن ہے  
 کہ کسی شاہی قدیم مسجد شہید شدہ کا کتبہ ہو جو اس جگہ پہلے قائم رہی ہو ، یا کسی اور شہید شدہ مسجد  
 کا کتبہ ہو جو اس مسجد میں لا کر لگا دیا ہو ،

مسجد آستانہ بازار  
 آستانہ بازار ایک محلہ کا نام ہے یہاں ایک مسجد تھی جبکہ  
 صرف نشان باقی رہ گیا ہے ، اس مسجد میں ایک کتبہ بھی

لگا ہوا تھا ، مسجد کے شہید ہوجانے کے بعد ، پیر کا رشتی بشیر الدین کے والد محمد دین مرحوم اٹھا کر  
 لے آئے ، اور مسیت خاں والی مسجد کے وسطی محراب کے اوپر نصب کر دیا ، لوح مذکوریں آیۃ الکرسی  
 کے بعد ذیل کا شعر اور عبارت اُبھرے ہوئے عربی حروف میں کندہ ہیں

چراغ و مسجد و محراب و منبر

ابو بکر و عمر عثمان و حیدر

لہ عبد الغفار شیخ نور الدین ( مصرع ہوتا تو زیادہ موزوں تھا ، ۱۲ موقوف

ابن مسجد آستانہ حضرت عادل شاہ قریشی رحمۃ اللہ علیہ

عہد شاہ باد شاہ سنہ

بادشاہ کا نام اور سنہ کے حروف تقریباً منجھ چکے ہیں بالکل پڑھنے میں نہیں آتے قیاس سے محمد شاہ یا احمد شاہ معلوم ہوتا ہے :

حضرت عادل شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق اس قدر معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ ایک متراض بزرگ تھے، اپنے قیام کے لئے ایک چھوٹا سا حجرہ تعمیر کرایا تھا، جو آستانہ کے نام سے مشہور ہوا، حجرہ کے متصل مسجد بھی تھی، اور اسی جگہ شاہ صاحب کا مزار بھی ہے، عام لوگ بادل شاہ میاں کا آستانہ کہتے ہیں، آستانہ کے سامنے دورویہ پنجہ دکانات بھی ہیں، یہ جگہ آستانہ کے انتساب سے آستانہ بانا مشہور ہے :

شہر سے نصف میل کے فاصلہ پر شمال و مغرب  
مسجد واقع باغ بوہران کے گوشہ میں کتھن ندی کے کنارے بوہروں کا

ایک باغ ہے جس میں یہ مسجد واقع ہے، وہی باغ بوہرہ قوم کا مدفن بھی ہے، مسجد ایک درجہ کی چھوٹی خوبصورت تین محرابی دروں کی ہے، اور پیش خام صحن ہے، جس کا طول ۳۹ اور عرض ۱۳ فٹ ہے، ستون ہشت پہلو پتھر کے نہایت حسین نقش و نگار کے نصب ہیں، مسجد کا درجہ و ہمیز پتھر کی پٹھوں سے مسقف ہے، مغربی، شمالی، اور جنوبی دیواریں مصطفیٰ پتھروں کی ہیں، تینوں محرابوں پر ذیل کے تین اشعار کندہ ہیں :

چو فتح اللہ از فضل پروردگار بیاد ستہ خانہ چوں بہار

یہ بانی و معمار و کل کار او فلک کرد آباد با بے شمار

چو سال بنایش بدل باز جستم خرد گفت تا یخ و یخ فیض بار

ان اشعار سے ثابت ہے کہ فتح اللہ صاحب مسلمانوں میں سے کوئی باہمت بزرگ گذرے

سلہ آباد یعنی آفریں و ستایش کے فارسی میں مستعمل ہے ۱۲ مؤلف

ہیں، جنہوں نے اورنگ زیب عالمگیر کے چھبیسویں سال جلوس ۱۰۹۳ھ میں مسجد کو بنایا ہے جسکو آج تک ۲۵۱ سال ہوئے،

یہ مسجد آبادی کے اندر پورہ پاڑہ  
مسجد جامع بنا کردہ امان اللہ رنکر نیر

اندر راج شاہی فہرست میں بھی ہے، منبر کی تنصیب اور شاہی فہرست کی رو سے اسکا مسجد جامع ہونا ثابت ہے،

مسجد کا موجودہ احاطہ جنوباً و شمالاً ۳۰ گز اور مشرقاً و غرباً ۳۵ گز ہے، احاطہ کے غربی حصہ میں مسجد ہے، محن مسجد سے ایک فٹ کی کمرسی دیکر ۵ محرابی دروں کا اکہرا دالان ۱۶ انچہ کی موٹی پٹیوں سے مسقف ہے، درمیان میں کوئی شہتیر سنگین نہیں ہے، چارستون سنگین بارہ پہلو منقش کرسیوں پر قائم ہیں، عرض مسجد کا ۳ فٹ اور طول ۵ فٹ ہے، ٹوریوں، کنگوروں اور محرابوں کے اوپر چھ انچہ کے عرض پتھر کے ٹکڑے نہایت حسین نقش و نگار کے وصل ہیں، مسجد کا اندرونی فرش چار چار فٹ مربع کے سیاہ و سرخ سنگین قطعات سے بنایا گیا ہے، جو چوڑ کی صورت میں نہایت حسین معلوم ہوتا ہے، موجودہ جامع مسجد واقع بازار کے مقابلہ میں اسی مسجد کو خاص اس ایک جدید تعمیر سے افضلیت ہے کہ غربی دیوار میں وسطی محراب کے محاذ پر چھپت سے ۲ فٹ بلند کمرسی دیکر گنبد نما خوبصورت چھتری بنادی گئی ہے، جسکے ستون اور ٹوریوں پر نہایت باریک کام ہے، جو دور سے نہایت درجہ خوشنما معلوم ہوتی ہے، احاطہ مسجد میں چاہ اور محن مسجد سے متصل پختہ حوض بھی ہے، محن مسجد کے شمال میں چار فٹ مرتفع سیاہ پتھروں کا چبوترہ ہے، اس چبوترہ پر تین قبریں ہیں، دو قبروں کے تعویذوں پر سنگتراش نے صنائی کا کمال دکھایا ہے، چار فٹ طویل اور دو فٹ مرتفع سنگین تعویذوں میں بیسوں درجے، بیسوں پہلو نکال کر باریک قلم سے لاجواب نقش و نگار اُبھارے ہیں، اس سے زیادہ حسین تعویذ یہاں نہیں دیکھے گئے افسوس اسکا ہے کہ قبروں پر کوئی کتبہ نہیں ہے، جس سے صاحبان قبروں کا پتہ چلتا، غالب

قیاس یہ ہے کہ بانی مسجد اور ان کے متعلقین کی قبریں ہیں، آج بانی مسجد کی اولاد سے کوئی بھی نہیں ہے، مسجد آباد اور ریاست کی طرف سے مؤذن بھی مامور ہے، لیکن محلہ میں مسلمانوں کی آبادی نہیں رہی، دو چار مسلمان مسجد میں نماز ادا کرتے ہوئے دیکھے جاتے ہیں، آثار قدیمہ کے بقا کے سلسلہ میں یہ مسجد قابل حفاظت اور لائق آبادی ہے،

پہلے کٹرہ کی مسجد | شہر سے باہر جانب شمال متصل کٹری محلہ میں یہ مسجد واقع ہے  
تین دروں کی اکھری اور بالکل سادہ ہے مسجد کے قریب موجود

زمین میں صرف دو مسلمانوں کے گھر ہیں، مسجد شکستہ اور غیر آباد ہے،

مخراہوں پر فارسی خط نستعلیق میں ذیل کا قطعہ درج ہے،

مسجد خوش شام و حمید سجدہ شکر کردہ کہ بدید

سال تاریخ از خرد حبتسم خروش یا قلم بفضل مجید

کسی جملہ کے تحت میں سنہ کندہ نہیں ہے، مولف حدیقہ رحبتان مولوی آبرو صاحب صفحہ ۵۵ میں لکھتے ہیں کہ سنہ ۱۱۰۴ عہد امیر تیموریہ گورکان میں یہ مسجد تعمیر ہوئی ہے، اس حساب سے مسجد کی تعمیر کو آج تک ۵۴۱ سال ہوتے ہیں، لیکن مولف تاریخ سروخ مولوی آبرو صاحب کے بیان سے متفق نہیں ہے، اس کے دو سبب ہیں،

(۱) مولوی آبرو صاحب نے یقیناً خرد کے اعداد (۸۰۴) سے تاریخ کا استخراج کیا ہے، حالانکہ خرد محاط ہے اور خردش حاصل تلاش، اس لئے اگر تاریخی جملہ ہو سکتا ہے تو یہی خردش ہے جبکہ اعداد ۱۱۰۴ ہیں، مسجد کی تعمیر بھی بظاہر روڈ ہائی سو سال سے زیادہ کی معلوم نہیں ہوتی

(۲) ایک قدیم کاغذ (جو بہن نامہ ہے) اور جس پر حمید پوریا باف کی گواہی درج ہے، قاضی مرتضیٰ صاحب کے کائنات میں نظر سے گزرا ہے، جبکہ تاریخ تسوید ۱۱۱۱ھ تعمیر مسجد سے ۱۱۱ سال بعد کی ہے، اس وقت حمید پوریا باف زندہ تھے، ایسی صورت میں سنہ ۱۱۱۱ھ کی تعمیر کو تسلیم کی جاسکتی ہے،

شاہی فہرست مساجد میں ایک مسجد کی نسبت لکھا ہے، "بنا کردہ حمید پوریاباں"، غالباً یہ مسجد وہی ہے، آج ان کی اولاد کا ہتہ تک نہیں رہا، جسکی یہ یادگار باقی ہے،  
 گٹو شاہ والی مسجد | ادارہ حکومت کے متصل گٹو شاہ کے تکیہ کے اندر واقع ہے، تین دروں کی اکبری مسجد نہایت پختہ و سنگین بنی ہوئی ہے، مگر ساڑ

ہے، کتبہ جو مسجد کے وسط محراب کے اوپر نقش ہے وہ یہ ہے،

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
 کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَاِنَّ وَیَبْقٰی وَجْہُ رَبِّکَ ذُو الْجَلَالِ وَ الْاِکْرَامِ  
 سنہ عہد اکبر شاہ بادشاہ غازی

مغلیہ سلاطین میں دو اکبر گزرے ہیں، اس میں کوئی تشریح نہیں ہے، لیکن چونکہ تکیہ کے بانی دیدار علی شاہ نواب امیر الدولہ بہادر کے عہد میں گزرے ہیں، اور نواب بہادر موصوف سے ان کو خیانت میں ایک گاؤں روٹی گھاٹ تھا آج تک ان کے خاندان میں بحال و برقرار ہے، اسلئے عہد مذکور اکبر ثانی کا عہد ہے جسکی تخت نشینی کا سنہ ۱۲۲۱ھ اور سنہ وفات ۱۲۵۳ھ ہے۔  
 نواب امیر الدولہ بہادر کا سروج پر قبضہ ۱۲۱۵ھ میں ہوا، اور ریاست کی بنیاد ۱۲۲۱ھ میں قائم ہوئی، اس حساب سے اس مسجد کی تعمیر قبضہ سروج کے بعد اور بنا بر ریاست سے قبل کی سمجھنی چاہئے، دیدار علی شاہ بانی مسجد کے چیلے، محبوب شاہ ہوئے، اور محبوب شاہ کے چیلے گٹو شاہ ہوئے، انہی کے نام سے تکیہ مشہور ہے، جو ایک بیگم رقبہ کے اندر ہے، گٹو شاہ نے سچلاف اپنے مرشدوں کے شادی کی ملہ اکبر ثانی کی وفات کی تاریخ سرسید احمد خاں مرحوم بانی مدرستہ العلوم علی گڑھ نے بزمانہ منصفی اس طرح پر استخراج کی ہے -

چوں برقت از جهان شہ اکبر شد یہ آسان زد و دگر

پائے شادی شکستہ احمد گفت سال تلخ ادغم اکبر

عہد اکبر کے ۱۲۶۳ اعداد میں شادی کے خون ی کے عدد ۱۰ کا لہو تو ۵۳ ۱۲ رہتے ہیں ۱۲ ملوث

جن سے آمام شاہ اور امام شاہ کے اب قائم شاہ موجود ہیں، سال جلوس عہد اکبر ثانی ۱۲۲۱ھ ہے، اس حساب سے مسجد کی عمارت کو ۱۲۳۳ سال ہوئے،

پرائی عید گاہ

قصبہ سے تقریباً نصف میل مغرب میں ہوا وسط زمین پر واقع ہے، الف دروازہ سے ہو کر راستہ ہے کیتھن ندی درمیان میں پڑتی ہے صحن مسجد کا طول ۱۱۰، اور عرض ۱۰۰ فٹ ہے، مغربی دیوار بلند جسیں ۱۱ خوبصورت محرابیں ہیں، اور ہر محراب کے درمیان ایک طاق ہے، منبر کے چوبتر چاروں گوشوں میں چار سنگین خوشنما ستون اور ستونوں پر چھوٹا سا گنبد ہے، جو ایک حسین چھوٹی سی چھتری کی شکل میں نظر آتا ہے، فرش پر چھاڑی بکثرت ہے، کہیں کہیں سفید چونا بھی فرش پر نظر آتا ہے، جو اس بات کی شہادت ہے کہ پہلے صحن نچتہ تھا،

موجودہ زمانہ میں عید گاہ کے تین اطراف میں کروندوں کے درخت بکثرت ہیں، مسجد کے شمال میں عام راستہ دیہات کے آنے جانے کا ہے،

صحن کے جنوبی سمت فرش سے ملا ہوا، ۱۰ فٹ مربع ایک چوبترہ سیاہ پتھروں کا ہوا چوبترہ پرتھروں کے تین تعویذ سرخ پتھر کے نقش و نگار کئے ہوئے نصب ہیں، ایک تعویذ ۱۰ فٹ طول میں، اور ایک فٹ مرتفع کسی بچہ کا ہے، باقی دو معمولی ہیں، تلاش و تحقیقات کے باوجود اس کا کچھ پتہ نہ چلا، کہ کن لوگوں کی قبریں ہیں، البتہ قرآن پتہ دیتے ہیں کہ یہ مدفن کسی مغز خاندان کا ہے،

قبروں کے متصل ایک باولی نچتہ ہے، جس کا دہانہ چھاڑیوں کے دامنوں سے چھپا ہوا ہے اس عید گاہ میں برسوں سے عیدین کی نماز ادا نہیں ہوتی، یہی سبب اس مسجد کی غیر آبادی کا ہے،

چونکہ عید گاہ کے راستہ میں بازار نہیں ہے، ایوان نظامت سے نکلنے ہی مقامی حکام کی سواری الف دروازہ سے ہو کر عید گاہ کو پہنچ جایا کرتی تھی، اس لئے سواری کے جلوس اور اسلامی تہجیل کے نمود کے خیال سے بعد کے حکام نے بڑے بازار سے گزرا مناسب سمجھ کر شہر سے باہر جنوبی و مغربی گوشہ

میں ایک پہاڑی پر جدید عید گاہ تعمیر کرا دی ہے، جہاں اب نماز دو گنا ادا ہوتی ہے، اس مسجد میں کوئی کتبہ نہیں ہے، جس سے سال تعمیر دریافت ہو سکتا، مسجد کی غریب دیوار اب تک سالم ہے، دیوار کی پختگی اور کھنکی پتہ دیتی ہے کہ سرونج میں مسلمانوں کی آبادی کے ساتھ ساتھ یہ مسجد بھی تعمیر ہوئی ہے،

مشہور یہ ہے کہ نواب امیر الدولہ امیر الملک بہادر شمشیر جنگ کے عہد میں مقامی حاکموں نے جلوس اسلامی کی شان و عظمت کے نمائش کے خیال سے پرانی عید گاہ کے بجائے نئی عید گاہ تعمیر کرائی ہے،

یہ خیال عام لوگوں کا شاید اس کتبہ کے مضمون سے پیدا ہوا ہے، جو نئی عید گاہ کے وسطی محراب کے اوپر ایک سنگین لوح پر کندہ ہے، جس میں ۱۲۳۵ھ کے ساتھ نواب امیر الدولہ بہادر اور محمد آردولہ بہادر کے اسمائے مبارک نقش ہیں، لیکن مؤلف کی تحقیقات کا نتیجہ یہ ہے کہ نواب امیر الدولہ امیر الملک بہادر کے قبضہ سرونج سے تقریباً ۱۲۵ سال پہلے پرانی عید گاہ غیر آباد ہو چکی تھی، قاضی ابوالفتح عہد عالمگیری میں سرونج کے قاضی تھے، انہوں نے عہد عالمگیری میں اس عید گاہ کو غیر آباد دیکھا تھا، اور جب عہد سلطنت شاہ عالم محمد معظم شاہ ۱۲۳۵ھ ہجری میں دوبارہ سرونج کی خدمت قضاہ پر واپس آئے تو یہ دیکھا کہ شاہ اسد الدین رحمۃ اللہ علیہ بنیرہ قطب الاقطاب امام الاولیاء حضرت شاہ بہاؤ الدین نقشبند ملتانی رحمۃ اللہ علیہ نے مسجد کے قریب قیام فرما کر اسکو سنجاست سے پاک کیا ہے، ایک محضر نامہ مورخہ غرہ ربیع الثانی ۱۲۸۵ھ کے ذریعہ سے قاضی صاحب موصوف نے عام مسلمانوں کو عام ہدایت کی ہو کہ عید گاہ کے متصل جب قدر درخت ہیں وہ سب وقت ہو چکے ہیں، شاہ صاحب کا ارادہ خانقاہ تعمیر کرنے اور پورہ آباد کرنے کا ہے، کوئی مزاحمت نہ کرے اس محضر نامہ سے اس بات

۱۔ نقل سند ہری شریعت پناہ قاضی ابوالفتح وسید محمد خاں دیوان دہری اصالت وصدارت پناہ (کاغذ چھٹ گیا ہے) صدر عوبہ و بہر رفعت و دعوائی مرتبت مرزا الف بیگ امین و فوجدار پرگنہ سرونج و میر



عید الفی سواج نگار و حیرت اللہ خاں و قانع نگار و میر روشن خمیر دار و نہایت المال بدستخط جو دھری و قانون گویان  
سرکاری پر گنہ مذکور آنکہ برائے حکام ذوی الاحترام و جماعہ خاص و عام واضح ہو یاد - کہ راہ عید گاہ  
کہنہ قبضہ سروج از قلعہ حاکم نشیں کوچہ ہائے تنگ و تاریک بود و روز عید تجل رکوب حکامان و اہل اسلام بنجام  
و عام نمی نمود و عبور از کوچہ ہائے بسبب ازدحام بر شکل اسلام و کافہ نام نیز خالی از ہرج نبود، بنا بریں حکام  
صاحب رائے قضاۃ شرع پیائے از ہر اے رونق دین و دفع ہرج سلیں صلوة عیدین از عید گاہ کہنہ  
موقوف ساختہ در عید گاہ نو قرار دادند، تا روز عید حکام عالی مقام و جمیع خاص و عام و تجمل و آرام از  
بازار و شارع عام عبور نمودہ و گناہ عیدین در آنجا ادا نمایند،

دریں صورت عید گاہ کہنہ رو بہ ویرانی آوردہ مسکن محوش بطور شدہ بود، چنانچہ قبل ازیں کہ خادم شرع  
تقریب خدمت قضاۃ در اینجا بود اکثر اوقات در عالم سیرشاہ رہی نمودہ کہ راہیان مویشی اس محل شریف آرام گاہ  
دواب و چارہ قرار دادہ، اجایا مزابل و انبار پاک و سرگین میکردند و از نجاسات دیگر نیز لوث می نمودند، دریں  
کسرت کہ باز بہ تقریب خدمت مذکور و رود افتاد و معائنہ کرد کہ حقائق و معارف آگاہ فضیلت و کمالات  
در شنگاہ زبدۃ العارفین شاہ اسد الدین نمیرہ طب الاقطاب غیرت العالم و امام الاولیا، مسجد مذکور از لوث  
سرگین و جمیع کسافات و نجاسات پاک و صاف کنایندہ و چاہواولی متعلق اس مسجد را کہ از خاک و سنگ ملو شدہ  
برابر زمین گشتہ بود، نیز از سر نو تعمیر نمودہ با جمیع از عرفائے حق اندیش و سلاکے حقیقت کیش انز و آگزیہ شب و روز  
عبادت حق مشغول اند و غرض اوقات فریضۃ اللہ بجماعت ادائی نمایند از قدم ہرایت لزوم ایشان اس مقام بہترین  
معبد اسلام مگر خوشترین مادائے صوفیائے غلام شدہ پس بحکم الامانۃ علی العبادۃ جمیع حکام و کافہ امام  
واجب آمد کہ ہمیشہ خدمت درویشان و خاندان ایشان بخلوص اتجا و رجوع اعتقاد بجماعی آوند کہ سعادت و اجر است  
و آنچه از شجار شمرہ و غیر شمرہ کہ تعلق مسجد دار و زمین حوالی مسجد کہ جلوفانہ عید گاہ و عرصہ تفرس و زمین سہام مسلمین است  
ہمہ را داخل وقف آرا علی الاستحقاق بجا دمان حقائق آگاہ مذکور بحقیقت صرفا تعمیر و حاجت سکنت اس مکان مقرر و سلم داشتہ  
آید تا احداث خانقاہ نمودہ در زمین گرد اگر و با پنچہ طرح نمایند و پورہ آباد سازند کہ اہل رباط و متردین انتفاع گیرند  
کے مانع و مزاحم نشود کہ از لودن ایشان تنلیف اس مقام و تعدی فیض خاص و عام است لہذا اس چند کلمہ بانفاق جمیع

پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ پرانی عید گاہ کا راستہ دار الحکومت سے تنگ کوچوں میں ہو کر تھا، علماء سے اجازت سے کراستانی شان و شوکت کے اظہار کے خیال سے نئی عید گاہ تعمیر کرائی، جب کہ راستہ بازار ہو کر صحن مسجد کے قریب خانقاہ کے آٹا پائے جاتے ہیں، مصارف خانقاہ کیلئے پندرہ آنے یومیہ کا وظیفہ بھی سروج کے خزانہ سے مقرر تھا۔

**نئی عید گاہ** | سروج کی آبادی سے نصف میل کے فاصلہ پر گوشہ شمال و مغرب میں واقع ہے، جبکہ طول ۱۱۵ فٹ اور عرض ۱۱۰ فٹ ہے، قدیم مسجد صرف پتھر کی تھی، اب نو محرابوں کی ہے، قدیم مین محرابوں کا ثبوت اس سے ہوتا ہے کہ دیوار کے شمالی و جنوبی سمت بیوند کی علامات صاف نظر آتی ہیں، صحن خام البتہ وسیع تھا،

تعدیانی بطریق سند بہ ثبت دستخط و مہر کہ عند الحاجت حجت باشد نوشته شد بتایغ غره ربیع الثانی ۱۱۲۱ھ  
۳۲ جلوس شاہ عالم بہادر شاہ (اصل تحریرات قاضی مرتضیٰ اور سید اصغر علی بنیرہ خواجہ عبدالہادی کے پاس محفوظ ہیں ۱۲) مولف

سلطہ پروانہ مہری مستند الملک میر جلیل معظم خاں خاٹھانان بہادر مظفر جنگ عہد محمد شاہی بست و پنج، شہر شوال ۱۱۲۱ھ جلوس مطابق ۳۲۱ھ گماشتہ ۱۰۰۰ جاگیرداران و کوریان پرگنہ سروج سرکار چندیری مضاف صوبہ بالوہ را اعلام آنکہ بموجب یادداشت واقع عہدہ..... مرقوم ہشت و چہارم جمادی الاول ۱۱۲۱ھ جلوس کہ بتایغ ہشت دہم رجب ۱۱۲۱ھ جلوس بغرض کمر رسیدہ پانزدہ آدیومیہ بلاقصہ از تحویل قوط دارالال پرگنہ مسطور از بتایغ ورود روز آٹھ دروجہ در معاش متعلقان حقائق و معارف آگاہ شیخ اسد الدین درویش ولد شیخ محمد اشرف بلا قید دید و دانستہ حسب الفرض مقرر گشتہ باید کہ بر طبق یادداشت واقع عمل نمودہ پو میہ طور را آہنہار ساعیدہ باشند کہ از صرف میشت نمودہ بدعائے دوام دولت آئینہ استقلال می نمودہ باشند اگر در محل چیزے داشته باشند آنرا اعتبار کنند دریں باب قدر حق دانستہ حسب المستور عمل آرد در اسی مضمون کے تین فرامین اور بھی ہیں، ایک مہری سرسبزہ مذکور، دوسرا مہری نظام الملک ۱۱ رمضان المبارک ۱۱۲۱ھ، تیسرا مہری نظام الملک غره ذیقعدہ ۱۱۲۱ھ جلوس یہ سب اسناد نظام الدین شاہ درویش کے پاس محفوظ ہیں۔ مولف

بعد میں وسیع تر ہو گیا، وسط محراب میں کتبہ کی سنگین تختی وصل ہے، لیکن سالانہ چوبند کی چٹائی سے  
حروف بالکل معدوم ہو چکے تھے، گھنٹوں پھیلنے کے بعد اسکے پڑھنے میں کامیابی ہو سکی ہے  
وہ شعر حسب ذیل اُس پر کندہ ہیں -

چوبانی بیگ این مسجد بنا کرد      بخت بہر خود قصر بپا کرد  
ز فیض عام او براہل ایہاں      بصدق دل سچ او دعا کرد

تا بیخ دستہ تعمیر درج نہیں ہے، بانی مسجد کا نام باقی بیگ ضرور ثابت ہے، اس نام  
کے ایک بزرگ میرزا قدرت اللہ بیگ موجودہ گرد اور سائرات کے مورث اعلیٰ ضرور گذرے  
ہیں، جو دہلی محلہ کھاری باؤلی سے نقل سکونت کر کے مع اپنے ایک بھائی مرزا ساقی بیگ کے  
عہد عالمگیری میں سروج آئے۔ میرزا قدرت بیگ کا بیان ہے کہ مرزا ساقی بیگ سروج کے  
عامل بھی تھے، لیکن مقامی عاملوں کی جدول میں اُن کا نام درج نہیں ہے، ممکن ہے کہ کسی  
اور معزز عہدہ پر ممتاز رہے ہوں میرزا صاحب مذکور اپنی خاندانی روایت کی رو سے تصدیق کرتے  
ہیں کہ بانی مسجد اُن ہی کے جد امجد تھے، لیکن مؤلف کو تحریری سند کوئی نہیں ملی۔

قاضی ابوالفتح مرحوم کے اُس محضر نامہ سے (جسکی پوری نقل پرانی عید گاہ کے بیان کے سلسلہ  
میں کر دی گئی ہے) یہ بات ضرور ثابت ہے کہ عہد عالمگیری میں مقامی حکام کی خواہش پر نئی عید گاہ  
کی تعمیر کا فتویٰ صادر ہو چکا تھا، اس حساب سے مسجد کی تعمیر بارہویں صدی کے آغاز میں سمجھی جائے  
اس لئے کہ بقول قاضی ابوالفتح مرحوم سال ۱۱۲۰ھ سے قبل پرانی عید گاہ غیر آباد ہو چکی تھی -

بہر حال نئی عید گاہ کی تعمیر کا سبب جلوس اسلامی کا تہل اور اسکا نمود ہے، اس سے قبل  
پرانی عید گاہ کو مقامی حکام کی سواری کوچہ سے ہو کر گزرتی تھی، اور اب نئی عید گاہ کے راستہ  
میں تقریباً پون میل تک بازار اور شہر کی آبادی کا سلسلہ ہے۔

حقیقت میں عیدین پر دارالحکومت سے حیو قوت مقامی عہدہ داران کی سواری، جاگیرداران  
فوج، پولیس، اور رسالہ کے ساتھ نئی عید گاہ کی طرف بازار سے گذرتی ہے تو شان و شوکت کے

ساتھ ایمانی نجل کا نظارہ نہایت درجہ دیدہ زیب و دلنریب معلوم ہوتا ہے ، جس کتبہ کے دو شعر نقل کئے گئے ہیں ، آپسکے نیچے ذیل کی عبارت اور ایک مصرع بھی کندہ

ازیں بیت تاریخ مسجد می برآید ، مرتب شد این مسجد عید گہ  
در سنہ ۱۲۲۳ محمد اکبر بادشاہ از عمل نواب امیر الدولہ ، محمد امیر خاں و نواب مختار الدولہ

محمد شاہ خاں ،

تاریخی مصرع سے ثابت ہے کہ سنہ ۱۲۲۳ عہد اکبر شاہ ثانی المتوفی ۱۲۵۳ء میں نواب امیر الدولہ بہادر نے ایسٹ انڈیا کمپنی کی مصالحت سے قبل اور سروج پرقبضہ ہونے کے بعد عید گاہ کو وسعت دی ہے ،

یہ وہ زمانہ ہے کہ نواب امیر الدولہ بہادر بانی ریاست ٹونک نے راجہ ناگپور سے جنگ کی تھی ، اور ساگر سے ٹوٹ کر اندر جاتے ہوئے سروج میں کچھ روز قیام کیا تھا ،

محمد شاہ خاں نواب مختار الدولہ بہادر ، نواب امیر الدولہ بہادر کے معتمد علیہ جنرل تھے ، مؤلف افتخار التواریخ کا بیان ہے کہ سنہ ۱۲۲۳ء میں انہوں نے اجیر میں وفات پائی ، اور وہیں ان کی قبر بھی ہے ، لیکن اسکے خلاف صاحب امیر نامہ لکھتے ہیں کہ سنہ ۱۲۲۴ء میں جو دھپور کے علاقہ میرتھ میں انتقال کیا ، اور وہیں دفن ہوئے ، لیکن مؤلف کی تحقیقات کی رو سے اجیر میں ان کا دفن ہونا صحیح ہے ،

## سلسلہ مقابر !

فاک سروج کو سب سے زیادہ اس بات کا شرف حاصل ہے کہ اس کے آغوش بھر میں

سنہ ۱۲۵۳ء میں انکا مزار ان کے عقیدہ مند اور لائق ماتحت محمود خاں مختار الدولہ نے اپنے صرف سے بنوا دیا ہے جس پر حسب ذیل اشعار کندہ ہیں ،

بناکر محمود عالی مقام : مزار محمد شہ دیں پناہ  
ز تاریخ تعمیر گوید لطیف : زہے مقبرہ مسجد و خانقاہ

عظیم المرتبت اور جلیل القدر اولیاء اللہ کی مقدس مسیتیاں آرام پذیر ہیں، بعض کے مزارات پختہ  
تعمیدوں اور عالیشان گنبد عمارات کے ساتھ آج بھی قائم ہیں، اور بعض کے مزارات سادہ اور بعض  
کے زمین کے برابر ہیں، چند بزرگوں کے نام صرف کاغذات قدیم میں درج ہیں، جستجو اور تلاش  
کے باوجود ان کے مزارات کا پتہ مولف کو نہ مل سکا، ان بزرگوں کے اسمائے گرامی یہ ہیں  
شاہ عبدالغنی، حضرت عبداللہ شاہ درویش، شاہ محمد یعقوب، میاں ظہور اللہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ  
شاہ اسد الدین ولد شاہ محمد اشرف نمبر ۱ امام الاولیاء، حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کا  
مزار پرانی عید گاہ کے مغرب میں مخدوم پورہ ویران کے متصل جھاڑیوں میں ہے، وہ اگرچہ  
پختہ ہے، لیکن اس پر کوئی عمارت نہیں ہے نہ کوئی کتبہ ہے، مولف کو ایک شاہ صاحب نے  
آپ کے مزار کا پتہ دیا، جسکے خاندانی افراد آپ کے معتقد رہے ہیں، اور اسی خاندان میں چند نام  
دستیاب ہوئیں، جن کی نقلیں مناسب مقام پر درج کی جائیں گی، اور بعض سندوں کی نقلیں عید  
کے تذکرہ میں درج کر دی گئی ہیں۔

(۶) شاہ فخر الدین چشتی (۷) حضرت مرزا جانی رومی (۸) شاہ مخون شہید (۹) شاہ ولایت  
(۱۰) شاہ محمد لیسین (۱۱) شاہ متاع الدین (۱۲) حضرت غوری شاہ (۱۳) حضرت مظفر شاہ (۱۴) شاہ  
شہباز (۱۵) پیر سید محمود شاہ (۱۶) پیر سید مسعود شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پورہ بزرگان  
دین ہیں جنکی قبروں پر قدیم وضع کے پختہ اور پلاستر کئے ہوئے گنبد بنے ہوئے ہیں، جنکا تذکرہ آگے  
آتا ہے۔

(۱۷) حضرت مصطفیٰ شاہ رحمۃ اللہ علیہ ان کی سادہ قمر شہر سے گوشہ جنوب و مشرق میں ایک  
لہ رو ہی بزرگ ہیں جکی قبر سے ملنے والے میں قواب امیر الدولہ بہادر حضرت مولائی کی درگاہ پر تشریف لائے  
اور شرف بزیارت ہو کر فتح و نصرت کی دعاؤں سے الامال ہوئے ۱۲ امیر نامہ

۱۳ انکے فرزند شاہ عبدالغنی تھے، سندھری محمد خاں مظفر جنگ ناظم الوہ (عہد محمد شاہ) ۱۳۹۰ الفی کے دیکھنے سے واضح  
ہے کہ شاہ عبدالغنی کے نام دومہ بیک زمین وضع فوراً پورہ سواد سرونج میں مصارف عرس حضرت شاہ مصطفیٰ صاحب  
بقیہ فی اللہ

میل کے فاصلہ سے ایک پہاڑی پر واقع ہے، جس پر چلی ہمیشہ پھول برسایا کرتی ہے (۱۸) شاہ عبداللطیف رحمۃ اللہ علیہ، انکا خام مزار شہر سے باہر تالاب کے اندر ایک بلند خام ٹیکری پر ہے جس پر درخان پر ہمیشہ سایہ لگن رہتے ہیں،

(۱۹) شاہ حق پرست رحمۃ اللہ علیہ، انکا مزار شہر سے دو میل کے فاصلہ پر گوشہ شمال و مغرب میں موضع قاضی کھٹری کے متصل بلند ٹیکری پر واقع ہے، یہ مقام نہایت پر فضا ہے، انکی ایک چہر کا نقش مولف نے دیکھا ہے، جس پر سن ۱۲۷۵ لکھ کندہ ہے اس کے بعد انکا سونو مال سمجھنا چاہیے۔

(۲۰) حضرت خاکی شاہ ان کا مزار مولائی کی درگاہ کے اندر ہے،  
(۲۱) میاں گھوڑا شاہ مجذوب، آخر الذکر دونوں بزرگ نواب وزیر الدولہ کے عہد میں گذرے ہیں، اور ان دونوں کا مفصل حال کتاب تذکرۃ الاولیاء اردو کی جلد سویم اور پنجم میں درج ہے ان تمام مزارات میں بامتناہی مزار اقدس مرزا جاتی رحمۃ اللہ علیہ کے کسی پر کوئی کتبہ نہیں ہے، جس سے سستہ وصال معلوم ہو سکتا ہے ان بزرگوں کا آج سلسلہ خلافت قائم ہے، جہاں سحر اجمالی یا تفصیلی زندگی کے حالات ہم پہنچ سکتے، گویا ہری حالات تاریکی میں ہیں، لیکن اہل دل نصیب کرتے ہیں کہ روحی انوار فیض ان بزرگوں کے مزارات سے نکل کر عارفین کے قلوب کو منور کرتے رہتے ہیں، علاوہ پررگان دین کے دیگر اکابر اور نامور لوگوں کے بھی یہاں متعدد مزارات آثار قدیمہ کے طور پر موجود ہیں، جنکے حالات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) مختصرہ حضرت شاہ فخر الدین حسینی | شہر سے شمال میں ایک میل کے فاصلہ سے پہاڑی پر پختہ مزار آپکا بنا ہوا ہے

در بار شاہی سے عطا کی گئی ہے، یہ اراضی موجودہ زمانہ مصطفیٰ خاں صاحب سررشتہ دار کے قبضہ میں ہے  
اور وہ اپنے کو شاہ صاحب کے خاندان سے بتاتے ہیں، مولف کے نزدیک کوئی تحریری ثبوت نہیں ہے۔  
واللہ اعلم، سند مذکور کبرخاں کے پاس مولف نے دیکھی ہے ۱۲ مولف -

گنبد ۳۲ فٹ بلند اور محیط ۶۶ فٹ ہے، گنبد کا اندرونی و بیرونی پلاسٹر امتداد ایام کے سبب سے نکل گیا ہے، صرف انٹیل نظر آتی ہیں، جنوب رو یہ صدر دروازہ ہے، باقی تین اطراف میں پتھر کی چالیاں کٹی ہوئی وصل ہیں، تو یزید قبر سادہ ہے، مقبرہ کے متصل سے دی چھوٹی سی مسجد بھی ہے، مقبرہ کے شرق میں دوسرے درجہ کا سہ درہ پختہ دالان بھی ہے، مخلوق اکثر زیارت اور فاتحہ خوانی کو جاتی ہے، صوفیہ طبقہ کے حضرات کبھی کبھی مزار اقدس پر مراقبہ بھی کرتے ہیں، حقیقت میں مقام پر فقہ اور مرغوب ہے، دلوں کو استغدر و فرحت ہوتی ہے، کہ لوگ بلا قید و موسم دو، دو تین، تین راتیں وہاں قیام کرتے ہیں۔

مزار مبارک کے سامنے جنوب میں اور بھی چند پختہ قبریں ہیں، غالباً حضرت شاہ صاحب کے خادموں کی ہونگی۔

آپ کا سلسلہ خاندانی حضرت سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ سے بیان کیا جاتا ہے، لیکن کوئی تاریخی یا دیگر کاغذی سند نہیں ملی، جسکے ذریعہ سے تصدیق کیجا سکتی۔

آپ کے وصال اور سروج آنے کا کوئی سال دست بھی معلوم نہ ہو سکا، مساجد کی ایک فہرست عہد فرخ سیر کی جو ہاتھ آئی ہے، اس میں مسجد متصل مقبرہ کا ان الفاظ میں تذکرہ ضرور درج ہے، (ہذا کردہ فخر الدین) چونکہ فہرست مذکورہ ۱۲۹۹ھ کی مرتبہ ہے جسکو آج تک ۲۱۵ سال ہوئے) اسلئے قیاس ہوتا ہے کہ آپ ۱۲۹۹ھ سے قبل سروج تشریف لائے اور مسجد بھی تعمیر کرائی، اور چونکہ مسجد اس وقت آباد تھی جسکے خادموں کیلئے خزانہ شاہی سے دیگر مساجد کے ساتھ وظیفہ بھی مقرر ہو گیا تھا اسلئے غالب قیاس یہ ہے کہ آپ یا آپکے خدام اس وقت حیات تھے۔ کیونکہ تارک الدینا گروہ کے سوا جنگل میں آبادی کے دور فاصلہ پر شہری مخلوق کا پنجگانہ تازا کرنے کی غرض سے جانا اور مسجد کا آیا درکھنا خلاف قیاس واقعہ ہے۔

۱۰ بزرگان دین جو دور سے کبھی کبھی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر فاتحہ خوانی کو جاتے ہیں وہ بیان کرتے ہیں کہ شاہ صاحب خواجہ صاحب کے بھانجہ تھے، جو بچپن میں مفقود و الجز ہو گئے تھے باوجود تلاش مولف کو تحریری سند ہاتھ نہ آئی ۱۲۱۱

۲۰) مزار حضرت مرزا جانی رومیؒ آپ کا مزار مبارک شہر کے اندر ظریف خاں کی کھڑکی کے متصل آبادی سے شمال میں کتھن ندی کے کنارے

ایک قدیم تکیہ میں واقع ہے، جہاں چند قبریں اور بھی ہیں، آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا مزار پختہ چار دیواری سے کسی زمانہ میں محیط تھا، قبر شریف کے شرقی پہلو میں پختہ دیوار بھی قائم ہے جس میں ایک لوح سنگین مستطیل شکل کی وصل ہے، جس پر نستعلیق فارسی حروف میں خواجہ حافظ رحمۃ اللہ علیہ کی حسب ذیل پوری غزل کندہ اور غزل کے نیچے تاریخ وفات کی ایک فارسی رباعی بھی درج ہے،

بسم الله الرحمن الرحيم

ما ز میخانہ و می نام و نشان خواہ بود	میرا خاک رہ پیر مغاں خواہ بود
حلقہ پیر میخانم ز ازل در گوش است	ماہانیم کہ بودیم وہاں خواہ بود
بر سر تربت ما چوں گذری ہمت خواہ	کہ زیادہ تگہ زندان جہاں خواہ بود
بر زمینے کہ نشان کف پائے تو بود	ساہا سجدہ صاحب نظراں خواہ بود
برو اسے زاہد خود ہیں کہ ز چشم من و تو	رازیں پردہ نہاں است نہاں خواہ بود
تربک عاشق کش من سست بروں ترا روز	تا کہرا خون دل امروز رواں خواہ بود
عیبستان کن لے خواجہ درین کہنہ رابط	کس ندانست کہ رحلت کجاس خواہ بود
چشم آندم کہ ز شوق تو بند سر بہ سجد	تادم صبح قیامت ننگراں خواہ بود
بخت حافظ گرازیں گو نہ مدد خواہ کرد	زلف معشوق بدست دگر اس خواہ بود

مطابق امر حضرت مرشدی رومی!

معذور مرزا جانی قدس سترہ فقیر محمد ولد کنائید

برزباغ عشق و عرفاں عارف باللہ غرور واصل عی نہیں جہاں جان و دل آگاہ برور



جسم از پیر خود تاریخ وصل اور بگفت میرزا جانی ز دنیا و ولایت اللہ برد  
تاریخی اشعار سے آپ کا عارف باللہ ہونا ثابت ہے، یہاں آپ کے خاندان سے آج ایک  
فرد بھی نہیں ہے، نہ اس کا کچھ پتہ چلتا ہے کہ کہاں سے اور کس سذ میں تشریف لائے، قدیم کاغذ  
جو جگہ جگہ دیکھنے میں آئے ہیں، اُس سلسلہ میں محض نامہ مرتبہ دلداریک، مہری قاضی جمال الدین  
مرحوم ۱۰۳۸ھ مؤلف کی نظر سے گزرا ہے، یہ محض نامہ اس مکان کی ملکیت کے استشہاد میں ہے  
جس میں حضرت مرزا جانی صاحب نے چلہ کنشی کی بھی جس سے صرف اس قدر معلوم ہو سکا کہ آپ کا  
اصلی نام شاہ ظہور اللہ، اور عرفیت مرزا جانی تھی،

رومی کی نسبت سے پایا جاتا ہے کہ آپ اطراف ملک روم کے رہنے والے تھے، واللہ اعلم  
۱۰۳۸ھ سال وفات کو آج تک ۲۳۸ سال ہوئے، یہ سنہ شہنشاہ عالمگیر کے جلوس کا انتالیسویں  
سال تھا،

د ۳) مقبرہ غوری شاہ شہر سے مغرب میں متاع پور کی طرف، کیتھن ندی کے ساحل پر  
واقع ہے، مقبرہ کے متصل مختصر خیمہ مسجد بھی ہے، مقبرہ کا گنبد بلند  
اندرا اور باہر چوٹ سے رنجیت ہے، ایک سمت دروازہ، باقی اطراف میں جالیاں ہیں، گنبد کے اندر  
چار قبریں ہیں، جنکے تعویذ سادہ پتھر کے ہیں،

مقبرہ کے متصل خاندان مذکور کے افراد سکونت پذیر ہیں، جنکے نام قلندر شاہ اور ننھے شاہ  
ہیں، مؤلف کو بتایا گیا ہے کہ چار قبروں میں سے ایک غوری شاہ، دوسری مظفر شاہ، تیسری  
شہباز رحمۃ اللہ علیہم کی ہیں، چوتھی قبر خود موجودہ میران خاندانی کے علم سے باہر ہے، کتبہ نہیں ہی  
جس سے سال وفات معلوم ہو سکتا، محمد شاہی سند مورخہ ۱۵ جلوس مطابق ۱۰۳۵ھ کے دیکھنے سے  
واضح ہے کہ نواب محمد خاں بہادر مظفر جنگ ناظم صوبہ الوہ کی سفارش پر بنام شاہ جمشید جانشین حضرت  
زبدۃ العارفین قدوۃ السالکین خاقان آگاہ شاہ مظفر اور شاہ شہباز رحمۃ اللہ علیہما کو بطور مدد معاش موضع  
چوند اٹھیری دربار شاہی سے عطا فرمایا گیا تھا، جو آج تک خاندان مذکور کے قبضہ و تصرف میں ہے،

ایک اور سند شاہی مہری محمد معظم شاہ عالم بہادر شاہ مورخہ ستمہ جلوس مطابق ۱۱۲۳ھ اس خاندان میں محفوظ تھی روسیہ بیکہ اراضی معانی غوری شاہ کو ملی تھی، اس سے واضح ہے کہ خاندان ننگوہا میں غوری شاہ سب سے پہلے یہاں آئے اور ۱۱۲۳ھ کے بعد اس کا وصال ہوا ہے، ان کے بعد مظفر اور شاہ شہباز ہوئے اور ان دونوں بزرگوں کے بعد شاہ جمشید عالم وجود میں آئے، انہی کی اولاد میں قلندر شاہ و ننھے شاہ بقید حیات ہیں۔

قلندر شاہ کا بیان ہے کہ غوری شاہ پنجاب سے آئے اور نرسل کی جھاڑی کا مگر مقبرہ متصل قیام فرمایا جب سے بدستور اسی جگہ خاندان کی سکونت ہے، بہر حال غوری شاہ کی یہاں آمد ۲۲۵ سال سے قبل کی معلوم ہوتی ہے، اس سے زیادہ ان بزرگوں کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔

**مقبرہ مجنوں شہید** شہور اور قدیم مقبرہ ہے، تعویذ قبر سادہ اور اس پر گنبدی عالیشان پنجتہ عمارت اور دروازہ پردہ و منزلہ درجہ مسقف ہے، اوپر کے درجہ نقار خانہ بھی ہے، جہاں اب بھی نقارے رکھے ہوئے ہیں، گنبد پر پتھر کی کلس چڑھا ہوا ہے، باوجود تحقیقات کے پتہ نہیں چلا، کہ کس نے آپ کا مزار بنوایا، اور کب بنا مقبرہ کے غریب میں لداؤ کی چھوٹی سی مسجد بھی ہے، جو نہایت قدیم معلوم ہوتی ہے، غالباً صاحب مزار کی حیات میں تعمیر ہوئی ہوگی، آپ کا مقبرہ مجنوں شہید کے نام سے معروف ہے، مگر شہادت کا واقعہ سننے میں نہیں آیا اور سوائے نام نامی کے اور کوئی محقق حالات بھی معلوم نہ ہو سکے، عوام مدد شہید کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

ایک سیم مؤلف نے یہ لبتہ دیکھی ہے کہ جب مسلمانوں نے کوئی صاحب دو لہا بنتے ہیں تو گھوڑے پر سوار ہو کر مزار پر سلام کہنے کی غرض سے ضرور تشریف لائے ہیں، ولیں اگر فاتحہ پڑھ لیتے ہوں تو سہ یہ وہی بزرگ ہیں جسکی نسبت یہاں زیادتی روایت مشہور ہے کہ سلطان شیر شاہ سوری کو آپ ہی نے سروج کی آبادی کا حکم دیا، اور شہر تین روز میں آباد ہو گیا، تین روز کی مناسبت سے سہ روز نام رکھا گیا، کثرت استعمال سے سروج ہو گیا، اسکی بحث وجہ تسمیہ کے عنوان میں دیکھو ۱۱ مؤلف

علم نہیں، قبر شریف پر کوئی کتبہ نہیں ہے، جس سے صحیح نام اور سال وفات دریافت ہو سکتا، آٹا  
و قرائن سے یہ مزار تمام دیگر مزارات سے قدیم معلوم ہوتا ہے،

آبادی قصبہ سے مغرب میں نصف میل کے فاصلہ پر  
(۵) مقبرہ حضرت شاہ ولایت

ہے، وہ جگہ متاع پور کے نام سے معروف ہے، لیکن عوام لب و لہجہ کی خرابی سے مکتا پور کہتے ہیں  
میاں متاع الدین شاہ کا آباد کیا ہوا پورہ ہے، متاع پور کی وجہ تسمیہ بھی یہی ہے، سطح آب سے  
۵۰ فٹ بلند ہوا زمین پر آباد ہے، مزار کے اوپر ۳۰ فٹ مرتفع گنبد اور گنبد کے اندر متعدد قبریں  
ہیں جو اسی خاندان کے بزرگوں کی بیان کی جاتی ہیں، گنبد کے متصل پانچ دروں کی پختہ مسقف مسجد  
اور سامنے کنواں ہے، گنبد کے اندر شاہ محمد سلیم، شاہ وجیہ الدین، شاہ سراج الدین اور ایک بی بی  
صاحبہ کی قبریں ہیں، اس خاندان میں اس وقت سید قطب الدین صاحب بقید حیات ہیں جنہوں  
نے اپنا سلسلہ نسب اس طرح بیان کیا ہے، سید قطب الدین، بن اکرم الدین، بن ولی الدین، بن  
شاہ متاع الدین، بن محمد سلیم شاہ ابن وجیہ الدین، بن سراج الدین، بن سید شاہ ولایت  
رحمۃ اللہ علیہم اجمعین،

ان بزرگوں میں سے شاہ ولایت، شاہ محمد سلیم، شاہ وجیہ الدین، شاہ متاع الدین مشہور  
سہتی کے درویش گذرے ہیں، سید قطب الدین صاحب کے پاس کوئی قدیم کاغذات باقی  
نہیں رہے، نہ وہ زبانی اپنے بزرگوں کے حالات بیان کر سکے، اراضی معافی ضرور قدیم سے  
ان کے قبضہ میں ہے، جس سے اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ دربار شاہی سے ان بزرگوں کو  
بطور مدد معاش معافیات ملی تھیں، شاہ ولایت نے مولا علی کی درگاہ کے نیچے قیام کیا تھا، جہاں  
آج تک ان کی بنا کردہ مسجد قائم ہے، شاہ ولایت وغیرہ کا سنہ آمد، سنہ وصال اور مولد کا کچھ پتہ  
نہ چلا، زبانی حکایت کشف و کرامات کی مشہور ہیں، شاہ متاع الدین رحمۃ اللہ علیہ نے نقل سکونت  
فرما کر متاع پور میں سکونت اختیار کی، مسجد سے شمال و مشرق کے گوشہ میں، اسی مسجد سے ۲۵ قدم

کے فاصلہ سے شاہ متاع الدین کا پختہ مزار ہے، اور اس مزار سے اسی گوشہ میں ۲۰ قدم کے فاصلہ سے شاہ ولی الدین کی قبر ہے، جنکی عرفیت نفعیہ میاں مشہور ہے، ان کا وصال غدر کے بعد ۸۵۹ء میں ہوا ہے، متاع پور میں اسلئے سکونت اختیار کی گئی کہ شاہ متاع الدین کے اسلاف پہلے سے یہاں مدفون تھے،

(۶) مقبرہ علی رضا بیگ (۶) آبادی شہر سے شمال میں ایک میل کے فاصلہ پر کتھن ندی کے کنارے واقع ہے ۲۵ فٹ طول میں ایک قلندری مسجد ہے

صحن مسجد سے لاہوا، ۸ فٹ مربع ایک پختہ چوترا سیاہ پتھروں کا خوبصورت بنا ہوا ہے۔ جبکی کرسی زمین سے دو فٹ بلند ہے، مرمت نہ ہونے سے چوترا کئی جگہ سے شق ہو گیا ہے، اس چوترا پر متعدد قبریں ہیں، بعض قبروں کے تعویذ بیرونی صدقات سے آوندھے ہو گئے ہیں بعض پتی جگہ قائم ہیں، اکثر تعویذوں پر اعلیٰ نقش و نگار بھی ہیں، ایک قبر کے تعویذ کے حاشیہ پر آیتہ الکرسی عربی خط میں کندہ ہے اور برابر کے دوسرے تعویذ کے بالین پر، کلمہ شریف اور آیتہ الکرسی عربی خط میں نقش ہے، یہ سب کچھ ہے مگر صاحبان مزارات کا نام و نشان اور سال ارتحال کچھ بھی درج نہیں ہے لیکن اس وجہ سے کہ جس جگہ چوترا مذکور واقع ہے، وہ جگہ علی رضا والا باغ کے نام سے مشہور ہے، قیاس ہوتا ہے کہ بانی باغ اور اسکے متعلقین کے مزارات ہونگے۔ دیگر خاندانی افراد کو غیر موقوفہ زمین میں دفن ہونے کا شرعی حق بھی نہیں تھا، علی رضا بیگ مزار آباد ترکمان بن راجہ خاں ترکمان کے بیٹے تھے، جبکہ مفصل تذکرہ خاندان قدیم کے ... بعنوان میں آگے آتا ہے۔

مقبرہ لا معلوم آبادی سے شمال میں کڑی محلہ کے گورستان مذکور کے قریب جھنگوالی الی کے نیچے دو چوترا ایک خط میں پندرہ فٹ کے فاصلہ سے واقع ہیں جنکی

کرسیاں سطح زمین سے آٹھ فٹ بلند ہیں۔ چوترا سیاہ پتھروں کے ہیں۔ ہر چوترا ۶ فٹ مربع ہے۔ چوترا کے کنارے ۸ فٹ ویز سرخ پتھروں کا حاشیہ ہے جن میں اعلیٰ درج کے نقش و نگار ہیں۔ چوترا کے وسط میں قبر کا تعویذ ہے جس پر قسم قسم کے پھول بوٹے تراش کر کاریگوں نے

اور جہاں سے ہیں، مغربی چبوترے پر جو تعویذ ہے اُس کے میرا نے کا کتبہ یہ ہے۔

## اللہ بانی

۱۹۹ھ

اور کوئی نام و نشان درج نہیں ہے۔ بظاہر کسی معزز مہتمی کی قبر ہے۔ اور چونکہ گورستان گوجر  
پٹھانوں کا ہے جو مقتدر و متمول قوم تھی۔ اس لئے قیاس یہی ہے کہ انہی میں سے کسی کی قبر ہے واللہ اعلم

۱۹۹ھ غلط کندہ ہوا ہے یا تو ۹۹۹ھ ہے۔ جبکہ صدی کے ہندسہ ۹ کو ہندسہ ۱  
کندہ کر دیا ہے، یا ۹۹۹ھ سے جسکی صدی کا صفر سنگ تراش کی غلطی سے کندہ ہونے سے رہ گیا ہے  
اسکی مفصل بحث کتاب کے دوسرے باب میں گذر چکی ہے۔

شہر کی آبادی سے گوشہ جنوب و مشرق میں منڈوی دروازہ  
سے باہر واقع ہے مقبرہ پنجتہ بیضاوی شکل کا پلا سٹر

## مقبرہ خواجہ عبدالہادی

کیا ہوا نہایت درجہ سنگین آج بھی بدستور قائم ہے۔ جبکا ارتفاع ۵ سٹفٹ اور دور ۸ فٹ ہے  
جنوب رو یہ مقبرہ کا دروازہ ہے، باقی تین اطراف میں ۹ فٹ طویل اور ۶ فٹ عرض سرخ پتھر وکی  
باریک باریک جالیاں ہیں، تمویذ قبر سادہ ہے، مقبرہ کے متصل اٹلی کے متعدد قدیم درخت ہیں جنکی  
شاخیں گنبد پر ہمیشہ سایہ کئے ہوئے رہتی ہیں۔ مزار پر کوئی کتبہ نہیں ہے۔ جس زمین پر قبر ہے وہ  
اور اسکے نواح میں جب قدر راہنی ہے خواجہ صاحب کی معافی میں تھی جس کے کچھ حصہ پر مزار اسم اللہ  
بیگ اور سید اصغر علی اس بنا پر قابض ہیں کہ یہ دونوں خواجہ صاحب کی دختر و اولاد سے ہیں  
مزار کے متصل شہر پناہ کے اندر مزار کے پنجتہ اور محلہ ہادی پور واقع ہیں۔ یہ دونوں یادگاریں  
خواجہ صاحب کی ہیں، ان تمام وجوہ سے اس خاندانی روایت کے تسلیم کرنے میں ذرا بھی شبہ نہیں  
کہ مزار مذکور خواجہ صاحب کا ہے۔ خواجہ صاحب کی وفات کی صحیح تاریخ نہیں ملی۔ تاریخ اور  
کاغذات قدیم سے اس قدر بہتہ ضرور چلتا ہے کہ خواجہ صاحب <sup>۱۰۰۰</sup> ۱۰۰۰ھ میں زندہ تھے

اور سلسلہ سے قبل وفات پا چکے تھے۔

خواجہ صاحب حضرت قطب الاقطاب خواجہ بہا الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے تھی اور سلسلہ عہد شاہجہانی میں سروج کی حکومت ان کے سپرد تھی، مفصل تذکرہ خاندان قدیم کے سلسلہ میں آگے آتا ہے،

خواجہ صاحب کے مقبرہ کے متصل شرق میں دو نہایت درجہ جین چو ترے اور بھی ہیں۔  
۴۸ فٹ ۸ انچ کا مربع ہے، ان چو تروں پر جو تعویذات ہیں وہ صنائی کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔  
گتہ کوئی نہیں ہے، لیکن اس قرینہ سے کہ یہ قبر بھی خواجہ صاحب کی اراضی معافی میں ہیں۔  
خواجہ صاحب ہی کے خاندانی لوگوں کی معلوم ہوتی ہیں۔ واللہ اعلم۔

مقبرہ خواجہ شیخ محمد صالح صدیقی آبادی کے اندر محلہ رکا گنج میں واقع ہے جہاں خواجہ صاحب کی بنا کردہ ایک

مسجد بھی ہے (دیکھو سلسلہ مساجد نمبر ۳) مقبرہ ۳۰ فٹ بلند اور ۳۵ فٹ محیط ہے۔ جنوب میں دروازہ ہے۔ باقی تین طرف سرخ پتھروں کی باریک باریک جالیاں ہیں، تعویذ قبر سادہ ہے۔ البتہ تعویذ کے حاشیہ پر پوری آیتہ الکرسی اور کلمہ طیبہ نقش ہے۔ دروازہ کے اوپر مستطیل شکل کی لوح سنگین وصل ہے، جس پر فارسی نستعلیق خط میں ذیل کے اشعار کندہ ہیں۔

ہاں شیخ صالح کہ پیش فلک	فروداشے گردن از انقیاد
وزیرِ فرد مندر کمال کہ داشت	برو پادشاہ جہاں اعتماد
بر فردوم از وفات رسول	چو اندر نماز عشا جاں بداد
پشروہش نمودم بتایخ آں	بگفتا فرد، منرش ظلم باد

تاکملہ در اقمہ نظامی

۱۔ حکماء عالمگیری ۵ ربیع الثانی ۱۰۵۵ جلوس مطابق ۱۰۵۵ھ۔ یہ حکماء میرا مسعود علی صاحب کے پاس محفوظ ہے ۱۲  
۲۔ کتبہ میں (در) کندہ ہے۔ یہ سنگ تراش کی غلطی معلوم ہوتی ہے در یہاں کوئی معنی نہیں دیتا صحیح (از) یا معنی ہو ۴

۶۸ سالہ جو خواجه صاحب کی رحلت کا سال ہے۔ اس حساب سے یہی سال شاہجہاں صاحب قرآن ثانی کی علالت اور نظر بندی کا سال ہے۔ اس حساب سے خواجه صاحب کے انتقال کو ۲۷ برس کا زمانہ ہوا۔ خواجه صاحب درحقیقت شاہجہانی وزراء میں سے تھے یا نہیں۔ اسکی بحث خواجه صاحب کے خاندانی تذکرہ کے سلسلہ میں آگے آتی ہے۔ مقبرہ فی الجملہ اپنی اصلی حالت پر ہے۔ اندر اور باہر سے پلا سٹر ہے، محلہ کے مسلمان باشندے حتی المقدور اسکی حفاظت کرتے ہیں، اسوقت نظامی کوئی شاعر گزرا ہے میں جنہوں نے مذکورہ الصدا تائید کی ہے۔

آبادی شہر سے شمال میں پڑانے  
**مقبرہ شجاع خاں عرف سوچے خاں** | پل کے قریب کیتھن ندی کے

کنارے واقع ہے، مقبرہ کی چوٹی سطح زمین سے ۳۵ فٹ بلند اور اسکا دور ۸۴ فٹ ہے۔ استرکاری چوٹے کی بیرونی و اندرونی حصوں میں بدستور قائم ہے، جنوب رو یہ دروازہ ہے باقی تین اطراف میں سرخ پتھر کی منقش جالیاں کا ٹکڑا وصل کی گئی ہیں۔ وسط میں تعویذ قبر سادہ ہے یہی قبر شجاع خاں کی بیان کی جاتی ہے، پہلو میں دو قبریں اور بھی ہیں جو اسی خاندان کے لوگوں کی ہیں۔

مقبرہ سے شرقی سمت ۱۰ فٹ کے فاصلہ سے ایک پختہ چبوترہ ۲۲ ۱/۲ فٹ طول اور ۲۲ فٹ عرض میں سیاہ پتھروں کا اور بھی ہے جس کی کرسی زمین سے ۲ فٹ بلند ہے۔ وسط چبوترہ پر قبر کا ایک تعویذ ہے، جو نقش و نگار کا ایک گلدستہ ہے، سب سے زیادہ کمال سیاہ پتھروں کے ہموار اور صاف کرنے میں دکھایا گیا ہے، جو چبوترے میں خوشنمائی کے ساتھ وصل ہیں۔ یہ پتھروں پر ہاتھ پھرنے سے سیاہ کا بچ کا گمان ہوتا ہے، بعض اوقات ترکہ پتھروں پر پھرنے سے کسی قدر انسانی عکس بھی نظر آتا ہے، ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس چبوترہ پر جو قبر ہے یہی شجاع خاں کی ہے۔ لیکن کتبہ نہونے سے کوئی صحیح رائے قائم نہیں کی جاسکتی۔ بہر حال گورستان

۴۴ اسلئے میں نے بجائے در کے از نقل کر دیا ہے اس سے پایا جاتا ہے کہ خواجه صاحب کا وصال ۱۴ ربیع الاول کو ہوا ہے۔

گو جڑ پٹھانوں کا ہے، انہی لوگوں میں سے کسی کی قبر ہے، دس بارہ سال کا زمانہ گذر کہ اتیار علی نامی ایک خاندانی ناخلف نے تمام اسلاف کی جائداد کو بیع کرنے کے بعد اخیر میں اس چوترہ کے چند پتھروں کو بھی غیر مسلموں کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ نظامت کے ذریعہ سے جب سرکار عالی کو اطلاع ہوئی تو اسکی مرمت کا حکم دیا۔ گو سنگ تراشوں نے ضائع شدہ پتھروں کی جگہ دوسرے پتھر نہایت محنت سے صاف کر کے وصل کئے ہیں، لیکن نہ وہ صفائی آئی، نہ ویسا سیاہ پتھر میسر ہوا۔ بہر حال آثار قدیمہ کی گو نہ حفاظت ہو گئی۔

شجاع خاں کے باپ کا نام خاں بیگ خان تھا اور یہ کئی بھائی تھے، فرخ میر کے عہد میں، الوہ کی طرف آئے۔ دوندے خاں برادر شجاع خاں بھی بڑے نامی شخص گذرے ہیں۔ نواب دلیر محمد خاں بہادر بانی ریاست کوروائی اور ان کے جانشینوں کے عہد میں اعلیٰ سطح خدمات انجام دی ہیں۔

کوروائی ریاست کے معزز کن اور منصبدار تھے، قلعہ کے متصل ان کا مزار ہے، شجاع خاں بھی اولوالعزم اور بہادر تھے، نواب دوست محمد خاں بہادر بانی ریاست بھوپال کی رفاقت میں بھی رہے، بھوپال میں (سوجے خاں کا اٹا) ان کی ایک عمارتی یادگار آج بھی قائم ہے۔ شاہی منصبدار بھی تھے، لیکن ان کی اولاد سے آج ایک بھی سروج میں نہیں ہے قومی خاندان کے دو چار گھر ضرور باقی ہیں، لیکن ان کے پاس بھی کوئی سند نہیں ہے، گو جڑ پٹھانوں کے باغات متعدد ہیں، معافی کی زمینیں بھی ہیں۔

شجاع خاں کے دیگر بھائیوں کی اولاد ریاست کوٹہ راجپوتانہ میں آج بھی معزز جاگیردار کی حیثیت سے باقی ہیں، ان میں احمد ترغی خاں، جاگیردار پیمپہ، تنظیمی جاگیردار مشہور ہیں۔ بدورا۔ ریاست مذکور میں بھی ایک جاگیردار اسی خاندان سے ہیں، سروج کا کڑی محلہ گوجر

لہ گوجر پٹھان۔ افغانی تاریخ میں کوئی تاریخ نہیں ہے، بعض واقعات کارگوں نے بیان کیا ہے کہ یہ قوم افغانستان میں دودھ دہی پیچنے کا پیشہ کرتی تھی، اسی انتساب سے گوجر پٹھان مشہور ہوئی، واللہ اعلم، مولف



پٹھانوں سے معمور تھا، بہادر اور متمول قوم تھی۔ اور اغلباً خاں بیگ خاں اور شجاع خاں کی وجہ سے  
سرونج آکر آباد ہوئی۔

شہر کے باہر آبادی اور ایوانِ حکومت کے جنوب میں لبِ مالا ب ایک  
چار دیواری <sup>علا</sup> مختصر قلعہ چار دیواری سے محیط ہے، دیوار ۱۲ اگزیلنڈ ہے جس میں چھوٹے  
چھوٹے طاق بکثرت ہیں۔ احاطہ کے اندر متعدد قبریں خام و پختہ ہیں، ایک گوشہ میں قلندری مسجد بھی  
ہے مسجد اور دروازہ کے متصل ایک قبر کے سرہانے دیواریں پتھر کی تختی پر ایک کتبہ ذیل کا  
نقش کیا ہوا دراصل ہے۔

روشن جہاں چورینیت غلبریں فرود سال ہزار و دوصد و پنجاہ دہشت بود

۱۲۵۸ھ

روشن جہاں مولوی سید محمد سعید صاحب مرحوم عامل سرونج کی اس منکوچہ بیوی کا نام ہے  
جو چھپرہ کی رہنے والی تو مسلمہ تھیں، چار دیواری کی بنائی تعمیر کی وجہ اس طرح پر تحقیق ہوئی ہے  
کہ جب نواب امیر الدولہ بہادر ٹونک کی مسند ریاست پر تنگ ہوئے تو ان کے ہم وطن اور  
ہم جلیس سید نجف علی اور سید حفیظ علی برادران جھٹکی قصبہ سنبل سے ٹونک پہنچے جنگی خاطر خواہ  
جہان داری ہوئی، چند روز کے بعد سرونج میں جاگیر عطا فرما کر میاں منور محمد خاں عامل سرونج کے  
پاس روانہ کر دیا، دونوں بھائی بیباک، غیور طبع، اور بہادر شجاع تھے، ایک روز اثنائے  
گفتگو میں عامل صاحب نے کوئی کلمہ سخت اور رکیم کہہ دیا، دونوں بھائی آگ ہو گئے بات  
نے استدر طول کھینچا کہ دونوں طرف سے تلواریں کھینچ گئیں۔ حکومت کا مقابلہ مشکل ہے تاہم دونوں  
بھائی بہادری سے لڑے اور مارے گئے۔

سید محمد سعید صاحب مرحوم ساداتِ قادریہ سے تھے ان کے بیٹے اصلی زوجہ سے سید احمد سعید مورخ (ابو سعید)  
سید حمید الدین رعنا مولوی سید عبدالرزاق کلامی تھے یہ سب وفات پانچکے، دوسری زوجہ سے حکیم محمد فضل سید نور الدین  
متخلص نور بقید حیات ہیں، روشن جہاں کے بطن سے دجید الدین ایک پسر تھے جو وفات پانچکے ۱۲

نواب محمد سعید خاں اور نواب سرور خاں جاگیر داران محال تال نے مطلع ہو کر اپنے مصارف پر تنہیز و تکفین کی، اور لب تالاب دونوں بھائیوں کی پختہ قبریں بنوا کر احاطہ کچھو ادا کیا۔ اس کے بعد عام و خاص لوگ اس میں مدفون ہوتے رہے۔

دہلی دروازہ کے باہر منگڑھ  
**یہودیوں اور فرانسیسیوں کی قبریں**

ہے۔ جبکہ تعویذ شرقاً و غرباً قائم ہے، تعویذ پر کتبہ بھی ہے جس کے تمام حروف مسخ ہو چکے ہیں پُرانے لوگوں نے اپنے بزرگوں سے سنی ہوئی یہ روایت بیان کی ہے کہ تجارت کے سلسلہ میں یہودیوں کی مختصر جماعت سرورج میں مقیم تھی، ایک یہودی نے یہاں وفات پائی، اور مدفون ہوا جس کی یہ قبر ہے، تالاب کے کنارے عام گورستان ہے، یہاں دو قبریں ایسی نظر سے گذری ہیں جن کے تعویذ قبر ۴-۴ فٹ طویل اور ایک ایک فٹ عریض سیاہ پتھر کے شرقاً و غرباً نصب ہیں دونوں تعویذوں پر نشان صلیب کے ساتھ کئی سطروں میں کچھ فرانسیسی خط میں لکھا ہوا ہے، لیکن حروف تقریباً بچکے ہیں، ایک جگہ بھی پڑھا نہیں جاتا۔ نہ سب معلوم ہو سکا، مولف کا قیاس ہے کہ یہ ان فرانسیسی فوجی افسروں کی قبریں ہیں، جو سرہٹوں کے راج میں ملازم تھے، اور جن کا اطراف مالوہ میں جنگ جلال کرنا تاریخ سے ثابت ہے، واللہ اعلم، موجودہ سرکاری کاغذات میں ان کا کچھ پتہ درج نہیں ہے،

### سلسلہ منادر

آبادی شہر کے اندر سرکاری کوٹ سے جنوب و مغرب  
**گردھاری جی کا مندر** (۱)

کے گوشہ میں واقع ہے، عمارت مندر کی وسیع اور مستحکم ہے۔ ایک فٹ کی کرسی دیکر پانچ چشموں کا دالان بنایا گیا ہے، جس کی چھت سنگین ستونوں پر قائم ہے، ہر چشمہ ۸ فٹ عریض اور ۳ فٹ طویل ہے، دالان کے غرب میں ایک چھوٹا سا درجہ ہے، جس میں گردھاری جی کی مورت سیاہ پتھر کی تراش کر نصب کی گئی ہے، اسی درجہ پر

۵۳ فٹ بلند گنبد ہے، جسکو یہاں کی زبان میں سُمرئی کہتے ہیں چوٹی پر گھس بھی ہے جس پر طلائی ورق چڑھا ہوا ہے،

علاوہ اس درمیانی درجہ کے شمال و جنوب اور مغرب میں بھی کئی درجے ہیں، سامنے چاہ بھی ہے، اور صحن بھی، بعض حصہ عمارت کا جدید ہے، اور جس حصے میں ۳۰ ستون ہیں اُس کے استیکام اور بھدڑے پن پر نظر کرنے سے زیادہ سے زیادہ تین ساڑھے تین سو سال کی عمارت معلوم ہوتی ہے موجودہ زمانہ میں قوم اگر حال نہا جن اس مندر کی مہتمم ہے لیکن مشہور یہ ہے کہ اس مندر کی مورت سینگر راجپوتوں کی بنوائی ہوئی ہے جو اس کے قدیم پرستار تھے، سینگر قوم (جو پرگنہ کے بعض دیہات میں سکونت پذیر ہے) اس قول کی تصدیق کرتی ہے، مندر کے پوجاری کا بھی یہی قول ہے جو قوم کا برہمن ہے، اور کئی لپٹ سے اس کے خاندان میں مندر کی خدمت منتقل ہوتی چلی آرہی ہے، مورت کے پاؤں کے نیچے کچھ مہندی میں حروف ضرور کندہ ہیں، لیکن بہت اندازاً نہ سے حروف کی شکلیں تقریباً منجھ ہو چکی ہیں، مؤلف خود مہندی رسم الخط سے واقف ہے بہت کچھ کوشش کے بعد کاغذ پر اس کا عکس لیا گیا تو ذیل کی عبارت پڑھنے میں آئی،

### (سری سینگر بنس سمت ۱۱۶ بکری)

سری سینگر بنس کے معنی مغز خاندان کے ہیں، چونکہ راجپوت قوم کی کل مغز زانی جاتی ہے اسلئے بلحاظ اعزاز خاندانی مذکورہ صدر جملہ درجہ ہوا ہے، گزیدہ میں بھی غالباً اسی کتبہ کے اعتبار پر سرونج کی آبادی سمت ۱۱۶ بکری کی ظاہر کی گئی ہے، جسکو آج تک ۸۲۳ سال کا زمانہ ہوا،

اس کا ثبوت نہیں ہے کہ ۸۲۳ سال سے مورت اسی جگہ قائم ہے، اس لئے کہ مورت منتقل بھی ہوتی رہتی ہے، بہر حال مورت جہاں اب قائم ہے، اور جو عمارت اس پر بنائی گئی ہے، بہ چار سو سال سے زائد کی نہیں ہے، بقول بعض روایت کے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ مورت کے ساتھ کی موجودہ عمارت بھی ہے، اس لئے کہ یہ تو قدیم طرز تعمیر کی اس میں ملامت ہے نہ تداومت کے

اُس میں کوئی آثار ہیں، مولف کا قیاس ہے کہ شیر شاہی دورہ ۱۶۴۹ء کے بعد جب تبدیل رہا  
چودھری قوم اگر وال نے سردیج میں سکونت اختیار کی ہے۔ اس وقف اس مندر کی عمارت بنوائی  
گئی ہے، جسکو ۱۵۴۵ سال ہوئے، یہی وجہ ہے کہ قوم اگر وال آج تک اس مندر کی مہتمم ہے۔

(۲۱) محلہ ٹوری میں واقع ہے اور دوسو مربع فٹ میں اسکی عمارت ہے  
**جینیوں کا مندر** شمال و جنوب اور مغرب میں تین دالان ہیں، شمالی دالان دوہرہ  
ستون دروں کا ہے، کل ۲۰ سنگین ستون ہیں۔ اور تینوں دالان پتھر کے شہتیر اور ٹیوں سے مسقف  
ہیں، ستون ویسے ہی جھڈے تراشے ہوئے نصب ہیں، جس طرح گردہاری جی کے مندر ہیں،  
جس درجہ میں مورت ہے اوس پر کوئی گنبد نہیں ہے، عمارت مستحکم اور سادہ ہے۔  
مندر کی شرقی دیوار میں ایک پتھر کی تختی وصل ہے جس پر کئی سطریں کندہ ہیں، لیکن ذیل  
کی عبارت کے سوا اور کچھ پڑھ نہیں جاتا۔

سمت ۱۶۳۱ بکرمی ماگہ سودی پانچ سو مبار  
پنڈت ٹوڈر فرسنگھ

اس عبارت سے مندر کی تعمیر کو سمت ۱۹۸۳ء تک ۵۲ سال ہوئے ہیں یہ وہ زمانہ ہے کہ  
ہندوستان اکبری حکومت کی برکات سے گلزار آباد تھا

(۲۲) **جینیوں کی چھتری** آبادی سے جانب گوشہ شمال و مغرب دامن کوہ میں ایک میل کے  
فاصلہ پر قوم پروار جن مت کی نیسوں کا چوترا ہے جس پر  
شمال و جنوب اور مغرب میں دالان بنے ہوئے ہیں۔ چوترا کے وسط اور چوترا کے شمالی پہلو  
میں متعدد چھتریاں قدیم ہیں، چوترا کی وسعت شمالاً و جنوباً ۹۰ فٹ مشرقاً و غرباً ۹۰ فٹ ہے  
جسکا پختہ فرش ۱۱ اور زمین سے ۳ فٹ بلند کرسی ہے، مغربی دالان دوہرہ ایک اکہرہ پانچ دروں کا  
۵۳ فٹ طول۔ اور ۱۰ فٹ عرض میں، دوسرا دوہرہ دالان ۳۰ فٹ طویل اور ۲ فٹ عرض

لے دیکھو سلسلہ ۷۷ آثار قدیمہ عام عمارات ۱۲ مولف

ہے، تینوں دالان سنگین شہتیر اور پٹیوں سے مسقف ہیں، دوسرے دالان کے وسطی دروازہ پر ذیل کا کتبہ کندہ ہو کر وصل ہے، جس کے حروف ہندی میں ہیں (سمت امتی میاں بدی، ڈاچند ماکچند بھلا) اس اعتبار سے عمارت ۸۴ سال کی معلوم ہوتی ہے، ڈاچند ماکچند بابیاں عمارت کے نام ہیں، اس چوترہ سے شمال میں ۱۰ سنگین ستونوں کا ایک قدیم دالان ہے، جس کی وسعت جنوباً و شمالاً ۱۰ اور مشرقاً و غرباً ۴۰ فٹ ہے، جنوباً و شمالاً ایک لائن میں آٹھ ستون ہیں، ۱۰ فٹ کا فاصلہ دیکر پانچ لائن قائم کی گئی ہیں، مغربی دلواریں ایک کوٹھری ہے، جس کے دروازہ پر ذیل کا ہندی کتبہ وصل ہے۔

(متی چیتا بدی ۵ سمر ۱۶۴۵ء چن ساہ پر سو بگنی)

اس حساب سے عمارت ۳۰۸ سال کی ثابت ہوتی ہے، خود طرز عمارت بھی قدامت کی شہادت ہے۔ مقام پر فضا ہے، چھوٹی چھوٹی جھاڑیاں چاروں طرف ہیں، بارش میں کچھ زیادہ بڑھ جاتی ہے، ہنود اکثر اس مقام پر جمع ہو کر جلسے کرتے ہیں، ان کے کا مہینہ جین مت قوم کے خاص جلسہ کا مہینہ ہے، پارس ناٹھ تہنگ ناٹھ کی موتیں جلوس کے ساتھ شہر سے نکل کر مقام مذکور پر جمع ہوتی ہیں، پانچ روز قیام رہتا ہے، مذہبی کتابیں پڑھی جاتی ہیں، اور ریاست کی طرف سے حفاظت کا کافی انتظام ہوتا ہے،

مندرموہن جی کا مندر (۴) قصبہ کے اندر چھپٹی میں واقع ہے، اس کی تعمیر جینیوں کے مندر کے طرز پر ہے اور کل عمارت ۱۵۰ فٹ مربع میں ہے شرقی روئے تین چشمے تین دروں کے ۲۰ فٹ عریض اور ۴۰ فٹ طویل ہیں، ہر چشمے میں بغلی ستونوں کے علاوہ سامنے دو دو ستون پتھر کے نصب ہیں سنگین شہتیروں اور پٹیوں سے دالان مسقف ہے فرش پر پتھر کے ہموار ٹکڑے چنے سے وصل ہیں، سامنے ایک چھوٹا سا دروازہ کوٹھریکا ہے جس کے اندر مندروہن جی کی تصویر رکھی ہوئی ہے، جس کی پرستش کی جاتی ہے، متعدد کوٹھیراں بھی ہیں، تصویر کے پانوں کے نیچے ذیل کی عبارت پڑھنے میں آتی ہے،

چھت کے ایک سنگین شہتیر بھی ہندی میں کچھ لکھا ہوا ہے، کوشش کے بعد صرف اس قدر پڑھا جاسکا،

وہم کہ ۱۶۳۴ ماسے ماویہ

مانے مادہ ہوسنکرت زبان میں میسا کہ کو کہتے ہیں، اس سے صرف اسقدر پتہ چلا کہ میسا کہ  
سمت ۱۶۳۰ بکرے میں مندر کی تعمیر مکمل ہوئی ہے، جسکو آج تک بمقابلہ سمت ۱۹۸۰ ۶۴ سال کا زمانہ ہوا  
اس حساب سے جینیوں کے مندر کے مقابلہ میں ۶ سال کے بعد اسکی تعمیر ثابت ہوتی ہے۔  
یہ مندر چھپیوں کا بنوایا ہوا مشہور ہے، محلہ بھی انہی کا ہے، جہاں دوڑ ڈائی سو چھپیوں کے مکانا  
تھے، آج اس قوم کا ایک فرد بھی اس محلہ میں آباد نہیں ہے، ہندو مسلمانوں کی مختلف قومیں  
البتہ آباد ہیں

قصبہ کی آبادی سے جنوب میں ایک میل کے فاصلہ سے متصل  
دوسرے سوہرہ ویران ایک مکمل تصویر سیما چھڑکی گہٹنوں تک

## جینیوش کی موت

زمین میں گڑھی ہوئی ہے، باقی تمام جسم نمایاں ہے، اس جگہ نیچے عمارت اور کنوئیں کے بھی آثار پائے جاتے ہیں، جس سے یہ قیاس ہوتا ہے کہ مورت قدیم زمانہ میں عمارت کے اندر رہی ہوگی تصویر کے سیدھے بازو پر کئی سطروں میں ہندی رسم خط میں کچھ لکھا ہوا ہے، سمر ۱۱۲ توصاف پڑھنے میں آتا ہے، باقی عبارت یہاں کے پٹلوں سے بھی نہیں پڑھی گئی، حروف مسخ ہو چکے ہیں۔ یہاں کے لوگ اس مورت کو کانی تیلین کے نام سے یاد کرتے ہیں، مؤلف نے تصویر کی نشانیں

کو دیکھ کر جب یہاں کے جنینوں سے تذکرہ کیا تو انہوں نے اول تو لاعلمی ظاہر کی، اور جب  
 لے جا کر انکو تصویر دکھائی تو انہوں نے اپنی مذہبی تصویر تسلیم کر کے مولف کی تلاش کا شکریہ ادا  
 کیا، تصویر مسطور الصدر کی تکمیل کو ۱۹۸۳ء تک ۸۷ سال کا زمانہ گزرا گرد ہاری جی کے مندر کی  
 مورت سے بھی ۴۸ سال پہلے کی یہ مورت ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ۸۷ سال پہلے  
 سرورج میں جنینوں کی آبادی تھی -

## عام عمارات

درگاہ حضرت مولانا علیؒ | عوام اسکو مولانا علی کی ٹیکری کہتے ہیں شہر سے شمال و مغرب کے  
 گوشہ میں پاؤ میل کے فاصلہ سے ایک پہاڑی واقع ہے  
 جو سطح زمین سے تین سو گز بلند ہے، جانے والے جب پہاڑی پر چڑھتے تو انکو ۳۰۰ گز  
 پہاڑی کا راستہ نامہوار ملے کہنے کے بعد صدر دروازہ تک پہنچنے کیلئے ۲۶ سیر حیاں طے  
 کرنی پڑیں گی، پھر اونکو دروازہ میں داخل ہونا پڑے گا، جو ۱۲ فٹ چوڑا اور ۲۸ فٹ بلند ہے  
 جس میں چوٹی کیوڑ لگے ہوئے ہیں، دروازہ سے صحن تک پہنچنے کے لئے پھر ۶ سیر میوں سے  
 گزرنا ہوگا، صحن ۴۹۰ گز مربع کا ایک ہموار سطح ہے، جو چار دیواری سے محدود ہے، صحن  
 کے مغربی سمت متعدد پختہ قبریں نظر آئیں گی، مغربی اور جنوبی دالان منہدم اور اس کے سنگین ستون  
 اپنی کرسیوں پر قائم نظر آئیں گے، صدر دروازہ پر خوشنما بنگلہ مسقف ہے، اور اس بنگلہ کے  
 شمالی و جنوبی پہلو میں جو دالان ہیں، وہ البتہ سالم اور مسقف دکھائی دیں گے، صحن میں داخل  
 ہونے کے بعد جب جنوب کی طرف زائرین رخ کریں گے تو ایک سہ درہ نقار خانہ اونکو ملیگا۔  
 جہاں متعدد بڑے اور چھوٹے نقارے آہنی اقتیاط سے رکھے ہوئے ہیں، نقار خانہ سے  
 پھر جنوب کو گزر ہوگا تو پختہ فرش کا صحن ملے گا، جس کے غرب میں تین دروں کی اکھری اور  
 مسقف مسجد ہے، اور صحن کے وسط میں ۳ فٹ بلند اور ۴ فٹ کا مربع پختہ چبوترہ نظر آئے گا

جس پر پہلے ایک درخت برگد کا تھا، جو گر گیا ہے، اوی کی جگہ دوسرا درخت نیب کا نصب ہوا، درخت کی جڑ میں چنبیلی کا بھی درخت ہے، جو برسات میں کثرت سے پھول دیتا ہے، اسی چبوترہ کے وسط میں زائرین کے لئے ۹ انچی طویل پتھر کا ایک ٹکڑا نصب کیا ہوا ملیگا، جس پر نقش پا ہے، یہی وہ نقش پا ہے، جسکو عوام حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نقش پا بتاتے ہیں، اور نہایت حسن عقیدت سے زیارت کر کے لوہان، سجور، سلگا سٹے اور چروخی دانے تقسیم کرتے ہیں، جمعرات کے دن ہندوؤں اور مسلمانوں کے گھڑوں اصحا عموماً زیارت اور فاتحہ خوانی کو جاتے ہیں،

اساٹھکا مہینہ شیکری کی آبادی اور رونق کا خاص مہینہ ہے، اس مہینہ کی چاروں جمعرات کو میلہ ہوتا ہے، کیتھن ندی سے لیکر دامن کو ہجہ تک دوکانیں ہوتی ہیں، زائرین اور شائقین کا جھوم ہوتا ہے، عقیدت مند حضرات نقش پانک پنچکر زیارت کرتے، اور مٹھائی تقسیم کرتے ہیں، عجائروں کے لئے حقوق کا دروازہ کھل جاتا ہے، کشتی، بٹیشی، پٹا، پیری بگد کا، کی علیحدہ نمائش ہوتی ہے، تماشا یوں سے استادان فن کو داد ملتی ہے جسکے شکر میں جھک کر سرت آمیز سلام کرتے ہیں، غرض ہندو اور مسلمانوں کے تمام فرقے خوش پوشاکی میں نظر آتے ہیں، عورتوں کا جھرمٹ الگ نظر آتا ہے، اس مہینہ کی آخری جمعرات کو بہت زیادہ جمع ہوتا ہے،

مولف نے بھی ۲۵ سال پیش سیر و تفریح کا خوب لطف اٹھایا ہے، جبکا نقشہ اب تک آنکھوں کے سامنے ہے،

ساکنان سر کوئے تو بنا سندن ہوش کان زمینست کہ آسنا ہمہ مہنوں باشد  
اب جبکہ ہوش آیا، اور اس نقش پا کی نسبت تحقیقات کی تو صرف اتنی بات ثابت ہوئی  
کہ شہنشاہ عالمگیر کے عہد سلطنت میں عادل خاں اور رسول خاں ساکنان سروخ بیت اللہ شریف

لے مکنامہ مہری و دستخطی شیخ خدوم صدر الصدور عالمگیری مرقوم ۱۳۳۱ھ (جو محمد رفیق خاں ابن منگل خاں پٹاڑی  
مجاور کے پاس محفوظ ہے) عالمان و متضدیان حال و استقبال پر گئے سروخ سرکار چندیری مضافت صوبہ مالوہ  
بدانند، عادل خان ساکن سروخ ازج بیت اللہ شریف فارغ شدہ بخت اشرف رسید و انرا آنجا یک خشت  
(باقی صفحہ آئندہ)



ہوتے ہوئے بخت اشرف پہنچے، اور وہاں کے مجادروں سے تبرکاً دو اینٹیں حاصل کرتے ہوئے سروج واپس آگئے، موجودہ پہاڑی پردوںوں اینٹیں نصب کرویں فرط عقیدت کے خیال سے وہاں مسجد اور دالان کی عمارت بھی بنوائی، جا روپ کشی کی خدمت بھی انجام دینے لگے، دربار شاہی سے ۹۲۰ سہمہ میں ۷۰ بیگہ زمین معافی بھی حاصل کی، رفتہ رفتہ مجادروں کے تصرفات سے وہی اینٹیں سنگین نقش پاکی صورت میں جلوہ گر ہو گئیں، جنگی طرف مخلوق پہلے سے زیادہ تر رجوع ہونے لگی، اب ان متبرک اینٹوں کا پتہ تک نہیں، ایک پتھر کے ٹکڑے پر کسی عقیدت مند نے نقش پاکندہ کر کے نصب کر دیا ہے، عوام کو تحقیق کی ضرورت نہیں اور خواص مشرک بدعت سمجھ کر احتراز کرتے ہیں، یہی سبب ہے کہ نواب سین الدولہ محمد علی خاں بہا

مبارک گرفتہ سروج معاودت نمود، آگشت را بر سر کوہ شرق رویہ داشتہ دالان و مسجد بنا ساخت لواحقان عادل خاں جا روپ کشی می نمایند، بستی بیگہ اراضی معافی تابع زیارت گردانیدہ، شد باید کہ کسے مزاحم نشود، فقط

دیگر

محرر نامہ ہری قاضی سید امجد علی نوشتہ سنہ ۱۲۱۵ سے واضح ہے کہ عادل خاں اور رسول خاں بخت اشرف سے دو اینٹیں لائے تھے، (یہ محضر نامہ بھی محمد رفیق خاں کے پاس محفوظ ہے) سلہ سندھری حضرت محی الدین اوزنگ زیب عالمگیر، (شعبان سنہ ۱۰۹۲ یم نجم ذی الحج، بستی و شتم جلوس والا۔ یا ایہا الذین آمنوا طیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم

دیں وقت فرمان والا شان صادر شد کہ موازی بستی بیگہ اراضی افتادہ لائق زراعت خارج از مجمع از پرگنہ سروج سرکار چندی ری مضاف صوبہ مالوہ در وجہ مد و معاش شیخ سعد اللہ و شیخ فتح محمد خادم در گاہ مشکل کشا حسب الفرض مقرر باشد کہ حاصلات آنرا صرفت معیشت خود نمودہ بدعا سائے بقائے دولت ووز افزوں مضبوط نماید، باید کہ حکام و عمال و جاگیرداران و کمر وریان حال و استقبال اراضی مزبورہ یہودہ و چک بستی یہ تصرف او باز گزاردند و اصلاً مطلقاً تغیر و تبدل بدان راہ نہ مہند، فقط

نے عمارت کے کچھ حصہ کو منہدم کر دیا تھا، لیکن اُن کے بعد عقیدتمندوں نے دوبارہ مرمت کرائی ہے، اراضی جو ملی تھی، وہ اب تک ریاست کی طرف سے بھی بحال ہے، اسکے علاوہ بانی ریاست نواب امیر الدولہ بہادر کی طرف سے بھی بذریعہ سند موروثہ چہارم جمادی الثانی ۱۲۳۳ھ موضع بلیٹندہ درگاہ کے مصارف کے لئے عارف شاہ خادم کو ملا تھا، اب گانوؤں کے بجائے موضع نقد سالانہ ریاست کی طرف سے دئے جاتے ہیں،

بارش میں تقریبی جیلے یہاں اکثر ہوتے ہیں، سواد سر و سنج میں اس سے بہتر دوسرا منظر نہیں ہے، درگاہ کے اندر اور باہر سیکڑوں قبریں ہیں جن پر کوئی کتبہ نہیں ہے، مصدر دروازہ کے باہر جو قبریں ہیں اونہیں سے ایک خام قبر ہے جس کی نسبت مولف سے ثقہ لوگوں نے بیان کیا ہے کہ رانا بیتی مادھو والی چند پوٹیسوارہ کی قبر ہے، انہی لوگوں کا حشیم دید بیان ہے کہ محلہ حاجی پور کے مندر میں ہندی فقیرانہ لباس میں مدتوں رہے، مرض الموت میں شہر کے معزز لوگوں کو پاس بلا کر اپنے اسلام کا اظہار کیا، اور اپنا نام و پتہ بتا کر مریت کی کہ اہل ہنود انکو اپنے مذہبی رسم کے مطابق جلانے تپائیں، یہ رانا بیتی مادھو وہ مشہور راجہ ہے جس نے نواب واجد علی شاہ کی بیگم کی رفاقت میں انگریزی افواج سے غدر کے زمانہ میں جنگ کی تھی۔

سلجھ مہر نواب امیر الدولہ بہادر (غزوہ میرساہی مستباب توکل را) شافعی، وز عسقر ساقی آب کوثر حضرت شاہ مرتضیٰ علی اسد اللہ انصاری رحمہ اللہ وجہ قدس سرہ العزیز وینر تپا بر روضہ جو وج آرائے عصمت نامتناہی انیس افزائے غفیت الہی حضرت خاتون جنت زاد اللہ شرفاً چودھریان وقانون گویان وزینداران و عالمان حال و استقبال پر گز سر و سنج سرکار چندیری مضاف صوبہ بالوہ بداند، موضع بلیٹندہ ابتدائے سال حال ۱۲۸۲ھ فی نیاز ریاب جناب ہدایت قباب از حضور مقرر و مضمون منودہ یا شد باید کہ دریں کار توقف نہ فرمائی الفور موضع مذکور را بہ تصرف میان عارف شاہ خادم درگاہ صاحب سجد الاحیاء و الگزارند کہ نامبروہ بفرارغ بال و جمیت خاطر صرف معیشت خود منودہ بدعائے ترقیات دولت آید مقرون اشتغال و مواظبت و اشدت باشند دریں باب تاکید اکید و قدغن شدید پنداشتہ حسب التحریر بل آرد سر موتمنک نور زند چہارم جمادی الثانی ۱۲۸۲ھ

نواب مرید محمد خاں مدارالہام بھوپال کی بھی قبر درگاہ کے اندر ہے، مگر کسی نے مولف کو اسکا پتہ نہیں بتایا، تاریخ الملوہ کی روایت ہے کہ درگاہ کے اندر قبر ہے، ۱۲۱۱ھ میں بالاراؤ مرہا سیندھیہ نے مرید محمد خاں کو درگاہ کے غریبی میدان میں کئی روز تک قید رکھا، شرم و غیرت کے تقاضے سے اُس نے نیکہ اللہ اس کھا کر جان دیدی، چونکہ اُس نے ننگ حرامی کی تھی اس لئے نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ والی بھوپال اپنی تاریخ تاج اقبال میں یہ جملے لکھنے پڑے،

افغانان بھوپال مرید محمد خاں را یہ بدی یاہ می کنند اگر بہ سروخ میروند بر قبر بجائے قاتل پنج پاوش زدن واجب می شناسند (صفحہ ۲۲ و ۲۳ - رلہ)

میاں خاکی شاہ اور گھوڑا شاہ مہورکالمیں کی بھی قبریں اسی درگاہ کے اندر ہیں۔

عام طور پر کوٹ کے نام سے مشہور ہے، شہر کے جنوبی سمت **ایوان حکومت** (۲) رقبہ سرحدی، اور مغربی ۸۶۵ گز مربع میں واقع ہے، جس میں دو

دروازے ہیں، بڑا دروازہ شمال میں اور چھوٹا جنوب میں ہے، بڑا دروازہ جو صدر دروازہ کہلاتا ہے، اسکا ارتفاع ۱۸ فٹ اور عرض ۹ فٹ ہے، اور اس دروازہ کا کل رقبہ ۲۵ فٹ طول اور ۲۰ فٹ عرض کل ۵۰۰ فٹ مربع ہے، دروازہ کے چاروں گوشوں کی دیواروں کا آثار نو۔ نو فٹ ہے، جس کے اوپر لداؤ کی پھت ہے اور چھت پر تین درکا چھوٹا سا خوبصورت بنگلہ ہے اس بنگلہ میں سرکاری نویت و تقاریر رکھے جاتے ہیں، التوار کو بہترین گھنٹہ کے بعد چار مرتبہ نقارہ شہنائی کے ساتھ، باقی ادر دنوں میں روزانہ شام و صبح کو بجایا جاتا ہے، نقارہ نواز اور شہنائی نواز ملازم ہیں، ماہ رمضان المبارک میں توپ کے علاوہ افطار اور سحری کے اوقات میں بھی اعلان کے لئے نقارہ بجاتا ہے، اسی بنگلہ کے مشرقی پہلو میں باؤٹا رمل حکومت (قلم ہے جس کے سفید کپڑے پر ہلال و تارے کا سرخ نشان ہوا میں اوڑتا ہوا نہایت درجہ دیدہ زیب معلوم ہوتا ہے التوار کو چار وقت نویت بجنے کی وجہ سے یہ ہے کہ حضور غلہ آشتیاں نواب مستطاب میر اللہ

بہادر کو اسی دن سرویج پر قبضہ حاصل ہوا ہے، جسکی یادگار میں اوسوقت سے توبت خانہ مستقل عہد ملازم ہے، دروازہ کے شرقی و غربی سمت پہرہ والوں کے آرام و قیام کے لئے چوتھے پختہ بنے ہوئے ہیں، سرکاری گھنٹہ بھی اسی دروازہ کے ایک گوشہ میں آویزاں رہتا ہے، چھوٹا دروازہ کڑیوں سے مسقف ہے، اور اس پر بھی بنگلہ ہے، دروازہ کے نیچے تو پختانہ کا غلہ رہتا ہے اور بنگلہ پر رسالہ دار سرکاری کا قیام ہے، اس سرکاری حصار کے اندر متعدد دکانا ہیں، جسکی تفصیل مندرجہ ذیل میں درج کیجاتی ہے

(۱) دفتر مال، صدر دروازہ میں داخل ہونے کے بعد تین گز صحن طے کر کے شرقی و جنوبی گوشہ میں ایک دوسرا دروازہ ملتا ہے، دروازہ میں داخل ہونے کے بعد پھر ستر گز کا مربع دوسرا صحن آتا ہے، جس کے وسط میں پاکہر کا درخت نصب ہے اس درخت کے سامنے تین دروں کی جو عمارت ہے اسی کو مال کا دفتر کہتے ہیں، پہلا اور دوسرا درجہ مسقف ہے جس کے تین در ہیں۔ تیسرا درجہ لداؤ کا ہے، یہی حصہ قدیم ہے، اس کی دیوار کا آثار چار فٹ ہے، اور لداؤ کی کل عمارت کا رقبہ ۲۰ گز طول اور ۶ گز عرض میں ہے، مغربی سمت میں مالخانہ نظامت اور دفتر شریعت کے چھوٹے چھوٹے حصے محدود کر دیئے گئے ہیں، اور مشرقی رخ بندوبست اور قانون گوئی کے کاغذات کا ..... دفتر ہے، اوسط میں صرف ۳۰ فٹ طول اور ۱۸ فٹ عرض میں ایک ہال ہے جہاں نظامت کے عملے کی نشست ہے، اور جو دوسرا درجہ مسقف ہے، اس کے شرقی گوشہ میں بیت المال یعنی خزانہ سرکاری ہے جو ۱۹۰۰ء میں تعمیر ہوا ہے، جہاں حفاظت کے لئے سرکاری پلیٹن کے جوانوں کا پہرہ رہتا ہے، لداؤ کے درجہ کے اوپر شرقی سمت دو درجہ کا بنگلہ مسقف ہے، جس میں غرب و شرق میں در ہیں۔ اور پیش دالان ہے، یہ بنگلہ بعد نظامت صاحبزادہ وزیر محمد خاں تعمیر ہوا ہے جو نواب وزیر الدولہ بہادر کے داماد اور سرویج و چھترہ کے مقامی عالموں کے نگران افسر تھے، سرویج کے دورہ کے زمانہ میں نواب صاحب بہادر اسی بنگلہ میں فرود گئے ہوئے ہیں، ناظم صاحبان کا بھی قیام اسی بنگلہ

میں اور اس کے متعلقہ درجوں میں رہا کرتا ہے، وسطی درجہ کے اوپر بھی ایک بنگلہ ہے، جسکی تہیم از سر نو ۱۹۲۵ء میں بعد نظامت نشی غلام بہار الدین خان صاحب اجیری ہوئی ہے، اس بنگلہ کے سامنے سائبان بھی ہے، جو نہایت شاندار معلوم ہوتا ہے۔

(۲) دیوان شریعت

دفتر نظامت کے مغربی پہلو میں واقع ہے، جسکا طول ۲۰ فٹ اور عرض ۲۴ فٹ ہے، عرض میں دو درجے ہیں اور ہر درجہ میں تین دروں کا ہے، جس میں پتھر کے مٹمن ستونوں نسب اور دونوں درجے چوٹی کراپوں سے مسقف ہیں،

(۳) فراش خانہ

پاکہر کا درخت جس ان روئی صحن میں واقع ہے، اسکے مغرب میں ۶۰ فٹ طول اور ۱۸ فٹ عرض میں قدیم لہذاؤ کا مکان ہے، جس میں متعدد درجے ہیں، ان میں سرکاری فرنیچر اور دیگر فرنیچر سامان محفوظ رہتا ہے، جو سرکاری دورہ کے وقت کام میں آتا ہے، ۲۰ سال قبل اسی عمارت میں محمدی مطبع قائم تھا،

(۴) عدالت مجسٹریٹری درجہ اول کا دفتر اور محافظ خانہ مال۔

درخت مذکور سے مشرق میں بجواب فراش خانہ سرکاری اسپتار طول و عرض میں کئی درجوں کا قدیم مکان ہے، جس کے سامنے غرب روئی ٹین پوش سائبان بھی ہے، ایک درجہ میں جس کے تین دروازے ہیں، خاص عدالتی دفتر ہے، جہاں صاحب مجسٹریٹ اجلاس فرماتے ہیں، اسکے برابر شمالی پہلو میں اہلکاران عدالت کی نشست ہے، اور اسی کے مشرق میں پائین باغ کی طرف ٹین کی یادروں کا خوبصورت سائبان ہے، جو صاحب زادہ محمد صدیق خاں بہادر دیر جنگ،

آپ امی الدولہ مین الیک نواب مرزا حاجی محمد خاں بہادر مشہور و سابق میرنشی راجستان کے حقیقی نواسہ ہیں، اجیر مولد و مسکن ہے، اجیر کشتری میں نائب تحصیلدار تھے، ریاست نے گورنمنٹ سے آپ کی مستعار خدمت حاصل کرتی ہے، ۱۲ مولد

متنازل امرا معظم الملک کے عہد نظامت ۱۸۹۹ء میں بنایا گیا ہے، اسکے برابر شمال میں محافظ خانہ مال ہے، ان تمام درجوں کے اوپر بھی متعدد کمرے ہیں جو بعد کے تعمیر شدہ معلوم ہوتے ہیں۔  
(د) پائین باغ،

محیطی اول کے کمرے کے متصل جنوبی پہلو میں ایک چھوٹا سا دروازہ ہے۔ اس کے اندر داخل ہونے سے سامنے مشرق میں باغیچہ نظر آتا ہے، یہ باغ مسکے میں ہے اس کے اندر قدیم پنختہ ایک چاہ بھی ہے باغ میں ہر قسم کے پھلوں اور پھولوں کے درخت ہیں، مستقل عملہ اس کی صفائی اور نگرانی کے لئے ملازم ہے۔

(۲) حمام شاہی،

پائین باغ کے جنوب میں چھوٹے دروازہ کے متصل پنختہ قدیم حمام بنا ہوا ہے، جبکہ اندرونی حصہ بدستور قائم ہے، ہمارے باہر حمامی چاہ سے ملا ہوا اسکا خزانہ ہے، گلاب شلستہ ہے، لیکن نہایت درجہ مستحکم ہے، حمام کے تین درجے ہیں، پہلا درجہ تین دروں کا ہے، اوسکے محاذ میں دوسرا درجہ ایک در کا ہے، اوس کے بعد تیسرا درجہ (۱۲۰) مربع لداؤ کا نہایت خوشنما ہے، اس میں نہانے کے لئے آٹھ درجے ہیں، ہر درجہ میں نلوں کے نشان پائے جاتے ہیں، نہانے کی جگہ چھوٹے چھوٹے حوض مربع اور متطیل شکلوں کے بنے ہوتے ہیں، نواب امین الدولہ بہادر نے اسکی مرمت بھی کروی ہے، بہر حال حمام آثار قدیمہ سے ضرور ہے، اور اب اس قابل ہو گیا ہے کہ کام میں لایا جاسکے، دروازہ پر ذیل کے اشعار نہایت عمدہ نستعلیق خط میں کندہ ہیں

اللہ اکبر

ثانیستہ بنائیت کہ خان عادل      بنیاد نہاد اندریں عالم گل  
در چشم زمانہ خوشتر از مرغ چشم      در چشم جہاں گرم تر از نازد دل  
بنای این حمام را راجب المرحب      ۱۵۷۶ ہجری با تہمام مندرہ

ملک احمد آباد و صافیت تاج ٹوبک صفحہ ۵۵ میں لکھتے ہیں کہ حمام عہد عالمگیر میں مکمل ہوا ہے، یہ غلط ہے ۱۵۷۶ ہجری (بقیہ صفحہ آئندہ)

کترین خواجہ دلس شایستہ خاں یمنی تیار شد۔

۱۷۵۷ء شایبہاں صاحبقران ثانی کے اورنگ نشینی کا اونیواں سال ہے، جسکو آج تک ۲۲۸ سال ہوئے، یہی سال اس حمام کی تعمیر کا ہے، حمام کے دیکھنے سے پہلے عام شہرت کی بنا پر مولف کا بھی پرخیاں تھا کہ نواب شایستہ خاں امیر الامرا کا بنوایا ہوا ہے، لیکن کتبہ کے دیکھنے سے وہ خیال جاتا رہا، نواب شایستہ خاں یمن الملک امیر الامرا شہنشاہ عالمگیر کے حقیقی داماد کا خطاب ہے، جو میرزا ابوالحسن الحافظ آصف خاں کا بیٹا اور ممتاز محل زوجہ شاہجہاں کا بھائی تھا گو وہ ۱۷۵۷ء کے بعد تک زندہ رہا، لیکن اسکا سرو بیچ آنا اور حمام بنوانا قطعی ایکل فسانہ حمام کا بانی عادل خاں مقامی شفق دار (عال) گنداپہ ہے۔ اس کے دستخطی چند پردے مولف کی نظر سے گزرے ہیں، جو قاضی مرتضیٰ صاحب کے کاغذات میں مخلوط ہیں، لیکن اسکا تہ نہ چلا کہ یہ صاحب کہاں کے رہتے والے تھے، اور اس کے بعد کہاں منتقل ہوئے یہاں اس کے خاندان کا کوئی فرد باقی نہیں ہے، جن سے مفصل حالات معلوم ہوتے خواجہ دلس شایستہ خاں یمنی کے اہتمام و نگرانی میں حمام تیار ہوا ہے، یہ صاحب محکمہ تعمیرات کے مہتمم تھے جیسا کہ کتبہ کی عبارت سے ظاہر ہے۔

(۷) دیوان عام -

صدر دروازہ کے اندر داخل ہوتے ہی بائیں ہاتھ پر دیوان عام ہے، جس کو موجودہ فرمانروائے ریاست ٹونک نواب امین الدولہ کے حکم سے نجفی سید محمد خاں بہادر نظر جنگ ناظم سروج المتونی ۱۳۲۵ھ نے تعمیر کرایا ہے، طویل اسکا شرقاً و غرباً، اور عرض شمالاً و جنوباً ۲۴ فٹ ہے،

شرق و غرب میں ۹۱۹ فٹ عرض کے دو کمروں کے آگے ۵۵ فٹ کی گیلری ہے باقی ۲۲ فٹ میں ۱۲، ۱۲ فٹ عرض کے دو درجوں کا آل ہے پہلے درجہ میں ۳ محرابی در، اور دوسرے

(بقیہ صفحہ گذشتہ) شایبہاں عہد تھا، عالمگیر شہزادہ میں تخت نشین ہوا ہے ۱۲ مولف

درج میں غیر محرابی ۳ درج ہیں ، اور ہر درج میں دو ، دو ٹمن ستون منقش کرسول پر قائم ہیں ، کل حصہ دیوان عام کا پتھر کی پٹیوں سے مستف ہے ، ہال کے جنوبی دیوار کے وسط میں ۵ فٹ طویل اور ۴ فٹ عریض شہ نشین ہے جس کے ستون اور محرابیں اعلیٰ درج کی منقش ہیں ، نواب امین الدولہ بہادر ، جب کبھی سرویج تشریف لاتے ہیں ، تو اسی شہ نشین میں رونق افروز ہو کر تذکرہ میلاد شریف کی سماعت فرماتے ہیں ، اس عمارت کے سامنے ۹ فٹ کی بلند کرسی پر ۱۵ فٹ طویل اور ۱۵ فٹ عریض ، ایک چوڑے سے ، اور چوتھرے سے ایک فٹ مرتفع دیوان عام کی کرسی ہے ، چونکہ عیدین اور جشن سالگرہ کا دربار اسی دیوان خانہ میں ہوتا ہے ، نیز نواب امین الدولہ بہادر جب سرویج تشریف لاتے ہیں تو اسی دیوان خانہ میں جلوہ افروز ہو کر نذرین قبول فرماتے ہیں ، اس لئے یہ عمارت دیوان عام کے نام سے معروف ہے ، محراب کے اوپر ۱۵ فٹ کی ایک طویل پتھر کی تختی وصل ہے ، جس پر ذیل کی عبارت کندہ ہے ،

و این دیوان عالی بحکومت گاہ سرویج حسب الحکم گہان خدیو کیوان بارگاہ

جناب معالی القاب امین الدولہ وزیر الملک نواب حافظ محمد ابراہیم علی خان صاحب

بہادر صولت جنگ فرمانروائے ریاست لونگ دام ملکہ باہتمام حافظ بخش سید

محمد ناظم در ۱۹۹۷ء تعمیر یافت ، عدالت بائے محشری درج دوم اور منصفی کا دفتر آجکل اسی دیوان میں

(۱) تحصیل صدر کی کچھری

صدر دروازہ کے سیدھے بازو پر پہلے ایک قدیم عمارت تھی ، چونکہ قدیم عمارت کا زیادہ حصہ شکستہ تھا اس لئے ۱۹۱۹ء میں از سر نو عمارت سنگین بنوائی گئی جو دیوان عام کا جواب ہے اس میں تحصیل صدر کا دفتر ہے ، وسط محراب میں ذیل کا کتبہ لوح سنگی پر کندہ ہو کر وصل ہے ، ( حسب الارشاد امین الدولہ وزیر الملک جناب نواب حافظ محمد ابراہیم علی خان بہادر صولت جنگ جی ماسی ، الیس ، آئی ، جی ماسی ، آئی ، اسی ، آئی ، اسی ) بعد نظامت سید سعید الدین احمد صاحب ناظم سرویج باہتمام محمد شریف اللہ خاں ناظم تعمیر ہوا ، ۱۹۱۹ء تعمیر کنندہ اوتم چند مستری



(۹) خلیل محل

دیوان عام کے گوشہ مشرق و جنوب میں ۶۰ فٹ طول میں قدیم لداؤ کا ایک مکان ہے جس میں ۳ محرابی دروازے ہیں، اس کے سامنے اور بھی متعدد خام مکانات ہیں، چونکہ پہلے یہاں جامن کا درخت تھا، اس لئے جامن والی پالگاہ کہتے تھے، ۱۵۰ سالہ میں نواب امین الدولہ کے حکم سے قدیم لداؤ پر دوسرا درجہ تعمیر ہوا ہے، جو خاص سرکاری قیام کے لئے ہے، اسی مناسبت سے اسکو خلیل محل کہتے ہیں، اگر سے جو تعمیر ہوئے ہیں نہایت درجہ خوش قطع اور خوش وضع ہیں جنہیں رنگین کام اندرو باہر کیا گیا ہے، اگر سے کی غریب سمت ٹین پوش سائبان بھی ہے جس سے کمرے کا صُن اور بڑھ گیا ہے

(۱۰) تحصیل سیلپور کا دفتر

خلیل محل کے برابر جنوب میں ۱۶۰ فٹ مربع کا ایک قدیم مکان ہے، جس میں جدید تعمیر ہوئے ہیں بعد نظامت صاحبزادہ محمد صدیق خاں بہادر دلیہ جنگ مرحوم ہوئی ہے، جسکی تعمیر اتیک ناتما ہے، جنوبی سمت ۳۰ فٹ طول میں ایک درجہ لداؤ کا قدیم ہے اس مکان میں تحصیل سیلپور کا دفتر ہے

(۱۱) صدر دروازہ کے بالکل محاذ میں مسجد کے سامنے ایک قطعہ مکان قدیم ہے، جس کی بہت کچھ ترمیم صاحبزادہ محمد صدیق خاں بہادر دلیہ جنگ مرحوم کے عہد میں ہوئی ہے۔ شمالی رخ ایک اعلیٰ درجہ کا کمرہ ہے، اور اس کے سامنے دیوان عام کے محاذ میں نہایت خوشنما برآمدہ نظر آتا ہے، جو صاحبزادہ محمد شیر علی خاں بہادر سرور جنگ کے عہد نظامت کی ایک یادگار ہے، اس میں دیگر مقامی حکام کا قیام رہتا ہے۔

(۱۲) اصطل

اسی مکان سے جنوب کو اور بڑھو تو چھوٹے دروازے سے متصل سواروں کی لین نظر

لے سرکاری کا تخلص خلیل ہے اسی مناسبت سے خلیل محل نام رکھا گیا ۱۶ مولف

آئے گی، اسی سلسلہ میں تو سچا نہ بھی ہے، جہاں تین توہیں رکھی رہتی ہیں، عیدین اور شہین سالگرہ کی تقریب  
سیرکاری آمد، نیز صاحبان پولیٹیکل ایجنٹ بہادر کے تشریف آوری کے موقع پر، اور ماہ رمضان المبارک  
میں افطار و سحری کے اوقات میں چلتی ہیں،

(۱۳۳) کوٹ کی مسجد -

اسکا مفصل تذکرہ مساجد کے سلسلہ میں گزر چکا ہے -

(۱۳۴) باؤلی

مسجد کی پشت پر دوہرے محرابی دروں کی قدیم اور عالیشان باؤلی ہے، جو مدت سے  
سطح زمین کے برابر تھی، مگر ۱۹۱۷ء میں جب دیوان عام کی تعمیر معتمد الملک بہادر مرحوم کے عہد نظامت  
میں شروع ہوئی تو اتفاق سے مٹی کھودے جانے کے سلسلہ میں آثار نظر آئے، صاف کرائی گئی جس میں  
مؤلف کے سامنے بندو قوں کے گلے ہوئے کُندے اور دو چھوٹی توہیں برآمد ہوئیں، باؤلی پر  
تاریخ جدید، قاضی منعم صاحب سابق سرشتہ دار مال دہلی مولوی حکیم شیخ احمد صاحب مرحوم  
سابق عامل سروج کی استخراج کی ہوئی مع مختصر عبارت کے سب ذیل کندہ ہے -

تعالیٰ شانہ اللہ اکبر

بحکم فیض توام امین الدولہ وزیر الملک نواب حافظ محمد ابراہیم علیا صاحب بہادری  
جنگ، جی، اسی، آئی، اسی، دام اقبالہ کپتان حافظ سید محمد صاحب ناظم سروج نے یہ باؤلی جو  
صد ہائیس سے معدوم تھی، برآمد کر کے درستی کرائی قلعہ میں جدید دیگر مقامات بنوائے، قدیم کی درستی  
کرائی، تا سرحد شریک بنانے کا سلسلہ جاری کیا - ۲۰ ریح الاول ۱۳۱۵ھ

حضرت سید محمد امین زبان  
مثال زمزم بار دیگر شریعیاں  
گفت بات مثیل سقائی سبیل  
از عطائے حضرت رب جلیل

ملہ مرزا حافظ بخش سید صاحب مرحوم ظفر جنگ معتمد الملک سابق ناظم سروج ۱۲

منہا گواہ سرحد و مراد چاہ زمزم ہست در بیت خلیل  
 کسی کتبہ یا سرکاری کاغذات سے دارالحکومت کی تعمیر کا سال  
**کوٹ کی تعمیر کا زمانہ**

ہیں وہ سب قدیم ہیں اور غالباً یہ اس وقت کی عمارت ہے، جبکہ سروج پرگنہ کی حیثیت سے دارالحکومت  
 تحصیل کا قرار دیا گیا تھا، سروج پرگنہ کی صوت میں کب تبدیل ہوا، اسکی بھی کوئی صحیح تاریخ نہیں  
 ملی، اتنا ضرور پتہ چلتا ہے کہ سلطان شیر شاہ سوری سے قبل سروج پرگنہ کی حیثیت سے طبقہ اضفی پر  
 موجود تھا، جبکی تفصیل بحث آبادی سروج کے عنوان میں گذر چکی ہے، اور اگر حمام کے کتبہ پر بھروسہ  
 کیا جائے (جو کوٹ کے اندر واقع ہے) تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ ۱۵۵۸ء میں کوٹ کی قدیم عمارت  
 بھی مکمل ہوئی ہے، جسے ۲۲۸ سال کا زمانہ ہوا، لیکن تاریخی اور سندھی ثبوت نہیں، بظاہر لداؤ  
 کی عمارت شاہجانی عہد سے پہلے کی معلوم ہوتی ہے،

شہر سے باہر مغرب میں نصف میل کے فاصلہ پر ۲۴ گز مربع رقبہ کی ایک سادہ  
**بارہ دری** بارہ دری، لداؤ کی قائم ہے، جبکی مرمت ریاست کی طرف سے ہوتی رہتی

ہے کتبہ کوئی نہیں ہے تعمیر کی بابت عام طور پر مشہور روایت یہ ہے کہ شہنشاہ عالمگیر الوہ کے  
 دورہ کے سلسلہ میں جس وقت سروج پہنچا ہے، اس وقت اس کی ایک بیٹی کسی مرض میں مبتلا ہو کر  
 اسی جگہ راسی ملک عدم ہوئی، اس وقت اپنے قیام کے لئے ۱۲ گھنٹہ کے اندر بارہ دری تعمیر کرائی  
 اور بیٹی کو جٹاشکر پہاڑی پر دودھ تلانی کے متصل دفن کیا،

اس روایت کی وقعت کہانی سے زیادہ نہیں ہے جہاں قبر کا ہونا بیان کیا جاتا ہے، وہاں  
 متعدد قبریں ہیں کسی قبر پر کوئی کتبہ نہیں ہے عالمگیر کی دختر کا اس طرح گمنامی کی حالت میں خواب  
 استراحت کرنا، تاریخ اور عقل کے خلاف ہے، عالمگیر کی پانچ بیٹیاں تھیں، جن کے نام یہ ہیں  
 زینب النساء، زینب النساء، بدر النساء، زبدۃ النساء، مہر النساء، اور جہاں جہاں ان کے  
 مزارات ہیں اُسکی تفصیل تاریخوں میں درج ہے،

سرونج میں کسی دختر کا مزار ہونا تاریخی کتابوں سے ثابت نہیں ہے ،  
حقیقت یہ ہے کہ بارہ درسی کا بانی ، راجگی چودھری بانی حویلی راجگی ہے ، جس نے باغ  
نصب کرایا .... اور باغ کے اندر بارہ درسی بنوائی ،  
ممکن ہے کہ سلطان عالمگیر دورہ کرتا ہوا سرونج سے گذرا ہو ، لیکن اس خاص غرض سے  
اُس کا سرونج میں قیام کرنا پایا نہیں جاتا ،

سر کے پختہ

۱۶ گز مربع ہے ، صحن شمالاً و جنوباً ۹۵ شرقاً و غرباً ۸۵

گزر ہے ، جس کے چاروں طرف محرابی دروں کے دوہرے درجے ہیں اور ہر درجہ لداؤ کا ہے ، ہر  
ایک درجہ کا رقبہ ۱۲ گز مربع دونوں درجوں کا ۲۴ گز مربع ہے ،

شرقی و غربی لائین میں ۲۰ ۲۰ اور جنوبی و شمالی لائین میں ۱۲ ۱۲ درجے کل ۶۴

دسجے ہیں ، جنوب و شمال میں دوہرے دروازے ہیں ، جن کا ارتفاع ۷ اور عرض ۴  
گزر ہے ، شرقی و غربی لائینوں میں بالمقابل ایک ایک درجہ زینے کا ہے جس پر چڑھ کر چھت پر جا سکتے  
ہیں ، عمارت سنگین پتھر اور چوٹے کی ہے ، وسط صحن میں چاہ بھی ہے ، دہلی اور دکن کے مسافروں  
کی آرائش کے لئے ، خواجہ سید عبدالہادی مرحوم نے اپنے ذاتی تصرف سے شاہجہاں صاحبزادہ  
ثانی کے عہد میں اسکو تعمیر کرایا ہے ، سرے کی تائیس کا سال صحیح طور پر معلوم نہ ہو سکا ، لیکن  
بعض فرامین کے دیکھنے سے اسقدر پتہ ضرور چلتا ہے کہ خواجہ صاحب شمس اللہ میں سرونج  
کے عامل تھے اور شمس اللہ سے قبل انکا انتقال ہو چکا تھا ، اس لئے دو توں ستونوں کو درمیان  
سرے کی تعمیر سمجھنی چاہیے ، جبکو تقریباً ۳۰ سال کا زمانہ گذرا ،

سید اصغر علی ولد سید انور علی مرحوم ، خواجہ صاحب کی دختری اولاد میں سے اسوقت  
زندہ ہیں ، جن کے پاس متعدد فرامین شاہی محفوظ ہیں ، جن سے تصدیق ہوتی ہے کہ شاہجہاں کے  
بعد کے سلاطین نے مقامی حکام کو تاکید دی احکام کے ذریعہ سے مطلع کیا ہے کہ سرے پختہ اور

بادی پور (حال حاجی پور) خواجہ صاحب کی اولاد کا حق ہے، اون پر تصرف نہ کیا جائے۔  
 ۱۲۹۵ھ تک سرائے پنجہ سید انور علی مرحوم کے قبضہ میں رہی، حکیم مولوی شیخ احمد مرحوم عامل  
 سروج کے عہد میں ایک سو بیگہ آراضی کے عوض شجاع ۱۲۹۶ھ میں سرائے کی ملکیت ریاست کے  
 حق میں مرحوم سید انور علی نے منتقل کر دی۔

سرائے کی چھت مرمت طلب تھی ۱۲۹۷ھ میں ریاست نے کئی ہزار روپیہ کے مصارف  
 سے اس کی مرمت کرا دی ہے،

پندرہ سال پیشتر سرائے میں روٹی کا کارخانہ قائم تھا، اب ایک حصہ میں کابخی ہاؤس ہے  
 مدتوں سے اس سرائے میں مسافروں کا قیام نہیں ہوتا، سرائے کے برابر ایک چھوٹا سا  
 دہرم سالہ ہے اکثر مسافریں اس میں قیام کرتے ہیں،

اتنی وسیع، عالیشان اور سنگین سرائے ملحق الحدود علاقوں میں نظر سے نہیں گزری۔  
 گو سرائے فی الجملہ اپنی قدیم حالت پر قائم ہے، تاہم دیواریں جگہ جگہ پانی کے جذب ہونے  
 سے شق ہو گئی ہیں، بہر حال عمارت آثار قدیمہ سے ہے، اور اب تک محفوظ ہے،

شہر کے اندر موجودہ جامع مسجد کی پشت پر، منزل کی مشہور حویلی پڑی  
 حویلی کے انتساب سے اس نواح کی آبادی بھی سنگھنی محلہ کے نام

**سنگھنی حویلی**

اسے معروف ہے،

حویلی کے جس حصہ کے، بلند درجے تھے، اس کا بیشتر حصہ خریداروں نے گرا کر فروخت  
 کر دیا ہے، خود مولف نے بھی پوری سات منزل کی عمارت دیکھی تھی، لیکن حویلی کے برابر جو دوسرا  
 حصہ دو منزلہ و سہ منزلہ ہے، اور جو ایک وسیع رقبہ کے اندر پتالان سرکشن مہاجن اگر وال کے  
 قبضہ میں بیع کے ذریعہ سے آج موجود ہے، اس کا قد رترمیم کے ساتھ اپنی قدیم حالت پر قائم ہے،

۱۲۹۸ھ میں ہندوستان میں درجہ کو کہتے ہیں چونکہ سات درجہ کی بلند حویلی تھی اس نے الف کی تحدیف کے بعد سنگھنی شہور ہوئی  
 مولف کا قیاس ہے کہ "سنگھنی" ہندو ہے، "سن" کا اور "خن" خاندان کا چکے معنی گھر کے ہیں، واللہ اعلم ۱۲

راجہ کی مشہور حویلی کے بعد اس حویلی کا غیر شہرت کے لحاظ سے دوسرے درجہ پر ہے، لیکن شہر  
اور قابل تحریر حصہ افسوس ہے کہ آج اپنی اصلی صورت میں باقی نہیں رہا، جس کا نقشہ کھینچ کر ناظرین کے  
سامنے پیش کیا جاسکے، تاہم بانی حویلی کے حالات سننے کے قابل ہیں، اور محض بانی کی مشہور تر  
ہستی کو منظر عام پر لانے کی غرض سے اس حویلی کا عنوان قائم کیا گیا ہے۔

حویلی مذکور کا بانی مسر کر پارام برہمن مشہور مہندس و منجم گیارہویں صدی کے اخیر اور  
بارہویں صدی کے آغاز میں گذرا ہے، یہ وہ شخص تھا جس نے اپنے کمالات علمی اور اعجاز نبیانی سے  
سروج کا نام ہندوستان بھر میں مشہور کر دیا تھا، ہندوستان کے بڑے بڑے جلیل القدر جوتشی  
اور شاستری، اس کی شاکردی کو اپنا افتخار سمجھتے تھے، عائدین سلطنت، وزراء شاہی، ناغان  
صوبہ اور تمام المکاران اعلیٰ کا مدیم تھا، اس نے اپنے علم ستارہ شناسی کی بدولت اعلیٰ اعلیٰ افتاء  
حاصل کئے، سیکڑوں سندرات جن میں طلائی جدولیں اور طلائی گلدستے ہیں، اپنے علوم کے تصدیق  
میں حاصل کیں، متقل وظیفہ سروج کی آمدنی سے بھی مقرب تھے، تمام استعالی برتن اس کے سونے  
اور چاندی کے تھے، جو امرائے شاہی وہابی سے دکن کو جاتے، یا دکن سے دہلی آتے ہوئے سروج  
سے گذرتے وہ ضرور مسر مذکور سے ملاقات کرتے، موافقت نے اس نامور ہستی کے خاندانی افراد کے  
پتہ لگانے میں بڑی محنت کی، وہ حقیقت کی مسلسل تلاش کے بعد مسر کر پارام کے پر پوتے چھوٹی لعل  
کی بیوہ مسماہ گومتی کا پتہ موضع تردیا علاقہ سروج میں چلا، جس کی صرف ایک بیٹی ہے، اولاد  
مذکور کا خاتمہ ہو چکا ہے،

مؤلف کی آرزو مندانہ استدعا پر اس معاہدہ کے ساتھ کہ میں سندرات پر تصرف نہ کروں  
ایک بوسیدہ کپڑے کی گتھڑی سامنے لا کر رکھ دی، دور و زبر برابر اس عجزہ کے پاس مؤلف گیا  
پچاسوں سندرات میں سے جو صاف مطالعہ میں آسکیں، اون کی نقلیں کر لیں، باقیوں پر عبرت  
ملہ سنکرت میں مشردش) سے ہے، جس کے معنی جامعیت کے ہیں، جو شخص چند علوم کا جاننے والا ہے اور پسر مشر کا اعلان  
صحیح ہندو ہے ہندی میں بڑے رش) کی جگہ چھوٹا (دس) مستعمل ہے، ۱۲ مؤلف

آگیں بگاڑا لکرواپس کر دیں، اسناد کا اردو ترجمہ زیادہ لطف خیز اور اثر ریز ہوتا، اس لئے فقط نوٹ میں اصلی فارسی عبارت بحفہ نقل کر دی گئی ہے، اسلئے

بلکہ نقل سند نواب محمد خاں بہادر مظفرنگ فدی عالمگیر بادشاہ غازی، ناظم صوبہ مالوہ (نخط مرعی، قول مردان جان جارد) بتائیدات و عنایات نامتناہی مع الخیر والدانیت برائے سروچ منزل واقع شد، حقائق شناس، مقام حکمت دقیقہ دان مراسم خبرت، واقعت اسرار نجوم، ماہر غوافض، نادر عصر، سرکردہ منجمان و مہر مراتب دان عناصر و اجرام، مسرکہ پارام آمدہ کائنات نشین و کلمات شیریں، باعث جیت و امتیاز گردید و یہاں کا غنیمت گیا ہے، لہذا یہ تحریر در آمد کہ در حصول صورت این مراتب انشاء اللہ بقدر مراتب عنایت مرعی خواہد شد، و بر فردان از جہد ملتمسات اور کہ مقرون عنایت باشد بہر چہ پذیرائی سازند، و اولاد نیز مثلاً الیہ را بہیں مرتبہ دیں غاندان منظور خواہد شد فقط (تا بیخ درج نہیں ہے)

دیگر نقل سند مہری قی خان مرید شاہ عالم بادشاہ غاندی ابن عالمگیر۔

برکات کار با و شہوار نیست  
سبحان اللہ العظیم

بحقائق الصد و کتب آنخو کہ در قصبہ سروچ منزل گشت از ملاقات عشرت آف زبدہ منجمان روزگار سلامہ دانشوران اودار و اعصار کشف حقائق آسمانی، حلال شکلات قلبی و لسانی، پیشربشارت قلبی، راز دان عناصر و اجرام مسرکہ پارام نہایت درج محفوظ کردہ، مقرر نمودیم کہ بعد الیوم ہر گاہ مثلاً الیہ و فرزندانش ملاقات شود، لوازم رعایت احسان بتقدیم رسانیدہ آبر و فرزانہ کامگار نیز اولادش سلوک و مراسم مرعی دارند فقط۔

دیگر سند مہری علی حسین فدی سیر بادشاہ غازی و اللہ مشہم شہر شعبان جلوس پنجم بہرے تخت میں ذیل کی عبارت درج ہے۔ (درائے بند و نیست شجا علیہ و آمدہ بود انشاء اللہ تعالیٰ ہمیں قسم خواہد شد۔

قول مردان جان درود

آنکہ موصوف تاہیت و استعداد شیریں باشد، ذات یگانہ و وقت مسرکہ پارام است ہمہ دانشوران فریق ہندو از تمیزان دغا گوداں اویند، و در کتب ہندی آنقدر استعداد دارد کہ در اعصار و قصبات غیرش نتوان یافت، اگر اورا (بقیہ صفحہ)

ریاست سے بھی مسماۃ گومتی کا کچھ وظیفہ مقرر ہے، مکان سکونی اب کوئی نہیں، ہاں مسماۃ گومتی کی ایک بیٹی مسماۃ بھواری مسکرہ پارام کی اولاد میں یادگار ہے، جو مزدوری کر کے گذراوقات کرتی ہے

بقیہ صفحہ گذشتہ مجموعہ کمالات خواندہ شود بجا، و اگر منبع فنون گفتہ آید سنرا، از آنجا کہ مشتاق ابو شریع مقرر نمودیم کہ ہر گاہ مسرطور یا فرزندان او با نیچانب در آیند، رعایتہا فرمایم، دقیقہ از دقائق آں مرئی نگزاریم و در بارہ ہر کہ سفارش نماید قبول نمائیم و مکان تجسیم فقط،

دیگر سند پیر بزرگ شاہ عالمگیر بادشاہ غازی بست و پنجم شہر ریخ الشانی مسجد جلوس والا مطابق ۱۱۱۵ھ از پیشکامہ خلافت و جہانداری بخدمت سوانح نگاری مستقر دارا خلخاۃ اکبر آباد سرفرازی یافتہ در تصبیہ سروچ عبور افتاد از معتنات روزگار کہ دریں شہر بنظر در آمدہ این است کہ خلاصہ دانش و دانائی، برگزیدہ بنیش و مینائی، رموز شناس جزو کل، مدارک امورات مالائیل، دانتہ فکات سفیدی و سیاہی، شناسندہ شکلات ماتناہی، نازدان کو اکب فکی، سخندان محاسن لکی، مہندس اسرار دقائق، ہنم دقیقات دقائق، محرم رموز شہور و ایام دل کشائے دل آرام مسکرہ پارام ملاقات روداد، آنقدر از لطیفات رنگین، و نکات کن گہرافشاں گردید کہ ظاہر و باطن محفوظ نمود، بسیار شادان و خندان ساحت، و ہمیں درخواست خواست کہ کلمہ ہر محل عنایت شود کہ بفرزندان و خوشان بکار آید، لہذا بروئے یادداشت قلمی میگردد، کہ اگر مسرند کور یا از فرزندان و خوشیان مسرطور نزد ایتیانیا پیش بر خورداران کامکار بر سند حق المقدور رعایتہائے مناسب حال بجا آرند فقط

و فاتحہ است در آب و گل ما

فراموشی نمی داند دل ... ما

دیگر اسناد کی جہریں پڑھنے میں آئی ہیں اور جن کی عبارت کاغذ کے وریدہ ہونے سے پڑھنے میں نہیں آئیں، وہ حسب ذیل ہیں، جنہیں سے بعض مطلق ہیں،

جہر شہزادہ بیدار بخت شہسہ جلوس عالمگیری، جہر سید محمد تقی فدوی عالمگیر بادشاہ، جہر محمد علی فدوی عالمگیر بادشاہ غازی، جہر علیخان اس خانجہاں داروغہ کل صوبہ مالوہ ۱۰۹۲ھ، جہر شہاب الدین قلندار، جہر محمد ضیا علی عالمگیر جہر فضل خاں خانہ زاد بادشاہ عالمگیری ۱۱۱۳ھ



اللہ اللہ وہی کرپارام جو جلیل القدر صوبہ داروں، وزیروں اور شاہزادوں کا مدتوں ہمیشہ رہا ہے، اور وہ زبردست مہندس جسکا دروازہ کل تک تشنگانِ علم کا سر شہ تھا، آج ادسکی اولاد کو خُش پوش مکان تک نصیب نہیں ہے، ما افسوس۔

ہے عجب سیر اگر دیدہ بنا دیکھے دیکھنا ہو جسے عبرت کا تماشا دیکھے (شہل)  
مسر مذکور نے سنکرت زبان میں ایک بڑی ضخیم کتاب علمِ جوتش میں تصنیف کی ہے، جس کا نام، گریہ پاستند ہو ہے، اس کے تین حصے ہیں، (۱) شنترا، (۲) جینمترا، (۳) پرشنترا، متفرق طور پر لوگوں کے پاس غیر مطبوعہ نسخے آج بھی موجود ہیں،

آبادی کے اندر سرکاری کوٹ سے گوشہ شمال و مغرب میں واقع ہے موجودہ راجہ کی حویلی احاطہ کا کل رقبہ شمالاً و جنوباً ۲۰۰ اور شرقاً و غرباً ۱۰۰ گز ہے حویلی کے مہندمہ آثار موجودہ احاطہ سے باہر دور تک آج بھی نظر آتے ہیں، حویلی مذکور، عمارت قدیم سے معروف ہے حویلی ہے، ملحق الحدود علاقہ جات میں جسکی عام شہرت ہے، سیٹا حوں اور مبصروں کی نگاہیں حویلی مذکور کی وسعت، ادسکے استحکام، اور خوشنما طرز تعمیر پر سب سے پہلے اٹھتی ہیں۔

تواثر کے ساتھ یہ روایت سننے میں آئی کہ موجودہ سالم چوک کے شل ۵۲ چوک تھے، روایت کے صحیح ہونے میں شبہ نہیں ہے، اس واسطے کہ خود مولف نے ۳۰ سال پہلے تین چوک سالم دیکھے تھے، گز میٹر کی ترتیب کے زمانہ میں سات چوک تھے، متعدد آثار مہندمہ چوک کے اب بھی نظر آتے ہیں، جہاں میدان ہی میدان ہے، مہندمہ قطعات کے بلکہ سے شہری آبادی نے بہت کچھ فائدہ حاصل کیا ہے، متعدد سرکاری مکانات بھی اسکے بلکہ سے تعمیر ہوئے انسی حویلی کے تمام اعلیٰ ستون، کمریاں اور دیگر سامان اسی حویلی کے آثار ہیں موجودہ سالم چوک چمپا چوک کے نام سے مشہور ہے، جسکی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس حصہ میں چمپا کا درخت تھا، اس چوک کا طول شمالاً و جنوباً ۳۹ اور عرض شرقاً و غرباً ۳ گز ہے، کسی جگہ چاروں اور کہیں پانچ منزلیں ہیں، اوسطاً ارتفاع ۲۰ گز کا ہے۔

ملہ بیان ہندی میں چوک مکان کے اُس سطح حصہ کو کہتے ہیں جو متعدد درجوں اور صحن سے محیط ہو، ۱۲

پہلی منزل سیاہ پتھروں کی ہے جو نہایت درجہ مصفا ہیں، ہر ایک سنگین تقطیع دو فٹ اور بعض ڈیڑھ فٹ طول میں ہے، ایک دوسرے سے انکا وصل اس خوبصورتی کے ساتھ کیا گیا ہے کہ بادی النظر میں چوڑے کی تہ درمیان میں معلوم نہیں ہوتی باقی بالائی منزلوں کی عمارت اینٹ اور چوڑے کی ہے متعدد جگہ دوسرے اور تیسرے درجہ پر شہ نشین اور برآمدے چھوٹے چھوٹے باریک نقش و نگار کے ستون پر قائم کئے گئے ہیں۔

چوک مذکور میں اندرونی کئی درجے ہیں بعض مسقف اور بعض لداؤ کے ہیں، پہلے درجہ میں چاروں طرف بالمقابل دالان ہیں، شرقی و غربی دالان میں سنگی ستونوں کے چھ چھ دروازے اور شمالی و جنوبی دالان میں پانچ پانچ درجے ہیں، جنکے ستون بارہ پہلوؤں کے نہایت درجہ حسین ہیں، دالان کے بعد اندرونی دوسرا درجہ لداؤ کا ہے، اندرونی صحن ۱۰۰ فٹ مربع میں ہے جسکے چاروں سمت سطح زمین سے بالائی درجہ تک ایک خط میں عمارت مرتفع چلی گئی ہے، اس سے آخری درجہ کی جو تختہ چھت ہے اوپر دو دو فٹ بلند سرخ پتھر کے پٹے نقش و نگار رکئے ہوئے چاروں طرف لگا دیے گئے ہیں تاکہ لوگ صحن میں گھومنے سے محفوظ رہیں، ہر درجہ میں متعدد مکانات ہیں جنکی تفصیل طوالت سے خالی نہیں ہے۔

صدر دروازہ ہتیا پول دروازہ کے نام سے مشہور ہے جسکی وجہ یہ ہے کہ دروازے کے اوپر شمالی و جنوبی پہلو میں ایک ایک فٹ طویل ہاتھتوں کی متعدد تصاویر سنگی تراش کر نصب کی گئی ہیں۔ دروازہ کا عرض ۱۳ فٹ اور ارتفاع ۱۲ فٹ ہے، دروازے کے اوپر ایک دوسرا درجہ بھی ہے دروازے کے پتھر سرخ ہیں، جن پر نقاشی صنعت کا باغ لگا ہوا ہے، پتھر کو موم کر کے سنگتراشوں نے اپنا وہ کمال دکھایا ہے کہ حیرت ہوتی ہے، یہی صورت گلدستوں کی بعض اندرونی درجوں میں بھی ہے چوک کے بالائی درجہ پر چھت کے شمالی گوشہ میں ایک چھوٹی سی قلندر سی مسجد بنی ہوئی ہے۔ اور اس مسجد کے محاذ میں سطح زمین پر دوسری مسجد تین محرابوں کی ہے، جس پر چھت نہیں ہے۔ اس مسجد سے متصل ایک بزرگ کامرا بھی ہے جسکا نام بدشاہ شہید مشہور ہے مزار حویلی کی بنیاد

سے پہلے کا معلوم ہوتا ہے، اسلئے کہ بقدر مسجد و مزار قبہ چھوڑ کر حویلی کی تعمیر ہوئی ہے، مسجدوں کی تاسیس کی دو وجہیں بیان کی جاتی ہیں، ایک یہ کہ باقی حویلی، اور اسکے جانشینوں سے سروِ مخ کے معرِ طبقہ کے افغانوں کا بہت زیادہ اتحاد تھا، مالکان حویلی افغانوں کی اپنے مال سے، اور افغان اپنی نقد جان سے معاونت کرتے رہتے تھے، دوسری کا سلسلہ اس قدر عمیق تھا کہ افغانوں کی نشست سے کوئی وقت حویلی کا مردانہ حصہ خالی نہیں رہتا تھا افغانوں کے اوقات نماز کا خیال کر کے رائجی نے گوشہ میں مسجد بنوادی تھی تاکہ نماز اُن کے دستوں کی وقت پر ادا ہوتی رہے، یہاں تک تو ٹھیک ہے مگر زمانہ درجہ میں جو مسجد ہے اُسکی توجیہ کسی صاحب نے بیان نہیں کی،

دوسری وجہ ایک ہمایہ شاہ صاحب نے اپنے بزرگوں سے سنی ہوئی یہ ظاہر کی ہے کہ موجودہ چوک کے جنوب میں لبِ شاہراہ کو شاہ کے تکیہ میں مسجد ہے، وہاں پہلے تھانہ تھا، بعد میں کسی صاحب نے مسجد بنوادی، رائجی کا اُس زمانہ میں آبادی پر بہت بڑا اثر تھا، اُس نے اپنے حاکمانہ اثر کے زور پر مسجد کے اندر لکڑی پھر واکر آگ لگا دی، جس سے یہاں مسجد کی چھت اور اُس کے پتھر اڑ گئے، اور وہاں رائجی کے بدن میں اندرونی شعلے بھڑکنے لگے، کسی اہل دل کا گذر ہوا، اُس نے علاج یہ بتایا کہ حویلی میں مسجد بنوادی جائیں، اس عمل سے رائجی کے سینے کی آگ سرد ہو گئی۔ یہ دونوں مساجد اس وقت کی یادگار ہیں، ممکن ہے کہ ان روایات میں صداقت ہو، لیکن مولف کے پاس اس کی صحت کی کوئی سند نہیں ہے، البتہ جس مسجد کے اندر آگ کا مشعل ہونا بیان کیا جاتا ہے۔ اُسکو خود مولف نے منشی بشیر الدین صاحب پر وکار اور محمد زکریا صاحب سابق تھانہ دار کی معیت میں دیکھا ہے، تنوون اور بعض دیگر پتھر کے ٹکڑوں پر کسی پیر دینی صدقات کا اثر ضرور محسوس ہونا پایا جاتا ہے، جس سے اُن کی چیمپن جگہ جگہ سے نکل گئی ہیں، اور دو تین پتھر مسجد کی دیوار میں ایسے لگے ہوئے دیکھے گئے ہیں جن میں تصویروں بنی ہوئی ہیں، اُس سے قیاس ہوتا ہے کہ شاید پہلے یہاں مندر رہا ہو، اور سنانوں نے بعد میں مسجد کی تعمیر کے ساتھ بطور یادگار اُن پتھروں کو بھی لگا دیا ہو۔ یہ امر کچھ خلافت قیاس نہیں ہے۔

مولف کی رائے میں ان مساجد کی بنیاد کی علت غائی محض حویلی کی حفاظت ہے، جیسا کہ رائجی

اور مالوہ کے اکثر منادر کے گوشہ میں قلندری مسجدیں تعمیر شدہ آج بھی قائم ہیں، جن سے مقصود یہ ہے کہ اہل اسلام مسجدوں کی عظمت کے خیال سے اُن کو مسمار نہ کر سکیں۔

چمپا چوک کے متصل دوسرا رنگین چوک تھا جس کی دیواروں پر رنگین چرویں آج بھی نظر آتی ہیں، اس چوک میں مندر بھی ہے اور باؤلی بھی، ادوتوں تقریباً منہدم ہو چکے ہیں، مندر کا چوک بہت زیادہ حسین بنا تھا، اُس کے متعلقہ دالالتوں کے ستون اب بھی قائم ہیں، باؤلی کو خجکی تینڈیا نے اپنا گھر بنا لیا ہے، چمپا چوک کے شمال میں ایک پائین باغ قدیم ہے، جو پختہ چار دیواری سے محفوظ ہے، پائین باغ کا رقبہ (۱۰۵۶) مربع فٹ ہے، جس کے وسط میں ۳۸ فٹ مربع رقبہ کا ایک جوترا پختہ بنا ہوا ہے جس پر ۶-۱۰ انچہ کی کرسی دیکر ۳۶ فٹ مربع میں چھوٹا سا خوبصورت بنگلہ ہے، ہر سمت کھلے ہوئے تین تین در ہیں، بنگلہ کے پیش، غلام گردش بھی ہے، اس بنگلہ کی موجودہ فرمانروائے ریاست ٹونک نے مرمت کرا دی ہے، باغ کی روشیں تین فٹ عریض پختہ ہیں جن پر پتھر کے پٹے چرنے سے وصل کئے ہوئے ہیں، اور ہر روش کے مابین ۸-۱۰ انچہ کی پختہ نایاں ہیں روشوں کے دونوں پہلوؤں میں جو کھاریاں ہیں، اُن میں انہی نالیوں سے پانی آتا ہے، پانی کی روانی عجیب لطیف انگیز ہے، پختہ روشوں نے پائین باغ کے حسن کو دو بالا کر دیا ہے، روشوں میں جا بجا فوارے بھی ہیں، جگہ جگہ پانی کا خزانہ ہے، بنگلہ کے جنوبی پہلو میں مختصر محرابی حوض بھی ہے، جس کے وسط میں فوارہ بھی ہے۔

نواب امین الدولہ بہادر نے دورہ کے سلسلہ سے قیام فرما کر ایک دو مرتبہ فوارہ جاری بھی کرایا تھا، اس وقت کا منظر نہایت دلاویز اور طرب انگیز معلوم ہوتا تھا، سطح حویلی سے باغ ۱۵ فٹ نیچا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ بانی نے زنانہ باغ اس کو بنایا تھا موجودہ زمانہ میں سرکار عالی ٹونک کی توجہ سے آراستہ تر ہے، متعدد باغبان اور کمیز ملازم ہیں، داروغہ باغ علیحدہ ہے جو نگرا نی رکھتا ہے، حویلی اور باغ کا اہوا العزم اور صاحب عرصہ بانی، رائے بیدل رائے چودھری قوم اگر دال مہاجن گذرا ہے، جسکی نسبت گزٹیر کی روایت یہ ہے کہ سلطان شیر شاہ سوری کے

لشکر کا سردار تھا، اس کے جانشین مثل گوپال داس، بھوپال داس، اندرا  
چندر بھوج وغیرہ بھی بڑی شان و شوکت کے چودھری گذرے ہیں،

افسوس اس کا ہے کہ چودھری مذکور کے خاندانی حالات بہم نہ پہنچ سکے نہ کوئی ایسا کتبہ نظر  
سے گذر جس سے کم از کم جوہلی کا سال تاسیس دریافت ہو سکتا، اس اعتماد پر کہ سلطان شیر شاہ  
سورق سے اپنے دورہ مالوہ کے زمانہ ۹۵۹ھ میں سروج کے قاضیوں کو معافی میں زمینیں دی ہیں۔  
غالب قیاس یہ ہے کہ لمبے پیدل رائے بھی اسی زمانہ میں شیر شاہ کے ساتھ سروج آیا، اور اس نے  
سکونت اختیار کر کے جوہلی کی بنیاد ڈالی، قیاساً کہا جاسکتا ہے کہ ۵۲ چوک کی جوہلی تنہا ایک شخص کے  
مشغولات میں نہیں ہو سکتی،

ہر جانشین اپنے عہد میں اسکو وسعت دیتا ہو چلا گیا ہے، کیونکہ پہلا شخص جس نے یہاں سکونت  
اختیار کی ہے، اس کے ذریعہ آمدنی محدود تھی، وہ اتنا بڑا عظیم الشان کام تنہا مکمل نہیں کر سکتا تھا۔  
اس کے جانشینوں کو الیہ جاگیرات عطا ہوئیں، بازار کے ہاجنوں پر پورا غلبہ حاصل ہوا، رفتہ رفتہ  
تعمیرات کو ترقی ہوتی چلی گئی، موضع امیر گڈھ جو وسیع الرقبہ کا توں ہے، گوپال داس چودھری کا  
آباد کیا ہوا ہے، جبکہ ابتدائی نام گوپال گڈھ تھا، اور یہ موضع اس کی جاگیر میں رہا ہے، موضع  
میں گڈھی اس کی تعمیر شدہ آج بھی قائم ہے، نواب امیر الدولہ امیر الملک بہادر نے اپنے  
عہد حکومت میں گوپال گڈھ کا نام امیر گڈھ سے تبدیل کیا، تاہم آج تک عوام گوپال گڈھ ہی  
کے نام سے اسکو پکارتے ہیں، موضع اندپور مشہور اور بڑا موضع ہے، اس کا بانی اندرا چودھری  
ہے، جس نے اپنے نام سے منسوب کیا، اور بھی متعدد دیہات چودھریوں کی جاگیر میں تھے جن کا پتہ  
غیروں کے قدیم کاغذات سے چلتا ہے، چودھریوں کے بازار میں بہت کچھ حقوق تھے، پرگنات میں  
بھی انکا اثر تھا، مقامی حکام سے زیادہ ان کے رعیت اثرات تھے، یہی وجہ ہے کہ شاہنشاہ اور ملکیوں  
کے فرامین، نیر یا ست قائم ہونے کے بعد جو فرامین جاری ہوتے رہے ہیں، ان میں مستعدیان  
ہیات حال و استیصال کے ساتھ چودھریان و قانون گوہان کو بھی مخاطب کیا گیا ہے، ہندو اور

مسلمان گروہوں کے معمر لوگ تو اتر کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ خاندان چودھرات کے حقوق شہر میں اس قدر وسیع تھے کہ ان کو قصاب سے حلانی چافوروں کے سروں کو حقوق کی تکمیل کے خیال سے وصول کرتے میں کوئی خوف برادری کا نہ تھا، اس سے بڑھ کر حقوق کی یہ وسعت بھی سننے کے قابل ہے کہ ہندو قوم کا مردہ جب ارتھی کے ذریعہ سے مرگھٹا رجلانے کی جگہ کو روانہ ہوتا تو دپے یا عموم وصول کئے جاتے، اس قسم کے بیسوں ٹکیوں کی آمدنی نے خاندان کو بہت زیادہ مالدار بنادیا تھا، اگر وال جہا جن کی قوم اسی خاندان کی سرپرستی میں یہاں آکر آباد ہوئی ہے،

نواب امیر الدولہ امیر الملک بہادر کے عہد ریاست میں خاندان مذکور کا معزز میر جتہر بھوج، چودھری تھا، جو میاں منور خاں کی ابتدائی نظامت کے زمانہ میں تقریباً ۱۷۷۷ء میں کسی سخت گفتگو یا بغیانہ خیالات کے اظہار کی بنا پر قتل کر دیا گیا،

اوس کا ایک لڑکا بلدیوسنگھ نامی یادگار رہا تھا، ریاست سے پچاس روپیہ ماہوار کا وظیفہ بھی مقرر ہو چکا تھا، لیکن ۱۷۸۷ء میں جبکہ بشیر محمد خاں موجودہ جاگیر فارموضع باہرود و جھگر کے نابالغی کے زمانہ میں ان کے رشتہ کے چچا امیر محمد خاں نے ٹھا کر چتر سال اگرہ برکھیرہ کی معیت میں بغاوت کی، تو بلدیوسنگھ بھی باغیوں کیساتھ شریک ہوا، اس قصور میں اس کا وظیفہ بند کر دیا گیا اس کے بعد پھر اس کا پتہ نہ چلا کہ کہاں گیا، لاوارث ہونے کے سبب سے حویلی پر ریاست کا قبضہ ہو گیا،

حویلی کے بعض حصوں میں پہلے غلہ کا ذخیرہ اور اس کا دفتر تھا، بخشی سید محمد خاں بہادر ظفر جنگ کے عہد نظامت میں تحصیل صدقہ کا دفتر منتقل ہو کر آیا، اب اس کو مل ہے۔

بعض عمیق تہ خانوں کو دیکھ کر عوام کو دہوکہ ہوا ہے کہ حویلی میں سرنگ ہے جو ۶ میل کا فاصلہ طے کر کے موضع دیو پور میں نکلی ہے، یہ خیال غلط ہے ۶ میل تک پہاڑ کے فرائز و نشیب سطحی کو اندر ہی اندر کاٹنا کچھ آسان کام نہ تھا،

آبادی سے مغرب میں جاشنکر پہاڑی کے نیچے ایک باغ میں واقع ہے ۲۰ فٹ قطر کی باؤلی نہایت چڑ

مسکر پارام کی باولی

سنگین بنی ہوئی ہے، سطح آب تک پہنچنے کے لئے ۱۵ سیڑھیاں ہیں، ماؤر باؤلی کا محرابی ہے اور اس وقت تک اصلی حالت پر قائم ہے، سطح آب سے نیچے بھی متعدد سیڑھیاں دونوں پہلوؤں میں بنی ہوئی ہیں۔

محرابی درپر ہندی خط میں کتبہ ہے جس پر بانی کا نام مسر کر پارام اور اسکے بیٹوں کے نام بھی درج ہیں۔ سال تعمیر ۱۷۵۱ بکری کندہ ہے جبکہ آج تک ۲۲۵ سال ہوئے، مسر کر پارام شہر منجم گذرا ہے، جس کے حالات سنگینی حویلی کے ذیل میں درج کر دیے گئے ہیں

جس رقبہ میں باؤلی ہے، اُس میں باغ بھی ہے، مہ معلوم کس طرح منتقل ہوتا ہوا ریاست کے قبضہ میں آیا، ریاست نے باغ مذکور کپتان باقر پٹیلان مرحوم جاگیردار موضع مظفر کے کو انعام میں دیا، ۱۹۱۵ء میں جبکہ کپتان موصوف نے لا ولد انتقال کیا، باغ مذکور سیٹھان رتلام کو دودھار روپیہ قرض ڈگری کپتان مرحوم کے معاوضہ میں ریاست نے دیدیا۔ اس سلسلے سے اب باغ مذکور اسے بہادر سیٹھ کیسری سنگھ ساکن کوٹہ کے مالک تہ قبضہ میں ہیں جنہوں نے کثیر روپیہ صرف کر کے باغ کو بہت زیادہ آباد کر لیا ہے، شہر کی آبادی سے مغرب میں الف دروازے کے سامنے مشہور کوشاہ والا تکیہ واقع ہے جس میں کثرت سے قبریں اور متفرق پھل دار درخت بھی

## کوشاہ کی باؤلی

ہیں، اس تکیہ میں ایک قدیم باؤلی دو محرابوں کی واقع ہے، باؤلی کی موجودہ صورت مرمت طلب ہے شریفی اور کمروندے کی چھاڑیوں سے باؤلی چھپی ہوئی ہے، عمارت سیاہ پتھر کی نہایت سنگین ہے۔ قطر باؤلی کا ۱۵ فٹ ہے، باؤلی کی شمالی دیوار میں پتھر کی ایک مربع لوح وصل ہے، جس پر فارسی اور ہندی میں ذیل کا مضمون درج ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

ابانی راجا پال الدین محمد اکبر بادشاہ ظلہ اللہ علیہ نبیہ ملائم شہاب الدین خاں بن  
الہرم قرا بہادر بن جہان شاہ (پڑھائیں گے) فی سنہ ہجری ۱۰۸۷ و ۱۰۸۸

لے دیکھو سلسلہ عام عمارات نمبر ۱۲ مولف

خط کشیدہ فقرہ سمجھ میں نہیں آیا، جو کچھ پڑھنے میں آیا اسکی نقل بحینہ کردی گئی ہے بہر حال مطلب صاف ہے کہ اکبر شاہ کے عہد میں شاہی ملازم شہاب الدین خاں نے یاڈلی کو تعمیر کرایا ہے جس کو آج تک ۳۵۸ سال ہوئے

سرکاری کوٹ سے مشرق میں ایک فرلانگ کے فاصلہ پر ۶۰۰ فٹ مربع میں **نئی حویلی** (۹) واقع ہے، حویلی دو منزلہ ہے، پہلی منزل سیاہ پتھروں کی ہے جو اعلیٰ درجہ کی صفائی کے ساتھ تراشے گئے ہیں، پتھر کے ٹکڑے بعض ڈیڑھ اور بعض دو فٹ طویل ہیں، دوسری منزل اینٹ اور چوٹے کی ہے، نفاہر عمارت نامکمل ہے، کئی حصے قابل تعمیر باقی رہ گئے ہیں، بہر حال جس قدر بھی حصہ مکمل ہے وہ آثار قدیمہ کے لحاظ سے قابل دید ہے،

اندرونی صحن کا طول شمالاً و جنوباً (۹۸) اور عرض شرقاً و غرباً (۸۰) فٹ ہے چاروں طرف تو نو محرابی دروں کے دالان ہیں، شمالی دالان جس طرف صدر دروازہ ہے۔ اکہڑ ہے باقی دوہرے دالان ہیں، دوہرے دالانوں کا عرض ۲۳ فٹ اور طول ۴۴ فٹ ہے سرخ پتھر کے ستون مثنیٰ ۴ فٹ کے مدور ہیں محرابی دروں کا ارتفاع ۱۹ فٹ اور عرض ۷ فٹ ہے، ہر درجہ کے دونوں پہلوؤں میں کوٹھے ہیں، سب دالان پتھر کی ٹٹیوں سے مسقف ہیں جنکے درمیان میں شہتیر ہیں نفاہر عمارت صاف اور سادہ ہے۔ لیکن پتھروں کی صفائی اور ان کی چٹائی اعلیٰ درجہ کی ہے، علاوہ دیوار کے پتھروں کے باقی پتھر ستون وغیرہ کے سترح ہیں، بالائی شمالی منزل کھلی ہوئی ہے باقی تین اطراف میں مکانات مسقف ہیں جن میں ڈاکٹر شفا خانہ اور کمپنڈر شفا خانہ سرکار کی اجازت سے قیام رکھتے ہیں، نیچے کے درجوں میں ستریاقتہ اور زیر تجویز قیدی رہتے ہیں۔ جیلر کا دفتر اور محافتوں کا پہرہ شمالی اکہڑ دالان میں ہے، مشرق میں کھارا بازار کی طرف بھی ایک کھلا ہوا، محرابی دروں کا دالان ہے، اور ہر در کے محاذ میں ایک کوٹھ ہے، اس دالان کی کرسی ۶ فٹ بلند ہے ستون اور محرابیں نہایت درجہ حسین ہیں، جنکے پیش ۶ فٹ طویل سرخ پتھر کے پتھر ہیں، حویلی کی بنیادوں کے آثار دور تک ہیں، حویلی کے سامنے شمالاً و احاطہ ہے، اسیں انگریزی



وضع کا دارالشفا یعنی ہسپتال ہے جو لاہور میں بنا ہے، اس سے المضاعف حویلی کو رونق ہو گئی ہے، حویلی کے بانی میاں منور محمد خاں ہیں جو مجموعی طور پر ۳۰ سال تک سروسج کے حاکم رہے تھے پر گزشتہ بھی ان کے اجارہ میں رہا، انہوں نے تین بار سروسج کی نظامت کا چارج لیا ہے، دوسری مرتبہ ۱۸۷۷ء میں اس حویلی کی بنیاد پڑی اور ۱۸۷۷ء میں ختم ہوئی، راجگی کی مشہور حویلی کا بچہ اس میں بہت زیادہ لگا گیا ہے، جسکی تصدیق عمر لوگوں سے ہوئی ہے،

## ساتواں باب

### علاقہ سروسج کے بعض مشہور تاریخی مقامات اور آثار قدیمہ

سروسج علاقہ کو ہندی مذہبی روایات کے مطابق اس باب میں ایک خاص امتیازی شہرت حاصل ہے کہ اسکے محکومانہ رقبہ میں چند قدیم مقامات ایسے ہیں جہاں اُن کے مذہبی پیشواؤں اور شہور شیوؤں (مارک الدنیا فقرا) نے عبادتیں کی ہیں، اور اس لحاظ سے اُن کے نزدیک وہ مقامات قابلِ تعظیم ہیں۔ جن کی تفصیل یہ ہے،

### موضع دیو پور میں مہاراجہ راجپت سرجی کی آمد

دیو پور سروسج سے ۶ میل کے فاصلہ پر مغرب میں واقع ہے، جہاں ۶۰ گز مربع اور ۱۰ گز عمیق

ملہ محمد منور خاں عرف میاں منو نواب امیر الدولہ بہادر کے ملے اور موتی بیگم صاحبہ کے حقیقی بھائی تھے تقریباً ۳۰ سال تک سروسج کے عامل اور اجارہ دار رہے ۱۸۷۷ء میں عہد نواب وزیر الدولہ بہادر میں لشکر کے اپنے دامادوں صاحبزادہ عبدالکریم خاں اور صاحبزادہ کمال خاں کے بغاوت کی قلعہ گوگڑ کا جبکہ محمود خاں خوار الدولہ بہادر نے حاصر کیا تھا، بھاگ کر گوالیار چلے گئے ۱۸۷۷ء میں نواب وزیر الدولہ بہادر نے انکا قصور معاف کر کے پالنسور و پیما پانہ کا وظیفہ مقرر کر دیا، لیکن ٹونک سے اپنے داماد صاحبزادہ عبدالکریم خاں کے پاس آجیر چلے گئے، وہیں انتقال کیا، ۱۲ (تاریخ ٹونک)

دامن کوہ میں ایک کنڈ ہے، اور گھاٹ بھی بنا ہوا ہے، ایک قدیم مندر بھی ہے، اور پہاڑ میں گھٹائیں بھی ہیں، جنہیں تارک الدنیا فقر کبھی کبھی اگر قیام کرتے ہیں، کنڈ کا نام موجودہ زمانہ میں لیٹن کنڈ مشہور ہے اکثر ہندی تہواروں خصوصاً کاتک سدی پونم کو یہاں نہان ہوتا ہے، آخر الذکر تاریخ میں دیہات قریب و بعید اور غیر علاقوں سے ہندی برادری کے مختلف اقوام کے افراد جمع ہوتے ہیں، سات روز میلہ رہتا ہے، مقامی حکومت کی طرف سے سامان رسد اور حفاظت کا کافی انتظام کیا جاتا ہے، دیو پور کی وجہ تسمیہ اور اسکی تاریخی عظمت حسب روایت کتاب پدم پرنان حصہ پاتال گھوڑے رام اشو میدہ، اوتنا لیسواں ادھیہا ہے، اس طرح پر ہے کہ یہاں یعنی دیو پور میں راجہ دیو منی کی حکومت تھی، اور بہا دیو جی راجکا نام اس مقام پر وشنو ناتھ جی ہے) کا دیو پور راجہ (مقام عبادت) تھا۔ جن کی بزرگانہ ہر باتیاں راجہ مذکور کے حال پر بہت زیادہ مبذول تھیں اسی زمانہ میں راجہ راجندر جی راجہ راون کو قتل کر کے اجودھیا کی گدڑی پر بیٹھے تھے، رشی منی (خدا سیدہ فقرا) نے راجندر جی سے کہا کہ راون برہمن تھا، اور برہمن کو مارنا چھتری دہرم کے خلاف ہوا، اس کا کفارہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ ایک گھوڑا دہرتی (زمین پر چھوڑا جائے) لوگ اس کی اطاعت کریں، اور جو راجہ گھوڑے کو کپڑے اوس سے مقابلہ کیا جائے، یہاں تک ہند کی دہرتی پر راجہ راجندر کی تنہا حکومت ہو، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، راجندر جی کے چھوٹے بھائی ستر دھن فوج کیساتھ گھوڑے کے پیچھے روانہ ہوئے، کئی مقامات پر مقابلہ ہوا، ستر دھن غالب رہا۔ اس سلسلہ میں گھوڑا راجہ دیو منی کے دار الحکومت (دیو پور) میں بھی پہونچا، رگمان راجہ دیو پور کا بیٹا اس وقت چند عورتوں کے ساتھ اپنے باغ کی سیر و تفریح میں مشغول تھا، گھوڑے کو کپڑے اوس کی پیشانی کے پیر یعنی ورق کو پڑھا، جس میں لکھا ہوا تھا کہ راجہ راجندر جی کی اطاعت فرض ہے، اگر کسی کو حوصلہ ہو تو گھوڑے کو کپڑے، رگمان گد، مہمنوں کو پڑھ کر ہتھا، اور اپنی ہم چلیں عورتوں سے مخاطب ہو کر کہہ کیا میرے باپ سے زیادہ ہمارا راجہ راجندر

سے ہمارا راجہ راجندر جی کے زمانہ کا کوئی سند نہیں ہے جس سے اوس زمانہ کا تعین کیا جائے، مورخین کا اندازہ تین ہزار سال کا ہے واللہ اعلم ۱۲

میں طاقت ہے، یہ کہہ گھوڑے کو اپنے اصطبل میں بند ہوا دیا، اور اپنے والد کو اطلاع کی، راجہ دیو منی کو اپنے بیٹے کی اس حرکت پر فحش ہوا، اور اسی وقت ہادیو جی سے جا کر عرض کی، مندر سے صدر آئی کہ تیرے لڑکے نے انوکھا کام کیا ہے، اب راجندر جی کی فوج سے مقابلہ ہو گا ہمارا راجہ راجندر جی کے یہاں قدم آئیں گے اور ان کا درش بھی ہو گا،

اس عرصہ میں ستر دھن (راجہ راجندر جی کے بھائی) بھی اپنے لشکر کے ساتھ دیو پور پہنچ گئے سخت لڑائی ہوئی، ستر دھن کی فوج مغلوب ہو کر نائل ہو گئی، ہنومان جی ستر دھن کے ہمراہ تھے، یہ حالت دیکھ کر اندر کے پاس گئے، اور وہاں سے ایک بوٹی لائے، جس کے اثر سے فوج نائل ہو شیار ہو کر پھر نیروازا ہوئی، ستر دھن نے آثار مغلوبیت دیکھ کر ہمارا راجہ راجندر جی کا دھیان کیا، وہ اسی وقت امداد کو پہنچے، ہادیو جی نے راجہ دیو منی کو راجہ راجندر جی کے قدموں پر گر کر صلح کرادی معاملہ ختم ہو گیا۔

اس روایت میں اکثر باتیں درایت کے خلاف ہیں، جنکو محض خوش اعتقادی کی بنا پر جنگی روایت میں شامل کر دیا ہے، ممکن ہے کہ راجہ دیو منی اور راجہ راجندر جی کی افواج سے مقابلہ ہوا ہو، لیکن تاریخ میں دیو منی راجہ کا نام راجگان مالوہ کی فہرست میں نہیں پایا جاتا۔

اس میں شک نہیں کہ دیو پور بہت قدیم جگہ ہے جسکی تصدیق گردو نواح کے آثار سے ہوتی ہے باغات قدیم متعدد ہیں، اور قدیم متفرق درخت مثل پیل و برگد کے بھی قائم ہیں، گنج شہداء کے بھی علامات ہیں، مندر اور کنڈ بھی ہے، لیکن کنڈ اور مندر کی تعمیر بہت پرانی ہے، یہ بات البتہ قریبی قیاس سے کہ عمارت کی تھوڑی مدت میں ہوتی رہی ہو۔ جیسا کہ اکثر جگہ ہوتا رہتا ہے۔ کہوٹیں قدرتی ہیں، اور مخرج بھی قدیم تر ہے، مابو سطح آج کے اندر ڈوبا رہتا ہے، منہد و اعتقادات کی رو سے یہ جگہ قدرتی آثار کی بنا پر دیوتاؤں کی جگہ ہے اسلئے دیو پور اسکا نام رکھا گیا۔

بشن کنڈ کی وجہ تسمیہ غالباً یہ ہے کہ ہادیو جی لا جھکا نام اس مقام پر حسب روایت کتب مذہبی اہل ہنود و شوناہد جی ہے) اسلئے دشو کنڈ مشہور ہو کر کثرت استعمال سے بشن کنڈ ہو گیا،

مؤلف سے یہاں کے مشہور جوئیوں نیزالوہ کے دیگر مقامات کے ہمہنوں نے بیان کیا ہے کہ کتاب میں دیوپور کا کچھ پتہ نہیں بتایا گیا کہ کہاں واقع ہے، البتہ بندیا چل پہاڑ کی شاخ کا سلسلہ دیوپور کے اطراف میں بتایا گیا ہے، چونکہ علاقہ سروخ کے پہاڑوں کا سلسلہ بھی بندیا چل سے ہے، نیز قدرتی قدیم جگہ اور دیگر علامات کتاب کے اندراج کی تائید میں ہیں، اور اسلاف سے بھی تو اتر کے ساتھ یہی سنا گیا ہے، ان وجوہ سے وہ لوگ اس دیوپور کو راجہ دیوہنی کا دارالحکومت ہادیوچی کا آشرم اور ہاراجہ راجہ چندرجی کا قدم گاہ سمجھتے اور اس کی پرستش کرتے ہیں،

## موضع مہا بن میں جمن گنی رشی اور پیرام جی کا استھان

سروخ سے جانب مغرب تحصیل لیٹری کے محکومانہ رقبہ میں ۲۸ میل کے فاصلہ پر موضع مہا بن واقع ہے، بلند اور پست پہاڑوں کا چاروں طرف سلسلہ پہاڑ کے دامن میں ایک ندی بھی جاری ہے جہاں قدیم تر زمانہ کا ..... ایک کنڈ ہے، جس کے اندر پہاڑ سے پانی بھر کر جمع ہو جاتا ہے، -  
مداگن کنڈ اسکا نام ہے، کنڈ کی مرمت وقتاً فوقتاً ہوتی رہتی ہے، ٹونک کے گزمیٹر کی روایت ہے کہ سن ۱۸۶۱ء بکری میں لالہ جوشی نے پختہ اسکو تعمیر کرایا ہے، جسکو آج تک پورے ۵۰ سال کا زمانہ گزرا، مقام مذکور مشہور اور پر نفعا مقام ہے، لیکن مؤلف کو باوجود تلاش و دریافت وہاں کوئی کتبہ نہیں ملا، مؤلف نے مقام کی وجہ تسمیہ اور اسی کے مشہور حیرتہ ہونے کے متعلق اہل ہنود کی مذہبی اور تاریخی کتابوں سے بہت کچھ تحقیقات کی ہے، تحقیقات کے نتیجہ کا خلاصہ

لے ہنڈت گو بندرام جی، بکراتی برہمن ساکن سروخ، سنسکرت جوتش اور مہدی علوم کے زبردست ماہر، قوی نظر روشن خیال ہستی کے آدمی ہیں اُنہی نے مؤلف کو مہدی روایات، اور سنسکرت الفاظ اور مہدی بچک کے دیکھنے اور سمجھنے میں بڑی مدد دی ہے، جبکہ مؤلف شکر گزار ہے،

لے گزمیٹر میں جس کتبہ کا حوالہ دیا گیا ہے یقیناً وہ جھوٹی مداگن واقع لیٹری کا کتبہ ہے جسکو خود مؤلف نے دیکھا اور پڑھا ہے، غلطی سے اس کتبہ کو اس مداگن سے منسوب کر دیا ہے -

حسب روایت کتاب بھاگوٹ پُراں، نواں اسکند (حصہ) پندرہواں ادھیار باب) اس طرح پر ہے کہ اہل ہنود کے مشہور اوتار پرہرام جی کے باپ جھگنی رشی مشہور ریاضت کیش شخص گذرے ہیں، جو مہاراجہ راجندر جی کے معاصر تھے، اپنے آشرم مقام عبادت، پر ہر وقت عبادت الہی میں مصروف رہا کرتے، لیکن آشرم کا تپہ کسی کتاب میں درج نہیں ہے، جھگنی رشی کے پاس ایک گائے (کام دھینو) نامی بڑی خیر و برکت کی تھی، مامہنتی، شہر کا مشہور راجہ مسہر راجن ایک روز شکار کھیلتا ہوا اپنے لشکر کے ساتھ جھگنی رشی کے مقام عبادت پر آ نکلا، رشی جی نے فراغ دلی کے ساتھ راجہ اور اسکے لشکر کی دعوت کی، راجہ مذکور کو ایک فقیر کے کثیر مصارف پر بڑی حیرت ہوئی، تحقیقات سے معلوم ہوا کہ یہ ساری خیر و برکت اُسی گائے کا وجود ہے، جس کا نام کام دھینو ہے) راجہ نے جھگنی رشی سے گائے کے لئے استدعا کی، رشی جی کے انکار پر گائے کو راجہ مذکور جبراً لے گیا، پرہرام جی، رشی جی کے بیٹے جب باپ کے پاس حاضر ہوئے تو ان کو گائے کے قبضہ سے نکل جانے کا حال معلوم ہوا، رنج و غصہ اور جوش انتقام کے جذبات میں بھرے ہوئے راجہ مسہر راجن کے دار الحکومت میں پہنچے، فوجیوں لڑائی ہوئی، جب کانہیجہ راجہ کے قتل اور پرہرام جی کی فتح پر آمد ہوا، اس کے بعد پرہرام جی گائے کو لئے ہوئے باپ کی خدمت میں حاضر ہوئے باپ نے راجہ کے بارے جانے کا حال سنکر افسوس آمیز لہجہ میں کہا کہ رعایہ کے پالتے والے کا مارتا دھرم میں اچھا نہیں ہے، تیر تھہ کرنے سے تمہارے گناہوں کا کفارہ ہو سکتا ہے، پرہرام جی تیر تھہ کو چلے گئے، راجہ مسہر راجن کے بیٹوں کو اپنے باپ کے انتقام کی فکر ہوئی، ایک روز موقع پا کر جھگنی رشی کو انہوں نے قتل کر دیا پرہرام جی کی والدہ نے بیکانے روحانی طاقت کے ذریعے سے پرہرام جی کو اطلاع دی، وہ فوراً موقع پر آئے، ۲۱ مرتبہ دنیا کا چکر لگا کر تمام چہتر یوں اور راجہ کے بیٹوں کو قتل کر دیا، باپ کی نعش پر جھک کر خدا سے زندگی کی دعا کی، جو اس طرح مقبول ہوئی کہ جھگنی رشی کی روح سات ستاروں میں سے ایک ستارے میں شامل ہو گئی جو ساتویں رشی کہلاتے ہیں۔

جہاں پر جگنی رشی کا آشرم (عبادت خانہ) تھا، اُسکے نیچے کاوش کی ندی جاری تھی، اُسی کا پانی پوجا پرستش کے لئے کام میں لایا جاتا تھا (بھاگوت کی روایت ختم ہوگئی) اگرچہ خوش اعتقاد ہی کی بنا پر واقعات کے بیان میں شاعرانہ مبالغہ سے کام لیا گیا ہے، جسکو تاریخ اور روایت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ہم جگنی کے وجود سے انکار نہیں ہو سکتا جسکو ہندوؤں کی بڑی قوم مانتی ہوئی چلی آ رہی ہے، اس میں شبہ نہیں کہ ہندو اقوام میں بڑے بڑے ریاضت کیش فقر گذرے ہیں، انہیں ایک جگنی رشی بھی تھے،

اب ثابت کرنا یہ ہے کہ جگنی رشی کا آشرم یہی دراگن ہے جو سروج کے علاقہ میں واقع ہے یا کسی اور جگہ۔ ہندی میں مندرگنی دیوتاؤں (مقبول بندوں) کی گنگا کو کہتے ہیں، اور گنگا اوس پانی کا نام ہے، جو پاک صاف ہونے کے ساتھ صحت بخش بھی ہو، چونکہ کاوش کی ندی کے پانی میں وہ تمام اوصاف تھے، اسلئے اُسے بھی گنگا کہتے تھے، کثرت استعمال سے مندرگنی کے بجائے دراگن رہ گیا، جو زبانوں پر آج بجا۔ جاری ہے، اسی معنوی مناسبت سے آجکل عموماً دراگن اُس مقام کو کہتے ہیں، جہاں سایہ دار درخت ہوں، پانی جاری ہو، اطراف میں شاداب پہاڑ ہوں، سروج کے علاقہ میں اس اوصاف کے دو اور مقام ہیں ایک کریرہ دراگن اور دوسرا پھوٹی دراگن کے نام سے معروف ہے، جہاں کئی پختہ کنڈ بھی بنے ہوئے ہیں، دراگن نام کے مواضع اور مقامات پر بھی متعدد ہیں،

چونکہ بھاگوت میں یہ بھی درج ہے کہ پر سرام جی نے چترپوں کو ہلاک کر کے گن کے خون سے ۹ کنڈ بھرے تھے، اور دراگن میں بھی متعدد کنڈوں کے آثار پائے جاتے ہیں نیز جا بجا

لے جب بقول روایت بھاگوت ۲۱ بار دنیا کا چکر لگا کر چترپوں کو پر سرام جی نے ہلاک کیا تو دراگن میں خون کے کنڈ کیوں بھرے گئے، جہاں چتری ہلاک ہوئے وہاں خون ہونا چاہیے تھا اور پھر چتری ہلاک کر دیے گئے تو آجک رام چندر جی کے زمانہ سے چترپوں کی کیسے حکومت قائم رہی مکن ہے کہ اشنان (غسل) کے لئے متعدد کنڈ بنوائے گئے ہوں بعد میں مقلدوں نے خون کے کنڈ کی شہرت دیدی ہو واللہ اعلم ۱۳

پہاڑوں میں قدرتی کھوئیں ہیں قدیم مندر بھی ہیں، پہاڑ کے پیچھے ندی بھی جاری ہے، ان تمام آثار و علامات سے سرویج اور ملحق الحدود مالوہ کے تمام علاقوں کے جوتشی برہمن، اور دیگر سناٹن دھرمی ہنود اسی مراگن کو جگدنی رشی کا آشرم تسلیم کرتے ہوئے، اسکے کنڈ میں ہندی تقریبوں پر دور دور سے آکر نہاتے اور کھانا پکا کر فقر کو تقسیم کرتے ہیں۔

شکرات پر (جو مکر شکرات کہلاتی ہے) خاص طور پر میلہ ہوتا ہے غیر علاقوں سے بکثرت ہندو برادری کے افراد اکو جمع ہوتے ہیں، مولف نے سال گذشتہ میں میلہ کا، جو دم دیکھا تھا، تقریباً دس ہزار آدمی تھے،

## موضع سیمل کھیری کی نشانیان!

تارن ترن جی کا استہان

سرویج سے گوشہ شمال و مغرب میں ہم میل کے فاصلہ پر موضع سیمل کھیری واقع ہے، نواب والا جاہ وزیرالذولہ بہادر کے عہد حکومت سے صاحبزادہ غلام نبی خاں اور ان کے بعد ان کی دختر اولاد میں یہ موضع بطور جاگیر برائے منتقل ہوتا چلا آ رہا ہے، اس موضع کی سرحدیں لب سڑک دو درخت برگد کے قدیم واقع ہیں، جو بادشاہی بڑوں کے نام سے مشہور ہیں، بیان کیا جاتا ہے کہ کسی بادشاہ نے ان درختوں کے نیچے قیام کیا تھا، واللہ اعلم،

اس گائوں کے مغربی و جنوبی گوشہ میں نصف میل کے فاصلہ پر ایک ہموار میدان ہے جسکے جنوب، شمال اور مغرب میں بلند پہاڑوں کا سلسلہ درتک چلا گیا ہے جن پر بکثرت جھاڑی ہیں اسی ہموار سطح ارض پر ایک درخت برگد کا بہت قدیم تھا، مدت ہوئی متاصل ہو چکا ہے اس درخت کی جگہ کو وسط میں لیکر ایک احاطہ گز بلند دیوار کا بنایا گیا ہے، جسکا طول شرقاً و

۱۵۰ فٹ مربع نشیمنی پر منسلک کا لفظ جس کے معنی بلندی کے ہیں، اسی لفظ کو بگاڑ کر عموماً ہندی میں میٹری کو نشینی کہتے ہیں نشینی سے نشینی اور نشیان ہو گیا۔ ۱۲ مولف

غرباً ۵۲ گز اور جنوباً و شمالاً ۱۰۰ گز کل ۱۰۰ مربع ہے، مکانیت احاطہ کے چاروں طرف ہے، شرق و غرب میں ۱۲۰ فٹ، جنوب و شمال میں گیارہ گیارہ چھ مہکتے مسقف ہیں جنکی کرسی ایک فٹ بلند ہے، اور سامنے ایک خطہ میں متعدد خوبصورت سنگین ستون قائم ہیں، ہر سمت کے دالانوں میں دونوں پہلو میں کوٹھڑیاں بھی ہیں، احاطہ کا صدر دروازہ شرق رویہ پر جسکے دونوں بازوؤں پر شیروں کی سنگی تصاویر نصب ہیں وسط صحن میں ۵ فٹ بلند کرسی کے ۲۰ گز مرتفع پختہ چبوترہ پر خوبصورت مسقف بارہ دری ہے، اس بارہ دری کے مقل مشرق میں ۱۰۰ گز مربع دوسرا پختہ چبوترہ، پانچ فٹ مرتفع کرسی کا نہایت حسین بنا ہوا ہے، چبوترہ کی غربی سمت ۲ گز حصہ چھوڑ کر ۱۲ گز مربع میں ایک چھوٹی سی عمارت کمرہ کی شکل میں ۵۰ فٹ بلند چلی گئی ہے جسکے آخری سرے پر کس لگا ہوا ہے، جسکو یہاں کی زبان میں دیگر کہتے ہیں، اس عمارت کا دروازہ شرق رویہ ہے، دروازہ کے سامنے چار ستونوں کی ۶ گز مربع مسقف ایک چہتری ہے اور یہی چہتری تمام عمارات میں قدیم تر اور ادنیٰ تاریخ قابل اظہار ہے، باقی عمارات جدید ہیں، جسکا تذکرہ آگے آتا ہے۔

تاریخ ترن ولد گڑ شاہ قوم پر وارجین مت دہلی کے رہنے والے مشہور ریاضت کیش سوامی گذرے ہیں، سن ۱۵۸۵ بکر می سال پیدائش اور سن ۱۵۱۲ بکر می سوامی جی مذکور کی نقل و سکونت کا سال ہے، اسی سال کے اخیر میں پھرتے ہوئے موضع سیل کھڑی پہونچے، اور مقام مذکور کو اپنے قیام کے لئے انتخاب کر کے ریاضت اور عبادت الہی میں مصروف ہو گئے، اپنی حیات میں سوامی جی نے ایک کتاب تصنیف کی ہے، جس میں خدائے برتر کی عبادت اور پرستش کے طریقے اور مذہبی احکام کے اصول بتائے ہیں، تعلیم کی ہدایات درج کی ہیں تصویر کی پرستش کی سختی سے ممانعت کی ہے، بہت سے لوگ سوامی جی کے مقلد ہو کر اطاعت اور تبلیغ میں سرگرم ہیں

ملحہ یہ حالات اجتماع میلہ کے زمانہ میں خود مولف نے تاریخ پختہ پنڈتوں سے معلوم کر کے اور ان کی کتابوں سے تصدیق کر کے درج کیے ہیں، ۱۲ مولف



اسی مناسبت سے سوامی جی کے پیرو تارن پنتھی مشہور ہوئے، کتاب کے ماحصے ہیں اور ایک حصہ کا نام جدا جدا ہے،

تارن سوامی نے کوئی شادی نہیں کی، ۶۸ سال کی عمر پاکر سمٹ ۲۵ھ بکرمی میں وفات پا گئے، مقام وفات لہار گڑھ تحصیل موہنگا ولی ضلع علی گڑھ علاقہ ریاست گوالیار ہے اور وہیں ادن کی خاک پر ایک چھتری بطور یادگار بنی ہوئی ہے، جہاں پہاگن سودی ۳۱ سے پیران سوامی جی جمع ہو کر پندرہ بیس روز تک قیام کرتے اور مذہبی کتابیں پڑھتے ہیں۔

سیل کھڑی کو قبر میں جو م ستون کی چھتری تختہ احاطہ کے اندر قدیم بتائی گئی ہے، یہی وہ خاص جگہ بتائی جاتی ہے، جہاں ۱۶ سال تک سوامی جی نے بیٹھ کر خدا کی عبادت کی ہے اور تعمیر بھی اوسی زمانہ کی ہے، ایک والان دو درجہ کا شرق سمت بھی قدیم ہے، احاطہ کے باہر تختہ آثار بھی ہیں معلوم ہوتا ہے کہ گذشتہ زمانہ میں بھی یہاں تختہ احاطہ تھا، تارن سوامی جی فوت ہوئے آج تک ۱۱۱ سال کا زمانہ گذر احباب سے سوامی جی کی زندگی کا بیشتر حصہ سلاطین مالوہ کے عہد حکومت میں گذرنا ثابت ہوتا ہے، العرض جن مت تارن پنتھی اس مقام کو اپنے اعتقادات کے مطابق قابل غمت سمجھتے اور نہایت خلوص کے ساتھ سوامی جی کی تصنیف کی ہوئی کتاب شاستر کو پڑھتے اور سنتے ہیں۔ مانگھ سدی (۵) سے اجتماع شروع ہو کر ۲۰ روز تک قائم رہتا ہے، تیسرے چوتھے سال بہت زیادہ اخلاص و عقیدت کا اظہار ہوا کرتا ہے،

تارن پنتھی مختلف مقامات مثل ناگیور، جلیپور، ہزارہ، ہوشنگ آباد، ریوان، پنڈا، بانڈہ، آگرہ، ساگر، خانبیس، چرکھاری اور مالوہ کے بیشتر اضلاع سے تقریباً ۲ ہزار کے قریب اکو جمع ہوتے ہیں ریاست کی طرف سے حفاظت کا کافی انتظام ہوتا ہے جو لوگ صاحب استطاعت ہیں باری باری سے شکر کار کو مدعو کرتے ہیں، اور بھی معتقدین سے ایک شخص پندرہ بیس ہزار روپیہ کا صرفہ اپنی تنہا ذات پر برداشت کرتا ہے،

لے نام ہیں (۱) سرادگا چارڈ (۲) مالا پاٹ (۳) پنڈت پوجارم (۴) کل تیری، (۵) نیان سچے سادہ (۶) اشد سار (۷) برہنگی،

(۸) چوہیں شنانا (۹) مول پوہر (۱۰) سہنس بہاؤ (۱۱) شہرین بہاؤ (۱۲) کپانکاس (۱۳) چہد مست (۱۴) نام بالا - ۱۲

چونکہ اب موٹروں کی آمدورفت اسٹیشنوں سے شروع ہو گئی ہے، اس لئے امید ہے کہ آئندہ سال سے اجتماع میں دو چاند ترقی ہو جائے گی، اس تاریخی مقام نے سروج کے نام کو جین مت تارن پنہی میں دور دور مشہور و معروف کر دیا ہے، مقام بھی نہایت پُر فضا ہے جسکو عوام ستیان کہتے ہیں جدید عمارت ۲۵ سال ہوئے جب ہزاروں روپے کے چندے سے تیار ہوئی ہے تارن سوامی نے مختلف اقوام میں اپنے مذہب کی تلقین کی ہے، جسکی ابتدائی قومیت تبدیل ہو کر ذیل کی قومیں ہمارے حیثیت میں داخل ہو گئی ہیں، چانگے، استی، گولالارے، اجودھیا، ستیا، دوشکے، پرواروں میں اور انہیں صرف اتنا فرق ہے کہ پروار برہمنہ تصویر کو مانتے ہیں، اور یہ لوگ صرف کتب کو سنتے ہیں تصاویر کی پرستش نہیں کرتے،

## چھوٹی مڈاکن واقع لیٹری کا مندر

سروج سے ۲۳ میل کے فاصلہ پر مغرب میں قصبہ لیٹری واقع ہے، جو تحصیل غربی کا صدر مقام، اور علاقہ سروج میں سب سے بڑا موضع ہے، آبادی کے گوشہ مغرب و جنوب میں دو فرلانگ کے فاصلہ پر ایک مندر سرخ پتھروں کا تعمیر شدہ قائم ہے، جو چھوٹی مڈاکن کا مندر مشہور ہے، مندر کا محیط ۴۰ فٹ اور ارتفاع ۳۰ فٹ ہے، دروازہ کے سامنے اکبر سنگین دالان بھی تھا، جو منہدم ہو چکا ہے، صرف دونوں بازوؤں پر دستون قائم ہیں، جس پر ہندو خط میں کتبہ ہے، ذیل کی عبارت پڑھتے میں آئی ہے۔

۱۱۔ ۴۔ سدھ سری سم۱۳۱۳ ماکہ بدی (ہ) بدھ ونے ۱۱۰۰۔ لالہ جلیشی۔

لالہ جلیشی نامی نے ۱۳۱۳ میں اس مندر کو تعمیر کرایا ہے، جسکو آج تک پورے پانچو سال کا زمانہ گزرا، مندر کے شمال میں ایک کنڈھی ہے جسکا بیشتر حصہ زمین کے برابر ہو چکا ہے، بچتہ گھاٹ کے آثار کہیں کہیں نظر آتے ہیں، مندر میں یہ خوبی ہے کہ اسکی دیوار کے بیرونی حصہ میں جب قدر پتھر کے ٹکڑے (جسکھاریاں) وصل ہیں، ہر ایک پر مختلف ہندو دیوتاؤں کی تصاویر پوری کندہ ہیں اور اسقدر بڑا

اور ابھری ہوئی ہیں کہ تیس قدم کے فاصلہ سے بھی صاف نظر آتی ہیں، باہر کی طرف اندازاً دو سو چھکڑیوں سے کم ہوں گی، اس قدر تصویریں بھی سمجھ لینا چاہیے، حقیقت میں بڑی محنت اور صفت سے کام لیا ہے، دوسری صنعت یہ ہے، جبکہ مولف نے غور سے دیکھا ہے کہ جہاں پتھر کے ٹکڑوں کو باہم وصل کیا ہے... وہاں چونہ کی نہ مطلق معلوم نہیں ہوتی،

مندرجہ ذیل حصہ کسی قدر شوق ہو گیا ہے، جبکہ دیکھ کر مولف نے ہمراہیوں سے افسوس کا اظہار کیا، کہ چند سال میں ایسی عمدہ ترین عمارت منہدم ہو نہ والی ہے، جواب میں چند اسی اور شہر کے لوگوں نے کہا کہ وہ اپنی عمر سے مندر میں اسی طرح شکاف دیکھتے ہوئے چلے آ رہے ہیں، اس سے معماروں کی صنعت کا اندازہ کر لینا چاہیے، کہ جنہوں نے ظاہری نقش و نگار کے علاوہ اصل لح کی ترکیب دینے میں کمال کا اظہار کیا ہے، اس قسم کی دوسری عمارت نہ شہر میں نظر سے گزری ہے نہ دیہات میں، بعض برہمنوں نے بیان کیا کہ اسی قسم کا ایک مندر، قصہ، اودے پور تحصیل باسودہ، ضلع بہلیہ علاقہ گوالیار میں بھی ہے، مالوہ میں دوسری جگہ نہیں ہے لیکن مولف کو اس کا ذاتی علم نہیں ہے، لالہ جولیسی بانی عمارت کے خاندان کا کچھ تپہ نہ چلا، لوگوں کا خیال ہے کہ برہمن قوم سے تھا،

## تحصیل لیٹری کے دفتر کا مکان

۱۸ گز طویل ۵ گز عریض، دو منزلہ پتھر کا مکان قدیم ہے، باقی حصہ پیش دالان جدید ہے، قدیم کمرہ کے دونوں پہلوؤں میں پانچ پانچ گز کی مربع کونٹھڑیاں ہیں، اور فرش کے نیچے عمیق تہ خانہ ہے، جس میں آجکل سا ہوا لکڑی کا غلہ بھرا ہوا ہے، ایک چور دروازہ بھی مشہور ہے، عمارت کے مغرب میں وسیع میدان ہے، جہاں باغیچہ ہونے کی علامت پائی جاتی ہے، کتبہ کوئی نہیں ہے، سستی کے کئی پتھر آبادی سے باہر ہیں، ان میں سے دو سنی سنگروں کی ہیں، ایک پر سنہ ۱۱۰۹ء دوسرے پر سنہ ۱۱۰۹ء ایکری درج ہے، شہنشاہ عالمگیر کے عہد سے پہلے لیٹری علاقہ پر سنگر راجپوتوں کی عملداری تھی، لیٹری انکا صدر مقام تھا، موجودہ مکان انہی راجپوتوں کا تعمیر کیا گیا ہے، تحصیل لیٹری اور تھانہ کا دفتر جس حصہ

زمین میں واقع ہے، یہ رقبہ اور اس سے زیادہ اور بھی رقبہ سینکروئی گڑھی میں شامل تھا جس کے آثار آج بھی نظر آتے ہیں۔

## موضع کلراج کوٹرہ

سروخ سے ۲۸ میل کے فاصلہ پر گوشہ جنوب و مغرب میں، اور تحصیل لیٹری سے جنوب میں ۸ میل کے فاصلہ سے واقع ہے آبادی پہاڑ کے دامن میں ہے، چاروں طرف بلند پہاڑوں کا سلسلہ ہے آبادی کے متصل ایک پہاڑ پر گڑھی کے آثار ہیں جو چار بیگہ رقبہ میں ہے، گڑھی میں متذہب تختہ ایوانات کا وجود آثار سے ثابت ہے، جو تقریباً سب منہدم ہیں، صرف ایک مکان ۴۰ گز مربع کا قائم ہے، عمارت لداؤ کی ہے، جو اینٹ اور چونے سے مرکب ہے، پلاستر پر جگہ جگہ نقش و نگار بھی ہیں، اس محل کے مشرق میں ایک قدیم کنواں بھی ہے، جس میں ایک کھڑکی ہے، چکارا سہ محل کو گیا ہے، پہاڑی کے بلند سطح کو کھود کر تقریباً ۵ گز عمیق چاہ میں راستہ نکالا گیا ہے، جو محض اس غرض سے معلوم ہوتا ہے کہ محل کی کنیزیں پانی چاہ سے بھر کر لائیں، اور یہ پردگی نہ ہو، جگہ نہایت فرحت بخش ہے پہاڑ کا سبزہ دلوں کو اپنی طرف جذب کرنے میں مائل رہتا ہے۔

سطح کی فضائیت یوں اور بڑھ گئی ہے کہ محل کے شرق میں قدرتی ایک تالاب ہے جس کے تین طرف پہاڑوں کا مسلسل بند ہے، صرف ایک طرف ۵ گز پانی کے مور کے لئے راستہ تھا جسے گڑھی کے بانی نے بند باندھ کر بند کر دیا تھا، اس وقت تالاب کی موجیں، سبزہ زاروں کی بہاریں قابل دید ہوں گی، مدت ہوئی کہ بندھ ٹوٹ گیا ہے، جس سے تالاب کا پانی پہاڑ کے راس سے گذرتا ہوا چلا جاتا ہے، گڑھی مذکور سینکرو راجپوتوں کے عہد کی ایک شکستہ یادگار ہے، جس کا وجود شہنشاہ عالمگیر سے قبل اس نواح میں تھا۔

## موضع مراریا کی گڑھی

مراریا۔ سروخ سے مغرب میں ۲۲ میل کے فاصلہ پر تحصیل لیٹری کا وسیع الرقبہ موضع ہے

لے موجودہ زمانہ میں یہ گاؤں میرٹھان فاضل صاحب رحمہ اللہ غاں مرحوم کی اولاد کی جاگیر میں ہے ۱۲

جیسے سینگر راجپوتوں کی ایک گڈ ہی تھی، جبکہ آثار ۷۰ گز طول اور ۷۰ گز عرض میں آج بھی نمایاں ہیں  
فصیل تقریباً منہدم ہو چکی ہے، محلات بھی اکثر زمین کے برابر نظر آتے ہیں، گڈ ہی کے شرقی سمت میں  
چند محرابی دروازے، اور جنوب میں ایک پختہ قدیم عمارت آثار قدیمہ کے یادگاری نقش و نگار  
البتہ باقی ہیں، شرقی محرابی دروں کی طرز عمارت سے پایا جاتا ہے کہ یہاں اصل تھا، اور مشہور بھی  
یہی ہے، جنوبی عمارت دالان کی صورت میں ہے جس میں تین محرابی در ہیں، اور دونوں پہلو  
دو کوٹھے ہیں، چھت لداؤ کی ہے، عمارت میں مٹی کے پختہ نل وصل ہیں، متفیل شکل کا ایک پختہ چار  
بھی ہے، جس کے دہانہ پر مسقف چھوٹی مٹی چھتری ہے، اس چاہ کا پانی نلوں کے ذریعہ سے غائب  
زنا نعل میں پہنچایا جاتا تھا، پائین باغ کے بھی آثار نظر آتے ہیں، جسکو اسی چاہ کا پانی سیراب کرتا  
تھا، موجودہ زمانہ میں کنواں مٹی سے پڑ ہے،

موجودہ آبادی گاؤں کی نشیب میں اور گڈ ہی آبادی سے جنوب میں بلندی پر ہے، کتبہ  
گڈ ہی میں کوئی نہیں ہے، قرائن سے موجودہ آثار کی عمر تین چار سو سال کی معلوم ہوتی ہے،

## موضع پار دہ کی باؤلی

پار دہ سرخ سے گوشہ شمال و مغرب میں ۳۰ میل کے فاصلہ پر تحصیل شرقی کے محکومانہ رقبہ میں  
ایک قدیم موضع ہے، آبادی کے متصل ایک سنگین باؤلی ہے، جسکا جواب سواد شہر اور علاقہ سرخ  
میں کہیں نہیں ہے، باؤلی ۱۶ گز عمیق ہے، جسکا قطر ۷ گز ہے، سطح زمین سے سطح اب تک ۲۵ میٹر یا  
ہیں، جسکا طول پہلی سیڑھی سے دہانہ تک ۱۰ گز اور عرض ۷ گز ہے، دونوں پہلوؤں میں دو-دو گز  
آثار کی دیواریں ہیں، اور دیواروں سے متصل اندر جانب نصف نصف گز عرض ایک دوسری  
فصیل ہے، جس پر و انسان گذر کر اوپر کی محراب تک پہنچ جاتا ہے، اس طرح ایک گز عرض فصیل مذکور  
کا حصہ نکال کر باقی ۳ گز عرض سیڑھیوں کا عرض ہے، جو ایک خط میں نیچے تک چلا گیا ہے،  
ہر دس بارہ میٹر ہیوں کے بعد دو-دو گز عرض میدان چھوڑ دیا گیا ہے۔

باؤلی میں اوپر تلے چار چار گز بلند، تین حسین محرابی دریں، اور ہر دریں دونوں طرف  
 محرابیں ہیں، محرابوں کے اوپر پلہ ۲ گز عرض لداؤ کی چھت ہے،  
 تیسرے محرابی در کی چھت پر شمال کی طرف اوپر جانے کا زینہ اور جنوبی پہلو میں ۱۲ گز مربع  
 کی کوٹھری ہے زینہ پر چڑھ کر محراب کی چھت اور دیواروں پر انسان اچھی طرح آجا سکتا ہے، پہلے  
 اور دوسرے محرابی در میں آمدورفت کا راستہ نہیں ہے، یارش کے پانی سے نیچے کے دونوں محرابی  
 در ڈوب جاتے ہیں، مؤلف نے دیکھا ہے کہ دیہاتی بچے اوپر کی محراب سے باؤلی میں جیت کرتے  
 اور نہاتے ہیں، اور نہایت پھرتی سے غوطہ لگا کر محرابوں کے آر پار آتے جاتے ہیں، عمارت سیاہ پتھر  
 اور چوٹے کی نہایت درجہ حسین ہے، یورپین افسر بھی دورہ کے سلسلہ میں آکر اور غور سے دیکھ کر  
 ششدر رہ جاتے ہیں، موجودہ زمانہ میں باؤلی کا دہانہ پتھروں کے گر جانے سے سطح زمین کے سوار  
 ہو گیا ہے، پہلے سطح زمین سے ۳ گز بلند دہانہ کا چبوترہ تھا، باقی عمارت کا تمام حصہ سالم اور برقرار ہے  
 باؤلی اس قابل ہے کہ آثار قدیمہ کی حفاظت کے خیال سے اس پر توجہ کی جائے، تیسرے محرابی در کے  
 جنوبی پہلو میں ایک مربع لوح پر سنگین کتبہ ہندی میں ہے، بعض بعض جگہ کے حروف شکستے ہیں،  
 اسلئے مسلسل عبارت پڑھنے میں نہیں آتی، جتھدر حصہ پڑا گیا اسکی نقل ذیل میں درج کی جاتی ہے  
 سری گیش مہائے نامہ ۱۲۳۱ بکری، برکھے بہادوں بدی، سنگر مکینہ نمکے  
 چتر مہ نامہ ۱۲۳۱ بکری، پرگنہ سرورج سرکار چندیری عمل سری نورنگ سہائے  
 قانون گوکر پارام سرکاری قانون گو  
 صاحب پارہ کا پٹیل ہری داس (آگے اسکی اولاد کے نام درج ہیں) اس کے بعد کا خط  
 پڑھا نہیں جاتا۔ اس کتبہ سے معلوم ہوا کہ ہری داس پٹیل نے باؤلی ۱۲۳۱ بکری میں تعمیر  
 کرائی ہے، جو نورنگ سہائے کی نگرانی میں مکمل ہوئی ہے جسکو آج تک ۶۰ سال ہوئے،  
 عمارت گو بہت قدیم نہیں ہے، لیکن اس علاقہ کی ایک یادگار اور قابل تعریف عمارت ہے،  
 لہ پٹیل، یہاں کی زبان میں زمیندار کا مراد ہے ۱۲ مؤلف

# آٹھواں باب

سروج کے قدیم و جدید معزز خاندانوں کے تاریخی معاشرتی حالات

ماہجوجل دوروزہ درگلشن جہانیم  
سے اعتماد باشد بر رنگ بستی ما (نعمت خاں عالی)

تمہید

سروج کی ابتدائی آبادی تقریباً ساڑھے آٹھ سو یا نو سو سال کی پائی جاتی ہے، لیکن سروج نے جب سے قصبہ کی حیثیت اختیار کر کے تعمیری و تجارتی ترقی شروع کی ہے، زیادہ سے زیادہ پانچ سو سال کا زمانہ گذرا اس مدت میں سینکڑوں معزز خاندان دوسرے مقامات سے منتقل ہو کر یہاں آئے، اور مستقل سکونت اختیار کی، شاہان تیموریہ نے بھی قدیم خاندانوں کے ساتھ بہت کچھ شایانہ مراعات و عنایات کا اظہار کیا، جس سے ان کے قیام کو مزید تقویت پہنچی، یہاں تک کہ آج ان خاندانوں کی سینکڑوں یادگاریں آثار قدیمہ کی صورت میں، سروج اور سواد سروج میں نظر آتی ہیں، جنہیں اس زمانہ کے مول اور اعلیٰ تمدن کا بھی پتہ چلتا ہے، خاندانوں میں سلطان شیر شاہ سوری سے پہلے کا کوئی خاندان آج یہاں ایسا موجود نہیں ہے جیسے پاس کوئی تحریری سند ہو،

مسلمانوں میں سادات، مشائخ، مغل، افغان، سے معزز خاندانوں کی اولادیں آج بھی موجود ہیں، جنکے بزرگوں میں بڑے بڑے جلیل القدر علماء، قضاة، اولیاء اللہ گذرے ہیں، پٹھانوں میں شجاع ترین ہستیوں کا آج بھی نام زندہ ہے، جنکی نظروں میں مالوہ کی جنگی بساط بازیہ اطفال تھی، اعلیٰ ہندو اقوام میں کالیہ، اگر وال، پردارا، پہارگو، مہیسری، کہتری، ادسوال، راجپوت، برہمن۔ یہاں آباد ہو کر، ملازمی، کاروباری اور تجارتی حیثیت سے بہت کچھ ترقی کی دیگر پیشہ ور جماعتوں نے نام آج بھی ان کی کمال متاعی کی بدولت اطراف مالوہ میں متاثرانہ حیثیت

سے زبانوں پر ہیں،

غرض آج تک لاکھوں نامور ہستیاں خاک سرج سے پیدا ہو کر ویسی خاک میں مل چکی ہیں لیکن افسوس اسکا ہے کہ خود انہوں نے یا ان کے اخلاف نے اپنے اسلاف کے کارناموں، صنعتوں اور علمی و استیمانیوں کے محفوظ رکھنے کی طرف کوئی توجہ نہیں کی، اس بے خیالی اور فروگزاشت نے اسلاف کے تمام علمی، اخلاقی، ادبی، اور صنعتی جوہروں پر پردہ ڈال رکھا ہے، جسکی وجہ سے مولفین حال کی کوششیں اصلی اور صحیح حالات ہم پہنچانے میں قطعی یکارہیں، جو کمی رہ گئی ہے وہ آج پوری نہیں ہو سکتی، اس کے لئے اپن قلم معذور ہیں،

گیرم کہ مرا طرزِ نوشتن نہ شد از یاد پیدا ست کہ بایں سر و سامان چہ نویسم (شہلی غانی)  
شاہی ملازمت اور خاندانی اعزاز کے لحاظ سے بعض قدیم خاندانوں میں کچھ اسناد شاہی موجود ہیں۔ ایک یاد و خاندانوں کا تذکرہ تاریخ میں بھی ہے۔ ان سب کی امداد سے جس قدر حالات ہم پہنچ گئے وہ درج کئے جاتے ہیں۔ اور جن قدیم خاندانوں میں کوئی تحریری سند نہیں ہے۔ وہ نظر انداز کر دئے گئے ہیں۔ خاندانوں کو ذیل کے عنوانات میں تقسیم کیا گیا ہے۔

۱) خاندان قدیم۔ اس سے مراد ان خاندانوں سے ہے جو بانی ریاست کی حکومت سے پہلے کے یہاں آباد ہیں (۲) خاندان جدید، اس سے مقصود ان خاندانوں کے افراد ہیں جن کے اسلاف نواب امیر الدولہ امیر الملک بہادر کے خاص رفقا میں جنگی حیثیت سے نامور اور شجاع گذرے ہیں، جنہیں سے بعض کے واقعات و حالات جاہل بازی و سپہگرمی اور وفاداری کے امیر نامہ میں بھی اجمالاً درج ہیں اس کتاب میں اختصار کے ساتھ اسناد اور ان کے حالات درج کئے جاتے ہیں۔ جن روشن خیال خاندانی ممبروں نے تفصیلی حالات ہم پہنچائے ہیں مولف کی امداد کی ہے وہ تفصیل کے ساتھ درج ہیں اور جنہوں نے کمی کی ہے اسکا الزام مولف پر نہیں ہے، مولف نے چاہا تھا کہ دونوں دور کے خاندانوں کو اس ترتیب سے کتاب میں جگہ دیجائے، جس ترتیب سے وہ باعتبار سنوات یہاں آکر آباد ہوئے، لیکن مجبوری یہ رہی کہ یا وجود سعی یلغ حالات سلسل جمع نہ ہو سکے اس لئے تقدیمی ترتیب



کا سلسلہ قائم نہ رہ سکا، بہر حال سنوات سے خاندانوں کی آبادی لگے بہاں قیام و سکونت کا حال معلوم ہو سکتا ہے

## سلسلہ خاندان قدیم

علی خاندان قاضی رکن الدین بر خوردار محتسب قاضیان سرخ استاد شاہی کی  
رد سے سرورج

میں جتنے معزز خاندانوں کا پتہ چلا ہے، انہیں یہ پہلا خاندان ہے، جو شیر شاہی حکم سے ۹۴۹ھ میں یہاں آباد ہوا، موجودہ رکن خاندانی قاضی شیخ مرتضیٰ صدیقی ہیں، جنکی اس وقت ۵۵ سال کی عمر ہے بھونی علم کے آدمی ہیں، قوت حافظہ ضعیف ہے وہ اپنا سلسلہ نسب بھی بتا سکتے، لیکن قاضی صاحب کا یہ کریمانہ اخلاق قابل شکر یہ ہے کہ تمام قدیم اسناد (جو سینکڑوں کی تعداد میں ان کے پاس محفوظ ہیں) مولف کے سامنے لا کر رکھ دیں، بعض اسناد سالم، اور اکثر دریدہ ہیں انکی گھنٹوں مسلسل دیکھنے کے بعد کاغذات مذکور سے قاضی صاحب کا سلسلہ نسب ۱۲ واسطوں سے اس طرح پروردگار اعلیٰ تک پہنچتا ہے،

قاضی مرتضیٰ ابن قاضی مصطفیٰ ابن شیخ احمد ابن شیخ مبارک ابن شیخ امامی ابن قاضی جلال الدین ابن قاضی شیخ محمد، ابن قاضی نظام الدین ابن شیخ مصطفیٰ ابن شیخ احمد ابن قاضی مبارک ابن قاضی بر خوردار محتسب برادر قاضی رکن الدین = سلطان شیر شاہ سوری نے ۹۴۹ھ میں ۳۹۰ بیگہ آراضی مع باغات رکن الدین محمد اور قاضی بر خوردار محتسب وغیرہ کو ایک ہی حکمانہ کے ذریعہ سے عطا کی تھی، جنگو بالعد کے ہر ایک بادشاہ اور رئیس نے بھی بحال رکھا۔

آج اس آراضی کا بیشتر حصہ بیخ و بھن کے ذریعہ سے دوسروں کے قبض و تصرف میں ہے، سند شیر شاہی مورخہ ۹۴۹ھ مولف نے دیکھی ہے جو اسی خاندان میں محفوظ ہے، شہر کے گوشہ مغربی و شمالی میں اس خاندان نے سکونت اختیار کی، اسی جگہ سے دوسو گز کے فاصلہ پر

سلسلہ سند کی پوری نقل باب دوم (مولف کی تحقیقات کا نتیجہ) کے عنوان صفحہ پر درج کر دی گئی ہے ۱۲ مولف

کی تصحیح دی گئی ہے، جبکہ ساحل پر خاندان میں سے کسی بزرگ نے پختہ گھاٹ بنوایا ہے، جو قاضی گھاٹ کے نام سے مشہور ہے، اس مناسبت سے محلہ بھی قاضی گھاٹ کے نام سے معروف ہوا جہاں بیسویں پختہ مکانات کے آثار آج بھی موجود ہیں، لیکن بنیادوں کے پتھر تک اٹلا سنے کھود کر فروخت کر دیئے ہیں، اب تمام محلہ ویران ہو کر میدان ہے، موجودہ قاضی صاحب ایک خام مکان سقالہ پوش میں رہتے ہیں، مکان کے سامنے پختہ مسجد کے صحن میں چاہ بھی ہے گو مسجد سالم ہے مگر نماز پڑھنے والا ایک بھی نہیں ہے، قاضی رکن الدین محمد کی اولاد کا کچھ پتہ نہ چلا اتنا ضرور پتہ چلتا ہے کہ قاضی برخوردار محاسب اور قاضی رکن الدین باہم قریبی رشتہ دار تھے متوکل الہدائی کی اولاد میں قاضی کریم اللہ، فیض اللہ شیخ عثمان خطیب کا عہدہ قضا اور خطابت پر عہد فرخ سیر میں امور ہونے کا یہ اسناد سے چلتا ہے،

محمد خطیب کی اولاد میں، شیخ عثمان کا عہد شاہجہانی میں عیدین کی خطابت پر مامور رہنا ثابت ہے، جن کو ذریعہ سند مہری نواب ثانیہ خاں سروج میں معافی عطا کی گئی تھی، موجود زمانہ میں ان بزرگوں کی اولاد میں سے صرف قاضی مرتضیٰ صاحب یادگار باقی ہیں چونکہ ان کی کوئی اولاد نہیں ہے، اس لئے اس قدیم سلسلہ کو ختم سمجھنا چاہیے،

سوائے خدات قضا، خطابت اور افتاء کے کسی دیگر کام پر اس خاندان کے افراد کا مقرر رہنا اسناد سے پایا نہیں جاتا، حقوق نکاح خوانی اور معافیات کے سوا اور کوئی ذریعہ معاش بھی ان بزرگوں کا نہ تھا، عیدین پر البتہ کسی قدر نقد اور پارچہ کا ملنا خلعت کے طور پر ثابت ہے، موجودہ زمانہ میں بھی ریاست سے عیدین پر خطیب اور مفتی کے لئے نقد حقوق مقرر ہیں اور بعد نماز عیدین ان کو خلعت پارچہ بھی عطا ہوتا رہا ہے موجودہ زمانہ میں جو دارالقضا کے حاکم ہیں، نکاح خوانی کا تعلق بھی انہی سے ہے۔

قاضی مرتضیٰ صاحب کو حصہ رسدی نکاح خوانی کا اب بھی کچھ حق ملتا ہے، اس سے زیادہ اور کوئی حالات معلوم نہ ہو سکے،

ع  
خاندان خواجہ سید عبدالبہادی  
بانی محلہ حاجی پور

خواجہ صاحب مرحوم کے سلسلہ ذکور میں کوئی باقی  
نہیں رہا، البتہ دھڑی اولاد میں اس وقت مرزا  
مسیح اللہ بیگ عرف محبوب میاں اور سید آصف علی  
ولد سید انور علی مرحوم بقید حیات ہیں، اول الذکر

محلہ کھار بازار میں، اور آخر الذکر محلہ چھپشی میں سکونت پذیر ہیں، خواجہ صاحب کے والد کا نام  
سید صدر جہاں تھا جو حضرت امام الاولیاء، سلطان المآقیف خواجہ بہا الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ  
کی اولاد میں سے تھے،

مرزا مسیح اللہ بیگ نے جو شجرہ انساب مؤلف کو دکھایا ہے اس سے واضح ہے کہ خواجہ عبدالبہادی  
مرحوم کے دو بیٹے خواجہ محمد ظاہر اور خواجہ محمد ہاشم تھے، محمد ظاہر لا ولد فوت ہوئے، خواجہ محمد ہاشم  
کے بیٹے خواجہ محمد شاہ تھے، اس کی تصدیق سند مہری، شاہ عالمگیر ثانی مورخہ ۱۰۳۵ھ راہ شوال ستہ  
جلوس سے ہوتی ہے، جو مرزا مسیح اللہ بیگ کے پاس محفوظ ہے، بزرگان دین کے ناموں کا شاہی  
استاد میں اس قدر احترام کیا گیا ہے کہ شاہی ہر سے اوپر نام اون کا درج ہوتا رہا ہے، ایسا ہی  
اس سند میں بھی عمل ہے۔

۱۔ ہر ابو النضر معین الدین عالمگیر ثانی بادشاہ غازی (گول ہر سیاہی کی) دوسرا نظرا بخط سرخی،  
شاہی مہر کے اوپر (حضرت خواجہ بہا الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ)  
در بنوقت ہیمنت اقران فرمان والا شان واجب الاذعان صادر شد کہ موضع لمسی پور ساکون در ہیبت علم پر گنہ سروج سرکار چندیری  
صوبہ مضاف آلہ بلا قیصر جمع دوم از ابتدائے خریفہ نوشقان میل (نام مہینہ) در زوج انعام التما بمعرفہ زندان و سلطان و ملتگان  
خواجہ محمد شاہ و خواجہ محمد ہاشم از فرزندان (نام مہر کے اوپر درج ہے) اور یہاں تھوڑی جگہ خالی ہے، جس میں محقر باشند یا دیگر حکام عالی  
و متعالیٰ در فرمان بہا و جاگیر داری حال استقبال و ہیبت موضع مذکور ہیبت انتہا با رنگزار مذکور حاصلات آنرا صوبہ ہیبت خود انعموا  
بقائے دوام دولت ابظر (مؤتبست می نمود باشند وار) جمع و چوہ و موافق امان و مرفوع القلم شانہ و اندرین ایچ رسال  
سند محمد و نظربند و اگر در محال چیز سے داشتہ باشند آنرا اعتقاد کنند و تحریر تاریخ ہیبت دسوم شہر شوال ستہ جلوس مطابق ۱۰۳۵ھ

خواجہ محمد شاہ کے صرف ایک بیٹے خواجہ غلام حسین نامی تھے جنکی ایک بیٹی فحما بی بی عالم و دین میں آئیں ماحرم راجع اللہ بیگ کے دادا مرزا فتح اللہ بیگ کو منسوب تھیں، اس سلسلہ سے مرزا مسیح اللہ بیگ خواجہ صاحب کی دھڑی اولاد ہیں ہو کر آراضی متروکہ کے کسی قدر حصہ پر آج بھی قابض ہیں سید اصغر علی ولد سید انور علی مرحوم ساکن محلہ چھٹی بھی اپنے کو خواجہ صاحب کی دھڑی اولاد میں بتاتے ہیں، انہوں نے مولف کو جو قدیم کاغذات دکھائے ہیں، ان کے معائنہ سے معلوم ہوا کہ خواجہ صاحب کے ایک پوتے یا نواسے خواجہ محمد شفیع بھی تھے، دلفظ نسیرہ لکھا ہے، جبکا اطلاق دونوں پر ہوتا ہے (جنکے بیٹے خواجہ محمد رفیع پھر انکے دو بیٹیاں، عابدہ بانو اور ہربانو تھیں۔

ہربانو کی بیٹی عاتقہ بانو کی اولاد میں سید اصغر علی ہیں، انکے والد سید انور علی کے حصہ میں سرسے پنختہ واقع محلہ ہادی پور، متروکہ خواجہ عبدالہادی مرحوم سے آئی انہوں نے حکیم شیخ احمد صاحب مرحوم کے عہد نظامت ۱۲۹۷ھ میں ایک سو بیگہ آراضی کے معاوضہ میں سرسے مذکور بحق ریاست منتقل کر دی جس پر اب ریاست کا قبضہ ہے۔

بعض کاغذات و اسناد مقبوضہ سید اصغر علی صاحب مذکور سے پہنچتا ہے کہ عہد محمد شاہی میں خواجہ عبدالہادی مرحوم کے پوتوں یا نواسوں سے خواجہ سید جہان، خواجہ سید احمد اور خواجہ سید بنیب اللہ بھی گزرے ہیں، لیکن ان کی اولاد کا آگے کیچھ سلسلہ نہیں چلتا، خواجہ سید عبدالہادی مرحوم شاہجہاں صاحب قرآن ثانی کے ابتدائی دور حکومت میں سرورج کی امارت پر ممتاز تھے، اور یہ وہ زمانہ ہے جبکہ بیہارم جلوس شاہجہانی مطابق سلسلہ میں خانجہاں لودی نے سلطنت کے مقابلہ میں علم بغاوت بلند کرتے ہوئے سرورج پر بھی تاخت کی تھی

سے نقل حکم نظامت سرورج مورخہ شعبان ۱۲۹۵ھ کو نقل حکم سید اصغر علی کے پاس محفوظ ہے، ملکہ صلابت خاں نام تھا، جہانگیر نے خانجہاں کا خطاب دیا اور فرزندوں کی طرح اسکو غریب لکھا مالوہ اور دکن میں مہل نام رکھا چونکہ اس نے ملک بالا گھاٹ نظام الملک کو دیر یا تھا، جسے شاہجہاں نے اپنے عہد میں واپس لے لیا، خانجہاں تارک اور واپسی کی بنا پر شاہجہاں سے بدگمانی ہوئی، جبکہ نتیجہ بغاوت اور خانجہاں کے قتل کی صورت میں برآمد ہوا، ۱۲۰۷ھ میں تارک جہانگیر د

اور سسروچ سے خالصہ شریفہ کے پچاس ہاتھی لے جانے میں کامیاب بھی ہو گیا تھا، خواجہ صاحب اور اُن کے باپ سید صدر جہاں کی وقادارانہ اور جانتا زانہ عمل ہی کا نتیجہ تھا کہ اس وقت سسروچ کی آبادی خانجہانی غارتگری سے محفوظ رہی،

صاحب سیر المتاخرین جلد اول ذکر چہارم جلوس شاہجہانی کے تذکرہ میں لکھتے ہیں،

چوں لشوئی خانجہاں خاں لودی ولایت نظام الملک لکھ کوپ گشت  
وداعیہ نظام الملک صورت نگرقت، خانجہاں را اعتمادی بروستی  
نظام الملک تانڈو ترسیدہ کہ براد بروئے مصلحت حال خود ہا و غدرے  
کنند بنا برس، رو بہا لوہ نہاد، و عبد اللہ خاں تا بال گھاٹ تقاب نمود  
وسید مظفر خاں پارہا و چہ دیگر بالنصر ہم لودی از حضور خست یافتہ  
باو ملحق شدند، و در سسروچ رسیدہ آگئی یافتند کہ مقام ہیر از لواحق شہر  
بنجاہ فیل سرکار خالصہ شریفہ بردہ اند و خواجہ عبد الہادی، پسر صفدر خاں  
کہ بہ نیابت پدر آخا بود محافظت شہر نمودہ ساکنان آبخارا از شیر آہنا  
حراست کردا خانجہاں از دست راست سسروچ بلک بوندیلہ در آمدہ

از کالپی سربراوردہ،

اس کے آگے خانجہاں کے ساتھ شاہی لشکر کا مقابلہ کرنا اور اسکے مارے جانے کا تذکرہ ہے

فارسی عبارت میں خواجہ صاحب کے والد کا نام صفدر خاں درج ہے۔ سادات کے نام میں، خاں کے استعمال سے خیال ہوا کہ شاید خانی کا خطاب اُن کو ملا ہو، سلسلہ تلاش ایک بیعنامہ مورخہ، رجب ستمہ جلوس عالمگیری مطابق سال ۱۱۰۵ھ نوشتہ سماء بی بی حنیفہ بنت شیخ جعفر بن شیخ دائود (خواجہ صاحب سید عبد الہادی مرحوم) قاضی مرتضیٰ صاحب کے کاغذات میں نظر سے گذرا، اس سے معلوم ہوا کہ خواجہ صاحب کے

والد کا نام سید صدر جہاں اور اُن کے والد کا نام سید ابراہیم تھا، کاتب کی غلطی سے صد جہاں

کے بجائے صدر خاں درج ہو گیا ہے۔ اس بیغنامہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ بی بی حنیفہ قاضیان محلہ قاضی گھاٹ کی اولاد سے تھیں جنہوں نے اپنے حصہ کی اراضی محلہ قاضی گھاٹ اپنے بھائی کریم اللہ کو فروخت کر دی تھی اس بیغنامہ پر خادم شرع شیخ محمد صادق کی مہر ثبت ہے، خواجہ صاحب مرحوم کا کس سسٹم میں انتقال ہوا، اسکی تصدیق کسی کاغذ سے نہ ہو سکی، اس سونچ کی آبادی کے گوشہ جنوب و مشرق میں حاجی پور کے نام سے ایک محلہ ہے، شاہی اسناد سے واضح ہے کہ صحیح نام اس کا آبادی پور تھا، جسے خواجہ صاحب نے آباد کیا تھا، اسی پورہ کے جنوبی گوشہ میں عالیشان سرائے پنچہ اور مشرق میں غلہ کی منڈی بھی قائم کی تھی، اسی مناسبت سے شہر نیاہ کا شرقی دروازہ بھی منڈی دروازہ کے نام سے آج تک مشہور ہے، دروازہ کے جنوب میں خواجہ صاحب کی عالیشان اور وسیع حویلی تھی، جسکی بنیاد آج زمین کے برابر ہے، اسی جگہ اصطل بھی تھا، جس کا پنچہ محرابی دروازہ آج بھی قائم ہے،

سر کے پنچہ آج بھی موجود ہے، جسکا تذکرہ آثار قدیمہ کے عنوان میں گذر چکا ہے، غلہ کی منڈی جو قائم ہوئی تھی، اسکا محصول خواجہ صاحب کے بعد بھی عرصہ تک وراثت کے حق میں حکومت کی طرف سے معاف تھا، - - -

لے نقل پروانہ بہری شیر خاں بندہ عالمگیر بادشاہ غازی صدیان، ہماں حال استقبال پرگنہ سروخ و اندک چون بموجب فرمان عالیشان قضاہریان، مراٹھے، وبارغ وادی پورہ محلہ پرگنہ مزبور مرحوم خواجہ عبدالہادی متعلق داشتہ و برطبق اسناد و حکام سابق بعد فوت و متلفہ انش قاضیان و متصرفانہ، لہذا قلمی میگردد کہ بدستور قدیم سراسرے و بارغ مزبور با شہا متعلق داشتہ، وراں ملاطفت نہایت دیکھ و جب مزاحم نشوند، تا تاریخ ثبت ہشتم شہر محرابی سلسلہ جلوس تحریر یافت مطابق سنہ ۱۰۹۰

دیگر پروانہ عہد عالمگیری مرحوم نجم جلوس مطابق سنہ ۱۰۹۰، دیگر پروانہ بہری شاہ وردی منظم شاہی مرحوم سنہ جلوس دیگر پروانہ نائب وزارت عنایت خاں فرزی محمد شاہ بادشاہ غازی سلسلہ جلوس مطابق سنہ ۱۰۹۰ (بقیہ بر ص ۴۰۰ پیڑہ)

سندھری محمد شاہ بادشاہ غازی مورخہ مفتاح شوال ۳۹۰ھ جلوس مطابق ۳۹۰ھ سے واضح ہے کہ ۵۵۵ھ میں محلہ ہادی پورہ سرائے پنچہ اور منڈی کی تاسیس شروع ہوئی تھی جس کا طول ۲۵ ذوری اور عرض ۱۴ ذوری شاہی سند میں درج ہے ، بعد میں ہادی پورہ کے اطراف میں آبادی کو بہت زیادہ وسعت ہوئی ، اور وہ تمام آبادی آج ہادی پورہ کے نام سے معروف ہے ، خواجہ صاحب مرحوم کا عالیشان مقبرہ اسی محلہ ہادی پورہ کے متصل بیرون فصیل شہر تنگ اصلی حالت پر قائم ہے ، جبکا ذکر مقابر کے سلسلہ میں گذر چکا ہے ، خاندانی متواتر روایت یہ ہے کہ خواجہ صاحب کا دہلی میں انتقال ہوا اور اُن کی وصیت کے مطابق نعش دہلی سے سروج تابوت میں لائی گئی ، اور وہی تابوت مقبرہ میں رکھ دیا گیا ، واللہ اعلم ،

خواجہ صاحب کا مزار انہی کی بنا کردہ مسجد خانہ اُن خواجہ محمد صالح صدیقی کے قریب محلہ رکاب گنج میں واقع ہے ،

مسجد کے کتبہ سے واضح ہے کہ مرحوم عہد شاہجہانی میں ناظم مالوہ تھے اور مزار کے کتبہ سے ظاہر

(بقیہ صفحہ گذشتہ) بے سنگہ والی جے پور ناظم مالوہ ، سب اسی مضمون کے ہیں ، انہیں منڈی کے حصول کی مافی کا بھی تذکرہ ہے راجہ جے سنگھ کے نام جو حکمران ہے اُسکی نقل حسب ذیل ہے ، ، نائب امارت و دیالت پناہ دینے والا راجہ رائے راجہ راجہ دھیرا جے سوائے جے سنگھ کہ درپرگتہ سرورج صوبہ مالوہ است بلانکہ درخواں میر خیمہ خیمہ خواجہ خلید ہادی اتاس نمود کہ ایک قطعہ دسراے پنچہ و منڈی سیمی یہ ہادی پورہ بنا ساختہ خواجہ نور در سواد قبضہ سرورج واقع است کہ انی در انجا استقامت در زیدہ باشندگان آن حضرت و نیاز میرا منداں معنی باعث پریشانی و ریرانی موطنان آنجا است امیدوار است کہ دریں باب یاد قلمی گردد ، لہذا نگارش میرود کہ بر تقدیر وقوع کسان خود را از حضرت دایدا برکت پورہ مذکور باز دارد ، دریں باب تاکید داند کہ مکرر نالش بمیاں نیاید قسط ، دوازدہم محرم سلسلہ جلوس تحریر یافت - ۱۳

ملہ در عہد خلافت شہاب الدین محمد صاحب قرآن ثانی شاہجہان بادشاہ غازی بندہ محمد صالح صدیقی کہ خدمت صوبہ مالوہ داشت در کتبہ ایں یقین فیض بنیا تھا ، تعمیر کرد ، ۱۲

ملہ ہاں شیخ صالح کہ پیشین فلک پافر و شے گرداں از انقیاد و وزیر خرد مندر کامل کہ داشت پرمود بادشاہ جہاں اعتماد (بقیہ صفحہ آئندہ)

ہوتا ہے کہ خواجہ صاحب وزیر سلطنت کے عہدہ پر بھی متاثر رہے ہیں ان دونوں کتبوں کی نقلیں  
 مساجد و مقابر کے سلسلہ میں درج کر دی گئی ہیں، فٹ ٹوٹ میں بھی یہاں درج کیجاتی ہیں، ایک  
 ہفتہ کی سسل تلاش کے بعد مولف کو میانجی فیض محمد مرحوم (فارسی کے مشہور استاد) کا ایک  
 قلمی مسودہ نظم جس کا نام تاریخی خیابان خیال ہے، ملتا آیا، اُس کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ شیخ  
 زادگان افضل محمد، فاضل محمد، اور عاقل محمد، ساکنان محلہ تلیا، خواجہ صاحب کی اولاد میں اس وقت  
 بقید حیات ہیں، بقدر تعجب کی بات ہے کہ خود ان حضرات کو آج تک علم نہیں ہے کہ وہ کئی اولاد میں سے ہیں،  
 اسناد شاہی انکے یہاں محفوظ نہیں ہیں معلوم ہوا کہ ۳۰ برس پہلے بہت سے کاغذات بیکار  
 سمجھ کر تلف کر دیئے گئے،

میانجی صاحب مرحوم المتوفی ۱۳۱۷ھ نے نظم کے اخیر میں سلسلہ نسب کی جو صراحت کی  
 ہے اُس سے واضح ہوتا ہے کہ خواجہ صاحب مرحوم کے دو بیٹے ایک ایچ محمد نظام اور دوسرے  
 خواجہ محمد حیات تھے، خواجہ محمد نظام کے محمد خلیل اور محمد جلیل دو بیٹے تھے، اور یہ چاروں  
 اصحاب اہل تصنیف گذرے ہیں، مگر مولف کو کوئی تصنیف مطبوعہ یا غیر مطبوعہ ان بزرگوں کی  
 نہیں ملی، میانجی مرحوم کا سلسلہ نسب اُن کی تصریحات کے مطابق اس طرح ہے -  
 میانجی فیض محمد، بن وزیر محمد بن واصل محمد بن محمد مراد بن محمد خلیل بن محمد نظام بن خواجہ محمد  
 مرحوم، میانجی مرحوم کا ایک بیٹا بشیر محمد بقید حیات ہے،

وزیر محمد کے ایک پسر منیر محمد مرحوم تھے، اُن کے بیٹے افضل محمد فاضل محمد اور عاقل محمد  
 ہیں۔ جبکہ تذکرہ اوپر کیا گیا ہے، افضل محمد خانہ نشین ہیں، دوسرے بھائی فاضل محمد پولیس میں  
 برسرِ خدمت ہیں۔ ان دونوں کے علاوہ اندر نازشا جاں بداد پانچویں نمود ستارچ آں پانچواں نمود متبرش خلد باد،

سے تاریخ مزار خواجہ محمد صالح نقل کر کے لکھتے ہیں (صفت انکے دو بیٹے یہ نیکو صفات، محمد نظام اور محمد حیات، تصانیف اُن کی شہرہ کا  
 زمانہ میں نزویک اور دور ہے، پسر و نظامی کے تال و قیل۔ محمد خلیل اور محمد جلیل، محمد خلیل اہل صدق و سواد، پانچویں نمود کے بیٹے محمد مراد  
 پسر انکے واصل محمد ہوئے، پانچویں نمود کے بیٹے فاضل محمد ہوئے، پانچویں نمود کے بیٹے واصل محمد ویرم ہیں پور انکا ہوا بقبر، صفحہ ۱۳۵، خیابان خیال



کانٹیل، تیسرے بھائی ریاست کوروائی میں تھانہ دار ہیں، اراضی ملک ان کے قبضہ میں کچھ نہیں ہے خواجہ صاحب مرحوم کی کچھ اراضی متروکہ ضرور ہے، جو دری با فوں کے قبضہ میں نہیں معلوم کس طرح پہنچ گئی ہے،

میانجی فیض محمد مرحوم فارسی کے مہی استاد تھے، منظری تخلص تھا، اُن کا کلام نظم و نثر اردو فارسی کا مؤلف نے بھی دیکھا ہے ملحق الحدود علاقوں میں انہوں نے بڑی شہرت حاصل کی تھی، آج ادب لہستان سرونج میں مرحوم ہی کے شاگردوں کا اکثر فیض جاری ہے مرحوم کے خاص شاگردوں نے مؤلف سے حلیہ بیان کیا ہے کہ میاں جی مرحوم خود اس بیان کے راوی تھے کہ اُن کا علم اکتسابی نہیں ہے بلکہ وہی ہے اور مرزا اقدس حضرت شاہ محمد مصطفیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر کسی سفید پوش بزرگ سے حاصل ہوا ہے، ممکن ہے کہ یہ روایت صحیح ہو، اور حضرت خضر علیہ السلام سے اُن کو استفادہ ہوا ہو، جیسا کہ حضرت نظامی گنجوی صاحب سکندر نامہ کو اس طرح پر اپنی نسبت اعتراف ہے،

میر خضر تعلیم گرو دوش : ہر ان سے کہ آمد پذیرائے گوش  
لیکن اس کے خلاف محمد مصطفیٰ خان صاحب سرشتہ دار فوجداری سرونج جو مرحوم کے شاگرد نہیں تھے (ہیں) بیان کرتے ہیں کہ ایک ستیاچ بزرگ بغدادی صاحب معروف سرونج میں کئی سال مقیم رہے تھے، جن سے میانجی صاحب مرحوم نے علم فارسی حاصل کیا تھا، واللہ اعلم،  
خواجہ صاحب کو چونکہ وزارت اور حکومت مالوہ سے منسوب کیا گیا ہے اسلئے اس ممتاز تہی کی تلاش میں مؤلف نے کئی تاریخوں کے صفحات چھان ڈالے کچھ نتیجہ نہ چلا،  
کتاب اثرا المامرا، مشہور تاریخ فارسی مؤلفہ نواب مصمم الدولہ شاہ نواز خاں بک تصحیح مولوی عبدالرحیم صاحب مدرس مدرسہ عالیہ کلکتہ نے کر کے مشتمل میں طبع کرائی ہے،

لے آپ کا مرزا سرونج کی آبادی کے گوشہ جنوب و مشرق میں ایک سین کے فاصلہ سے ایک پہاڑی پر واقع اور وہ پہاڑی مصطفیٰ شاہ کی ٹیکری کے نام سے معروف ہے، ۱۲ مؤلف

شاہی امرایان مہند کے نام اور حالات اُس میں بالتفصیل درج ہیں۔ اس کتاب کے صفحہ ۶۰ جلد اول فہرست مقدمہ میں محمد صالح خوانی، اور دیگر محمد صالح خاں ترخان کے دو نام درج ہیں اور جلد دوم میں اُن کا مفصل تذکرہ ہے، لیکن خواجہ محمد صالح جو سروخ میں مدفون ہیں، وہ ان دونوں سے علیحدہ ہیں، اسلئے کہ محمد صالح خوانی عہد شاہجہانی میں فوت ہو چکے تھے، اور محمد صالح خاں ترخان۔ ترکوں کے قبیلہ میں سے تھے جو معتوب بھی ہوئے، اور پھر عہد عالمگیری میں اُن کے مناصب کی بجالی ہوئی، سلسلہ جلوس عالمگیری تک اُن کا زندہ رہنا پایا جاتا ہے، سروخ کے خواجہ محمد صالح شیخ صدیقی تھے جو شہزادہ شاہجہاں کی عزولی اور نظر بندی کے سال میں وفات پا چکے تھے عالمگیری جلوس کا دوسرا سال اُن کو میسر نہیں ہوا، بہر حال تاریخ۔ خواجہ صاحب کا حال بتانے سے ساکت ہے، پرنے کاغذات کے سلسلہ میں قاضی مرتضیٰ صاحب کے یہاں ایک حکمتاً مؤلف کی نظر سے گذرا ہے جس پر کئی حکاموں کی مہریں منقش ہیں، ایک مہر خواجہ محمد صالح کی بھی ہے، جس میں یہ مصرع درج ہے، ع۔ بندۂ شاہجہان است محمد صالح، اس سے اتنا ثابت ہوتا ہے کہ خواجہ صاحب مالوہ کے ناظم ضرور تھے، اکثر فرامین جو دربار شاہی سے نافذ ہوتے رہے ہیں، اُن پر وزارت یا نائب وزارت۔ اُس کے بعد ناظم صوبہ، صوبہ کے بعد ضلع کے حاکم کی مہریں ثبت ہوتی رہی ہیں۔ چونکہ خانہ خدام میں خواجہ صاحب نے اپنی نسبت حکومت مالوہ سے دی ہے اسلئے یقین کر لیا چاہیے کہ خواجہ صاحب ناظم مالوہ تھے،

تمام صوبہ داروں کے نام تاریخ میں محفوظ نہیں ہیں، اس لئے خواجہ صاحب کا سننظامت معلوم نہ ہو سکا، وزارت سے جو اُن کو نسبت دی گئی ہے۔ بظاہر یہ شاعرانہ حسن عقیدت ہے یا یہ وجہ ہے کہ صوبہ داروں کا مرتبہ نائب وزارت کے مساوی تھا، نائب وزیر صوبہ دار، اور صوبہ دار نائب وزیر ہوتے رہے ہیں، شاعر نے غالباً اس خیال کو بھی پیش نظر رکھا ہے، ورنہ شاہجہانی وزارت کی فہرست میں خواجہ صاحب کا نام درج نہیں ہے، سروخ کے سرکاری دفتر میں مقامی حکام کی جو فہرست ہے اُس میں بھی خواجہ صاحب کا نام درج نہیں ہے، ممکن ہے کہ بعض

خواجہ صاحب نے سروج کی سکونت اختیار کر کے مقامی حکومت منظور کر لی ہو۔  
 اس کا کچھ پتہ نہ چلا کہ خواجہ صاحب کہاں کے رہنے والے تھے، سروج میں کب آباد ہوئے  
 اور آباد ہونے کی وجہ تحریر کیا تھی، دربار شاہی سے کس قدر اراضی بمعینہ انعام اُن کو عطا ہوئی  
 تھی، ان امور کے انکشافات کے جو ذرائع تھے، یعنی اسناد شاہی وہ موجودہ افراد خاندانی کی لاپرواہی  
 سے پہلے ہی تلف ہو چکی تھیں، مولف اُن کے پیدا کرنے سے مجبور تھا۔

روشن تھی جس میں شمع تماشہ دل تھیں سینے میں کچھ بٹے ہوئے آثار وہ گئے (از بعض)

خاندان قاضی رکن الدین محمد کے بعد مسلمانوں میں

## خاندان راجو خان ترکمان

یہ دوسرا خاندان ہے، جس کا عہد اکبری سنہ ۱۰۰۰ھ

میں یا اس سے کچھ سال قبل سروج میں آنا اور آباد ہونا اسناد شاہی سے ثابت ہوتا ہے، لیکن کوئی  
 تحریری شہادت اس بات میں دستیاب نہیں ہوئی کہ راجو خان دربار شاہی سے کس خدمت پر  
 مامور ہو کر سروج آئے، مروجہ کی موجودہ نسلوں کی زبانی روایت پر اختیار کیا جائے تو واضح ہوتا  
 ہے کہ قطاع الطرق گرد ہوں کے السداد کے لئے کسی قدر فوج کے ساتھ سروج آئے اور پھر  
 مستقل سکونت یہاں اختیار کی، مروجہ کا قدیم سکونت مکان محلہ ٹوری میں منہاویوں کی مسجد کی پشت پر واقع  
 ہے، جس کا سنہ ۱۰۰۰ھ میں صیغہ نزول سے پچاس روپیہ میں خرید کر ایک قدیم کاغذ سے ثابت ہے  
 جو مرزا حکم بہادر بیگ ساکن موضع مغسراے کے پاس موجود ہے، یہ وہ مکان ہے جس کی مرمت  
 سنہ ۱۹۱۱ء میں مہر مجاہد حسین صاحب نائب ناظم سروج نے ذاتی روپیہ سے شروع کی تھی اور بعد  
 میں نواب امین الدولہ بہادر کی طرف سے منشی سید سعید الدین احمد مروجہ ناظم سروج کو عطا ہوا،  
 ایک جہانگیری زمان مورخہ سبت و ماہ صفر ۱۰۰۰ھ کے دیکھنے سے واضح ہے کہ راجو خان کو  
 عہد اکبری میں موضع امرائی (موجودہ ناظم مغسراے) مسافروں کی حفاظت اور وجہ معیشت کے  
 طور پر بعض آبادی عطا ہوا تھا، بعد میں جب آبادی نے ترقی کی اور وہی کے مسافروں نے دکن  
 جاتے ہوئے یہاں قیام کرنا شروع کیا تو ان کے آرام و آغوش کے لئے مرزا مراد ابن راجو خان نے

پختہ سرائے تعمیر کرا دی تھی، جبکہ ایک پختہ محرابی دروازہ اب بھی قائم ہے، باقی تمام حصہ سرائے کا منہدم ہو چکا ہے، مغل کے انتساب امرانی نام بدل کر مغل سرائے رکھا گیا، جو موجودہ زمانہ میں ایک وسیع الرقبہ گاؤں ہے، مغل سرائے کی آبادی نے رفتہ رفتہ ترکمانی خاندان کو سرونج سے منتقل کر کے اپنے یہاں حلیہ دی۔

راجو خاں نے ۱۰۸۱ھ میں رحلت کی، اسکے بعد بذریعہ فرمان جہانگیر مورخہ ۱۰۸۵ھ جلوس مطابق ۱۰۸۵ھ موضع امرانی (مغل سرائے) مرزا مراد بیگ ابی راجو خاں کے نام منتقل ہوا۔ اس خاندان کے موجودہ رکن مرزا حکم بہادر بیگ ہیں، جبکہ سلسلہ نسب اس طرح پر ہے۔ حکم بہادر بیگ ابن صاحب رضا بیگ۔ ابن مراد بیگ بن سکندر بیگ بن محمد بیگ بن بہادر بیگ، ابن

(جائے مہر شہنشاہ نور الدین جہانگیر، بخط فارسی) (جائے طغراق بخاری، عربی سرخ)

روشنائی شکر گز

اللہ اکبر

۱۰۸۵ھ میں وقت فرمان عالی شان مرحمت عنوان شرف اصداغ عزیر یافت کہ چوں محمود مراد وند موعوم راجو خاں ترکمان درگاہ نایاب نیا آمد، بعض مقدس سیکے رسانید کہ سابق موضع امران اعمال پر گئے اسے سرکار چندیری صوبہ مالوہ جنت آبادانی از محفوظیت سازاں و جاگیر داران محال مذکورہ بہ راجو خاں دادہ بودند اشارۃ الیہ و ولایت حیات سپرد۔ ہرچہ حکم شو حکم جہاں متاع آفتاب شعلہ گردوں ارتقا صادر شد کہ موضع امراد ولایت از پر گئے مذکور و وجہ انعام محمود مراد و فرزند ان حسب القیمن مقرر و مسلم باشد کہ حاصل آنرا فضل قیمل و سال بسال در معیشت خود خیر و صرف نمودہ بہ دعا گو رود و دولت ابدیت قرین نمودہ باشد۔ ہی باید کہ حکام و عمال و جاگیر داران و کرد وریان حال و استقبال و استمرار و استقرار اس حکم اقدس واسطی کو شنیدہ۔ موضع مذکور در ولایت بصرہ آہنا گذار شہتہ اصلاً و مطلقاً تعمیر و تبدیلی ہاں و تہہ و تہہ و بہ علت مال و اجیات و اخراجات مثل و پیشکش و جریانہ و ضابطانہ و جہانہ و محلاتہ و دار و خانگانہ و بیگانہ و نکار و وہ نجی و صدوقی قانون گوئی و تکرار زراعت و کل نکات دیوانی و عوارضات سلطانی مطالبہ کنند و مزاحمت نہ سازند۔ دزیں باب ہر سال فرمان و پروا پنجہ ہند و نظایت و درجین و ہزارت معاف و مرفوع القلم شمرند از فرمودہ و در نگذردند در بدست شہنشاہ تحریر فی آثار تاریخ بہ ہون الی ۱۰۸۵ھ جلوس بہت ماہ صفر ۱۰۸۵ھ (یہ فرمان مرزا حکم بہادر بیگ کے پاں محفوظ ہے)

موسیٰ رضا بیگ بن علی رضا بیگ بن مراد بیگ بن راجو خاں ترکمان۔

سند مورخہ ۲۹ بہمن الہی سلسلہ جلوس شاہجہانی مطابق سن ۱۰۸۷ھ کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ مسگ اراضی سو اوقیہ سروج میں باغ لگانے کی غرض سے مرزا مراد بیگ کو ملی تھی، اس زمین میں آج بھی مختلف درخت موجود ہیں۔ کنواں بھی ہے، مسجد بھی اور موجودہ زمانہ میں علی رضا والا باغ مشہور ہے اور یہ باغ پرانے پل کے قریب ہے۔

صحن مسجد میں چند قبریں بھی ہیں، دو قبروں کے تعویذوں پر کلمہ طیبہ اندازاً ۱۷۰۰ الکرسی خط عربی میں نقش ہے۔ کتبہ کوئی نہیں ہے، سند شاہجہانی مورخہ ۱۰۸۷ھ کے ذریعہ سے جسکے اراضی موضع سرسواں کے کھو میں، اور عالمگیری سند مورخہ ۱۰۸۷ھ کے ذریعہ سے جسکے اراضی موضع سرسواں میں علی رضا بیگ کو معافی میں ملی تھی، جس سے اُن کی اولاد برابر فائدہ اٹھاتی رہی، اور آج بھی حکم بہادر بیگ کے قبضہ میں اس اراضی کا کچھ حصہ باقی ہے، منسلک رائے میں مغلوں کے اور بھی خاندان آباد ہیں جنکا ترکمانی خاندان سے رشتہ ہے، لیکن حقیقتاً وہ لوگ ترکمانی اولاد سے نہیں ہیں۔

**بوسہروش کا خاندان** | بوسہ قوم مذہباً اسمعیلیہ متعلیہ ہے، انکا ایک خاص محلہ شہر کے اندر ۵ بیگہ ۱۰ بوسہ رقبہ میں بوسہ باڑہ محلہ کے نام سے آباد ہے یہ قوم کب عالم وجود میں آئی اور اسکا کیا مذہب ہے۔ اول تو اسکی مختصر تاریخ اگلے موقع پر درج کی جاتی ہے کہ ناظرین کرام کو اس قوم کے معاشرتی حالات کے ساتھ اسکی مذہبی تاریخ بھی معلوم ہو جائے قرۃ السعیدہ در حقیقت قرۃ شیعان علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک شاخ ہے، جسکو امامیہ و اثنا عشریہ بھی کہتے ہیں حضرت امام جعفر صادق کے دو بیٹے تھے، بڑے بیٹے امام سید اسمعیلؑ (جو نجیب الطرفین بھی تھے) چھوٹے بیٹے امام موسیٰ کاظمؑ رضا

امامت کی وصیت باپ کی طرف سے پہلے بڑے بیٹے کے حق میں ہوئی، بعد میں چھوٹے بیٹے امام موسیٰ کاظم کے حق میں ہوئی، سید اسمعیلؑ کی امامت باپ کی طرف سے کیوں منسوخ ہوئی، اس باب میں ابتدا ہی سے بہت کچھ اختلافات ہیں، بعض روایت میں ہے کہ سید اسمعیلؑ

باپ کے سامنے وفات پا چکے تھے، اسلئے چھوٹے بھائی و بیہودا امام ہوئے، ایک گروہ سید اسماعیلؒ کی حیات کا قائل رہا۔ بعض سید اسماعیلؒ پر مختلف الزام قائم کرتے ہیں، بہر حال طرفدار اسماعیل مدعی تھے کہ جب ایک مرتبہ باپ کی طرف سے وصیت ہو چکی تو بعد میں تنسیخ خلافت کا حق باپ کو دیا تھا، جو حق سید اسماعیلؒ کو مل چکا تھا، وہ حق ان کے بیٹے کی طرف منتقل ہونا چاہیئے اسلئے محمد بن اسماعیلؒ امامت کے مستحق ہیں۔ سید موسیٰ کاظمؑ کی امامت جائز نہیں ہے۔

اب یہاں سے دو فرقے نکلتے جنہوں نے سید موسیٰ کاظمؑ کو امام تسلیم کیا، اور نو اشاعشریہ و امامیہ کہتے ہیں، اسلئے کہ یہ فرقہ بارہ اماموں کا قائل ہے، اور متبعین سید اسماعیلؒ، اسماعیلیہ مشہور ہوئے، جو صرف سات اماموں کے قائل ہیں۔

سید محمد بن سید اسماعیلؒ شہر رے کی طرف چلے گئے، جہاں اون کی اولاد زیادہ پھیلی، وہاں سے کچھ لوگ خراسان، قندھار کی طرف منتقل ہوئے ان اطراف میں اسماعیلیہ تبلیغ کو بہت زیادہ ترقی ہوئی رفتہ رفتہ مصر میں انہی کی اولاد کو منصب خلافت ملا، جبکہ باقی عبداللہ بن سبا تھا، جو اولاد سید اسماعیلؒ کا شریک کا رہا۔ ۲۹۴ھ میں فوت ہوا۔

جب مذہبی و ملکی حکومتیں ایک جگہ جمع ہو گئیں، پھر ترقی میں کوئی سدراہ نہ ہو سکا، افاطین خلفاء کے سلسلہ میں المستقر الدین اللہ کی اولاد میں نزار مستعلی، دو بیٹے مشہور تر ہوئے، جنہوں نے اسماعیلیہ مذہب کی تبلیغ میں بہت بڑا حصہ لیا۔ اون کے بعد اسماعیلیہ میں بھی دو فرقے ہو گئے، متبعین نزار، نزار یہ اور مقلدین مستعلی مشہور ہوئے، اسماعیلیہ نزار یہ کے سلسلہ میں جن بن صباح مشہور ہادی و مبلغ گذرا ہے، اس فرقہ کے پیرومبئی اور افریقہ کی طرف خوبے کثرت ہیں،

موجودہ زمانہ میں جن کے پیشوا سرد آغا خاں ہیں، اور اسماعیلیہ مستعلیہ گروہ میں بوہڑ ہیں، جو گجرات، بمبئی، مسورت، میں زیادہ، باقی اطراف مہندیں کتر ہیں، جن کا ذریعہ معاش عموماً تجارت ہے، اس فرقہ کے داعی موجودہ زمانہ میں شیخ کامل علامہ طاہر سیف الدین صاحب ہیں

لے انکا سلسلہ دعا یہ ہے (۱) قطب خاں پیر سید قطب الدین شہید (۲) پیر خاں سید شجاع الدین (۳) پیر اسماعیل (سلسلہ معتز آئندہ)

جنگا منقہ سورت ہے، پو ابیر کافرہ محض امام کا قائل ہے، امامت کی نسبت ان کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ امام سید اسماعیلؑ پر ختم ہو چکی، البتہ امام کی نیابت میں ہدایت و تلقین کے لئے ایک داعی کار ہونا لازم ہے، جس کا سلسلہ علامہ سید ذنب نمینی سے آج تک برابر قائم ہے۔

نزاریہ فرقے کے مقابلہ میں متعلیہ جماعت با اختیار علم دین اور پابندی احکام خیریت طرح افضل ہے، لباس، شکل و شباہت بھی اس جماعت کی سچے مسلمانوں کی طرح ہے، عموماً نائیش کم خلوص و انکسار زیادہ ہے، محض بوہرگت، یعنی تجارت کی بنا پر یہ قوم بوہر کے نام سے معروف ہے، سرونج میں جو بوہر قوم آباد ہے وہ اسی سلسلہ کی مشہور جماعت ہے، جسکی ابتدا اسپرخال سید شجاع الدین سے اس طرح شروع ہوئی کہ سلسلہ میں جبکہ شہزادہ اورنگ زیب (جو بعد میں عالمگیر کے لقب سے ہندوستان کا بادشاہ ہوا) ناظم عویہ گجرات تھا، اس وقت اس نے یہ خبر سنا کہ فرقہ اسمعیلیہ متعلیہ اتحاد کی تعلیم میں سرگرم ہے گرفتاری کا حکم دیا گئی، کنگڑوں کے مقابلہ میں متعلیہ جماعت جنگ و پیکار پر اتر آئی، مقابلہ میں سید قطب شاہ مشہور قطب الدین شہید چند رہتا کے ساتھ شہید ہوئے، کچھ لوگ گرفتار ہو کر نظر بند رکھے گئے، نظر بندی کا واقعہ سلخ ماہ جمادی الاولیٰ سلسلہ کا ہے، اسی سال شاہجہاں صاحبقران ثانی کا بل کی مہم سے لوٹکر لاہور میں مقیم ہوا، تلخ و بدخشاں کی مہم پر اورنگ زیب کا انتخاب کر کے گجرات سے بنوایا، اور ساتھ ہی حکم دیا کہ داعیان مذہب اسمعیلیہ (جو نظر بند ہیں) کو بھی ہمراہ لایا جائے، تعمیل حکم میں اورنگ زیب

بدر الدین اول ابن مولائی راج ابن آدم (۳۰) پیر ذکی الدین اول (۵) پیر عبدوسکی نعم الدین (۶) پیر نور محمد نور الدین (۷) پیر  
 اسماعیل بدر الدین ثانی (۸) پیر ابرہیم وجہ الدین (۹) پیر طہ اللہ المومنین الدین (۱۰) پیر عبدالحق ذکی الدین ثانی (۱۱) پیر یوسف  
 نعم الدین (۱۲) پیر عبدالحق سیف الدین (۱۳) پیر عز الدین (۱۴) پیر طیب ازین الدین (۱۵) پیر بدر الدین ثالث (۱۶)  
 پیر عبد القادر بن نعم الدین (۱۷) پیر عبدالحسین حام الدین (۱۸) پیر محمد بران الدین (۱۹) پیر عبد اللہ بدر الدین (۲۰) پیر ابو محمد  
 طاهر سیف الدین مؤیدۃ اعظم پیر سید قطب الدین شہید سے اوپر ۳۱ دعا کا اور یہی سلسلہ ہے جو سید و نہما یعنی  
 سے شروع ہو کر سید قاسم خاں زین الدین پر ختم ہوتا ہے ۱۲۰

لاہور پہنچا، اور پیروان اسماعیلیہ کو بھی پیش کیا، جو نظر بند کئے گئے، نظر بندوں میں داعی اعظم،  
 خاں پیر سید شجاع الدین (برادر سید قطب الدین شہید) بھی تھے، اورنگ زیب کی روانگی کے  
 بعد شاہجہاں نے سید غازی خاں کو (جو بنی عرج قبیلہ کے مشہور عالم مناظر تھے) سید شجاع الدین  
 کے پاس تحقیق حال کے لئے بھیجا، سید غازی خاں اپنے ہمراہ سید حامد خاں و سید دلیر  
 خاں عزیزان و رفیقان خاص کو لیکر سید شجاع الدین کے پاس پہنچے، علمی مباحثہ شروع ہوا،  
 سید شجاع الدین نے عالمانہ تقریر کے زور سے ثابت کیا کہ وہ اُسی دین کے پیرو ہیں جس کا  
 مقلد خود شاہجہاں ہے، تقریر نے یہ اثر کیا کہ خود مناظرین تقلید کا طوق اپنی گردنوں میں ٹٹالے  
 ہوئے شاہجہاں کی خدمت میں واپس آئے، اور سید شجاع الدین کی طرف سے صفائی پیش کرتے  
 ہوئے رانی کے مستدعی ہوئے اور وہ آزاد بھی کر دیئے گئے۔

اس کے بعد غازی خاں کے مشورہ سے گجرات کا قیام نامناسب سمجھ کر مالوہ کی طرف  
 روانہ ہوئے، غازی خاں، حامد خاں، دلیر خاں بھی ہمراہ تھے، آجین پنچک سروج کی اسلامی  
 و تجارتی منسلکات کا حال سن کر اس طرف روانہ ہوئے، اور بالآخر سروج میں داخل بھی ہو گئے۔  
 چونکہ ہم خیال اصحاب کی جماعت قلیل تھی، اسلئے اسماعیلیہ مذہب کی تبلیغ میں سرگرم ہوتے  
 رفتہ رفتہ غیر مسلموں اور مسلموں کے قلیل افراد نے اسماعیلیہ مذہب کو قبول کیا، جن کے اشتمال  
 سے چند سال میں کافی جماعت طیار ہو گئی، کچھ عرصہ کے بعد سید شجاع الدین، اپنی نیابت  
 میں، سید غازی خاں، سید دلیر خاں اور سید حامد خاں کو سروج میں چھوڑ کر گجرات چلے گئے، جہاں

لے جس و مناظرہ اور نقل سکونت کے واقعات کتاب قلمی مؤلفہ سید حبیب خاں ابن سید احمد ابن سید  
 غازی خاں سے اخذ کئے گئے ہیں (جو عربی زبان میں تذکرہ آل غازی خاں کے نام سے حکیم سید حسین حسنا  
 بنیرہ سید غازی خاں کے پاس محفوظ ہے) بعض واقعات کی تصدیق مؤلف نے دیگر تاریخوں سے کر لی ہے، حکیم  
 سید حسین صاحب عربی زبان سے واقف ہیں، ممبر کی بھی سیاحت کی ہے، ذی علم اور روشن خیال نوجوان ہیں، انہی  
 میں مطب کرتے ہیں، طب یونانی میں کافی دستگاہ ہے، مؤلف موصوف کی قلمی امداد کا مشکور ہے، ۱۲۰



سنہ ۱۰۶۷ میں اُنکا وصال ہو گیا ،  
 خاں سید شجاع الدین بمبئی الاصل کے کوئی اولاد نہ تھی ، اُسکے بھائی سید قطب الدین شہید  
 کی صرف ایک بیٹی عجب بی بی تھیں ، جن کی شادی سید محمد خاں بن سید حامد خاں سے ہوئی  
 شجاع الدین نے کردی تھی ، جن کے بطن سے میر بہا بہت خاں ہوئے ، بہا بہت خاں والا کنو  
 محلہ بوہر باڑہ میں آج تک اون کی یادگار باقی ہے ، میر بہا بہت خاں کے میر حسن ، اونکے میر جعفر  
 اُن کے تین بیٹے سید ولی محمد ، سید محمد موسیٰ اور مولوی عبدالرحیم ہوئے ، انہی تینوں کی  
 اولاد کا سلسلہ سیادت سرونج ، بھوپال وغیرہ مقامات میں باقی ہے ، اس خاندان میں پیر  
 صالح محمد ابن میر رحم علی ابن سید ولی محمد تھیں عالم گزرے ہیں ، جن کا مزار محلہ بوہر باڑہ کی بڑی  
 مسجد کے حجرہ میں ہے ، اسی طرح مولوی نذر علی ، نیرہ مولوی سید عبدالرحیم بھی جامع علوم و فنون  
 بہت سی کے مقدر انسان گزرے ہیں ، جنکو اکبر شاہ ثانی کے دربار سے سنہ ۱۰۲۷ مطابق  
 میں ذریعہ فرمان شاہی مورخہ ارجا دی الثانی ، قاضی مفتی اور شیخ کامل کے خطابات  
 ملے تھے جو انہی کے خاندان میں مولوی محمد عباس صاحب ساکن کوٹہ (راجپوتانہ) کے پاس محفوظ ہے  
 منشی سید احمد علی ابن سید اسماعیل ابن ولی محمد ، نواب فوجدار محمد خاں بہادر رئیس بھوپال کے

ملہ دریں زمان مہنت آقران فرمان والا شان واجب الاطاعت والا ذعان صادر شد کہ بمقتضائے وفور مرحام  
 خاقانی و فرط تفضلات خسروانی کہ نمونہ افعال یردانیست ، شریعت پناہ فضیلت و شگاہ افضل العلماء  
 و اکمل الفقہاء ، مولوی سید نذر علی طیبی را بخطاب قاضی شرع متین و مفتی احکام دین ، شیخ ... کامل ،  
 بین الایمان والا ارکان و فی الامثال والا قران سرفراز و ممتاز خودیم ، باید کہ فرزندان ، مادر و کار نگار والا بہار  
 و وزیرائے ذوالاقتدار و امرائے عالی مقدار و جمیع ارکان دربار چہاں مدار و حکام مالک شریعت پناہ مذکور را از جناب  
 فیضآب شاہی بشمول این خطاب شاہی برگزیدہ و القاب پسندیدہ معزز و مباہی دانستہ انظار عنایت مابودلت  
 اقبال را باحوال فرخندہ مآل موی الیہ یونما فیوما متراید و بے نہایت دانستہ تبارخ یا زہم شہر جادی الثانی سال  
 سیم از جلوس ابدانوس ملے زیب تحریر پذیرفت (مطابق سنہ ۱۲۳۷ھ) ۱۲

یہاں عرصہ تک میفرشی رہے، خط نسخ و نستعلیق، نیز فارسی میں استاد تھے، ان کے دو بیٹے نشی سید امداد علی، و سجاد علی بقید حیات بھوپال میں موجود ہیں، دونوں بھائی بھی خوشنویس ہیں، نشی سید امداد علی کو فارسی میں کافی دستگاہ ہے، ریاست میں شفق نویسی کی خدمت پر مامور ہیں جاگیر دار بھی ہیں، دوسرے بھائی مدد میں ملازم ہیں، مولوی سید ولی محمد بن نور محمد بن سید ولی محمد عالم اور شیخ کامل تھے، جن کے بیٹے پیر سید یوسف علی سروخ میں بقید حیات ہیں، سید ولی خاں کی اولاد میں سید صیب خاں مالوہ میں مشہور عالم و صوفی گذرے ہیں، جبکہ مزار محلہ بوہرہ کی مسجد کے گوشہ میں ہے، ان کا سالانہ عرس بھی ہوتا ہے، باہر سے بوہرہ جماعت کے افراد اکثر اگر شریک عرس ہوتے ہیں،

سید غازی خاں کی اولاد میں حکیم سید حسن ابن قربان حسین مقیم ممبئی، سید منصب علی، د صفدر علی مقیم سروخ، اور ملا قادر علی ابن طیب علی مقیم بلا سپور ہیں، یہ لوگ اپنے حیدر مجد کے نام کے انتساب سے آل غازی خاں مشہور ہیں،

یہ مسئلہ امر ہے کہ ایک مذہب کے لوگ دوسرے مذاہب قبول کرتے رہے ہیں، اس سے بوہرہ قوم بھی مستثنیٰ نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ اکثر بوہرے غیر سید یا تو مسلمانوں کی اولاد سے ہیں لیکن ابتداء سے ان سب کے باہمی تعلقات رشتہ داری و اقربا و البتہ ہیں کہ آج ان کی تفریق مشکل ہے ممکن ہے کہ مذکورہ صدر سیدوں کے عملا وہ اور بھی سید ہوں، لیکن مولف کو نسلی تحقیقات مد نظر نہیں ہے، یہاں کی موجودہ جماعت میں آج ایک بھی شاہی دربان موجود نہیں ہے جس سے پتہ چلا کہ دربار شاہی سے ان کے ساتھ کیا کیا مراعات ہوئیں،

سروخ کے سینوں اور بوہروں میں اخلاقی اتحاد قائم ہے، خصوصاً ثقافتی و سیاسی ہر ایک دوسرے کو مدعو کرتے رہتے ہیں، عید کی نمازیں بھی بوہرہ جماعت کے چند افراد لازمی طور پر پیشیوں کے وقت بدوش نظر آتے ہیں۔

توحید و رسالت کے اقرار کے ساتھ حبّ نبیّین اس قوم کا مذہبی شعار ہے، تعزیر داری ان کے

یہاں جائز نہیں، البتہ محرم کے مہینے میں مجالس کا انعقاد ہو کر مناقب اہل بیت و مرثی پڑھے جاتے ہیں، گذشتہ زمانہ میں اس قوم کا قومی اخلاص و اتحاد مشہور تھا جس کمزور بھائی کو معاشرتی حالت میں گرتے ہوئے دیکھتے، فوراً کافی امداد سے دوسروں کے درجے پر پہنچا دیتے، مذہبی پیشواؤں کے احکام کے آگے اپنے مطیعانہ سروں کو جھکا دینا موجب نجات سمجھتے تھے، دیوانی، مالی، اور فوجداری، مختلف معاملات، بیشتر مقامی مذہبی عامل کے ذریعہ سے طے کر دیئے جایا کرتے تھے، آج بھی باستثناے خاص عام لوگوں میں اپنے داعی اعظم کی وہی عزت ہے جو پہلے تھی، اسکا افسوس ضرور ہے کہ موجودہ تمدنی دور میں بعض نوجوان اصحاب نے لباس، طرز معاشرت، صورت و میرت میں جدید تراش و خراش اختیار کر لی ہے، نفاق کا مادہ ابھر آیا ہے، رشک و حسد کی آگ دلوں میں سلگ اٹھی ہے، باہمی مقدمہ بازیوں کی کثرت ہے، اگر اچھی سے مذہبی پیشواؤں کی طرف سے ان بدعات کی روک تھام نہیں کی گئی تو قابل اعتراض و خلاف شریعت امور کے جرائم کی کثرت ہو کر خطرناک نتائج پیدا ہونے کا امکان ہے، بوہرہ قوم عموماً تجارت پیشہ ہے، اور چونکہ سرونج سو سال قبل مالوہ کا مشہور تجارتی شہر تھا اس لئے بوہروں نے بہت زیادہ ترقی کی تھی، موجودہ عہد میں تجارت کی وسعت و عالمگیری نے بوہروں کو سرونج سے دور دور مقامات پر پہنچا دیا ہے، بمبئی، بھوسا دی، رائے پور، بلا پور، جلیپور، ساگر، کٹنی، کوٹہ، گونا، دمویہ وغیرہ خصوصاً بھوپال میں آج بیشتر سرونج ہی کے بوہرے نظر آتے ہیں، نقل سکونت نے اکثر مکانات کو ویران کر دیا ہے ۳۰۰ آباد گھروں میں سے آج صرف ۱۰ مکانات آباد ہیں، محلہ میدان نظر آتا ہے، بیرونی بوہروں کی معاشرتی و اقتصادی حالت بہت اچھی ہے، مقامی بوہرے مالی اعتبار سے کمزور تر ہیں، منتقل شدہ بوہروں میں حب الوطنی کے جذبات آج بھی استقدر باقی ہیں کہ شادی وغیرہ کی بیشتر تقاریب سرونج ہی آکر ادا کرتے ہیں مولف ذاتی طور پر حاجی ٹلا امداد علی، حاجی طاہر علی حقیقی، برادران سے واقف ہے، یہ تینوں بھائی سرونج ہی کے باشندے ہیں، ان کی تجارت کوٹہ، دمویہ، کٹنی میں بڑے پیمانہ پر ہے، فیاض و بہمد قوم ہیں، رفاہی کاموں میں دیردادلی سے حصہ لیتے ہیں، درگاہ حضرت

مولائی کی مرمت و جدید تعمیر میں بھی حصہ لیتے رہے ہیں ،  
 محلہ بوسہ راڑہ کے اندر غیر قوم کا آدمی بلا اجازت مقامی مذہبی عامل کے آجا نہیں سکتا ،  
 مکانات پختہ تین تین چار چار منزلوں کے بلند ہیں ، اندرونی کوچے بھی پختہ ہیں ، بیشتر مکانات میں  
 باہمی اتصال اس قدر ہے کہ محلہ کی مستورات درجوں سے آجا سکتی ہیں ، محلہ کی فیصل میں دو دروازے  
 ہیں ، بین مسجدیں چودہ کنویں ، ایک پاؤلی ، ایک مدرسہ ، اور ایک عالیشان قومی جماعت خانہ  
 ہے ، جس میں ضروری سامان ہر وقت ممبران جماعت کی نگرانی میں موجود رہتا ہے ، بوسہ قوم  
 بیرونی باورچی کی محتاج نہیں ، خود تہایت نفیس و لذت کھانے اور شیرینی طیار کرتے ہیں ،  
 داعی مذہب اسماعیلیہ کو یہاں کی جماعت بڑے پیر صاحب کے لقب سے یاد کرتی  
 ہے ، جنکی نیابت میں یہاں ایک مقامی مذہبی عامل مامور رہتا ہے ، دو تین سال کے بعد ،  
 عاملوں کے تبادلے ہوتے رہتے ہیں ، مقامی عامل کے حقوق جماعت پر ہیں ، اور کچھ نقد مالانہ  
 و وظیفہ بڑے پیر صاحب کی طرف سے بھی اُن کو ملتا ہے ، بڑے پیر صاحب کے بھی جماعت پر  
 کچھ حقوق مقرر ہیں ۔

تلیقن و ہدایت کے احکام داعی اعظم کی طرف سے عربی زبان و خط میں آتے رہتے  
 ہیں ، جن کی تعمیل بھی ہوتی رہتی ہے ،  
 ایک قدیم رسم یہاں یہ بھی دیکھی گئی ہے کہ عیدین پر مقامی ناظم صاحب عید کے دوسرے  
 روز ، محلہ بوسہ راڑہ میں بوسہ قوم کے مقامی مذہبی عامل سے ملتے آتے ہیں ، عطر و بان کھاروا پس  
 جاتے ہیں ( ... ) تیسرے روز اسی طرح مذہبی عامل ممبران جماعت کے ساتھ دارالحکومت میں  
 آتے ہیں ، اور عائدہ و مصافحہ کرتے ہیں اتحاد و اخلاص کا یہ ایک شاندار نظارہ ہے جو سال میں دو بار  
 دیکھنے میں آتا ہے ،

خاندان قاضی بیرم بیگ | قاضی صاحب مرحوم کے خاندان میں اس وقت مرزا  
 مسیح اللہ بیگ عرف محبوب میاں حیات ہیں ، جن کا

تذکرہ خواجہ سعید عبدالبہادی مرحوم کی دختری اولاد کے سلسلہ میں گذر چکا ہے، مرزا صاحب مذکور کا سلسلہ نسب اس طرح پر ہے، شیخ اللہ بیگ بن مرزا سکندر بیگ بن مرزا فتح اللہ بیگ بن مرزا محمد بیگ بن مرزا رحمن بیگ بن مرزا طاہر بیگ ابن قاضی بیرم بیگ، قاضی صاحب کا شہادہ سے قبل عہد عالمگیری میں چند ہری سے سرورخ کے محکمہ قضا پر مامور ہو کر آنا ثابت ہے، آپ وہو یہاں کی مرغوب ہوئی، مستقل حکومت اختیار کر کے مکان تعمیر کرایا، اور یہیں وفات پائی، فحاجی بی دختر خواجہ محمد شاہ (خواجہ عبدالبہادی کی پڑپوتی) مرزا فتح اللہ بیگ کو منسوب تھیں، اس سلسلہ سے شیخ اللہ بیگ خواجہ صاحب کی دختری اولاد سے ہیں، پروانہ ہری محمد سعید عالمگیری مورخہ ۱۱۵۸ شعبان ۱۲۷۷ھ کے معائنہ سے واضح ہے کہ قاضی صاحب کو بطور مدد معاش اٹھارہ اراضی معانی عطا ہوئی تھی، جس پر آج تک قاضی صاحب مرحوم کے ورثہ کا قبضہ چلا آ رہا ہے، دو کا غذات قدیم، ملا حسن علی ولد ملا مراد علی قوم پوہرہ مرحوم کے پاس مؤلف کی نظر سے ایسے گذرے ہیں جن پر قاضی صاحب مرحوم کی مہر ثبت ہے جس پر ذیل کا مصرعہ منقوش ہے: ع شرف از شرع یافت بیرم بیگ اس سے زیادہ حال موجودہ رکن خاندان بھی مؤلف کو نہیں بتا سکے، دور اخیر میں مرزا سکندر بیگ صاحب مرحوم نے بڑا نام پایا، عرصہ تک میونسپل کمیٹی کے جہتم رہے، فارسی میں اچھی استعداد تھی اور قوم میں معزز بنے جاتے تھے، ۱۳۳۷ھ میں وفات پائی،

اس خاندان کے موجودہ اور مشہور ممبر نشی شیخ رفیع اللہ سرشار  
فوجداری ہیں، ان کا سلسلہ قدیم شجرہ سے اس طرح پڑتا ہے:

## خاندان شیخ بایزید

ہے، نشی رفیع اللہ بن میانجی عزیر اللہ بن سعد اللہ بن عبداللہ بن فیض اللہ بن شیخ باقی بن شیخ بایزید، شیخ بایزید اور شیخ کاے دونوں حقیقی بھائیوں کا فرخ سیر کے عہد میں سرورخ آنا پرانے کاغذات سے پایا جاتا ہے، جب کو آج تک ۲۱۳ سال کا زمانہ گذر چکا ہے، چند اسناد شاہی نشی صاحب

لئے مؤلف نے مرحوم کے انتقال پر ذیل کا تاریخی قطعہ موزوں کیا تھا: سکندر بیگ فخر دوانی، پندرہ دوس برس چون گشت

موصوف کے پاس محفوظ ہیں، ایک سند دہری فرخ سیر مورخہ ۱۱۳۱ھ مطابق ۱۱۳۱ھ کی ہے اور دوسری سند دہری ناصر الدین محمد شاہ ۱۱۳۱ھ مطابق ۱۱۳۱ھ کی ہے، دونوں کا مضمون یہ ہے کہ شیخ بایزید منصبدار ملازم سرکار کو بنا برتاری خیام شاہی واقع پرگنہ سرویج باہتمام فتح علیخان داروغہ مقرر کیا گیا ہے، تم کو سرویج پہنچ کر سرکاری خدمت انجام دینی چاہیے، یہی جیلہ شیخ بایزید کے سرویج آنے اور سکونت اختیار کرنے کا ہوا، تیسرا ایک اور حکمنامہ دہری خاں بھٹاں بہادر مظفر جنگ نظر سے گذرا، جس کے لفاظ پر لاکھ کی ہر صاف نمایاں ہے فرمان باریک سپید کاغذ پر ہے، جس پر جگہ جگہ آب طلائی افشاں ہے، اسکا مضمون یہ ہے کہ شیخ کاے ملازم سرکار نے چود دہری گوپال داس سرویج کو جبکہ وہ مطالبہ دیوانی میں مقید تھا، اپنی ضمانت پر ۳ ہزار روپیہ قرض دلوایا تھا، ۳ ہزار چھ سو روپیہ وصول ہو چکا ہے، چونکہ گوپال داس فوت ہو چکا ہے، اسکا بیٹا بھوپال داس وارث اور قابض جائیداد بدیری ہے، اور تحقیقات اس سے باقی روپیہ بزرخصیطی جائیداد

سند بھٹاں بہادر مظفر جنگ جہاندار شاہ کا زیر تھا جو ۱۲۱۱ھ میں تخت نشین ہو کر اسی سال ۱۰ ماہ بعد فوت ہوا، پروانہ کی عبارت یہ ہے، بسجاعت نشان افضل علیخان فوجدار سرویج شیخ کاے ملازم سرکار بدیر بابر اب عدالت عالیہ التماس گذرانید کہ گوپال داس چود دہری پرگنہ سرویج گوپال گڑھ عرف امیر گڑھ یہ جاگیر اسی کا آباد کیا ہوا ہے، تو اب امیر الدولہ بہادر نے اپنی عہداری میں اسکا نام اپنے نام پر تبدیل کیا، مولف (عوض) شکیش سرکار در کچہری دیوان اعلیٰ مقید بود، اسی ہزار روپیہ از اسکا ہوکاران بقضانت خود قرض دہانیدہ خلاص کنائید، گوپال داس مذکور کشتہ شد، بھوپال داس پیرش قائم مقام پدر شدہ بر مال اہلک نقد و جنس او منصرف کشتہ سابق محمد ناصر گرد اور در عہد حضرت متعین شدہ بود کہ رسوم چود دہری ضبط نمودہ نہ ربد ہا سند چنانچہ سر ہزاروش صد روپیہ از نزد بھوپال داس بوصول رسید ہزار چار ہزار و پچاس روپیہ باقی است نمید ہا در بنیاب فوجدار و قاضی انجانکارش یاد کہ حکم جہاں مطاع عالم مطاع صادر شد۔ لہذا حسب الحکم اللہ علی قلمی میگردد کہ یہ تقدیر صدق انہا را حقائق حق نمایند، و نہروا حسب بدہاند (اصل سند ممبر خاندان کے پاس موجود ہے) شعر،، یاد شاہی یہ جہاندار شاہ مذکور بیاض و ادنیٰ اپنے طلب کرد امیر الامرا، پشتر پروانہ کے اوپر درج ہے، ۱۲ لکھ روئے بیدل روئے چود دہری بانی حویلی راجی کی اولاد میں تھا، اسکی اولاد کا خاتمہ عہدیاں منور خاں صاحب عامل سرویج میں بھوج راج چود دہری پر ہو گیا، ۱۲ مولف -

وغیرہ دلویا جائے ،

شیخ بایزید اور شیخ کائے نے چودھری مذکور کی خواہش پر اول اسکی مشہور عویلی ملائی والی کے متصل (جہاں اب حاجی پناہ محمد نور بات کا مکان واقع ہے) سکونت اختیار کی ، مسجد تعمیر کرائی ، چاہ بھی کندہ کرایا ، چاہ آج بھی موجود ہے ، مسجد شہید ہو چکی ہے ، بعد میں چودھری مذکور کی مخالفت کی وجہ سے دہاں کی سکونت ترک کر کے محلہ کڑی میں آباد ہوئے ، جہاں اب منشی صاحب موصوف رہتے ہیں ، قدیم مکان منہدم ہے ، کسی زمانہ میں موضع جھونریہ ان کے بزرگوں کے چارہ میں تھا ہنسی سنا کے والد فارسی علم میں خوب ماہر تھے ، کسی قدر اراضی معافی بھی منشی صاحب کے قبضہ میں ہے ، کچھ درائشہ بلی آرہی ہے ، اور کچھ زمین خود منشی صاحب کو منیشن کے معاوضہ میں سرکار عالی نے عطا فرمائی ہے ہنسی صاحب موصوف صوفی مشرب انسان ہیں ، عدالتی کاموں کے بعد باقی اوقات خدا کی یاد میں گزارتے ہیں ،

**خاندان مفتی لعل بیگ** | اس خاندان میں اس وقت مفتی حیدر بیگ بقید حیات ہیں جنکی عمر ۹۰ سال کی ہے ، انہوں نے اپنا سلسلہ نسب

اس طرح پر ظاہر کیا ہے ، منشی حیدر بیگ بن مفتی اکبر بیگ بن فیض اللہ بیگ بن بہادر بیگ بن مہدی بیگ بن مفتی بلاتی بیگ بن مفتی لعل بیگ ، کا غذات سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہو مفتی لعل بیگ کا عہد شیر شاہی میں شروع آتا ، مفتی حیدر بیگ زبانی اپنے بزرگوں سے سنا ہوا بیان کرتے ہیں ، فرامین شاہی کے متعلق ظاہر کیا کہ ہلکروں کے زمانہ حکومت میں جبکہ جینگا مرہٹے نے شروع کو لوٹا تھا ، ضائع ہو گئے ، لیکن بعض کا غذات قدیم و فرامین شاہی کے دیکھنے سے واضح ہے کہ مرزا ہدی بیگ بانی ریاست نواب امیرالدولہ بہادر کے عہد میں زندہ تھے ، اور لعل بیگ و مرزا ہدی بیگ کے درمیان صرف ایک واسطہ ہے ، اس لئے ہلکروں کے عہد یا زیادہ سے زیادہ محمد شاہ بادشاہ المتوفی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں مرزا لعل بیگ کا شروع آثار قرین قیاس ہو سکتا ہے ، سلطان شیر شاہ کے عہد کی آمد اصولِ درایت سے صحیح نہیں ہو سکتی ہے ،

دوڑھائی سو سال کی قدیم دستاویزات پر اس خاندان کے مفتیوں کی جہر نقش دیکھی گئی ہیں انتقال جائیداد کے تمام دستے اس خاندان میں مرتب ہو کر تصدیق کی غرض سے دارالقضا میں بھیجے جایا کرتے تھے، دارالقضا کی تصدیق آج کل کے صیغہ رجسٹری کے برابر مستند سمجھی جاتی تھی، وثائق کی نقلیں بجنہ مفتیوں کی کتاب میں بھی درج ہوتیں، تلف ہوتے کی صورت یا اور کسی ضرورت پر خواہ نگاری کو نقلیں دیجائیں، دور و پیہ فی دستاویز حق الحشر پر مقرر تھا، دارالافتا کا نقل بھی دارالقضا کی زیر نگرانی اسی خاندان سے تھا،

ہلکروں کی حکومت نے قاضیوں کی عدالت سے دیوانی و فوجداری معاملات منتقل کر کے مقامی فوجدار (حاکم) کے حوالے کر دیئے، صرف نکاح خوانی اور مذہبی خصوصیات کا نقل قاضیوں سے رہ گیا، اور مفتیان صرف انتقال ناموں کے مسودہ نگار رہ گئے، سلسلہ عین جبکہ پرگنہ میں باقاعدہ رجسٹری صیغہ قائم ہوا، مسودہ نگاری کی خدمت بھی اس خاندان سے جاتی رہی، ۱۳۷۱ھ کا ایک فرمان جہری اعما الدولہ فخر الدین خاں بہادر نصرت جنگ وزیر المملک عہد محمد شاہی موجود مفتی صاحب کے پاس محفوظ ہے، جس کے ذریعہ سے ۲۹ بیگہ اراضی معافی، مدد معاش کے طور پر مفتی کامل بیگ کو ملی تھی، معافی بدستور موجود ہے اور پندرہ روپیہ پانچ آنہ (صیغہ) حقوق عیدین ریاست سے ہر ایران کو ملتے ہیں،

مفتی صاحب کے پاس جو کتابیں نقول دستاویزات کی تھیں وہ سب صاحبزادہ شیرعلی خاں بہادر سرور جنگ ناظم سروج کے عہد نظامت میں منتقل ہو کر دفتر رجسٹری میں آگئی ہیں،

لہ پروانہ جہری نواب وزیر الدولہ بہادر مورخ ۲۲ شعبان ۱۲۸۷ھ سے واضح ہے کہ اس عہد تک وثائق نگاری کا کام اس خاندان سے متعلق رہا (یہ پروانہ خاندان میں محفوظ ہے) ۱۲ مولا

۱۲ بدر الامہ امینا، المملک صاحبزادہ شیرعلی خاں بہادر سرور جنگ نبیر نواب امیر الدولہ بہادر ۱۲۸۷ھ میں سروج کی نظامت پر مامور ہوئے، ۱۲۸۹ھ میں پرگنہ نیما بیڑہ کی نظامت پر تبدیل ہوئے وہاں سے ٹونک کے رجسٹریٹ درجہ اول مقرر ہوئے ۱۲۸۹ھ میں انتقال کیا ۱۲ مولا



اس خاندان میں مرزا احمد بیگ، اور عبدالحمید بیگ بھی بقید حیات ہیں، خاندانی حقوق سے یہ بھی مستفیض ہیں، اور ملازمت پیشہ بھی ہیں،

صاحبزادہ خاں و بہادر خاں، دونوں ہم وطن اور ہم قوم تھے، عہد محمد شاہی میں اپنے قدیم وطن افغانستان کو خیر باد کہہ کر ہندوستان

خاندان ملک صاحبزادہ خاں

ولک بہادر خاں محلہ روہیلپورہ

آئے، پان پانسو سوار و پیادے ہم قوم ہمراہ تھے، ناگپور ملک متوسط میں عرصہ تک قسمت آزمائی کرتے رہے، سروج کی آب و ہوا نے انکو بھی اپنی طرف کھینچا، قصبہ سے شمال میں پرانے پل کے قریب خیمہ انداز ہوئے، پھر مکانات بھی بنوائے، چند سال کے بعد طوائف الملوکی کے زمانہ میں (جبکہ باجی راؤ پیشوا کے حلقے سویہ مالوہ پر موجود تھے)، ہمارا جہ سیندھیا کا لشکر ان کے قیام گاہ کے قریب سے نکلا، بے پروگی کے خیال سے سواروں کو گھوڑے پر سے اتر جانے کی ہدایت پٹھانوں کی طرف سے ہوئی، بات نے طول پکڑا، دونوں طرف سے تلواریں کھینچ گئیں، فریقین کے کچھ آدمی مقتول اور کچھ مجروح ہوئے، سردار مرٹھ مارا گیا، بالآخر مصاحمت ہو گئی،

پرانے پل کے قریب قصبہ کی آبادی کی جانب روہیلپورہ روہیلہ پٹھانوں کا محلہ پہلے سے آباد تھا، اسلئے مصلحتاً انہوں نے بھی روہیلپورہ میں اپنی سکونت منتقل کی، یہ محلہ قصبہ کی آبادی سے شمال میں منڈی دروازہ سے تقریباً ایک میل کے فاصلہ پر ہے، ان دونوں قومی جماعت کی آبادی نے پورہ کو بہت زیادہ رونق دی، دونوں صاحب قوم میں ہاشتر اور معزز تھے، ملک اور جمہداران کے القاب تھے، قبیلہ دلازاک سے ان کو نسبت تھی، جو افغانستان میں مشہور قبیلہ ہے، اور جنگی آبادی پشاور کے قریب ایک وسیع رقبہ میں آج بھی موجود ہے، انہوں نے یا ان کے ساتھیوں یا روہیلہ

ملہ وہ افغانستان میں ایک حصہ ملک کا نام ہے، کئی نسبت کے لحاظ سے وہاں کے باشندے روہیلہ مشہور ہیں، محلہ کا نام بھی اسی مناسبت سے روہیلپورہ رکھا گیا، حرف (وی) کی تہذیب سے اب روہیلپورہ مشہور ہے، ۱۲۱ مؤلف

افغانوں نے کبھی کسی کی ملازمت اختیار نہیں کی، محکومیت کو غلامی سمجھتے تھے، پابشہ ہمیشہ جنگ جلال ہا جب کبھی دور آجائیں، امیروں، سٹھاکروں میں حریفانہ جنگ کی نوبت پہنچی تو جس فریق نے انکو معاوضہ دیا، اسکی طرف سے لڑائی میں شریک ہوئے، جنگجو یا نہ شجاعت کے افسانے ان کے اسقدر عام رہے کہ ان کی شرکت کو حریفانہ جنگ فتح و فیروزی کا فال نیک سمجھتے تھے، ۱۳۷ھ میں نظام الملک آصف جاہ نے بھی مرمت خاں قلعہ آرا ماندو کو سروخ بھیج کر افغانوں سے امداد چاہی جنہوں نے راحت گدھے پر حملہ کر کے چتر سال بندیلے کو وہاں سے خارج کیا۔ ترقی و عروج کے زمانہ میں غیر شخص انکے محکمے سے سوار ہو کر گذرنے نہیں پاتا تھا،

دور ایام نے ان بہادروں کی نسلوں کو فنا کر دیا ہے، صرف زبانوں پر بہادری کے افسانے باقی رہ گئے ہیں، محلہ ویران ہے، نام کو کچھ گھر ٹھکانوں کے رہ گئے ہیں، جو ملازمت و زراعت پیشہ ہیں، روہپورہ کی سکونت کے زمانہ میں ان دونوں اور ان کی اولاد نے قدیم جائداد میں غیر منقولہ بہت زیادہ خریدیں، انخطاط کے زمانہ میں انہی جائداد کی آمدنی افغانانہ کی کفیل رہی، اولاد و احفاد کی تفصیل یہ ہے،

- (۱) ملک صاحب دادخاں کے ایک بیٹے، ملک حق دادخاں، ان کے والد دادخاں، انکے کریم دادخاں ان کے لطیف دادخاں، موجودہ زمانہ میں ملک لطیف دادخاں، خاندانی یاد گاری باقی ہیں، متواتر قحط مالیوں نے انکی جائداد کو غیروں کے قبضہ میں رہن و بیع کے ذریعہ سے ہنچا دیا، اور خوبصورت جنگلات میں ملازم ہو کر گزارہ کر رہے ہیں، آدمی شریف، منکسر المزاج، اور غیور ہیں،
- (۲) ملک بہادر خاں جمودار۔ انکے چار بیٹے ہوئے، محمود خاں، ثابت خاں، گلاب خاں سعادت خاں، اور چار بیٹیاں، انہیں سے ملک بی بی دختر کی شادی، غلام محمد خاں، عرف چھٹو خاں جمودار سے ہوئی، بیکے لپٹن سے (۱) شاہجہاں بیگم زوجہ صاحبزادہ غلام فرید خاں جاگیر دار چاٹھوئی (۲) نواب حاتم زمانی بیگم زوجہ صاحبزادہ فیض محمد خاں بہادر ولیہد نواب وزیر الدولہ بہادر (۳)

نواب جہاں لکھنؤ زوجہ بین الدولہ نواب محمد علی خاں بہادر، باقی تین بیٹیاں اور دوسرے معزز بیٹھانوں کو دی گئیں،

محمود خاں کے ملک بہر خاں ایک سپر جولا ولد فوت ہوئے۔ ثنائیت خاں کے رسالہ دار غلام نبی خاں جو مشہور ریاست کے فوجی افسر گذرے ہیں، ان کے چار سپر غلام حضرت خاں، عبد المجید خاں، عبد الغنی خاں، غلام مجید خاں، غلام حضرت خاں کے دو فرزند غوث محمد خاں، غلام محمد خاں، اس وقت غوث محمد خاں حیات ہیں اور غلام محمد خاں مرحوم کے نواسہ خاں ایک بیٹا موجود ہے، عبد المجید خاں مرحوم نائب رسالہ دار ہے، ان کے تین سپر عبد الحفیظ خاں، عبد العزیز خاں، محمد رفیق خاں بقید حیات ہیں، عبد الغنی خاں موجود اور زراعت پیشہ ہیں، غلام مجید خاں مرحوم کے ایک سپر غلام و جید خاں بقید حیات ہیں، گلاب خاں ابن ملک بہادر خاں کے ایک سپر شجاعت محمد خاں، اور ایک دختر لاتی بیگم (زوجہ صاحبزادہ منیر خاں مرحوم ابن نواب امیر الدولہ بہادر) شجاعت محمد خاں کے دولہ کے، صادق علی خاں، اور ہدایت محمد خاں، صادق علی خاں کے دو سپر محمد رفیق خاں، و محمد ابراہیم خاں زندہ ہیں،

نشئی ہدایت محمد خاں سرونج محلہ تلیا میں سکونت پذیر ہیں، نظامت سررشتہ دار بھی ہیں عزت و آبرو کی زندگی بسر کی اور کر رہے ہیں، مہذب اور ظیق ہیں، انکے دو بیٹے شفاعت محمد خاں اور ولایت محمد خاں جوان العمر موجود ہیں، شفاعت محمد خاں نظامت میں اہلداد اور ہوشیار و عالم فہم اہلکار مشہور ہیں، ولایت محمد خاں زراعت و تجارت کی طرف راغب ہیں، سعادت خاں ابن ملک بہر خاں لا ولد فوت ہوئے،

لالہ پرتاب چند قانون گو اس خاندان کے قابل ترین یادگار ممبر ہیں، ان کا سلسلہ نسب نویں پشت میں لالہ متھرا داس سے

خاندان لالہ متھرا داس اور جگموند اس قانون گو یاں پر گنہ سرونج

اس طرح ملتا ہے، لالہ پرتاب چند، بن شادی لال بن بال چند بن تارا چند بن جے چند  
بن کشن چند بن دہر نید ہر داس بن جگجیونداس بن متھرا داس، قانون گو قوم کا لیٹھیا ہوا  
سند مہری شہنشاہ جلال الدین اکبر، خط شکستہ میں لالہ پرتاب چند کے پاس موجود ہے،  
جو شکستہ کی لکھی ہوئی ہے، تاریخ پڑھنے میں نہیں آتی، اس سند کے مضمون سے واضح ہے  
کہ شاہنشاہ مراد کی سفارش پر پانچواں قدامت سرکار چندیری کی سند قانون گوئی متھرا داس  
کو اکبری دربار سے ملی تھی، اس سند سے یہ بھی ثابت ہے کہ قانون گوئی کا سلسلہ متھرا داس کے  
خاندان میں قدیم سے ہے، متھرا داس کے بعد جب ان کے بیٹے جگجیونداس قانون گو ہوئے تو انکو

ملہ چوں زیدہ امثال و اقراں متھرا داس قانون گو سرکار چندیری بوسیدہ گدادش فرزند ارجمند سعاد  
تیار، عمرہ ناصیہ دولت و اقبال، قرہ باصرہ عظمت و اجلال، فیض و فیروز مندی واسطہ العقل و  
سعادتمندی، شاہنشاہ برغور دار شاہ مراد مشرف مقیم بوسی مشرف گردیدہ بموقتہ عرض رسانید  
کہ قانون گوے سرکار مذکور از قدیم بر مشارالہ و آبائو اجداد ایشان تعلق دارد،  
۱۰۱۱ ہجری بنا علیہ غایت یاد شاہی شامل حال او گشتہ فرمان عالیشان سعاد نشان مشرف نفاذ  
یافت کہ قانون گوے سرکار مذکور بدستور سابق تعلق زمرہ اقراں مولی الیہ داعشتہ شد کہ بخدمت  
مذکور اقدام نموده دقیقتر از قاتی احتیاط نامری نگزارند، در احوال رعایہ و مزارعالی و سکند  
متوسلاں سرکار مذکور با فضل بہ فضل بموقتہ بندگاہ تلاق پناہ عرضداشت نمایند، ویک کس از زمرہ  
برادران و اقوام زمرہ مشارالہ در مہنگاہ حاضر بودہ بعرض اشرف اقدس میرسانیدہ باشد تھریہ  
دہر جلال الدین اکبر

۱۰۱۱ ہجری مراد اکبر کا دوسرا بیٹا تھا، ۱۰۱۱ ہجری کو فتح پور کے پہاڑوں میں پیدا ہوا  
اس نسبت سے اکبر اسے پہاڑی راجہ کہا کرتا تھا، وہ بہاری منصب دیکر اکبر نے اسے دکن کی  
جہم پر مقرر کیا، شراب کا متوالہ تھا، ۳۰ سال کی عمر پر اسے شہید کیا گیا، مصرعہ تاریخ و فانیہ ہے  
از مجلس اقبال نہا ہے شدہ گم ۱۱۰۰ دربار اکبری

ایک سند دربار جاگیر سے ۱۹ جلدوں مطابق ۱۳۱۶ء میں، اور دوسری سند دربار شاہجہانی سے ۱۳۱۷ء میں لی، جو جاگیر سند کے ہم مضمون ہیں،

ان اسناد کے مضامین سے ظاہر ہے کہ شاہی زمانہ میں قانون گوئی بڑی ذمہ داری کا عہدہ تھا، مزارعین کی نگرانی، زمین کی آبادی، محاصل کی کمی و بیشی، سرحدی معاملات کی نگہداشت آمدنی و خرچ کا حساب و کتاب مرتب کرنا، سال کے اخیر پر دیوان شاہی میں بھیجنا، رفاہی امور میں مقامی عامل کو مشورہ دینا، یہ تمام امور قانون گوئی ذات سے وابستہ تھے، ان کے علاوہ ضلع کے ہر قانون گو کا یہ بھی فرض تھا کہ اپنا ایک رشتہ دار دربار شاہی میں مامور رکھے جس کے ذریعہ سے تمام حالات و واقعات کی اطلاعیں وقت پر شاہی دربار تک پہنچتی رہیں، خلاصہ یہ ہے کہ شاہی زمانہ میں قانون گوئے ضلع کے وہ اختیارات تھے جو آج ضلع کے کلکٹر کو بھی نصیب نہیں ہیں، ان تمام خدمات کے معاوضہ میں قانون گو یاں کو جاگیریں، انعامی آرمینیاں ملی ہوئی تھیں، بھٹیٹ وغیرہ حقوق علاوہ تھے، جس کی تفصیل آگے آتی ہے،

لالہ جگ جیونداس کے بعد ان کے دو بیٹے لالہ ہیرداس اور لالہ دھرمندر داس، مشترکاً خدمت قانون گوئی پر مامور رہے، پرگنات میں ان کی طرف سے گماشتے مقرر تھے جو ان کی زیر ہدایت کام کرتے، ۱۹۳۳ء میں سرکار چندیری کے ماتحت پرگنات دونوں بھائیوں میں تقسیم ہوئے، انکی تعداد ۵۲ تھی، ان میں سے ۲۲ پرگنے دیپ سنگھ راجہ چندیری کی طرف منتقل ہوئے باقی ۳۰ پرگنوں میں سے ۱۰ چندیری، سرورج، اودھ پور، رتود بدستور دونوں بھائیوں میں مشترک رہے، اور ۲۰ پرگنے بھٹہ مساوی دونوں میں منقسم ہو گئے، انکی تفصیل یہ ہے،  
نورین، پہچار، آصف آباد، دولہا جہاگر، بدرجہلا، میانہ، اٹاؤہ، شاد پورہ، ایرن، موٹکا،

۱۔ اس سند کی پوری نقل باب ۳ بازار کٹرہ نور گنج کے سلسلہ میں درج ہے ۱۲ مولف

۲۔ تقسیم نامہ مورخہ ۱۹۳۳ء جرم سند جوس مالگیری مطابق ۱۳۱۷ء مہری جگت سنگھ حاکم چندیری فدوی عالمگیر بادشاہ تھانی داس تقسیم نامہ کو مولف نے دیکھا ہے، جو لالہ پرتاب چند جی کے پاس محفوظ ہے۔ ۱۲

راکھ، بھونر اسہ اکالا بارغ، کیا وودہ، تال، کورو آئی، ہا شہ، بیر چھا، دیوری کلان،  
انا، بدرواس، جھروں، ہا بنون، دیوری خورو، آرون، لٹا وودہ،

لالہ ہر رائے کے لاولد فوت ہونے پر ان کے حصے کے ۱۳ پرگنات بھی لالہ دھرم پند ہر اس  
کو ملے، چونکہ ۶ سال کی عمر تک ان کی بھی کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی، اس لئے اپنے عزیزوں  
اور گماشتوں کے نام تمام محالات منتقل کر دیئے، اور اپنے لئے صرف دو پرگنے سروجن و  
چندیری مخصوص کر لئے، بعد میں دوسری شادی کرنے پر کشن چند نامی ایک بیٹا عالم وجود میں  
آیا، جس کی اولاد میں سروجن کی قانون گوئی اب تک بحال ہے، .....  
.....، اور چندیری کی قانون گوئی ستمبر ۱۹۶۵ء بکرمی تک قائم رہ کر راج گوالیار کی  
طرف سے نقد تنخواہ مقرر ہو گئی، جسے لالہ جواہر لال برادر لالہ پرتاب چند قانون گو سٹے سروجن نے  
نامنظور کیا، اور خانہ نشین ہو گئے۔

سروجن میں عہد شاہی سے قانونگوئیوں کے جو حقوق مقرر تھے وہ تقریباً آج بھی بدستور  
بحال ہیں جن کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) دائمی یعنی پرگنہ کی مشخصہ سالانہ زرعی آمدنی پر فیصدی ایک روپیہ، حصہ

(۲) بھینٹ فی گاؤں، چار روپیہ،

(۳) دستور چنگی، فی روپیہ تین پائی،

اسکے علاوہ موجودہ قانون گو کے پاس اراضی انعامی ایک ہزار بیگہ اور ۸ قطعات  
باغات بھی ہیں، شہر میں جو پہلا بندوبست ہوا تھا، اس وقت سے حق دائمی فیصدی  
ایک روپیہ کے بجائے بالمقطع ۸ سو روپیہ، بھینٹ فی رہ لکھ کے بجائے بالمقطع ایک ہزار ۳ سو ۶۰،  
روپیہ، اور دستور چنگی فی روپیہ ۳ پائی کی جگہ بالمقطع ۳ سو روپیہ سالانہ ریاست سے مقرر  
ہو گیا ہے، ان حقوق میں دوسرے قانون گو لالہ جگناتھ پرشاد بھی نصف کے شریک ہیں، شہر  
حقوق کی آمدنی سے دو سو ۴۰ روپیہ سالانہ تنخواہ کے دو گماشتے صیفہ ال میں، اور دو گما

دو سو ہزار روپیہ سالانہ تنخواہ کے محکمہ سائر (کسٹم) میں سرکاری خدمت انجام دیتے ہیں، لالہ پر تاب چند خاندانی قانون گو موجودہ زمانہ میں رجسٹرڈ قانون گو ہیں، دیہی کاغذات کا ان سے تعلق ہے، پرگنہ کے تمام داخلی و خارجی حالات سے واقف، اور حکومت کے بہترین خیر خواہ مشیر و نہیں سے ہیں۔ سلسلہ لوہی میں ریاست کا جو گزٹ میسر مرتب ہوا ہے انہیں یہ بھی شریک تھے، اور سرونج کے متعلق ان کی معلومات سے زیادہ امدادی گئی ہے، مولف نے بھی انہیں بعض تاریخی حالات کے انکشاف میں استفادہ کیا ہے،

موجودہ زمانہ میں اس خاندان کی یادگار لالہ جگناتھ پرشاد قانون گو ہیں، جبکہ سلسلہ نسب آٹھویں پشت میں لالہ ہروی رام سے اس طرح ملتا ہے جگناتھ پرشاد بن ادیکار بن بن بھندری لال،

## خاندان لالہ گردہر داس و ہرے رام قانون گو یاں

بن بیج رائے بن چین سنگھ بن ہمدانی لال بن بہادر لال بن ہرے رام، قوم کا لیٹھ ماہر لالہ گردہر داس، اور ہر دیرام باہم حقیقی بھائی تھے، اور شریک کار رہے، گردہر داس نے لاوہ رطت کی، انکے باپ کا نام سرونج مل تھا، ادہلی سے سرونج آکر سکونت اختیار کی، سند عالمگیری محرمہ ستم ماہ رمضان المبارک ۱۰۸۳ھ سنہ جلوس انہی دونوں بھائیوں کے نام ہے جس سے واضح ہے کہ خدمت قانون گوئی گوان کی جدی خدمت ہے لیکن ہزار روپیہ پیشکش کر کے تجدیداً سند حاصل کی ہے،

سند کی پشت پر ہزار روپیہ کی اقساط کی تفصیل درج ہونے کے ساتھ جو عبارت مرقوم ہے، اس میں ”برسالہ شاہزادہ معظم“ مع دیگر عبارت کے جو حوالہ درج ہے، اس سے

سلطہ محمد معظم، اللہ میں شاہ عالم بہادر شاہ کے نقب سے عالمگیر کے بعد تخت نشین ہوا، اور ۱۰۶۳ھ میں رطت کی شاہ عالم نے اپنے جلوس کی خود ذیل کی تاریخ استخراج کی، ع آفتاب عالمناہیم، وفات کی تاریخ یہ ہے۔  
رد فاش بے سرو بے پاشندہ، فیض و فضل و نعمت و عدل و کرم، ۱۰۶۱ھ مفتاح التواریخ،

استنباط ہوتا ہے کہ شاہزادہ موصوف نے یا تو دربار خلافت میں پہنچ کر تجدید سند کی سفارش کی ہے یا پھر پھر عرصہداشت اپنے باپ سلطان اور نگ زریب عالمگیر کو متوجہ کیا ہے ،  
سند مذکور میں خدمات کی وہی تفصیل درج ہیں جو شہنشاہ اکبر نے لالہ متھرا داس قانون گو  
کی سند میں درج کی ہیں ، حقوق قانون گوئی کی تفصیل لالہ متھرا داس کے تذکرہ خاندانی کے ساتھ

لے نقل سند۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم ، یا ایہا الذین آمنوا الطیعوا اللہ والطیعوا الرسول واولی الامر منکم ، خط طر میں سرخ  
روشنائی سے سند کے عنوان پر سید ہے پہلو میں درج ہے ، اُس کے برابر سیاہی کی گول ہر شیت ہے ، جس پر محی الدین عالمگیر  
مع نسب نامہ مندرج ہے ( منہون ۔ چوں بھرض مقدس محلے رسید کہ خدمت قانون گوئی پر گئے سرو بیج ،  
تابع سرکار چندیری معاف صوبہ الوہ ایاغن چیدہ گرد ہر داس و ہر دیرام تعلق دار و دہا قافلہ و متصرف و  
امیدوار فرمان عالیشان اند۔ حکم جہاں مطاع لازم الاتباع صادر شد کہ خدمت قانون گوئی پر گئے مذکور از  
نصف خریف سچاکیل (نام مہینہ مولت) ہاتھ حسب العین مقرر باشد کہ بلوازم آن خدمت کما شیعہ پر داند و دقیقہ  
از دقائے دولت خواہی و راستی و درستی نامرعی نگزارند و دہ از یاد آبادانی و فور زراعت مساعی موقوفہ بتقدیم  
رسانیدہ از سرشتہ تقسیم و موازنہ منقح و مشرح و مطابق ضابطہ و معمول بد قتر خانہ والا میرسانیدہ  
باشند و زیادہ از مرسوم قدیم چیزے از رعایہ طبع نہ نمایند و بر اموال تغلب و تعدی نکنند یا بد کہ  
حکام و عمال و جاگیرداران و کمر و وٹیان حال و استقبال مشا را لہ ہا را قانون گوئے مستقل آنجا دانند و دریا  
باب ہر سال سند مجد د طلب تدارند و نہ ہزار روپیہ و چہ ہشکیش مطابق اقساط کہ در طہرائی مثال  
واجب الامتثال رقم پذیرفتہ از آئینہ تحصیل نمودہ ہیچ نہ عامرہ داخل سازند ، بستم شہر رمضان المبارک  
سال شانزدہم از جلوس والا نوشتہ شد مطابق سند ۱۰۸۰ھ ثبت سند پر اقساط کی تفصیل کے اوپر ذیل کی عبارت درج  
ہے ”بر سالہ بادشاہزادہ کامکار نامدار گرامی نسب عالی تیار ، نور حدتہ خلافت و نور حدیقہ سلطنت و  
دولت ، فروغ و درود مان عز و اقبال ، چراغ خاندان جا و جلال ، والا گو ہر بلند مکان ، رفیع القدر ،  
مینع الشان ، ستودہ خصال ، خجستہ شیم شاہزادہ محمد معظم  
( اصل سند لالہ جگن ناتھ پر شاد کے پاس محفوظ ہے ۱۲ مولت )



اوپر درج ہو چکی ہے، ایک ہزار بیگہ اراضی انعامی اس خاندان میں بھی موجود ہے، سند مالگیری ۸ فٹ طول اور ۱۲ فٹ عرض کے با دمی رنگ کے چکنے دبیر کا غز پر ہے کاغذ میں کسی جگہ نقصان نہیں آیا، معلوم ہوتا ہے کہ سند آج ہی کی لکھی ہوئی ہے، سینکڑوں اسناد دیکھنے کا اتفاق ہوا، لیکن جس احتیاط سے اس سند کو محفوظ رکھا گیا ہے، دوسروں نے اپنی اسناد کے ساتھ ویسا عمل نہیں کیا، نہ اتنی طویل تقطیع پر کوئی سند نظر سے گزری، نواب امیر الدولہ بہادر نے بھی اپنی سند مورخہ ۱۲۴۷ھ رذی الحج ۱۲۴۷ھ کے ذریعہ سے شاہی عطیہ کو بحال و برقرار رکھا، اور آج بھی بحال ہے،

لالہ جگناتھ پرشاد کے تعلق سرحدات، جاگیرات، آبادی مزارع وغیرہ کا کام سپرد ہے، آدمی نوجوان و ذی ہوش ہیں۔

غلام محمد خاں، چھٹو جمودار کے نام سے معروف اور معزز ترین افتادان سردار سے تھے، ان کے پردادا کے دادا یوسف محمد خاں منصبداران شاہی سے مشہور شخص گذرے ہیں، اور یہی بزرگ ولایت

خاندان غلام محمد خاں  
عرف چھٹو جمودار

کابل سے ہندوستان آئے، جمودار موصوف کا سلسلہ نسب مورث اعلیٰ تک اس طرح پہنچتا ہے، غلام محمد خاں ابن خضر محمد خاں، ابن گل محمد خاں ابن جان محمد خاں ابن بشارت محمد خاں ابن یوسف محمد خاں، یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یوسف محمد خاں کس کے عہد میں ہندوستان آئے خاندانی مشہور روایت یہ ہے کہ سہ ہزاری کا منصب دربار شاہی سے ان کو تھا، اور جو خلعت دربار شاہی سے ان کو ملا تھا، آسمیں ایک تلوار بھی تھی، جو خاندان میں نشان اغراض کے طور پر غلام محمد خاں تک محفوظ رہی، ان کے بعد وہ تلوار منتقل ہو کر صاحبزادہ صفی اللہ بہادر مرحوم ابن نواب یحییٰ الدولہ محمد علیخان بہادر کے پاس پہنچ گئی جو جمودار موصوف کے حقیقی لہ جمودار کا لقب قومی خطاب تھا اور یہ خطاب ان لوگوں کو ملتا جو قوم میں ممتاز سمجھے جاتے تھے، ۱۲ مولف

نواسہ تھے، اگل محمد خاں دو حقیقی بھائی تھے، دوسرے بھائی کا نام سلطان محمد خاں تھا، انہی دونوں بھائیوں کی سکونت سروخ کے قدیم کاغذات سے پائی جاتی ہے، کہاں سے، اور کیونکر آئے، یہ تمام حالات تاریکی میں ہیں، اتنا ضرور ثابت ہے کہ یہ دونوں بھائی خضر محمد خاں، پدر غلام محمد خاں، نواب امیر الدولہ بہادر کے ہم عصر تھے، چونکہ سروخ اُس زمانہ میں شرقی مالوہ کا عروس البلاد مقام، اور شرقائے افغانان کا بہترین ماویٰ تھا، غالباً اسی انتساب نے ان دونوں بھائیوں کو سروخ کی سکونت پر آمادہ کیا ہوگا، بہت ممکن ہے کہ ان کے والد نے یہاں توطن اختیار کیا ہو،

یہ امر کسی کاغذ یا تاریخ سے پایہ ثبوت کو نہیں پہنچا کہ یہ دونوں بھائی اور بھتیجے نواب امیر الدولہ بہادر کے ساتھ کسی جنگ میں شریک بھی ہوئے یا نہیں، لیکن پروانہ دستخطی و مہری نواب امیر الدولہ بہادر مورخہ ۱۲۲۶ھ سے واضح ہے کہ سلطان محمد خاں جمعدار کو پرگنہ اوتارسی کلاں اور موضع باموری سالہ (تعلقات پرگنہ سروخ) جانداد میں ملا تھا، اور دوسرے پروانہ مہری و صادی نواب امیر الدولہ بہادر مورخہ ۲ رمضان المبارک ۱۲۳۹ھ کے ذریعہ سے موضع روتلی دامن واقع پرگنہ سروخ بھی جاگیر میں ان کو دیا گیا تھا، بہت ممکن ہے کہ یہ جاگیریں خاندانی اعزاز کے لحاظ سے ان کو ملی ہوں، تاہم ان جاگیرات سے انہوں نے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا، نہ کبھی قابض ہوئے، اسکی وجہ یہ معلوم ہوئی کہ ریاست بھوپال سے ان کے قدیم تعلقات تھے اور تاجات بھوپال کی جاگیرات سے مستفیض رہے، جیسا کہ سند مہری و صادی نواب نیر الدولہ بہادر منیر محمد خاں المتوفی ۱۲۲۵ھ (زوج نواب قدسیہ بیگم رئیسہ بھوپال) مورخہ ۲۲ ربیع الثانی ۱۲۲۵ھ سے واضح ہے کہ پرگنہ غیرت گنج (علاقہ ریاست بھوپال) جمعدار سلطان محمد خاں اور ان کے بھتیجے خضر محمد خاں کو جاگیر میں مل چکا تھا، اور دیگر حکمائہ مورخہ ۱۲ رمضان ۱۲۲۸ھ سے واضح ہے کہ جاگیر کے علاوہ پانچ پانچ سو روپیہ ماہوار صیفہ مناصب سے بھی دونوں کو مقرر تھا، اس سلسلہ سے بھوپال میں بھی ان کی سکونت رہی، ایک تحریر سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس وقت سلطان

محمد خاں پہلی مرتبہ بھوپال پہنچے ہیں، اس وقت ان کے ہمراہ ۵۰ سوار اور دو سو پیادے تھے، اور اس جمعیت کے ساتھ ایک موقع پر نواب نظیر الدولہ بہادر کی انہوں نے مدد بھی کی،

مزید اعزاز و رسوخ کا پتہ ایک تحریر مورخہ ۲۶ صفر ۱۲۰۷ سے بھی چلتا ہے کہ (جو مختصراً کے مقام سے اعما الدولہ شمشیر جنگ بہادر کرنل باؤن صاحب یورپین فوجی افسر نے سلطان محمد خاں اور گل محمد خاں کے نام بھیجی تھی، جس میں ان کی خدمات و فادارانہ کا اعتراف کیا ہے، جمعدار گل محمد خاں کے ایک پسر خضر محمد خاں اور دو لڑکیاں تھیں، انہیں سے ایک کا نام چھتو بی بی تھا، جو شاہ نور الدین خاں ایک معزز افغان کو منسوب تھیں، شاہ نور الدین خاں، نواب میر الدولہ بہادر کے ساتھ ساگر کی مشہور جنگ میں شریک تھے، اور وہیں کام آئے، انکی نقش پالکی کے ذریعہ سے سروج لائی گئی، اور یہیں مدفون بھی ہوئے، چھتو بی بی کا نام سروخ میں خیر و عظمت کے ساتھ آج بھی مشہور ہے، متمول اور فیاض گذری ہیں، ان کا مزار پرانے پل کے پاس پنجتہ بنا ہوا ہے، ان کے ایک بیٹے منور شاہ خاں حسین و جوانمرد تھے، ان کی اولاد میں دولڑکیاں تھیں، ایک حشمت بیگم (زوجہ ثانیہ صاحبزادہ جمال الدین خاں نبیرہ مولوی غلام جیلانی خاں رامپوری، جنکی ایک بیٹی امینہ بیگم زوجہ صاحبزادہ رطب الدین خاں جاگیر دار پامان کھٹڑی، دوسری بیٹی منور شاہ خاں کی بادشاہ بیگم زوجہ صاحبزادہ غلام دستگیر خاں جاگیر دار چاٹولی جنکے بطن سے صاحبزادگان غلام فرید خاں اور عبد الوہاب خاں جاگیر داران چاٹولی تھے،

خضر محمد خاں ابن گل محمد خاں کے ایک بیٹے غلام محمد خاں عرف چھٹو خاں جمعدار، اور دوسرے بیٹے علی محمد خاں تھے، غلام محمد خاں نے کبھی کسی کی ملازمت نہیں کی، آبائی املاک سے گذر کرتے رہے، مشہور و فہم دار گذرے ہیں،

ان کی دو بیویاں تھیں، پہلی بیوی سے تین بیٹیاں ہوئیں، (۱) شاہجہاں بیگم (زوجہ صاحبزادہ غلام فرید خاں نبیرہ مولوی غلام جیلانی خاں بہادر رامپوری) جنکے بطن سے صاحبزادہ عبدالرشید خاں

لے یہ تمام تحریرات مولف نے دیکھی ہیں جو صاحبزادہ عبدالوحید خان صاحب جاگیر دار چاٹولی کے پاس محفوظ ہیں ۱۲

اور صاحبزادہ عبدالوحید خاں جاگیر داران چاٹھولی بقید حیات ہیں (۲۱) نواب حاتم زبانی بیگم (زوجہ صاحبزادہ فیض محمد خاں خلعت اکبر و لیسہ نواب وزیر الدولہ بہادر (۳) نواب جہاں آرا بیگم (زوجہ نواب بین الدولہ محمد علی خاں بہادر وائی ٹونک) چکے بطن سے دو فرزند صاحبزادہ حافظ عبدالصمد خاں، بہادر غضنفر جنگ، اور صاحبزادہ صفی الشہ خاں بہادر، اور ایک دختر ابانت الرحمن بیگم (زوجہ صاحبزادہ عبدالعلیم خاں بہادر فیروز جنگ)۔ جمعدار غلام محمد خاں کو نواب بین الدولہ محمد علی خاں بہادر نے بذریعہ سند مورخہ ۲۸ رجب ۱۲۸۲ھ موضع کوروالسہ تعلقہ سروجنج جاگیر میں دیا تھا، جس پر جمعدار مذکور اپنی حیات تک قابض رہے، جمعدار مذکور کی دوسری بیوی سے دو بیٹے غلام محبوب خاں و غلام اکبر خاں یادگار رہے تھے، جنکے نام جاگیر مذکور بذریعہ سند مورخہ یکم رجب ۱۲۸۵ھ مشترکاً بحال ہوئی، اسکے بعد غلام محبوب خاں مفقود و انجر ہو گئے، اس لئے جاگیر مذکور بذریعہ سند مورخہ ۲۰ شعبان ۱۲۸۵ھ میں تنہا غلام اکبر خاں کے نام منتقل ہوئی، غلام اکبر خاں کی نسل سے غلام احمد خاں، اور ایک بیٹی نجمتہ بیگم یادگار رہے، وہی جاگیر غلام احمد خاں کے نام ۲۷ شوال ۱۲۸۵ھ کی سند کی رو سے منتقل ہوئی، موجودہ زمانہ میں غلام احمد خاں ابن غلام احمد خاں (تائبانہ لیسر) جاگیر کا وارث ہے، جسکی ایک نابالغ بہن فردوس بیگم بھی زندہ ہے، نجمتہ بیگم بنت غلام اکبر خاں صاحبزادہ عبدالوحید خاں جاگیر دار چاٹھولی کو منسوب اور ہنوز لا ولد میں،

نواب محمد سعید خاں بہادر غضنفر جنگ،  
محمد شاہی عہد میں ناظم صوبہ مالوہ تھے،  
جسکی تصدیق خاندانی روایت کے علاوہ  
سند محمد شاہی مرقومہ ۱۳۰۹ھ سے بھی

خاندان نواب محمد سعید خاں بہادر  
غضنفر جنگ عرف آغامیاں

اولیٰ نواب کا خطاب، نواب وزیر الدولہ کا عطیہ تھا، اسلئے کہ دونوں نہیں ان کے دونوں صاحبزادگان کو منسوب تھیں  
پہلی بیٹی شاہجہاں بیگم کو بھی نواب وزیر الدولہ بہادر نے خطاب عطا کیا تھا، اصلی نام کچھ اور تھا ۱۲۷۴ھ (مؤلف)





نواب محمد سعید خاں کی مشہور وسیع حویلی واقع محلہ کھار بازار سرونج، آج منہدم صورت میں نظر آتی ہے، اور سنجابی بی دانی حویلی کے نام سے معروف ہے، حویلی کے متصل خاندانی گورستان ہے، جہیں خاندانی افراد کی پختہ قبریں موجود ہیں، اور ایک مسجد بھی ہے بیس سال قبل محلہ چٹیاں گویا ری نے حویلی کے تمام رقبہ کو عبدالستار خاں مشہور تاجر کے ہاتھ فروخت کر دیا ہے،

## سلسلہ خاندان جدید

خاندان محلہ علی خاں جمعدار سہیل آبادی عامل سرونج | محمد یوسف خاں نواب امیر الدولہ کے ممتاز سرداروں میں سے تھے ۱۲۱۵ھ میں قلعہ

تہسیر (اندور) مفتوح ہونے کے بعد جب نواب امیر الدولہ کے حصہ میں سرونج پر گئے، اس وقت سرونج کی حکومت پر انہی کا تقرر ہوا تھا، ان کے اسلاف تیراہ ملک افغانستان کے رہنے والے نسبتاً ادراک زنی روہیلہ افغان تھے،

عالمگیر علی جلوس کے چوبیسویں سال ۱۲۹۱ھ میں اس خاندان کا مورث اعلیٰ سردار جلال خاں بن سالار میر تہر آرخاں افغانستان سے چکر منہد وستان آئے، دہلی کے متصل موضع لہاری میں قیام کیا، جب شاہی دربار سے تعلقات ہوئے تو اپنے نام سے جلال آباد قصبہ آباد کیا اور یہ قصبہ مع تعلقات جاگیر میں انکولہ، امیر دوست محمد خاں بہادر (بانی ریاست بھوپال) اور سردار جلال خاں ہمعصر، اور ایک ہی خاندان سے تھے، ان دونوں سرداروں کے مورث اعلیٰ کا نام میر بایزید خاں تھا، ان کے دو بیٹے میر عزیز و میر صالح محمد تھے، میر عزیز کی پانچویں پشت میں سردار جلال خاں (بانی جلال آباد) اور میر صالح محمد کی ساتویں پشت میں سردار دوست محمد خاں

ملہ دیکھو میر نامہ ۱۲ مولف ملہ یہ حالات تاریخ بھوپال سے منشی رحمت اللہ مدد نے اپنی بڑی جتہری میں

درج کئے ہیں، اور مولف نے بڑی جتہری ۱۲۹۲ھ سے اخذ کئے ہیں، ۱۲

یانی ریاست بھوپال ہیں ، سردار جلال الدین خاں کو دارالسلطنت دہلی کے قریب بودو باش اختیار کرنے سے فتوحات کا موقع نہیں ملا ، اس لئے نواح لوہاری جلال آباد کے علاقہ پر قائم رہے ، برخلاف اس کے سردار دوست محمد خان مالوہ کی طرف رخ کیا ، تقدیر یا در تھی رفتہ رفتہ ایک وسیع ریاست کے مالک ہوئے ،

جمعدار محمد یوسف خاں میں بھی خاندانی شجاعت اور الوالعزمی کے جواہر نہیں تھے ، نواب امیر الدولہ بہادر کے کارناموں کی شہرت نے ان کو بھی امیری لشکر میں پہنچایا ، عرصہ تک جانا نازانہ وفادارانہ رفاقت کی ، ۱۲۳۲ھ میں ٹونک ریاست کی بنیاد قائم ہوئی دو سال بعد ، ۱۲۳۴ھ میں حقوق خدمات کے لحاظ سے ان کو سروج پرگنہ کے وٹرو وسیع الرقبہ گاؤں ، امیر گڑھ اور چھینپو سجاگیر میں ملے ، ان کی پہلی شادی مسماہ شادی بی بی دختر اسعد محمد خاں بہادر منصب دار شاہی ابن نواب محمد سعید خان بہادر عضنفر جنگ سے ہوئی تھی ، جن کے بطن سے تین بیٹیاں وزیر آبادی ، نیاز بی ، اور نیابی ، پیدا ہوئیں ، اول الذکر دو بیٹیاں لا ولد فوت ہوئیں ، تیسری بیٹی کے سلسلہ سے حکیم فخر احمد خاں طبیب ریاست ہیں ، دوسری خاندانی بیوی سے صرف ایک بیٹے کرم شیر خاں ہوئے ، جنکی شادی مسماہ مہربیم دختر فخر الدین محمود خاں بہادر جلال آبادی جنرل افواج ریاست ٹونک سے ہوئی ، ان کے بطن سے احمد شیر خاں ایک بیٹے عالم وجود میں آئے یکے بعد دیگرے حسب قانون ریاست ان کے نام جاگیریں منتقل ہوتی رہیں ،

۱۔ افغانی قبائل میں معتد اور با اثر شخص کا جمعدار لقب ہو کر تاج تھا ، چونکہ محمد یوسف خاں اور ان کے والد قوم میں معزز اور با اثر تھے اس لئے قوم کی طرف سے ان کو یہ لقب ملا ہوا تھا ، ۱۲ مؤلف  
۲۔ نقل سند ہری نواب امیر الدولہ بہادر مورخہ ۲ ر شوال ۱۲۳۴ھ عالمان و متصدیاں و چورہ ریان قانون گیار  
و حال استقبال پرگنہ سروج سرکار چندیری صوبہ مالوہ بدانتہا چوں امیر گڑھ عت کو پال گڑھ ، ناگن ، ہر کبیرہ ، و  
موش چھینپو دروہ جاگیر و جائداد محمد یوسف خاں از حضور پرنور مقرر و مقوض شد ، بایکہ دیہات مذکورین رالہ صرف  
مشار الیہ دنگدا شدہ ، بوجہ من وجوہ انراں مزاحم و معترض نشوند فقط



احمد شیر خاں صاحب مرحوم کو مولف نے دیکھا ہے، حسین خوش وضع باطن، اور جو انفرادی تھے، تقریباً ۵۵ سال کی عمر میں ۱۳ رمضان المبارک ۱۲۸۵ مطابق ۱۲ رجب ۱۲۹۵ء کو مسوم ہوئے، ان کی شادی بنیادی بیگم دختر حبیب اللہ خاں جاگیردار جھوکر جوگی سے ہوئی تھی، جس کے لہن سے دو بیٹے محمد شیر خاں، محمود شیر خاں، اور پانچ بیٹیاں دونوں دیہات جاگیر دونوں بھائیوں کے نام علیحدہ علیحدہ باز بھال ہوئے محمود شیر خاں نے عالم نوجوانی ۱۳۳۵ء میں ایک نایافتہ دختر چھوڑ کر وفات پائی، موضع امیر گڑھ دیہہ جاگیر تریہہ اولاد نہ ہونے کی بنا پر تحت قانون ریاست ضبط ہو کر مرحوم کی دختر کے لئے نقد گزارہ ریاست سے مقرر ہو گیا ہے،

بڑے بیٹے محمد شیر خاں صاحب بقید حیات اور اپنے حصہ جاگیر موضع چھٹیوں پر قابض اور اس کی آمدنی سے مستفیض ہیں۔ آدمی، مشین، خلق، مہذب الزاج، خوش تقریر اور فہیم ہیں، صاحب اولاد بھی ہیں، ان کی والدہ بنیادی بیگم نے اپنے باپ کی جاگیر موضع جھوکر جوگی سے جو حصہ پایا تھا اُن کی وفات پر تحت قانون ریاست وہ بھی ان کے نام بحال ہے،

خاندان نواب محمد سعید خان بہادر خضر جنگ صواتی

نواب محمد سعید خان  
حقیقی پانچ بھائی

تھے، دوسروں کے نام یہ ہیں، نواب سرور خاں، سکندر خاں، الکر خاں، انور خاں، باب کا نام مولوی ارم خاں ملہ صاحبزادہ عبدالوحید خاں صاحب جاگیردار چاٹھولی کے کتب خانہ میں اس خاندان کا مصدقہ سب نامہ مولف کی نظر سے گذرا جسکی نقل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔ نواب محمد سعید خاں بن مولوی ارم خاں بہادر قادری بن محمد عثمان خاں بہادر بن محمد شاہ بھال خاں بہادر قادری بن اخوند کریم دادا بابا علیہ الرحمۃ بن اخوند دروزہ صاحب القربہ بن شاہزادہ ملک خاں احمد خاں بن خاں ملک بادشاہ خسرو کہ صاحب تخت لاہور و پشاور بود، بن بادشاہ گل محمد قادری المشہور شاہ پگل بن بادشاہ محمود ثانی قادری بن بادشاہ ناصر الدین قادری بن شہنشاہ محمود غزنوی مازی قادری ادبیار احمد بن شہنشاہ امران بن شہنشاہ غفران بن اولاد خیر الدین بن ابراہیم سٹرا بن، بن قیس عبدالرشید ۱۳

تھا، صوات، بئیرلک افغانستان سے چلکر ..... ہندوستان آئے، ریاست  
راپور میں قیام کیا، نسل کے اعتبار سے یوسف زئی افغان تھے، راپور کے معزز خاندان میں  
شادی کی، یہیں پانچویں بیٹے عالم وجود میں آئے، ابتدائی ذریعہ معاش اور سداً تحقیق نہ ہو سکا  
جس زمانہ میں نواب امیر الدولہ بہادر کی نوک سنان سے راجپوتانہ والوہ میں جنگ جلال  
کی آگ شعلہ تھی، مذکور الصدر پانچویں بھائی اپنی نسلی شجاعت کے جوہر دکھانے کے لئے نواب  
امیر الدولہ کے فاتحانہ علم کے سایہ میں آکر پناہ گیر ہوئے، قاعدہ کلیہ ہے کہ صیقل سے اصل تلواروں  
کے جوہر اور زیادہ نمایاں ہو جاتے ہیں، جب ان پانچ بھائیوں نے اپنے سپاہ سالار کو میدان  
جنگ کا قابل ترین ہنرمند انسان پایا تو وفاداری و جاں نثاری کی قسم کھا کر جنگی میدانوں کے خوفی  
مناظر میں کود پڑے، امیر اعظم کی قدردانیوں نے ان کے جوہروں کو اور زیادہ چمکایا،

امیر نامہ مطبوعہ میں ان شیروں کے بہادری کے کارنامے اجمالاً درج ہیں، یہاں تمام  
معرکوں کی تفصیل کی گنجائش نہیں، حق یہ ہے کہ معرکہ جنگ میں مبادرت سپہ سالار کی اطاعت  
وفادارانہ جوش و خروش اور مخلصانہ رفاقت وغیرہ اوصاف کے امتحانوں میں ہمیشہ کامیاب  
رہے،

سکندر خاں، لہار گڈھ، اکبر خاں، بہیلو آڑھ، انور خاں، اکاپلی، کے خونریز معرکوں میں کام  
آئے، محمد سعید خاں اور سرور خاں بھی گئی بار مجروح ہوئے، لیکن ان شیروں کی پشت نے کبھی  
ہتھیاروں کے زخم کا بار احسان نہیں اٹھایا، ہر معرکہ میں چہرے اور سینے داغوں سے لالہ زار  
بنے رہے، نمایاں خدمات اور امتحانوں کے بعد نواب امیر الدولہ بہادر نے ۱۲۲۶ھ میں محمد سعید خاں  
کو نواب شمس الدولہ اعقاد الملک ظفر جنگ بہادر اور سرور خاں کو نواب سرفراز الدولہ تیغ جنگ  
کے خطابات عطا کئے اور اسی سال انکو سرحد کی حکومت پر بھی سرفراز کیا، اسکے علاوہ نواب امیر الدولہ نے اپنی پیشہ  
جہانگیر بیگم کو نواب محمد سعید خاں کی زوجیت میں دیکر مزید عزت افزائی فرمائی،

۱۲۱۵ھ جہانگیر بیگم کا مزار نواب محمد سعید خاں (تقریباً ۱۲۱۵ھ)

۱۸۳۲ء میں جب مابین ایسٹ انڈیا کمپنی اور نواب امیر الدولہ مصاحبت ہو کر ٹنک کی ریاست قائم ہوئی تو نواب امیر الدولہ بہادر نے اپنے رفیقان صادق کو بھی اس میں اعلیٰ قدر مراتب جاگیرات کی صورت میں حصہ دیا، نواب محمد سعید خاں بہادر بھی جاگیر سے متمتع ہوئے، اور ان کو اور ان کے بھائی نواب سرور خاں بہادر کو مشترکاً ۴۲ دیہات حلقہ اوتارسی تال پرگنہ سرونیخ ذریعہ سندھو ۱۸۳۳ء جاگیر میں دیئے گئے، اور یہ وہ محال ہے جو ان دونوں بھائیوں نے دولت راؤ سیندھیا والی گوالیار کے فوجی افسران بتیس سے مقابلہ کر کے فتح کیا تھا،

جاگیر کے سلسلہ سے دونوں بھائیوں نے سرونیخ میں سکونت اختیار کر کے ایک وسیع رقبہ میں ایوانات تعمیر کرائے، جبکہ آج بیشتر حصہ منہدم ہو چکا ہے، نواب سرور خاں نے محمد علی ۱۸۳۳ء میں لا ولد انتقال کیا، اور ان سے دو سال قبل ۱۸۳۱ء میں نواب محمد سعید خاں بہادر صاحب ذیل اٹلا چھوڑ کر وفات پا چکے تھے،

(۱) نواب احمد سعید خاں (۲) ابو ظفر علی سعید خاں (۳) علی حیدر سعید خاں (۴) علی اکبر سعید خاں (۵) محمد القادر خاں (۶) ادلیا بیگم (۷) حسنی بیگم، ریاست نے دھار کے نام جاگیر بحال کی اور بیٹے بیٹے نواب احمد سعید خاں سرپرست قرار پائے،

نواب احمد سعید خاں نے ذیل کے تین بیٹے چھوڑ کر ۱۸۳۳ء رحلت کی، (۱) نواب احمد علی سعید خاں عرف خانبیاں نجیب الطرفین (۲) میر علی سعید خاں (۳) محمد جان خاں،

موجودہ رئیس اعظم نواب امین الدولہ بہادر نے احمد علی سعید خاں بیٹے کے کو ذریعہ حکمران مقرر کیا۔ ۱۸۳۴ء نواب امین الدولہ ممتاز الملک بہادر مقیم جنگ کا خطاب عطا کر کے جاگیر جدی بھی ان کے نام بحال کی، جس میں دیگر لواحقین کا بھی حصہ مقرر کر دیا، نواب امین الدولہ نے ۱۸۳۹ء میں بھر ۵۰ سال لا ولد رحلت کی، میر علی سعید خاں بھی لا ولد فوت ہوئے، محمد جان خاں کے احمد جان،

کے اعظم کے ایک گوشہ میں سرونیخ کے اندر واقع ہے، جو ایک مختصر مالدس سے محیط ہے ۱۲۱

۱۲۱ سال ۱۸۳۳ء میں افسر تھاکے خاندانی افراد کو ایلیہ میں ممتاز عہدوں پر مامور ہیں ۱۲۱

اور احمد جان کے دو بیٹے جان احمد اور مینا خان زندہ اور موضع سلطان پور دیہہ جاگیر پر قابض ہیں، ابو ظفر علی سعید خاں ابن نواب محمد سعید خاں کی صرف دو بیٹیاں ممتاز بیگم، اور لیلیٰ بیگم تھیں ممتاز بیگم کے بطن سے ظفر سعید خاں زندہ اور موضع چتورہ جاگیر سے مستفیض ہیں، لیلیٰ بیگم بھی زندہ اور چتورہ میں حصہ دار ہیں،

علی حیدر سعید خاں ابن نواب محمد سعید خاں کے دو بیٹے، ممتاز حیدر سعید خاں، اور محمد علی سعید خاں، دونوں بھائی زندہ اور موضع سونا سالم اور موضع اٹھو ار کے پانچویں حصہ سے مستفیض ہیں، علی اکبر سعید خاں ابن نواب محمد سعید خاں کے ایک پسر حسن علی سعید خاں، ان کے دو فرزند ایرم علی سعید خاں اور نور علی سعید خاں زندہ ہیں جنگی جاگیر میں موضع کجری برکٹھہ سالم اور گھنوار میں پانچواں حصہ ہے، عبدالقادر خاں ابن نواب محمد سعید خاں لا ولد فوت ہوئے، او یا بیگم بنت نواب محمد سعید خاں کی اولاد میں عبدالستار خاں، عبدالغفار خاں، عبدالرزاق خاں موضع مرید پور کے جاگیر دار ہیں، جینی بیگم بنت نواب محمد سعید خاں کے تین بیٹے، شمشیر بہادر خاں، مظفر علی خاں، محبوب علی خاں شمشیر بہادر عبدالعلی خاں لا ولد فوت ہوئے، مظفر علی خاں کے منصور علی خاں بقید حیات ہیں، محبوب علی خاں کے پانچ بیٹے، محفوظ علی خاں، نوشہ خاں، حامد علی خاں، فیض علی خاں، محمود علی خاں انہیں سے حامد علی خاں لا ولد فوت ہوئے، باقی چار بھائی زندہ اور موضع منڈاوسہ جاگیر پر قابض ہیں،

اس خاندان کے آخری یادگاروں میں نواب امتیاز الدولہ بہادر معروف خاں میاں نامور اور شجاع گزرے ہیں، فیاض اور ہماں نواز بھی تھے، مولف سے ان کی بہادری کا یہ ایک واقعہ دیکھنے والے اصحاب نے بیان کیا ہے کہ غدر ۱۸۵۷ء میں جب عادل خاں جاگیر دار امبا پانی علاقہ ریاست بھوپال نے ایک کافی جمعیت کے ساتھ پورن کر کے سرورج کے دارا حکومت (کوٹ) کو محصور کر لیا تھا، اس وقت مولوی خیر الدین عامل سرورج قلعہ بند ہو کر مخالفین سے تین روز تک مقابلہ کرتے رہے چوتھے روز تک خواری اور نسلی شجاعت کے تقاضہ سے خانیہاں امتیاز الدولہ اپنی منتخب جماعت کو لے کر نکلے، حملہ تلیا کاسٹلین مورچہ انہی کی تلوار نے کاٹا، جس سے عادل خانی سپاہ کا رخ پھر گیا،

اور لوگ فرار ہونے پر مجبور ہوئے ، انکے ارتحال سے خاندانی اعزازی شہرت ، بہادرانہ عظمت اور فنون سپہگری و شجاعت کا خاتمہ ہو گیا ،

اس خاندان کے موجودہ ممبر بشیر محمد خاں  
 جاگیر دار ۵۷ سال عمر کے موجود ہیں ،

### (۳) خاندان خیر محمد خاں و نظر محمد خاں

جنگی جاگیر میں اس وقت مواضعات بابرود و جہاگیر ہیں ، انکا سلسلہ نسب یہ ہے ، بشیر محمد خاں ابن وزیر محمد خاں ابن غلام محمد خاں ابن نظر محمد خاں ابن گل محمد خاں ، ولایت کابل سے گل محمد خاں ہندوستان آئے ، اور رامپور ریاست میں مقیم ہوئے ، اور وہیں انہوں نے شادی بھی کی ، دو بیٹے نظر محمد خاں و خیر محمد خاں یادگار رہے ، جنہوں نے جوان ہو کر فنون سپہگری میں کمال حاصل کیا ، نظر محمد خاں کے بیٹے غلام محمد خاں نے بھی اپنے باپ سے سپاہیانہ فنون کا اکتساب کیا ،

وہ زمانہ (جس میں یہ لوگ پیدا ہو کر جوان ہوئے) نسلی بہادروں کے گھر بیٹھے کا نہ تھا۔ دونوں بھائی اور بیٹے سپاہیانہ جوش و خروش کے ساتھ رامپور سے نکلے ، نواب امیر الدولہ بہادر کی الواعزیموں اور ان کی فاتحانہ اقبالمندیوں کی اس وقت ہندوستان میں عام شہرت تھی ، جنگی کشش سے یہ لوگ بھی امیر کی لشکر میں پہنچے ، نواب امیر الدولہ بہادر کی جو بہر شناس نگاہ نے ان کی کفالت کی ، رفتہ رفتہ رفیقان صادق میں داخل ہو کر اگے سواروں میں مقرر ہوئے ، مختلف جنگی محاذوں میں نمایاں کام کئے جن کا تذکرہ امیر نامہ میں اکثر ملے گا۔ ۱۲۱۶ء میں جبکہ نواب امیر الدولہ بہادر نے ساگر پخت کی تھی ، یہ دونوں بھائی شریک تھے ، اسی زمانہ میں ایک روز دونوں بھائی باغ کی سیر کو گئے ، غنیم کے دو سو سواروں نے انکو گھیر لیا ، انازک ترین وقت تھا ، لیکن جبین استقلال پر شکن تک نہ بڑی ، دو سے دو سے مقابلہ کیا ، لڑے اور غلبہ لڑے ، یہاں تک کہ مقابل سپاہ کو مغلوب و منتشر کرتے ہوئے صحیح و سلامت نکل آئے ،

لہذا سوار اکیس سو روپہا ہوا اور کا تنخواہ تارہ شش ہوتا ہے جنگی طاقت و قابلیت سوہر داناؤں کے مقابلہ میں ہوتی ہے

لہذا امیر نامہ اردو صفحہ ۹۱ مترجم حکیم سید احمد سعید صاحب ٹونکی ۱۲

ریاست کی اساس حکومت قائم ہونے کے بعد خدات و رفاقت کے صلہ میں خیر محمد خاں اور غلام محمد خاں کو نوا امیر الدولہ بہادر نے ذیل کے ۱۲ دیہات جاگیر میں عطا کئے، جسکی سند مورخہ ۱۲ محرم ۱۲۳۷ھ بشیر محمد خاں جاگیر دار کے پاس مولف نے دیکھی ہے، سحر کپڑہ، پھرائی کیسر کپڑی، برکپڑہ، کنگا، کولوا، سمیرا، پورہ خورد، چاور، سو جٹان، دنواس، جاپور، ان کی آمدنی سے چند گھوڑے سرکاری چاکری کے لئے بھی مقرر کئے گئے، اس جاگیری سلسلہ سے دونوں بھائی اور بھتیجے سر و بیج آئے اور مستقل سکونت اختیار کی، ۱۲ گھوڑے اور ایک ہاتھی ان کی زندگی تک ان کے دروازہ پیندہ رہے،

خیر محمد خاں کی وفات پر دیہات بدستور غلام محمد خاں کے نام، اور م دیہات چھوٹے بھائی نظر محمد خاں کے نام ذریعہ حکنامہ، ۱۲ محرم ۱۲۴۸ھ منتقل ہوئے، نظر محمد خاں کے انتقال پر غلام محمد خاں نے نواب وزیر الدولہ بہادر کو درخواست دیکر جلد دیہات جاگیر کے بدل میں ذیل کے بڑے پانچ دیہات حاصل کر لئے، مراٹیا، پگرائی، لچیا، پیل کپڑہ، سنگیر، غلام محمد خاں نے اپنی وفات پر، وزیر محمد خاں نامی ایک سپریادگار چھوڑا، جن کے نام دیہات جاگیر ذریعہ سند مورخہ ۸ محرم ۱۲۶۵ھ ریاست نے بحال کئے، ان کے سپر بشیر محمد خاں ابھی نابالغ تھے کہ ۱۲۸۲ھ میں انہوں نے انتقال کیا، سرکاری چاکری کے گھوڑوں کے رکھنے کا انتظام ان کی نابالغی کی وجہ سے نہ ہو سکا، اسلئے نواب عین الدولہ محمد علی خاں بہادر کے عہد میں بقدر مصارف سوار، اور گھوڑوں کے دیہات خالصہ کر کے ان کے گزارہ کے لئے دو دیہات بابرود و جہاگر ذریعہ حکنامہ ۵ رشتوال ۱۲۸۳ھ مخصوص کر دئے گئے،

نظر محمد خاں کے ایک بیٹے غیر صحیح النسب علی محمد خاں بھی تھے، انکے بیٹے امیر محمد خاں تھے ابھی بشیر محمد خاں کے نام جاگیر کے داخل خارج کے احکام نافذ نہیں ہوئے تھے کہ اپنے چچا غلام محمد خاں کی جاگیر کے مدعی ہوئے، اور اس دعوے کا سودائے خام ان کے سر میں استعدا سہیا کہ وزیر محمد خاں کے تمام ملازمین کو اپنے ساتھ ملا کر اور بشیر محمد خاں کو ہاتھی پر اپنے ہمراہ بھاگ کر

دیہات جاگیر پر قبضہ کرنے کے ارادہ سے روانہ ہو گئے، چھتر سال ٹھا کر ٹھکانہ انگرہ برکھڑ راج گوالیا نے ان کو اپنی پناہ میں لے کر اعانت کا وعدہ کیا، چھتر سال ٹھا کر اس وقت سروج علاقہ کے ۲۸ دیہات کا اجارہ دار بھی تھا، غرض دونوں نے باغیانہ پسقدمی کر کے موضع حرا ریا، وغیرہ دیہات جاگیر کو لوٹا،

۱۵۵۱ء کا زمانہ تھا، حکومت نے ان کے استیصال کی غرض سے سپاہ مقرر کی، ساتھ ہی رسالہ دار ولی داد خاں جاگیر دار نہ کھیرہ کو بھی اس ہدایت کے ساتھ روانہ کیا کہ بشیر محمد خاں نایاب کو جس طرح بھی ہوجھ و سالم واپس لائیں، غرض حکومت کی فوج سے باغیوں کا مقابلہ ہوا، اودوہ مغلوب ہوئے، امیر محمد خاں باغی قتل ہوا جسکی قبر انگرہ برکھیرہ کی آبادی کے قریب ندی کے کنارے آج بھی موجود ہے، بشیر محمد خاں کو رسالہ دار ولی داد خاں سروج نے آئے جبکہ حکومت نے تعلیم کی غرض سے دارالریاست ٹونک میں بلوا کر سوروپیہ ماہانہ کا تعلیمی وظیفہ مقرر کر دیا، جوان ہو کر سروج آئے، اور اپنی جاگیر پر متصرف ہوئے،

چھتر سال ٹھا کر سے اسکی بناوت کے جرم میں دیہات متاثر واپس لے لئے گئے، ریاست کے حکم سے عدر کے بعد بشیر محمد خاں نے کپتان ریچرڈ ریورین فوجی افسر کے ہمراہ راکر امن قائم رکھنے میں گورنمنٹ کی بہت بڑی خدمت انجام دی ہے، جس کے ثبوت میں چچی کپتان مذکور مورخہ ۱۸۵۷ء ان کے پاس موجود ہے،

خاندان مرتضیٰ خاں بانکے مرتضیٰ خاں کے باپ کا نام بنیا د خاں لکھی تھا لکھی کی وجہ عرفیت یہ بیان کی گئی ہے کہ نواب

امیر الدولہ بہادر نے ان کو کسی موقع پر ایک لاکھ روپیہ انعام میں دیا تھا، موضع کہریا ضلع فتحپور ہنسوہ ملک متحدہ کے رہنے والے تھے، مصطفیٰ خاں اور مرتضیٰ خاں دو بیٹے تھے، بہادری کے گہوارے میں انہوں نے پرورش پائی، جوان ہو کر جنگی مشغلوں کی تلاش میں نکلے، ۱۸۱۷ء کا آغاز تھا کہ دونوں

لہ انگرہ برکھیرہ سروج سے گوشہ جنوب و مغرب میں ایک ٹھکانہ ہے جواب گوالیار کے تحت میں ہے، اسوقت پھر سالوں کا غور تھا ریس تھا

بھائی ساگر ملک متوسط میں پہنچ کر نواب امیر الدولہ بہادر کے لشکر میں شامل ہوئے یہ وہ زمانہ ہے کہ نواب موصوف ناگپوری افواج سے نبرد آزما تھے، طبعی مشغلہ ہاتھ آیا، سالار لشکر سے اجازت لے کر میدان جنگ میں پہنچے، سپاہیانہ دانہ پیچ اور فنون حرب و ضرب کے کچھ ایسے جو سر دکھائے کہ افسران مخالف ششدر رہ گئے، قضائے الہی سے کسی کا بس نہیں، عین معرکہ جنگ میں مصطفیٰ خاں مجروح ہو کر راہی ملک بچا ہوئے، بڑے بھائی مرتضیٰ خاں کے دل پر شیر دل بھائی کی مفارقت کا نشتر لگا، انتقامانہ جوش و خروش کے ساتھ پر زور حملے شروع کر دیئے، خود بھی زخمی ہوئے، اور پچاسوں کو تہ تیغ کرتے ہوئے اپنے لشکر میں سلامت واپس آ گئے، چتوڑ کی مشہور جنگ میں مرتضیٰ خاں نے اور زیادہ جان بازی دکھائی، مرتضوی تیغ نے بھی خوب ساتھ دیا، عرصہ تک فوجی بادلوں میں بجلی کی طرح چمکتی رہی، جس وقت امیری لشکر کا یہ شیر دل جوان میدان جنگ سے واپس آ کر سرسکر نواب امیر الدولہ بہادر کے سلام کو پہنچا تو میر سینہ گلہائے جراحت سے داغدار تھے، سر میں ۲۲، بازو اور سینہ پر ۱۸، زخموں کے نشانات تھے بائیں ران میں گولی پیوست تھی، پشت ایک بھی داغ نہ تھا، نواب امیر الدولہ بہادر نے اپنے وفادار شیر دل کو سینہ سے لگا کر توجہ کے ساتھ علاج کرایا، مرتضیٰ خاں نے بھی تاحیات صادقانہ رفاقت کی بلے

ریاست کے قیام کے بعد دوسروں کی طرح ان کو بھی انکی جاں نثاری کے صلہ میں ذیل کے ادبیات جاگیر میں عطا کئے، بہونریا، کش پورہ، لالہ ٹوری، سیل کھیری، کرنسی، گوکھیری، روٹلا ماراج کھیری، سیلپور، سرسواٹس، اسوقت سے سروجن میں اس خاندان کے میر و نکی سکونت ہے مرتضیٰ خاں نے ذیل کے چار بیٹے یادگار چھوڑے، جمشیر خاں، شمشیر خاں، یہ دونوں باپ کے ساتھ سروجن میں ہی سکونت پذیر رہے، سلامت علی خاں، مبارک علی خاں یہ دونوں قدیم وطن موضع کہریا میں مقیم رہ کر وہاں کی جدی جائیداد پر قابض رہے،

سلہ یہ تمام واقعات اوس مسودہ سے اقتباس کیے گئے ہیں جو خاندان میں قلمی محفوظ ہیں، ۱۲ -



جس کا تقسیم نامہ سرودج ہی میں مرتب ہوا تھا ،  
 مرتضیٰ خاں کی وفات پر بڑے بھائی شمشیر خاں کی سرپرستی میں دونوں بھائیوں کے نام دیہات  
 جاگیر بحال ہوئے ، دونوں بھائی بڑے خاں اور چھوٹے خاں کی عرفیت کے ساتھ مشہور تھے ،  
 ۱۲۵۲ھ میں منور محمد خاں عامل سرودج اور پھڑہ نے (جو اس وقت دونوں پرگنوں کے متاجر بھی تھے)  
 باغیانہ خیالات کا اظہار کیا ، اور علی طور پر دونوں پرگنوں پر غاصبانہ قابض بھی ہو چکے تھے ، نواب  
 وزیر الدولہ کے حکم سے مختار الدولہ محمود خاں جنرل افواج ریاست منتخب اور معتمدین رفیقوں کے ساتھ  
 ان کے استیصال کیلئے مامور ہوئے ، ان معتمدین میں شمشیر خاں بھی تھے ، وہ لوہ پر گئے جب فتنہ و فساد  
 کے کانٹوں سے صاف ہو گئے ، اُس وقت نواب بہادر نے اپنے ہمراہی و دستخطی پروانہ مورخہ  
 ، ر صفر ۱۲۵۲ھ کے ذریعہ سے شمشیر خاں کی خدمات پر اپنی خوشنودی کا اظہار کیا ،

اخیر زمانہ میں شمشیر خاں نے مسکرات کو منہ لگایا جس نے جاگیر کو قرضہ میں زیر بار کر دیا ،  
 مجبور ہو کر ریاست نے مظانہ مداخلت کرتے ہوئے صرف ایک گائوں کرنسی مصارف کے لئے  
 چھوڑ دیا ، باقی دیہات قرضہ میں لگا دیئے گئے ، شمشیر خاں کے لاوڈ انتقال ہونے پر وہی موضع  
 کرنسی جمشیر خاں چھوٹے بھائی کے نام منتقل کیا گیا ، جمشیر خاں کے بیٹے محمد شیر خاں ہوئے ، اور  
 ان کے دو بیٹے عالم شیر خاں اور احمد شیر خاں یادگار رہے ، عالم شیر خاں کے دو بیٹے علی شیر خاں  
 اور حبیب شیر خاں حیات اور کرنسی جاگیر سے متمتع ہیں ، احمد شیر خاں کی صرف ایک لڑکی اس وقت  
 زندہ اور جاگیر میں سو روپیہ کی سالانہ حصہ دار ہے ،

(۵) خاندان عبداللہ خاں قدیمی  
 پہلے موتیوں کی تجارت کرتے تھے ، اس مناسبت سے موتی والے عبداللہ خاں مشہور ہے ، نواب

امیر الدولہ بہادر کی رفاقت میں آنے کے بعد ایک دوسرے عبداللہ خاں کے ماہین تغریقی

۱۲ تقسیم نامہ مورخہ ۲۲ ربیع الثانی ۱۲۳۹ھ ہری قاضی سید جمال الدین خادم شرع قاضی سرودج ۱۲

۱۲ پروانہ خوشنودی مولف کی نظر سے گزرا جو خاندان میں محفوظ ہے ۱۲

نسبت کے لحاظ سے عبداللہ خاں قدیمی معروف ہوئے۔

عبداللہ خاں قدیمی راجپوت ریاست کے باشندہ تھے۔ تجارت کے سلسلہ سے اندور میں قیام تھا، نواب امیر الدولہ بہادر نے جس زمانہ میں بہار اور جھونپ رائے کے ساتھ جنگی معاہدہ کیا ہے انہوں نے کچھ موتی لے جا کر نواب امیر الدولہ بہادر کی خدمت میں انعام کی امید کے ساتھ پیش کر دیے۔ تبادلہ خیالات ہونے کے بعد موتیوں کے ساتھ خود بھی لٹکے ہوئے، آدمی فطرتاً جری اور شجاع ہونے کے ساتھ معاملہ فہم اور دور اندیش بھی تھے۔ مہلک بھی ان کا قدردان تھا، ان کے احتمال سے شجاعان امیری میں ایک کار گذار متعدد کا اور اضافہ ہوا۔ امیر نامہ میں متعدد مقامات پر نمایاں خدمات کے سلسلہ سے ان کا تذکرہ درج ہے۔

امن دامن قائم ہونے سے قبل اور سرحد پر قبضہ ہونے کے بعد سب سے پہلی جاگیر اپنی کو ملی ہے، جسکی سند مورخہ غزہ محرم ۱۲۲۷ء باموری سال اور جھونپ برکھڑہ دیہات جاگیر کی خاندان میں موجود ہے، بعد میں ان کی تحریری سند عا پر درلہ کلنا مورخہ ۱۲۴۷ شوال ۱۲۹۷ء دستخطی نواب وزیر الدولہ بہادر باموری سال کے تبادلہ میں موضع کوروائی دیا گیا۔

عبداللہ خاں کی وفات پر ان کے ایک بیٹے حبیب اللہ خاں اور ایک بیٹی عائشہ بیگم عرف مبارک بیگم یادگار رہے، مبارک بیگم صاحبزادہ عبداللہ خاں بہادر محمد المہام ابن نواب امیر الدولہ بہادر کو منسوب ہوئیں، دیہات جاگیر نواب امین الدولہ بہادر کی دستخطی سند مورخہ ۱۲۹۷ ربيع الثانی ۱۲۹۷ء کے ذریعہ سے حبیب اللہ خاں کے نام منتقل ہوئی، لیکن موضع کوروائی کے بجائے ان کی خواہش پر مرزہ برکھڑہ داخلی بھو کر دیا گیا۔ جسکی آمدنی سے تاحیات مستفیض رہے، حبیب اللہ خاں کی تین بیٹیاں ہوئیں، آبادی بیگم، بنبادی بیگم، سرفراز بیگم، ریاست سے جاگیر اپنی تینوں وراثت کے نام بحال ہوئی، آبادی بیگم زوجہ فقار شاہ کے چار بیٹوں میں سے فیروز شاہ، محمد شاہ، ابراہیم شاہ، بقید حیات اور اپنی والدہ کے حصہ جاگیر مستفیض ہیں مظفر شاہ: تھے بیٹے کا انتقال ہو چکا ہے۔

بنیادی بیگم زوجہ احمد شیر خاں نبیرہ محمد ارپوسف خاں جاگیردار چیسپوں کی نرینہ اولاد میں سے دو بیٹے محمد شیر خاں عرف بٹے میاں، محمود شیر خاں عرف چھو میاں، اور پانچ بیٹیاں، محمد شیر خاں زندہ اور اپنی ماں کے حصہ جاگیر پر قابض ہیں جس میں بہنوں کا بھی حق ہے سرفراز بیگم زوجہ صاحبزادہ عبدالوہاب خاں جاگیردار چٹھولی بقید حیات، اور اپنے ثلث حصہ جاگیر پر قابض ہیں،

عبداللہ خاں قدیمی نے ۱۲۳۲ھ میں چیسپوں سے مکانات خرید کر کے ایک وسیع احاطہ سکونت کے لئے بنوایا، جو آج بھی اُنہی کے نام سے معروف ہے، احاطہ کے سامنے ایک چھوٹی سی چار دیواری ہے جو اسی خاندان کا گورستان ہے احاطہ کی دیواریں جگہ جگہ سے منہدم ہو چکی ہیں جن کی مرمت کی بظاہر امید نہیں، موجودہ افراد خاندانی نے احاطہ کے اندر خام سفالہ پوش مکانات بنوا کر سکونت اختیار کر رکھی ہے احاطہ سے باہر ایک گوشہ میں مسجد اور چاہ بھی ہے۔ جو غیر آباد ہے۔

خاندان مولوی غلام جیلانی خاں بہادر رامپوری | مولوی غلام جیلانی

خاں بہادر عالم بھی تھے اور سوتی بھی، صاحب السیف بھی تھے اور اہل قلم بھی، شرافت نسب کے لحاظ سے جس طرح ممتاز تھے، اسی طرح دیناوی اعزاز و مراتب میں بھی معزز ترین ہستی کے انسان تھے، ان کی شادی رامپور میں امیر خاں سوائی (مشہور سردار فغانی) کی دختر سے ہوئی تھی، مولوی صاحب کے پوتے صاحبزادہ امام الدین خاں نور نے کتاب منظوم جمع الکرامت میں سلسلہ نسب اس طرح ظاہر کیا ہے، مولوی غلام جیلانی خاں بہادر ابن لقمان خاں ابن داؤد خاں ابن پانڈو خاں ابن شیر خاں ابن حسن علی خاں ابن سرکین خاں ابن پیراٹم خاں ابن معروف خاں ابن ابراہیم خاں ابن برکات خاں ابن دولت خاں ابن سکے خاں ابن یوسف خاں ابن دے خاں ابراہیم ابن خشی یا

شخی خاں ابن کندی بن خیر الدین عرف نرسیوں ابن ابراہیم مہم مہم ابن اصغر قیس علیہ السلام  
مولوی صاحب موصوف کے پردادا پانڈو خاں سید قاسم علی ترمذی رحمۃ اللہ علیہ  
کے نواسے تھے، اور انہوں نے اپنے نانا ہی کے فیض تربیت و تعلیم سے علوم ظاہری  
و باطنی حاصل کئے جنکا کتب خانہ وسیع پیمانہ پر تھا، اور وہی کتب خانہ منتقل ہوتے ہوئے  
مولوی غلام جیلانی خاں بہادر تک پہنچا، انکے والد لقمان خاں مشہور صدر سیدہ اور عارف  
کامل گذرے ہیں جنکی تربیت و تعلیم نے انہیں بھی وہی عارفانہ جلوہ پیدا کر دیا تھا،  
شیانہ زادہ محمد معظم ابن سلطان اورنگ زیب عالمگیر (جو اپنے باپ کے بعد شاہ عالم  
بیاد شاہ سے سرسبز آرائے سلطنت مہند ہوا ہے) لقمان خاں کے یہاں مع شاہی لشکر  
کے کئی وقت اوس زمانہ میں ہمان رہ چکا ہے (جبکہ عالمگیر کی وفات کی خبر سنکر کابل سے  
دہلی کو مراجعت کر رہا تھا) لقمان خاں رحمۃ اللہ علیہ سے حصول سلطنت کے لئے طالب دعا  
بھی ہوا۔ آپ نے دعا کی جو پایہ اجابت کو بھی پہنچی اور شاہزادہ موصوف شاہ مہند ہوا۔  
مولوی غلام جیلانی خاں بہادر کا قدیم وطن قصہ کلیانی علاقہ بنیر ملک افغانستان  
قومیت کے لحاظ سے برکازی افغان تھے، جو دولت زنی قبیلہ کی ایک شاخ ہے حکام مخرج  
لے زنی ہے جو یوسف زنی کا بڑا اور مشہور قبیلہ ہے۔

مولوی صاحب موصوف احمد شاہ بن محمد شاہ روشن اختر کے عہد حکومت میں ہندوستان  
آئے، چونکہ انہیں آثار علمی اور جوہر قابلیت نمایاں تھے، اس لئے عائدین سلطنت کے  
وساطت سے بہت جلد دربار شاہی تک فائز ہو کر رفعت و رفعت دربار مرشد آباد (بنگال) میں  
میر محمد قاسم صوبہ دار کے زمانہ میں وکالت مطلقہ کے معزز ترین عہدہ پر سرفراز ہوئے (اس عہدہ  
کو آجکل کے پولیسکال ایجنسی کے عہدہ کے برابر سمجھنا چاہیے، جس وقت خدمات کے صلہ میں احمد شاہی  
دربار سے ان کو علاقہ چیر گاؤں (چائنگام) واقع صوبہ بہار جاگیر میں ملا، اس کے بعد غریزۃً  
لے نقل زمان احمد شاہی ہری نظام الملک آصف جاہ وزیر المملک - چودھریان و قانون گویمان (تبیضہ آئندہ)



رحمت خاں تھے، اس لئے مولوی صاحب موصوف بنگالہ سے چلکر روہیلکھنڈ آئے، اور شہر آٹول میں قیام کیا، جو اس وقت روہیلہ سپاہ کا مرکز تھا، حافظ الملک بہادر کے شریک ہوکر متعدد معرکہ لائے جنگ میں نمایاں قابلیت دکھلائی، جسکی تفصیل کتاب گل رحمت مصنفہ فرزند حافظ الملک، اور کتاب گلستان رحمت مصنفہ نبیرہ حافظ الملک میں درج ہے، ۱۷۷۱ء میں جبکہ نواب شجاع الدولہ، اور انگریزوں کی فوجی متحدہ طاقت سے حافظ الملک کی قیادت میں روہیلوں کا مقابلہ ہوا تو اس وقت حافظ الملک کی شہادت سے روہیلوں کا نظام فوجی بکھر گیا، تاہم کہ روہیلوں کی جماعت ہمیشہ کے لئے ہتھیار ڈال دے، لیکن

لے حافظ رحمت خاں ابن شاہ عالم خاں ابن شہاب الدین خاں روہیلہ، حافظ الملک کے اجداد افغانستان کے باشندہ تھے، شہاب الدین خاں ایک تبتی بیٹا داؤد خاں بھی تھا جو عالمگیری عہد میں ہندوستان آیا، دلیر و شجاع تھا، رفتہ رفتہ امارت کے درجہ تک پہنچا، بڑے بڑے معرکہ سرکئے۔ اسی کا تبتی نواب علی محمد خاں بانی ریاست راپور ہوا،

خدا کی قدرت ہے کہ حافظ الملک اور دوندی خاں ابن حسن خاں ابن شہاب خاں کو باوجود آقا زانو ہونے کے نواب علی محمد خاں کی چاکری اختیار کرنی پڑی، بالآخر نواب علی محمد خاں کے بعد حافظ الملک روہیلوں کے سردار قرار پائے، ان کی شہادت پر نواب فیض اللہ خاں ابن نواب علی محمد خاں سردار بنے گئے، جسکی اولاد میں رئیس راپور ہیں ۱۲۰ تاریخ - ہندوستان مولفہ شمس العلامولوی زکا ر اللہ مرحوم و تاریخ عماد السعادت -

۱۲۰ یہ دونوں کتابیں قلمی کتب خانہ راپور میں موجود ہیں -

یہ حافظ الملک کی تاریخ شہادت صاحب مضامین التواریخ نے اس طرح استخراج کی ہے، حافظ رحمت شیرے بعد در میدان جنگ، ہر سرش تیغ قضا آمد نشانہش برق خون پہچوں سر حافظہ جنگ اند بعد از غنمش بہر تاربخش جا کردم دوپائش را کواں پیمیتی دو حرفی تختیں ہم دو حرفی آخریں، دو چوں کردم ز نامش سال فوت آمد بروں، حافظ رحمت کے اجداد ۱۳۷۱ میں انیس سے حال و مرگ کے ۱۳۷۹ اعداد نکال دیے جائیں تو ۸۰۰ ابائی رہتے ہیں یہی سال شہادت ہے ۱۲

وقت پر مولوی غلام جیلانی خاں بہادر کے مشورہ سے نواب فیض اللہ خاں کی سیادت کا اعلان کر دیا گیا جس سے پرالگندہ فوجی قوت نے پھر مجتمع ہو کر رامپور کو اپنا مستقر بنایا، اس سلسلہ سے مولوی صاحب نے بھی رامپور میں نقل سکونت کر کے اپنی سکونت کے لئے مکانات تعمیر کرائے،

گو نواب شجاع الدولہ کے لشکر نے آٹولا کی مصافی وغیر مصافی آبادی کو خوب لوٹا، پھر مظالم کئے تاہم مولوی صاحب موصوف کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے نواب شجاع الدولہ نے احکام کے ذریعہ سے ان کی جائداد کو غارتگری سے محفوظ رکھا، باقی سرداران روہیلہ کی املاک ضبط ہو گئیں، آٹولا میں (مولوی کی بریہ) کے نام سے مولوی صاحب کی ایک تعمیری یادگار اب تک باقی ہے،

قیام امن کے بعد نواب فیض اللہ خاں بہادر نے مولوی صاحب کو رسالہ داری کا عہدہ دیا، (یہ عہدہ اُس زمانہ میں کمانڈر انچیف کے عہدہ سے ممتاز و معزز سمجھا جاتا تھا) ریاست کے داخلی و خارجی ہمت میں ان کے مشورہ کو خاص وقعت تھی، ذاتی طور پر نواب صاحب بہادر ان کے حد احترام کرتے رہے،

کتاب مجمع الکرامات سے چند فقرے ذیل میں درج کئے جاتے ہیں، جن سے مولوی صاحب کے خاندانی و صفاتی اعزاز پر روشنی پڑتی ہے۔

امام الدین خاں بن غلام حسین خاں بن مولوی غلام جیلانی خاں  
بہادر مرحوم کہ یگانہ قوم افغانہ معروف بہ یوسف زئی بود بلکہ از مصطفیٰ  
آباد رامپور تا کلیپانی مہتور برہمہ باہرست کہ فروزندہ تختہ یوسف گشت  
ودر اوج رفعت سہ ہزار می منصب داری بادشاہی در آواہن اورنگ  
آئے حضرت احمد شاہ بادشاہ گشت بعد انقلابش بہم ای امرائے دیگر  
بہمین قدر و منزلت صاحب فوج و شوکت ماندہ تا آنکہ باخر عمر صاحب

وزیر نواب فیض اللہ خاں بہادر کہ تہائی عالمگیر بودا گشت، و مسافت  
عدم ہم در قد مش در نوشت،

صاحب اخبار القادریہ مولوی نجم الغنی صاحب لکھتے ہیں کہ ۱۱۹۵ھ میں مولوی حسنا  
کے لشکر سے نواب وزیر اور انگریزوں کی متحدہ افواج کا مقابلہ ہوا جس میں آخر الذکر کو دارانگر  
کے مقام پر شکست ہوئی۔

مولوی صاحب نے ۲، سال کی عمر یا کر ۱۲۰۵ھ میں انتقال کیا، گھیر کا گورستان  
واقع شہر راہپور مرحوم کا دفن ہے جہاں ان کی بنا کردہ مسجد بھی واقع ہے، مولوی غلام جیلانی  
خاں بہادر کے حسب ذیل پانچ بیٹے یادگار رہے (۱) غلام حسن خاں (۲) غلام حسین خاں  
(۳) غلام محمد خاں (۴) غلام حیدر خاں (۵) غلام نبی خاں، آخر الذکر دو صاحبزادوں  
کی اولاد اور جاگیر کا سلسلہ سروج میں ہے جبکہ تذکرہ آگے آتا ہے، پانچوں بیٹے خاندانی  
اعزاز کی بنا پر صاحبزادگی کے لقب سے ملقب رہے، اور آج بھی ان کی اولاد راہپور، ٹونک  
بھوپال میں اسی لقب سے معروف ہے،

بڑے بیٹے صاحبزادہ غلام حسن خاں باپ کی جگہ رسالہ دار ہوئے ۱۲۰۹ھ میں  
جبکہ نواب غلام محمد خاں ابن نواب فیض اللہ خاں بہادر کا، انگریزی اور آصفی متحدہ طاقت  
سے دو جوڑہ میں مقابلہ ہوا، اس معرکہ میں غلام حسن خاں، غلام حسین خاں، غلام محمد  
خاں۔ غلام حیدر خاں چاروں بھائی شریک تھے، بد قسمتی سے نواب غلام محمد خاں کو ہزیمت  
ہوئی، چونکہ نواب آصف الدولہ کو یقین ہو چکا تھا کہ غلام حسن رسالہ دار اور غلام محمد خاں  
برادران حقیقی روہیلوں کے سرغنہ اور صاحب اثر ہیں، اس لئے فتحیابی کے بعد آصفی حکم سے  
دونوں بھائی راہپور سے ترک سکونت پر مجبور کئے گئے اور ان کی املاک ضبط کر لی گئی،  
غلام حسن خاں راہپور سے چل کر جنرل لیک صاحب بہادر (مشہور فوجی افسر) کے  
پاس پہنچے، جنرل مذکور جنگِ دو جوڑہ میں ان جنگی قابلیت و جوانمیری کا پہلے ہی امتحان



کر چکا تھا، اسلئے اُس نے انکو اپنا شریک کار بنایا، اور ایک موقع پر پنداران کے مقابلہ کے لئے ان کو مامور کیا، جس میں ان کو کامیابی ہوئی، اُس نمایاں کامیابی کا صلہ ان کو یہ ملا کہ چار لاکھ روپیہ سالانہ آمدنی کے چند دیہات ضلع مظفرنگر قسمت میرٹھ میں انکو ملے، لیکن آج ایک گاؤں بھی انکی اولاد کے قبضہ میں نہیں ہے، جسکی وجہ معلوم نہ ہو سکی، اس کے بعد شمر کی بیگم رتیمہ سردھنے نے انکو اپنی سپاہ کا سپاہ سالار بنایا، اخیر عمر میں ترک تعلقات کر کے اپنے موضع جھجناہ ضلع مظفرنگر میں بود و باش اختیار کی، اور اسی جگہ ۱۲۴۲ھ میں وفات بھی پائی، صاحبزادہ غلام حسن خان کی دو بیویاں تھیں، پہلی بیوی لالہ میاں کی بیٹی تھیں جنکے نام سے رامپور میں ایک گلی آج بھی مشہور ہے، ان کے بطن سے دو بیٹے اور ایک بیٹی عالم وجود میں آئے، بیٹی کی شادی نواب گلشیر خاں ابن نواب نجایت خاں رئیس کنچورہ سے ہوئی۔ موجودہ رئیس کنچورہ انہی کی اولاد سے ہیں۔ بیٹوں میں سے غلام سرور خاں کی شادی نواب

گلشیر خاں رئیس کنچورہ کی ہمیشہ سے ہوئی، جنکی اولاد کنچورہ میں موجود ہے دوسرے بیٹے غلام اکبر خاں کی شادی انہی کی چھوٹی زاد بہن بنت عبداللہ خاں ابن مردان خاں مشہور سردار افغانہ رامپوری سے ہوئی، انسے تین بیٹے اور دو بیٹیاں ہوئیں بیٹوں میں صرف عنایت اللہ خاں کا سلسلہ قائم ہے، غلام اکبر خاں محمد علی شاہ یا امجد علیشاہی اودھ کے فوج میں کبیران تھے، وہیں انتقال بھی ہوا،

غلام حسن خاں رسالہ دار کی دوسری بیوی سے (جو بریلی کے ایک ممتاز خاندان سے تھیں) غلام ناصر خاں یا دوگار سے، جنکی اولاد میں ایک بیٹی تھی جو عنایت اللہ خاں اپنی

لہ شمر و صاحب فرامیسی النسل افسر تھا، ہندوستان وار دہوکر اول نواب قاسم علی خاں صوبہ دار بنگال کی ملازمت اختیار کی، اسکے بعد نواب شجاع الدولہ دہا ہر سنگھ جاٹ، نواب نجف خاں کے چاکر بنیں رہا، ۱۳۰۰ھ میں اپنی بیوی کے ارمان سے قتل ہوا، بیگم شمر دمسلمان عورت تھی، شمر کی زوجیت میں آکر بیانی ہوئی، صاحب علاقہ اور فوج بھی، ۲۰ جنوری ۱۳۰۰ھ کو ۱۰ سال کی عمر پاکر فوت ہوئی، مفتاح التواریخ ۱۳

پچا زاد بھائی کو منسوب ہوئی، غلام ناصرخاں پرنس گورنمنٹ میں کو تو ال کے عہدہ پر ممتاز تھے، بڑی شہرت اور نیکنامی حاصل کی، نواب محمد سعید خاں، ابن نواب غلام محمد خاں بہادر معزول، جب ریاست رامپور میں مسند نشین ہوئے تو انہوں نے اپنے ابجد کے قدیمی رفقا کو (جو جنگ دو چوڑہ کے زمانہ میں خارج البلد کر دیئے گئے تھے) رامپور واپس بلا کر عزت کے ساتھ آباد کیا، اس سلسلہ سے غلام ناصرخاں بھی رامپور آئے، کو تو ال کا عہدہ ملا، پھر جسٹریٹ، پھر جنرل افواج و مشیر المہام ہوئے، غدر ۱۸۵۷ء کے زمانہ میں فیروز شاہ سے مقابلہ کیا، زخمی بھی ہوئے، غدر فرما ہونے پر انگریزی حکومت سے خلعت ما اور خابنہادری کا خطاب ملا، ریاست رامپور نے بھی جاگیر بخشی، ۱۸۶۲ء میں دینا سے نیکنام رخصت ہوئے، کوئی نرینہ اولاد نہ تھی،

نواب وزیر الدولہ بہادر الی ٹونک سے برادرانہ عمیق تعلقات رہے، ایک مرتبہ نواب وزیر الدولہ بہادر نے انکو ایک زبردست ہاتھی، ایک شکاری چیتا و ایک گھوڑا اور دیگر قیمتی تحائف دوستانہ رسم و راہ کے ثبوت میں بھیجے تھے۔

عنایت اللہ خاں بہادر ابن غلام اکبر خاں، رامپور میں گورسالہ داری کے عہدہ پر مامور تھے، لیکن ریاست کی دیگر اہم خدمات بھی انجام دیتے رہے، ریاست سے انکو خابنہادری کا خطاب بھی تھا، ان کی شادی غلام ناصرخاں بہادر کی بیٹی سے ہوئی تھی انہوں نے ۱۶۹۷ء میں ذیلی کے پانچ بیٹے چھوڑ کر انتقال کیا، (۱) عطاء اللہ خاں، (۲) رسالہ دار عنایت حسن خاں (۳) عنایت حسین خاں (۴) فدا حسین خاں، (۵) حیدر حسن خاں،

صاحبزادہ عطاء اللہ خاں رامپور میں مختلف عہدوں پر مامور رہ کر محکمہ فوج میں جنرل کے ممتاز عہدہ پر فائز ہوئے، اسکے بعد عمر کے اخیر زمانہ میں ریاست نے ان کو جی کا عہدہ عطا کیا، ان کی شادی نواب جلال الدین خاں نبیو نواب نجیب الدولہ رئیس نجیب آباد

سے ہوئی، حسب ذیل تین بیٹے چھوڑ کر ۳۲۲ھ میں رحلت کی، اعزاز و مراتب، عادات و خصائل کے لحاظ سے ممتاز ترین عہدہ داران ریاست سے تھے۔

(۱) عماد اللہ خاں (۲) صبار اللہ خاں (۳) ممتاز اللہ خاں،

صاحبزادہ عماد اللہ خاں اپنے والد کی جگہ ہوئے، رئیس و رعایہ کے دلوں میں جگہ کی، نیک نامی و عزت کے ساتھ مفوضہ خدمت انجام دیتے ہوئے ۳۳۹ھ میں رحلت کی، پہلی بیوی دختر نواب علاؤ الدین خاں رئیس لہارو سے ارشاد اللہ خاں اور دوسری بیوی بنت علی بہادر خاں (نیرہ حافظ الملک حافظ رحمت خاں بہادر) سے اعجاز اللہ خاں، دو فرزند یا دگار ہیں، صاحبزادہ ارشاد اللہ خاں بی اے، ریاست رامپور میں ایڈیشنل ڈسٹرکٹ جج ہیں، اور صاحبزادہ اعجاز اللہ خاں ایم اے ایس، سی کے امتحان کی طہاری میں مصروف ہیں،

صاحبزادہ صبار اللہ خاں ابن صاحبزادہ عطار اللہ خاں، ریاست رامپور میں اس وقت افسر ایڈٹ ڈیپارٹمنٹ (افسر جانچ صفیہ فنانسل) ہیں، ان کی دو شادیاں ہو چکی ہیں پہلی بیوی نواب عبدالقادر خاں بریلوی معروف خواجہ میاں کی بیٹی تھیں، جن کا انتقال ہو چکا دوسری بیوی سید احمد شفیع رئیس فریاد آباد (پنجاب) کی دختر سے ہوئی ہے، صاحبزادہ موصوف اس وقت رامپور ریاست میں ہر دو عمریاد رئیس کے معتمدین خاص سے ہیں صاحبزادہ ممتاز اللہ خاں ابن صاحبزادہ عطار اللہ خاں بی اے علیک اس وقت ضلع بلیار پور میں ڈپٹی کلکٹر ہیں، ان کی شادی انہی کی ماموزا بہن بنت صاحبزادہ حمید الظفر خاں بہادر ہی آئی، امی سے ہوئی، رسالہ دار عنایت حسن خاں بن رسالہ دار عنایت اللہ خاں بہادر اپنی آبائی جگہ رسالہ دار ہوئے، انکے انتقال پر انکے بیٹے عزیز حسن خاں رسالہ دار ہوئے، اب ذریعہ متاجری دولاکہ روپیہ سالانہ کے مالگزار ہیں،

لے حافظ الملک نواب حافظ رحمت خاں کی اولاد سے ہیں ۱۲۰۰ھ نواب نجیب الدولہ امیر الامرا کی اولاد سے ہیں ۱۲

عنایت حسین خاں ابن رسالہ دار عنایت اللہ خاں بہادر، انکے تین بیٹے عطا حسین خاں  
مصدق حسین خاں، الطاف حسین خاں سب انسپکٹر مراد آباد بقید حیات ہیں،  
فدا حسین خاں بن رسالہ دار عنایت اللہ خاں بہادر کے ایک بیٹے رفیع حسین خاں  
بقید حیات اور معز دین ریاست سے ہیں، فدا حسین خاں نے ۱۳۲۲ھ میں دنیا کو خیر باد کہا  
عربی فارسی، طب میں کافی استعداد تھی، منقول میں مولوی عبدالحی مرحوم خیر آبادی کے  
ارشد تلامذہ میں سے تھے، شاعری میں منشی امیر احمد مینائی رحمۃ اللہ علیہ سے تلمذ تھا، صاحب  
تالیف و تصنیف گذرے ہیں،

حیدر حسین خاں ابن رسالہ دار عنایت اللہ خاں بہادر رامپور میں تحصیلدار ہیں، شاعری میں نواب  
منظر علی خاں اسیر کے شاگرد اور وسیع الاطلاق بزرگ ہیں،

صاحبزادہ غلام محمد خاں ابن مولوی غلام جیلانی خاں بہادر، رامپور سے نکلنے کے بعد  
اندور پہنچے، رسالہ داری کے عہدہ پر سرفراز ہوئے، پھر ہلکروالی اندور کے صاحب خاص  
ہوئے، وہیں انتقال کیا، پچاس روپیہ یومیہ کی تنخواہ تھی، انکے بیٹے محمد عباس خاں تھے  
جنکے بیٹے محمد عظیم خاں ہوئے، اس سے زیادہ حالات معلوم نہ ہو سکے، صاحبزادہ غلام محمد  
کی ایک بیٹی تھی، جو محمد علی خاں کپتان، برادر احمد علی خاں کپتان جاگیر دار مغلسر سے پرگنہ  
سروچ کو منسوب تھی،

صاحبزادہ غلام حسین خاں ابن مولوی غلام جیلانی خاں بہادر کے حسب ذیل ۶ بیٹے  
ہوئے، (۱) مولوی امام الدین خاں، (۲) کمال الدین خاں، (۳) قطب الدین خاں،  
(۴) جمال الدین خاں، (۵) مولوی نصیر الدین خاں، (۶) شمس الدین خاں، مولوی امام الدین  
خاں عالم بھی تھے، اور حافظ بھی، قادر یہ طریقت میں شاہ درگا ہی رحمۃ اللہ علیہ  
کے مرید تھے، انہوں نے مجمع الکرامات ایک کتاب اپنے دادا پیر حافظ جمال اللہ  
رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھی ہے، جس کا سنہ آغاز تصنیف ۱۳۳۲ھ اور اختتام ۱۳۳۶ھ

ہے ، ادیب چہ میں اپنا اور اپنے خاندان کا بھی مختصر طور پر تذکرہ کیا ہے ، نواب امیر الدولہ بہادر بانی ریاست ٹونک سے اپنی ملاقات اور ان کی قدوائی کا بھی ذکر ہے ، فارسی پشتو ، اور اردو کے باکمال شاعر تھے ، فارسی میں امام اور اردو میں انور تخلص کرتے تھے ۲۰ ہزار سے زائد اشعار کی تعداد انہی کے تحریری بیان سے ثابت ہے ، ۱۲۹۹ھ میں رحلت کی

اولاد ظاہری یا قبیلی نہیں رہی ، طریقت میں اولاد و معنوی کا سلسلہ البتہ باقی ہے ، صاحبزادہ کمال الدین خاں بھورا میاں کی عرفیت سے مشہور تھے ، شاہ درگا ہی رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان قادر یہ میں خلیفہ تھے ، تخرج کی حالت میں ۱۲۸۳ھ میں وصال ہوا آپکا مزار ریاست رامپور میں زیارت گاہ خلعت ہے اور سلسلہ درویشی بھی جاری ہے ، صاحبزادہ نصیر الدین خاں ، جید اور بہتر عالم تھے ، مولوی نور السلام اور مفتی شرف الدین رحمۃ اللہ علیہما سے خاص تلمذ حاصل تھا ، شاعر بھی تھے اور شاعری میں صابر تخلص کرتے تھے ۱۲۶۶ھ میں رحلت کی ، ان کے ایک بیٹے محمد شفیع خاں تھے ، انکے محی الدین خاں ہوئے جو اس وقت رامپور میں سب انسپکٹر ہیں ، صاحبزادہ شمس الدین خاں کے ایک پسر بدر الدین خاں المتوفی ۱۳۳۳ھ تھے ، ان کی صرف ایک بیٹی یا دو گاہیں لہ ،

صاحبزادہ جمال الدین خاں بن صاحبزادہ غلام حسین خاں کی نسبت قصہ سنبھل میں

لہ یہ تمام حالات اس قلمی مسودہ سے ماخوذ ہیں ، جسکو مؤلف کی استدعا پر جناب صاحبزادہ ضیاء اللہ خاں صاحب افسر ایڈٹ ڈیپارٹمنٹ رامپور بنیرہ مولوی غلام جیلانی خاں بہادر مرحوم نے مرتب کر کے بھیجا ہے ، جسکی تصدیق مولوی غلام جیلانی خاں بہادر کے ان خاندانی افراد سے مؤلف نے کرنی ہے جو سر و بخ میں موجود ہیں ، ان حالات میں کہیں کہیں مؤلف نے اپنی تحقیقات سے بھی اضافہ کیا ہے صاحبزادہ موصوف کی قلمی اعانت قابل ادا اے شکریہ ہے ۱۲۰

۱۲۰ یہاں سے مولوی غلام جیلانی خاں بہادر کی اولاد کی تفصیل اور حالات کی ترتیب مؤلف کی ذاتی تحقیقات کا نتیجہ ہے جس میں موجودہ میران خاندانی کی اعانت بھی شامل ہے ۱۲

نواب امیر الدولہ بہادر کی بھانجی سے ہو چکی تھی، آدمی خوش گفتار، حسین، اور بہادر تھے، جب نواب امیر الدولہ بہادر مصاحبت کے بعد ۱۲۳۲ھ میں ٹونک کی ریاست کے مالک ہوئے، اس کے بعد ہی ۱۲۳۳ھ میں انکی شادی کی رسم ٹونک میں ادا ہوئی اور دوسری بھانجی نواب وزیر الدولہ بہادر کو منسوب ہوئیں، اس رشتہ سے صاحبزادہ جمال الدین خاں اور نواب وزیر الدولہ بہادر یا ہم ہمزلف تھے، اور اسی بنا پر ریاست ٹونک سے ان کا معقول وظیفہ بھی مقرر ہو گیا تھا،

چونکہ صاحبزادہ غلام حیدر خاں، انکے چچا سروج میں جاگیر دارانہ حیثیت سے سکونت پذیر تھے، اسلئے یہ بھی ٹونک سے سروج آگئے، یہاں آکر محلہ منڈی کے مشہور افغان منور شاہ خاں کی دختر سے دوسری شادی کی، جنکے بطن سے ایک لڑکی پیدا ہوئی، جو صاحبزادہ قطب الدین خاں بن صاحبزادہ قطب الدین خاں اپنی کے بیٹے سے منسوب ہوئی، نواب امیر الدولہ بہادر کی بھانجی سے کوئی اولاد نہیں ہوئی، دختر کی اولاد کا سلسلہ سروج میں باقی ہے جسکی تفصیل آگے آئی ہے،

صاحبزادہ قطب الدین خاں ابن صاحبزادہ غلام حسین خاں کے حسب ذیل چار بیٹے (۱) معین الدین خاں (۲) شجاع الدین خاں (۳) رکن الدین خاں (۴) لا ولد (۵) رطب الدین خاں، صاحبزادہ قطب الدین خاں اپنے بھائی جمال الدین خاں کے انتقال پر رامپور سے ٹونک آئے، نواب وزیر الدولہ بہادر نے انکے لئے ایک سو چھ روپے ماہوار کا وظیفہ مقرر کر دیا، انکے انتقال پر وہی وظیفہ مذکور الصدر چاروں بھائیوں کے نام منتقل ہو گیا، باپ کے انتقال کے بعد چاروں بھائی اپنے چچا غلام حیدر خاں جاگیر دار چاٹھوئی کے پاس سروج آگئے، اول الذکر تین بھائیوں نے سروج ہی میں لا ولد انتقال کیا، صاحبزادہ رطب الدین خاں نے ریاست ٹونک میں بڑی نیک نامی اور عزت حاصل

لے صاحبزادہ معین الدین خاں عرصہ تک ٹونک کے بعض اضلاع میں نائب ناظم بھی رہ چکے ہیں ۱۲

کی، انکی شادی انہی کی چچا زاد بہن جمال الدین خاں کی دختر سے ہوئی، اولاد کی تفصیل آتی ہے، ۱۲۷۱ھ کا آغاز تھا کہ سردیج میں قاضی پیشادری اور افغانان دو ہلپورہ کے مابین ایک نکاح پر بلوہ ہو گیا، مولوی خیر الدین عامل شیر کو ٹی رفع فساد کے لئے موقع پر پہنچے، قاضی پیشادری کے طرفداروں میں سے ایک نے عامل صاحب پر قرابین کا فیر کرنا چاہا، صاحبزادہ رطب الدین خاں نے لپک کر فیر کرنے والے شخص کے ہاتھ پر پکی دی جس سے قرابین کے چترے سروں سے اوپر ہوتے ہوئے نکل گئے، اور عامل صاحب کی جان بچ گئی، لیکن محمد ایوب خاں نامی ایک صاحب تلوار کی ضرب سے اوس ہنگامہ میں کام آئے، نواب وزیر الدولہ بہادر نے مطلع ہو کر ذریعہ فرمان مورخہ چارم محرم الحرام ۱۲۷۱ھ صاحبزادہ رطب الدین خاں کی بروقت اعانت اور ان کی دلیری و جسامت پر اظہار خوشنودی فرماتے ہوئے دوسرے حکم نامہ مورخہ پنجم ذیقعدہ ۱۲۷۱ھ کے ذریعہ سے جاگیر کا بھی متوقع کیا، اس واقعہ کے بعد ۱۲۷۱ھ میں غدر کا عام طوفان اٹھا، جبکہ سیلاب سردیج کی پراپن چار دیواری تک بھی پہنچا، عادل محمد خاں جاگیر دار گڈھی امبا پانی (علاقہ ریاست بھوپال) نے تین چار کی جمعیت کے ساتھ سردیج پہنچ کر سرکاری کوٹ کا محاصرہ کر لیا، چونکہ اوس زمانہ میں صاحبزادہ موصوف بحیثیت نائب عامل مقامی عامل (کلکٹر ضلع) کے ہمراہ دارالحکومت میں موجود تھے، اس لئے یہ بھی محصور ہوئے، تین روز تک توپوں اور مند و قوں

لے شجاعت نشان صاحبزادہ رطب الدین خاں بجائیت باشند، بعد سلام سنون واضح باد، بمنہ خط و نثری فصیلت و کمالات مرتب مولوی خیر الدین عامل پر گنہ سردیج، لیسراکت و اطاعت رفاقت و اعانت ایشان برادران با عامل ممدوح در اطفائے نائرہ فساد و قیغہ ایوب خاں سنونی و قاضی محمد یوسف خاں و تاج محمد خاں بدریافت رسیدہ مستوجب رضامندی خوشنودی حضور پر نور گردید آفریں صد آفریں از ایشان بخیر عمل آمدہ، از لوازم شرفست و نیک ذاتی و اطاعت و فرمانبرداری مست، یاد کہ بتوفیقات ایزدی سبحانہ ہمیں پنج مصدر خیر خواہی پودہ مستوجب نیکنامی و آفریں ہا شہنشاہ قوم چہارم محرم الحرام ۱۲۷۱ھ (یہ حکنامہ صاحبزادہ قریب الدین خاں کے پاس محفوظ ہے)

کے ذریعہ محصورین و محاصرین کا مقابلہ ہوتا رہا جو تھے روز صاحبزادہ موصوف اپنے ایک رفیق کو ہمراہ لے کر اور کوٹ کا جنوبی دروازہ کھول کر باہر نکلے، سامنے مخالفت کی توپ کام کر رہی تھی، توپچی نے فیر کرنا چاہا، ادھر توپچی کا ہاتھ آگ دینے کو اونچا ہوا ہی تھا کہ صاحبزادہ صاحب کی تلوار نے اوسکا ہاتھ قلم کر دیا، دوسرے مخالفت نے ان پر تلوار غلیم کی، لیکن انکے رفیق نے جت کر کے اوسکا کام تمام کر دیا، اس مردانہ حیرت کو دیکھ کر جاگیرداروں نے چاروں طرف سے یورش کی بالآخر عادل خاں فرار پر مجبور ہوا، اسی طرح نواب محمد علی خاں بہادر مین الدولہ کے عہد میں لاوہ کی مشہور جنگ میں بھی انہوں نے قابل قدر خدمات انجام دیں، نواب محمد علی خاں بہادر نے ان تمام خدمات اور اپنے والد نواب وزیر الدولہ بہادر کے عہد عطائے جاگیر کو ملحوظ رکھتے ہوئے ذریعہ سند مورخہ ۲۱ شوال ۱۲۸۳ھ موضع چوکی مع متعلقہ مزارعات واقع پرگنہ رحیم آباد عرف چھٹہ گوگور، جاگیر میں دیکر شاہانہ فیاضی و قدر دانی کا ثبوت دیا، اور ایک دوسرے موقع پر انکو نواب صاحب مدوح نے خلعت پارچہ، اسپ، اور پانسور و سپہ نقد عطا کر کے مزید عزت افزائی فرمائی، انکی خواہش پر چوکی جاگیر کے تبادلہ میں موضع سیلیپور، پھر موضع پامان کھڑی واقع پرگنہ سروج دیا گیا، یہی آخر الذکر گاؤں انکی اولاد کی جاگیر میں ہے، صاحبزادہ موصوف ۲۲ صفر ۱۲۸۳ھ کے حکمت نامہ کے ذریعہ سے پرگنہ چھٹہ کے عہدہ پیشکاری پر بھی مامور ہوئے، اور سروج میں ناسب عامل اور انچارج عامل بھی رہے، ۹۵ سال کی عمر پاکر ۳ فروری ۱۲۹۰ھ مطابق ۳۱ مئی ۱۸۷۳ء کو نماز عصر کے اخیر سجدہ میں واصل حق ہوئے

ملہ شرافت پناہ پنجاب دستگاہ شیخ ارشاد حسین خاں عامل پرگنہ رحیم آباد عرف چھٹہ گوگور بجا نیت باشند بعد سلام سنون داغ باد، دینولا بکر تعالیٰ موضع چوکی پرگنہ رحیم آباد عرف چھٹہ دروچہ مدد معاش براہ پرورش و پرداخت بہ صاحبزادہ رطب الدین خاں مع آمدنی کشتی مرحمت فرمودہ شد، یاد کہ در شروع سال ۱۲۸۴ھ قیص و دخل خان مسطور بر دیہ مذکور بکنا مند اگر صاحبزادہ مذکور مزید داغی موضع مذکور آباد ساختہ افزونی مال واجب نمایند باید کہ رعایت نسا زلفظ لبت و یکم شوال ۱۲۸۳ھ (دہری دستخطی نواب محمد علی خاں بہادر)



صاحبزادہ صاحب موصوف کو مولف نے بھی دیکھا ہے، عابد، متقی، صوفی، اور اہل دل تھے، طریقہ قادریہ و نقشبندیہ میں اپنے چچا شاہ کمال الدین عارف رحمۃ اللہ علیہ رامپور کے مرید تھے، سرونج میں مرحوم سے یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے اور آپ کا سالانہ عرس بھی ہوتا ہے صاحبزادہ موصوف کے حسب ذیل چار بیٹے یادگار رہے (۱) محمد دین خاں (۲) فرید الدین خاں (۳) فخر الدین خاں (۴) ظہیر الدین خاں، اور دو بیٹیاں، جاگیرانی چاروں بیٹوں کے نام ریاست سے منتقل ہوئی،

صاحبزادہ محمد دین خاں فارسی میں مہتمی، تاریخ و ادب میں کامل، شعر و سخن کے نکات سے خوب واقف تھے، علم مجلسی میں کمال تھا، مولف سے بھی شاعرانہ مذاق کی بنا پر صحبت رہی، نواب احمد علیخان بہادر اختتام الملک عرف سلطان دولہا (زوج نواب سلطان جہان بیگم رئیسہ بھوپال) کی مصاحبت میں عرصہ تک رہے، جہاں موصوف کا علمی اور شرافت منسی کی بنا پر قابل فخر اعزاز کیا گیا، مولف نے چند تحریرات قلمی سلطان دولہا اسمی صاحبزادہ موصوف دیکھی ہیں، جنہیں جناب من اور عالیجناب کے القاب سے مخاطب کیا ہے، موصوف نے ۵۵ سال کی عمر پاکر ۲۲ شوال ۱۲۹۹ھ مطابق ۱۶ اکتوبر ۱۹۱۱ء میں وفات پائی، ذیل کے پانچ بیٹے اور ایک بیٹی ان سے یادگار رہے (۱) محمد الدین خاں پہلی بیوی سے دوسری بیوی سے (۲) ناصر الدین خاں (۳) ولی الدین خاں (۴) متین الدین خاں (۵) عتیق الدین خاں، بڑے صاحبزادہ محمد الدین خاں کی پہلی شادی ضیاء الدین خاں نبیرہ مردان خاں مشہور سردار افغانہ رامپور سے ہوئی، جنکا لاؤ لدا انتقال ہو گیا، دوسری دختر حافظ عیدلجی خاں (نبیرہ نواب شہاب الدین خاں رئیس کاسنگھ) سے ایک بیٹا، وقار الدین خاں نابالغ یادگار رہے، صاحبزادہ محمد الدین خاں کو فارسی زبان میں کافی دسترس و ادیب بھی ہیں، اور اشعار برجستہ موزوں کرتے ہیں، فی زمانہ سرونج علاقہ میں سب انسپکٹر پولیس ہیں

لے تاریخی نام ہمایوں اختر ہے جس سے انکی ولادت ۱۳۱۱ھ کی ثابت ہوتی ہے، ۱۲۱

دوسری بھائی صاحبزادہ ناصر الدین خاں بھی تعلیم یافتہ، انگریزی، اردو، اور ہندی سے واقف ہیں، فی الحال محکمہ بندوبست ریاست بھوپال میں پشکار اور اپنی قومی، علمی، ادبی، لکھنؤ کی بنا پر انگریز اولڈ پوائنٹ الیوسن لائبریری میں سرکاری ہیں اور یہ وہ لائبریری ہے جسکے اعلیٰ ممبر خود نواب صاحب بہادر بھوپال ہیں باقی آخر الذکر تین بھائی زیر تعلیم ہیں صاحبزادہ فرید الدین خاں اور صاحبزادہ فخر الدین خاں پسران صاحبزادہ رطلب خاں بقیہ حیات اور حصہ جاگیر سے ستفیع ہیں اول الذکر کے ایک بیٹے صاحبزادہ فتح الدین خاں اور آخر الذکر کے بھی صحیح النسب ایک بیٹے صاحبزادہ زبیر الدین خاں نو عمر موجود ہیں جو تھے بیٹے فہر الدین خاں نے ایک دختر چھوڑ کر عالم شباب میں انتقال کیا، دختر نکاح صاحبزادہ ناصر الدین خاں بن صاحبزادہ محمد دین خاں کو منسوب ہے،

صاحبزادہ غلام حیدر خاں ابن مولوی غلام جیلانی خاں بہادر، فنون جنگ میں کامل شجاعت میں فرو تھے، ۱۲۰۹ھ تک راجپور میں رہے، اسی سال جنگ دوجڑہ کا مشہور واقعہ پیش آیا، ایک طرف نواب آصف الدولہ والی اودھ، اور انگریزی افواج کی متحہ طاقت دوسری طرف نواب علی محمد خاں والی راجپور کی تہا قوت تھی، آبائی تعلقات کی بنا پر دوسرے بھائیوں کے ساتھ انہوں نے بھی نواب غلام محمد خاں کی رفاقت کی، گو شجاعانہ جہت و غیر رکھانے میں انہوں نے کمی نہیں کی، لیکن نواب غلام محمد خاں کی قسمت میں ہر میت تقدیر تھی جو پیش آئی، اور نواب آصف الدولہ کے فاتحانہ حکمنامہ سے انکی اور انکے بھائیوں کی جاندا دیں ضبط ہو کر تنگ سکونت پر مجبور کئے گئے، راجپور سے نقل سکونت کے بعد غلام حیدر خاں اور انکے چھوٹے بھائی غلام نبی خاں ۲۵ سواروں کو ساتھ لیکر حیدر آباد کن پینچے جہاں عرصہ تک دونوں بھائی فوجی عہدہ دار رہے۔

چند سال کے بعد جب نواب محمد سعید خاں بہادر والی راجپور نے امن و امان کا اعلان کرتے ہوئے جلاوطنوں کو واپسی کا حکم دیا، اسوقت یہ دونوں بھائی بھی حیدر آباد سے راجپور کو

ردانہ ہوئے ۱۲۲۲ھ کا زمانہ تھا، اس وقت نواب امیر الدولہ بہادر مادہ پورا چوہہ (علاقہ سیٹا  
جیپور) میں اپنے لشکر کے ساتھ مقیم تھے، انہوں نے نواب امیر الدولہ بہادر کی شہرت عالمگیری شکر  
اُن سے ملنے کے متمنی ہوئے، لہٰذا پور کے بجائے مادہ پورا چوہہ (راجپوتانہ) پہنچے، نواب  
امیر الدولہ بہادر نے ان جاں بازوں کو سینہ سے لگا کر امیری لشکر میں شامل کیا، منتخب رسالوں کی

افسری دی، ۹ سال تک مسلسل جنگی امتحانوں کے بعد ۱۲۲۵ھ کی سند کے ذریعہ سے صاحبزادہ غلام حیدر خاں گسرنج  
پرگنہ کا وسیع الرقبہ گاؤں چانٹولی اور صاحبزادہ غلام نبی خاں کو ہوا ضمانت یہاں اور سکر جاگیر میں عنایت کی، عبداللہ  
خاں قدوسی کے بعد یہ دوسری جاگیر جو ایسٹ انڈیا کمپنی کی مصالحت ۱۲۳۵ھ سے قبل گسرنج پر مالکانہ اقتدار کی بنیاد رکھ کر  
چانٹولی میں غیر خاندان میں رہ کر موتی لگانے پال پڑھنے میں زندگی بھر مقیم رہا اور وہیں انتقال کیا، یہ جاگیر امیر الدولہ کے نواسہ کا پسرانی قریبی

صاحبزادہ غلام حیدر خاں کی شادی نواب شہاب الدین خاں وزیر و رئیس کا سنگ  
ملک متحدہ کی پوتی سے ہوئی، جنگی اولاد کا سلسلہ قائم ہے، اُن سے دو بیٹے غلام قادر خاں  
اور غلام دیگر خاں یادگار ہیں، ۱۲۳۵ھ میں دونوں بھائیوں کا یکے بعد دیگرے تین دن کا انداز انتقال ہو گیا، شاہ فخر الدین چشتی  
رحمۃ اللہ کے مزار کے قریب مدفون ہوئے، نواب وزیر الدولہ بہادر نے ذریعہ فرمان ۲۲ صفر ۱۲۳۵ھ کو دونوں بھائیوں

سلسلہ سندہ نواب امیر الدولہ بہادر، جسکی ہمیں یہ سچ کتبہ ہے، (خدا خود میرا مان است ایسا ب توکل را) مقدمات و ہمت  
اعمال و استقبال پر گنہ سر و سچ سرکار چندیری مضاف مالوہ دہاند، چوں موضع چانٹولی فتح کامل سلطہ چار ہزار روپیہ باہم  
صاحبزادہ غلام حیدر خاں دہوہ جاگیر میں ابتدائے فصل خریف ۱۲۳۳ھ فیصلی از حضور پر نور مقرر گشتہ باید کہ مداخلت نوی  
الیہ در موضع مذکور بہ منہد، و از محاصلات آن مزاحمت نہ سازند، و سبیل موسی الیہ آنکہ رعایہ را از حق سلوک خود راضی و آباد  
ساختہ و رانچہ آبادی رعایہ و تو قیر مال باشد بھل آورده باشند کم کاشت اکم تردد در سر خود شتہا مندریں باب تاکید و اذیہ

حب السطور بھل آرند تا پنج تحریر یا ز دہم جادی الثانی ۱۲۳۹ھ قدسی (اس سند صاحبزادہ عبدالرزاق خان صاحب کے محفوظ ہے)  
یہ شجاعت نشان صاحبزادہ غلام غوث خاں و غلام محی الدین خاں و غلام حضرت خاں و غلام فرید خاں و عبدالوہاب خاں  
بیاخت باشند، بعد سلام مسنون و انج یاد، بعد ریافت واقعات گزیر و ساتھ تقدیر فوت صاحبزادہ غلام قادر خاں صاحبزادہ  
غلام دیگر خاں والدہ ایشان نہایت حسرت و افسوس و ردا، انا للہ وانا الیہ راجعون، ان شاء اللہ تعالیٰ میرا فرزند میرا (نہیہ میرا) ہو

کے درخت کو تعزیت فرماتے ہوئے جاگیر بھی اسکے نام منتقل کی، غلام قادر خاں فقیر شمس بھی قحی  
اور سپاہی بھی، لادہ کی لڑائی میں انہوں نے قابل قدر خدمات انجام دیں، اس صلہ میں ان کو  
ذاتی طور پر موضع گرینہٹ جاگیر میں نواب وزیر الدولہ بہادر نے عطا کیا، انکی وفات پر خالصہ ہو گیا،  
صاحبزادہ غلام قادر خاں کو ذیل کے تین بیٹے اور تین بیٹیاں یادگار رہے، جو نواب محمد گدڑ  
باسودہ کی بیٹی کے بطن سے تھے (۱) غلام غوث خاں (۲) غلام محی الدین خاں (۳) غلام حضرت  
خاں، صاحبزادہ غلام غوث خاں کو مولف نے دیکھا ہے جبکہ ان کی عمر ۷۰ سال کی تھی،  
بادشاہ، جہدب، اور صوم و صلوات کے پابند تھے، ریسان ٹونک اور اہل شہر انکا بڑا اعزاز  
کرتے رہے، نواب یحییٰ الدولہ محمد علی خاں بہادر نے علاوہ حصہ جاگیر چاٹھولی کے موضع بہاگیر بھی  
۳۰ جولائی ۱۸۷۷ء کے حکنامہ کے ذریعہ سے عطا کیا، پھر مبادلہ میں ذریعہ سند ۱۸۹۷ء موضع  
اکوہ نواب امین الدولہ بہادر نے انکو دیا، انہوں نے اپنی جاگیر اپنی حیات میں اپنے بیٹے  
صاحبزادہ عبدالرزاق خاں کے نام منتقل کرادی جبکہ انتقال نامہ ۲۶ مئی ۱۸۹۳ء موضع صاحبزادہ  
عبدالرزاق خاں کے پاس محفوظ ہے، اس حکم میں باپ بیٹے دونوں کو صاحبزادگی کا خطاب  
عطا ہونا بھی درج ہے، ۸۵ سال کی عمر پا کر ۱۸۹۹ء میں انہوں نے انتقال کیا۔ موضع  
چاٹھولی جاگیر انکا مدفن ہے۔ صاحبزادہ عبدالرزاق خاں باپ کی جاگیر سے متمتع ہیں۔

(بسیہ صفحہ گذشتہ) میں شاہراہ دریش است، باید کہ بصیر و شکیبائی پر داختہ بدمل کے مغفرت آں رہروان ملک بقا پر از اند،  
ان الشیخ الصابریں و حوں فیما بین ایشان صاحبزادہ غلام غوث خاں از روئے ستمہ و سال رتبہ نکلاں و ارتد  
لہذا موصی الیہ بر بخاری دیہات جاگیری پدران ایشان معزز و سرفراز نمودیم، باید کہ ہمہ باتفاق پودہ و باطاعت و رفاقت  
صاحبزادہ مذکور کہ برادر نکلاں ایشان است پر داختہ تخیر خواہی سرکار چنانکہ آباد و احیاء ایشان ہموارہ بہر الماعت  
و خیر سگالی سرکار مشغول بودند و جنسیر را از خود اراضی و خوشنود داشتند مصروف پودہ باعث مسرت خاطر باشند  
و آمدنی مواضعات جاگیر را چنانکہ در برد پدران ایشان تقسیم شد ہمیں تمام انکوں نیز تقسیم نمودیم حق مقدار رسائیدہ باشند  
و ما بدولت و اہر گوز شوہر خود از ستمہ پویندہ از سال ۱۲۸۵ قمری بہریت و عقیدت نوشتی سرور نمودہ باشند است و چہ ما ہ ماہ صفر ۱۲۸۵

صاحب زادہ غلام غوث خاں کی شادی حافظ قلی خاں بہادر رئیس محمد گڑھ باسوہ  
 (واقعہ الوہ) کی ہمشیرہ سے ہوئی تھی، جو لا ولد فوت ہوئیں، دوسری بیوی سے ایک سپر  
 صاحبزادہ عبدالرزاق خاں ہوئے، یہ اور ان کے نو عمر صاحبزادہ عبدالقیوم خاں حیات  
 ہیں، صاحبزادہ غلام محی الدین، عرصہ تک ریاست میں فوجی افسر رہے، الکا تقرذریہ حکمتاً  
 مورخہ ۱۲۸۵ھ ابتدا پر گنہ چھٹہ کی سپاہ سالاری پر ہوا زان بعد سرور بخ تبدیل ہوئے،  
 نیکنامی کے ساتھ ریاست کی خدمات انجام دیتے ہوئے ۱۲۹۴ھ میں رحلت کی، ان کے  
 ایک بیٹے صاحبزادہ غلام شاہ خاں تھے، اپنے باپ کی جگہ یہ بھی پہ سالار رہے، پھر  
 خانہ نشین رہ کر آمدنی جاگیر سے لیس کرتے رہے ۱۳۰۵ھ میں ۱۰ سال کی عمر پر رحلت کی  
 ان کے ایک بیٹے صاحبزادہ غلام حبیب شاہ خاں بقید حیات ہیں، اور ایک نو مسلم عورت سے  
 غلام مصطفیٰ خاں نامی ایک لڑکا ہے جسے جاگیر سے کچھ سالانہ نقد وظیفہ ملتا ہے،  
 صاحبزادہ غلام حبیب شاہ خاں نے کئی شادیاں کیں، تیسری بیوی دختر نواب  
 عبدالکریم خاں رئیس پٹھاری ملک الوہ سے ایک بیٹا غلام حیات خاں نو عمر موجود ہے،  
 صاحبزادہ غلام حضرت خاں ابن صاحبزادہ غلام قادر خاں، یمن الدونوب محمد علی خاں  
 بہادر کے عہد میں علاقہ کے اندادی گرد اور رہے، ان کی خدمات کے صلہ میں علاوہ حصہ  
 جاگیر چاٹھولی کے بذریعہ سند مورخہ موضع بہیا نکہیری جاگیر میں دیا گیا، تکرالراج  
 صوم و صلوٰۃ کے پابند تھے، ذیل کے پانچ بیٹے چھوڑ کر ۱۳۰۹ھ میں انتقال کیا (۱) حافظ  
 محمد فیاض خاں (۲) تاجل حسین خاں (۳) عبدالغفار خاں (۴) محمد اسحق خاں (۵) سردار  
 خاں، انہیں سے عبدالغفار خاں اور سردار حسین خاں نے لا ولد انتقال کیا، صاحبزادہ  
 محمد فیاض خاں اور تاجل حسین خاں بقید حیات ہیں، اور یہ دونوں بھی صاحب اولاد ہیں  
 صاحبزادہ محمد اسحق نے ۱۳۱۵ھ میں رحلت کی، ان سے دو بیٹے محمد الیاس خاں، اور  
 محمد ایاز خاں یادگار، اور اپنے اپنے حصص جاگیر سے متمتع ہیں، صاحبزادہ غلام دستگیر خاں

ابن صاحبزادہ غلام حیدر خاں بھی آبائی فنون میں کامل تھے، فنِ طب میں بھی کامل دستگاہ تھی، ان سے غلام فرید خاں، اور عبدالوہاب خاں و بیٹے یادگار رہے، صاحبزادہ غلام فرید خاں فنونِ سپہگری میں کامل تھے، شہ زوری میں اس وقت ان کے ہم عصرونہیں انکا جواب نہ تھا، ان کی شادی غلام محمد خاں جمعدار مشہور سردار افغانہ سروخ کی بیٹی سے ہوئی، نواب حسین الدولہ محمد علی خاں بہادر، ادریس ہزرت تھے، ان سے دو بیٹے ہوئے، صاحبزادہ عبدالرشید خاں اور صاحبزادہ عبدالوحید خاں دونوں صاحبزادے اس وقت زندہ اور حصہ جاگیر سے مستفیض ہیں، صاحبزادہ عبدالرشید خاں کا مشغلہ ہمیشہ سے کتب بینی ہے، توارخ و سیر میں وسیع النظر ہیں، تہذیب و اخلاق کے پیکر ہیں، دنیاوی تعلقات سے کم لچپی ہے، اسی خیال سے شادی بھی نہیں کی اور دیہہ جاگیر میں آزادانہ زندگی بسر کر رہے ہیں، مزاج میں امیرانہ شان و شوکت کے ساتھ خود بھی بھی ہے، دوسرے بھائی صاحبزادہ عبدالوحید خاں نے دو شادیاں کیں، اب تک اولاد نہیں ہوئی، کچھری کے معاملات سے واقف، نماز روزہ کے پابند ہیں، صاحبزادہ عبدالوہاب خاں بن صاحبزادہ غلام دستگیر خاں کا ایک بیٹا محمد رفیق خاں یادگار رہا تھا، جس نے جوانی کی بہار حاصل کرنے سے قبل دنیا کو الوداع کہا، صاحبزادہ حاجی غلام نبی خاں بن مولوی غلام جیلانی خاں بہادر سپہگری کے تمام فنون میں اہل تھے، حرمین شریفین میں ۱۲ سال تک رہے، عابد و زاہد ہونے کے علاوہ عاشقِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تھے، ٹونگ کے قیام کے زمانہ میں اکثر لوگوں نے ان سے فنونِ سپہگری کا اکتساب کیا، خود نواب وزیر الدولہ بہادر رجو سپہگری کے علوم کے ماہر تھے، نے بھی ان سے استفادہ کیا، اسی بنا پر، اور تیر نکہ تقدس کے لحاظ بڑا اعزاز و احترام فرماتے تھے، نواب وزیر الدولہ بہادر نے اپنی سند نشینی کے تیسرے سال بذریعہ سند موضع

لہ عاملان حال و استقبال و چو دھریان و قانون گویان پر گنہ سروخ سرکار چندی ری صفات مالوہ بداند  
(بقیہ صفحہ آئندہ)

۱۶ از دی ۱۲۵۳ھ انکوساق مواضعات جاگیر کے بجائے سروج پرگنہ کا ایک بڑا  
 موضع سیل کھٹری عطا کیا، ۱۲۵۳ھ میں انکا انتقال ٹونک میں ہوا، ان کی نسل سے  
 نظام بیگم اور حیات بیگم، دو بیٹیاں ہوئیں، نظام بیگم محمد سعید خاں رامپوری کو منسوب ہوئیں  
 انکے بطن سے صاحبزادہ سعید اللہ خاں، صاحبزادہ محمد اللہ خاں، صاحبزادہ رشید اللہ  
 خاں تین بیٹے یادگار رہے، صاحبزادہ سعید اللہ خاں کی دو بیٹیاں، ایک سلطانہ بیگم  
 (زوجہ صاحبزادہ محمد فیاض خاں ابن صاحبزادہ غلام حضرت خاں جاگیر دار چاٹھولی  
 پرگنہ سروج) اور دوسری مہارک بیگم زوجہ ثانیہ محمد فیاض خاں موصوف، دونوں بیٹیاں  
 وفات پا چکیں، سلطان بیگم کے بطن سے صاحبزادہ عبد الرحیم خاں ایک پسر، اور مہارک بیگم  
 سے غلام احمد خاں، اور صاحبزادہ عبد الرحمن خاں دو پسر بقید حیات اور اپنے ماورجی چھپر  
 جاگیر سے مستفیض ہیں، حیات بیگم نے ایک بیٹی انتظام بیگم چھوڑ کر باپ کے سامنے قضا  
 کی، انتظام بیگم اور نظام بیگم کے نام نواب محمد علی خاں بہادر نے حکمرانہ مورخہ ۹۹۹ ہجری الثانی  
 ۱۲۵۳ھ کے ذریعہ سے سیل کھٹری جاگیر منتقل کی، نظام بیگم، محمد رضا بیگ مراد آبادی کو  
 منسوب ہوئیں، انکے بطن سے حسب ذیل چار بیٹے یادگار رہے (۱) میر مجتبیٰ بیگ،  
 (۲) میر اصیا بیگ (۳) میرزا عطا بیگ (۴) میرزا حسن رضا بیگ، میرزا مجتبیٰ بیگ کے  
 تین بیٹے، مرتضیٰ بیگ، رضا بیگ، موسیٰ رضا بیگ، اول الذکر دو بیٹے وفات پا چکے

چوں موضع سیر کھٹری پرگنہ مسطور در جاگیر صاحبزادہ غلام نبی خاں مع اولاد و بستگان شان مذکور مقرر ہوئے  
 باید کہ موضع مذکور یہ تصرف خاں مذکور و اگر از اند خان مذکور حاصلات دہم مذکور را بہ صرف خود آوردہ  
 گذر اوقات نمایند و دقیقہ از دقائق خیر خواہی دولت خواہی فرو گذاشت نسا زند در عایہ را از  
 حسن سلوک خود راضی و شاکر دارند، و حصہ حاصلات ہر ایک رعایہ بموجب سرشتہ بحال و ہر قرار دارند  
 تنفس را از زردہ دختہ دل نسا زند کم تردد و کم کاشت را از خود شناسند تا کہ بدانتہ حسب الارشاد  
 بعمل آرند فقط بمنزوم دی ۱۲۵۳ھ تدسی -

آخر الذکر بقید حیات ہیں، میرزا ضیا بیگ کی دو بیٹیاں، جہاں بیگم (زوجہ مرزا فرخ بیگ سب رجسٹرار مراد آباد) دوسری جہاندا بیگم زوجہ احمد علی بیگ دونوں حیات ہیں، میرزا حسن رضا بیگ کے ایک بیٹے میرزا فرخ بیگ مذکور، میرزا عطا بیگ کے دو فرزند، میرزا اسماعیل بیگ و مرزا آصف بیگ دونوں زندہ، اور سب حصہ دار جاگیر سے مستفیض ہیں، میرزا اسماعیل بیگ آجکل سرورج ہی میں سکونت پذیر اور دیہہ جاگیر کے منتظم ہیں،

خاندان رسالہ قادر دادخان

ولایت کابل سے کابل دادخاں آئے، اور سنبھل ضلع مراد آباد میں سکونت اختیار کی، قادر دادخاں کئی بھائی تھے، جنکی اولاد میں اس وقت عبدالقادر خاں ریاست گوالیار میں میرزا احمد علی خاں ریاست رامپور میں جاگیر دار، اور عبدالکحیم خاں رامپور میں سول جنرل ہیں، قادر دادخاں کو بھوٹنی کی بنا پر نواب امیر الدولہ بہادر سے شرف نیاز حاصل تھا، جب نواب امیر الدولہ بہادر کی الوالعزیموں کی عام شہرت ہوئی، تو بیٹی اپنے بیٹے ولید دادخاں اور بیٹے محب اللہ خاں، اور اپنے قبیلہ کے دو سو نو جوانوں کو ساتھ لیکر امیری سپاہ میں شامل ہوئے، ہمراہیوں سواروں پر ولید دادخاں کو رسالہ دار کیا، قادر دادخاں بڑے منچلے اور دلیر آدمی تھے، کالا کوٹ دیوالیہ کی لڑائی میں گولی کھا کر زخمی ہوئے، نواب امیر الدولہ بہادر نے انکا توجہ کے ساتھ علاج کرایا، کچھ مدت کے بعد تندرست ہوئے اور برابر وفادارانہ و جانبازانہ خدمات انجام دیتے رہے، بنائے ریاست سے قبل پرگنہ نیماہیڑہ میں ان کا انتقال ہوا، جاودہ دروازہ ان کی قبر ہے، ولید دادخاں اپنے رشتہ داروں، اور سواروں کے بدستور شریک جنگ رہے، ریاست قائم ہونے کے بعد رسالہ دار ولید دادخاں کو موضع نرکھڑہ سواروں کی جائیداد میں ملا، ۱۲۵۳ھ میں نور محمد خاں حاکم سرورج نے

لے صاحب افتخار التواریخ نے صفحہ ۷۷ کے فٹ نوٹ میں لکھا ہے کہ محب اللہ خاں نگ مئی خیل کو نرکھڑہ جاگیر (نقشہ ۱۲۵۴ھ)



اپنے سینہ میں باغیانہ خیالات اور ارادوں کی تخم بیزی کی، اسوقت نواب وزیرالدولہ بہادر نے انکے استیصال کے لئے مختارالدولہ محمود خاں جنرل افواج ریاست کو مامور کیا۔

رسالہ دارند کو بھی حکومت کے ایما سے شریک ہوئے نمایاں خدمات انجام دیں، جسکے صلہ میں حکمانہ مورخہ ۲۴ ربیع الثانی ۱۲۵۳ھ کے ذریعہ موضع زکھیرہ سواروں کی جائداد سے نکال کر انکو جاگیر میں دیا گیا، انکے چھوٹے بھائی محبت اللہ خاں میاں مسعود کے ہمراہ لاوہ کی جنگ میں شریک تھے، ۱۲۶۸ھ میں بحالت جنگ شہید ہوئے، زمین الدولہ محمد علی خاں بہادر نے ۹ ربیع الثانی ۱۲۸۲ھ کی سند کے ذریعہ سے انعام میں انکو مشہور باغ تانیٹا دیا اور اسکے بعد ۲ ربیع الثانی ۱۲۸۲ھ ماہی اور گھوڑے کا خلعت بھی ملا، باغ و جاگیر آجنگ ان کی اولاد کے قبضہ میں ہے، یہی وہ فیاضیاں اور قدردانیاں تھیں جنکے انہار پر ماتحت سپاہ و رفقا اپنے آقاؤں کے چراغ دولت پر ہمیشہ پروانہ رہے

محبت اللہ خاں بھی رسالہ دار تھے، لاوہ کی جنگ میں شہید ہونے کے بعد ان کے بیٹے

بقیہ صفحہ ۳۵۷

میں ملاوٹا، یہ بیٹے نہیں ہے، محبت اللہ خاں لنگ امیری فوج میں ضرور شامل تھے، لیکن انکو کوئی جاگیر نہیں ملی، مصاحبت کے

بدانہوں نے سبیل میں سکونت اختیار کی انکے ایک بیٹے محمد سید خاں تھے، جو ایک دختر چھوڑ کر سبیل میں فوت ہوئے

دختری اولاد میں چودھری فقیر محمد خاں، چودھری رفیق محمد خاں سبیل میں زمیندارانہ حیثیت سے زندگی گزار رہے ہیں اور صاحب عزت ہیں

۱۷ مقام عالمان سرورج چونکہ از دینی داد خاں رسالہ دار قوم میں درہنگام کو رہی و بغاوت منور خاں شراط ملک عالی و خیر خاں

نظمور پیدا لہذا پاس خدمت گذاری موضع زکھیرہ محلہ پرگنہ سرورج از پیشکا حضور پر نور در وچ جائداد ملازمین ذات

رسالہ دارند کو مقررہ موقوفہ گزیدہ باید دیدہ مذکور را بقین و تصرف مومی الیہ دالگذاوند و معز الیہ حاصلات دیدہ را

صرف ذات خود آورده باشند و سبیل خاں مذکور آنکہ رعایت از حسن سلوک راضی و شاکر دارد، انشود کہ احدی

از زمرہ رعایت رعایتہ و شکستہ خاطر گردد، و بر طریقہ دین متین شہر عین اللہ طاعات صوم و صلوة شرعیہ و تقدیم عبادت

جمع مرسوم اسلامیہ قائم و ثابت بودہ مصدر حرکات معاصی حضرت الہی تعالیٰ تقدس شالانہ نشود، المرقوم

بست و رقم ربیع الثانی ۱۲۵۳ھ (جہری و صادی نواب وزیرالدولہ بہادر)

رسالہ دار ولایت اللہ خاں کو موضع پیاسی جاگیر میں ملا کسی قصور پر جاگیر خالصہ ہو کر انکے بیٹوں کا نقد وظیفہ ہو گیا، بیٹوں کی تفصیل یہ ہے، فرحت اللہ خاں، محمد جان خاں، میا جان خاں آخر الذکر زندہ ہیں، فرحت اللہ خاں کے بیٹے عطاء اللہ خاں، اور محمد جان خاں کے بیٹے محمد دغاں حیات ہیں، غدر شاہ میں جبکہ عادل خاں جاگیر دار گڑھی انبا پانی (علاقہ جھوپا) نے سرکاری قلعہ کو محصور کر لیا تھا، رسالہ دار ولی داد خاں نے اپنی قومی جماعت کے ساتھ اسکی مدافعت میں کافی حصہ لیا، اسکے بعد ٹونک چلے گئے، وہاں تانیا ٹوپ مرہٹہ نے شورش مچا رکھی تھی، جسکی مدافعت میں رسالہ دار موصوف نے سرفروشانہ وفاداری دکھائی، ران میں گولی کھا کر زخمی بھی ہوئے، خلاصہ یہ کہ نیکنامی کے ساتھ جان نثارانہ جوہر دکھلاتے ہوئے ۱۲۹۲ھ میں دنیا کو الوداع کہا،

انے دو بیٹے یادگار رہے، حافظ عبد الطیف خاں، حافظ عبد الحمید خاں، یہی دونوں بیٹے آبائی جاگیر کے وارث قرار پائے، حافظ عبد الطیف خاں نے بھی اعزاز کے ساتھ زندگی گزار کر ۱۰۵ سال کی عمر یا کر ۱۹۲۴ء میں انتقال کیا، انکے دو بیٹے تھے، عبد الحمید خاں، انہوں نے باپ کے ساتھ لا ولد رحلت کی، دوسرے بیٹے عبد العزیز خاں، انہوں نے باپ کی وفات کے ایک سال بعد ۱۹۲۵ء میں لا ولد وفات پائی،

حافظ عبد الحمید خاں، پڑے بھائی سے کئی سال پہلے دنیا کو خیر باد کہہ چکے تھے، انے عبد الوحید خاں، حافظ عبد الصمد خاں، عبد الحفیظ خاں، تین بیٹے یادگار رہے، پہلے بیٹے عبد الصمد خاں لا ولد فوت ہو چکے، باقی دونوں بھائی حیات اور جاگیر پر قابض ہیں

### خاندان کپتان احمد علی خاں

کپتان احمد علی خاں کے باپ کا نام عبد الرحیم خاں تھا، جو لاہور کے معزز خاندان افاضی تھے، انکے دو بیٹے محمد علی خاں اور احمد علی خاں تھے، محمد علی خاں ریاست جے پور میں رتوں فوجی عہدہ دار رہے، انکو صاحبزادہ غلام محمد خاں، ابن مولوی غلام جیلانی خاں کی دختر

تسویب تھیں، جنکے بطن سے نیاز علی خاں، یعقوب علی خاں، عسایت علی خاں تین بیٹے ہوئے  
اول الذکر جلیپور میں رہا لہذا دار، اور آخر الذکر ٹونک میں کپتان تھے،

کپتان احمد علی خاں، نواب امیر الدولہ بہادر کے ساتھ مختلف جنگوں میں شریک رہے،  
دولتمند و شیر شیم افسر تھے، قیام ریاست کے بعد نواب امیر الدولہ بہادر نے انکو ٹونک میں  
ایک مالیشان عویلی، باغ، ہاتھی، پالکی عطا فرما کر قدر دانی کا ثبوت دیا۔ نقد وظیفہ ملائے  
علاوہ تھا، لا وہ کی جنگ میں بھی قابل قدر خدمات انجام دیں، نواب کین الدولہ محمد علی خاں  
بہادر نے ۱۲۸۲ھ کی سند کے ذریعہ سے موضع عبداللہ پورہ تعلقہ ہرگتہ ٹونک انکو  
جاگیر میں دیا، دو سال کے بعد ذریعہ سند مورخہ ۱۲۸۳ھ سرونج علاقہ کا کثیر الرقبہ  
گاؤں ”مغلسرائے“ سابقہ موضع کے بدل میں ملا، اور ۱۲۸۳ھ کے حکمنامہ کے  
ذریعہ سے، بوئے خاں والا، پھانگ والا، تلوک چند والا باغات واقع سواد سرونج بھی  
انکو انعام میں دیے گئے، اس سلسلہ سے انہوں نے سرونج کی سکونت اختیار کی،  
لنکے صرف ایک بیٹے کپتان حافظ باقر علی خاں یادگار رہے، جنکے نام باغات و

جاگیر ریاست نے منتقل کر دیے ۱۲۸۴ھ میں کپتان باقر علی خاں کا انتقال ہوا، انکے بیٹے انہی کی حیات میں مفقود و غائب ہو گئے  
دوسرے صاحبزادہ شاکر علی خاں جوان العمر باپ کے روبرو وفات پا گئے، صرف ایک بیٹی شفیقہ بیگم زوجہ حافظ علی خاں میرور  
نواب محمد قلی خاں بہادر دلی خجگ والی ریاست محمد گلدھ باسودہ سے وختی اولاد کا سلسلہ قائم ہوا، جنکے بطن سے سلطان جہاں  
بیگم ازوج صاحبزادہ محمد الدین خاں میرور صاحبزادہ طب الدین خاں حیات، اولاد کا سلسلہ سے ریاست کپٹن کو وظیفہ ملا۔  
کپتان صاحب مرحوم کی خدمت میں مولف کو شرف نیاز حاصل تھا، شان و شوکت، وقار و عظمت کے جاگیردار  
تھے، صوم و صلوات ابد و وظائف کے بھی پابند تھے، فارسی اور اردو میں شعر بھی خوب کہتے تھے، تجوی تخلص رکھتے تھے  
مولف نے سرونج کے جاگیرداروں میں ان سے بڑھ کر خوش تقریر، باریع، خوددار اور وفادار دوسرے کو نہیں دیکھا۔

لے ایک مرتبہ کپتان صاحب نے مولف کی استدعا پر بیوہ کا ایک درخت کٹوا کر فارسی قطعہ کے ساتھ بھیجا، آج وہ  
قطعہ محفوظ نہیں ہے، شکر یہ میں مولف نے جو قطعہ بھیجا تھا وہ یہ ہے، قطعہ فارسی - (باقی صفحہ آئندہ)

## خاندان غلام حیدر خان رسالہ دار (۹۱) | تبدیل کھنڈ اکا کلی وطن تھا، فنون جنگ سے واقف ،

شجاعت میں فرد، بسالت میں لا جواب، بلند قامت، قوی الجثہ انسان تھے، جس زمانہ میں ناگپور کا علاقہ نواب امیرالدولہ بہادر کا جولاں گاہ تھا، یہ بھی اپنے غریبوں کی محدود جماعت کے ساتھ امیری لشکر میں شامل ہوئے، ہمراہی سواروں پران کو رسالہ دار مقرر کیا، جنگی کارگزاریوں کے سلسلہ میں قابل اعتماد اور بہتر مندرجہ ثابت ہوئے، انکی قسمت میں پہلے سے دولت ایمان بھی مقدر ہو چکی تھی، اسلئے لشکر امیری میں مشرف یہ اسلام ہو کر غلام حیدر خان نام پایا یوں تو امیری عسکر کے تمام افسر بیٹہ شجاعت کے شیر بہر تھے، جنگ کے کارنامے امیر نامی کہیں اجمالاً او کہیں تفصیلاً درج ہیں، جو دوسروں کے نگاہ اور قلم کے نتیجہ ہیں، لیکن رسالہ دار مذکور کی نسبت خود سالار اعظم نواب امیر الدولہ بہادر کے یہ الفاظ ہیں ”دیر سخی ایشیاں چشم دید حضور لست“ جس جنرل کے ماتحت سینکڑوں جاں نثار رستم و سہراب کا جواب تھے، کسی کی نسبت اسکا اس قدر مختصر فقرہ لکھ دینا اعلیٰ سرٹیفکٹ سمجھنا چاہیے،

(بقیہ صفحہ گذشتہ) کردی بہ نظر عطا چو یک شاخ شجر بہ شد باغ دلم ز انبساطش یکسر

زالسکہ مرا بہال کردی... اموزہ بہ سر سبز کند بہال عمرت داور

اٹھ پروانہ ہری نواب امیر الدولہ بہادر موسوم رسالہ دار غلام حیدر خان - سعادت آثار غلام حیدر خان بغایت باشندہ عرضی ایشیاں بخواب شفق اول در شکایت جہانگیر خان دعوام لاہور بلا حظ معلیٰ گذشتہ چونکہ دیر سخی ایشیاں چشم دید حضور لست بناغ علیہ مایدولت را بدل خوشنود و متوجہ جانب خویش دانستہ باریاب در دولت شور کہ نسل فرزندان شمارا شمار کردہ خواہیم داشت و آنچه کہم او تعالیٰ جل شانہ از فضل پیچوں خویش ناسنے کہ بہار زانی، فرمودہ است پارہ ازیں مستدام بمقصور خود تسلیم بعد نسل یا فتنہ خواہید ماند کہ سنجیت (نام پرگنہ علاقہ جاور (مکلف) از ان بقرا موش خواہد رسید، لازم معاوت و اطاعت آنکہ خیال لاہور فرساختہ بدال اندیشہ و وسواس یا جھیت خود حاضر ٹونک شویہ کہ ہیں راہ منزل مقصود ایشیاں است تحریر تاریخ نسبت و ہشتم جادی الاول ۱۲۳۲ھ

اسکے علاوہ انکو نواب امیر الدولہ بہادر کے اضافی فرزند ہونے کا بھی شرف حاصل تھا،  
 یہی بنا پر نواب وزیر الدولہ بہادر انکو احکام میں برادر عزیز کے القاب سے یاد فرماتے رہے  
 ۱۱۹۱ھ کی مصالحت کے زمانہ میں جب ریاست ٹونک کی بنیاد پڑی تو دوسری طرف امیری لشکر کے  
 سردار اعظم نواب عبدالغفور خاں بہادر نے ریاست جاوڑہ کی ایک جداگانہ حکومت حاصل کی، اس  
 سلسلہ سے رسالہ دار غلام حیدر خاں کو اپنے ہمراہ جاوڑہ لے گئے، اور پرگنہ سنجیت انکو جاگیر میں  
 دیدیا کچھ دنوں انہوں نے جاوڑہ میں بیکری، لیکن آقائے قدیم نواب امیر الدولہ بہادر کی قدردانی  
 اور عزت افزائی کی یاد سے انکو بچین کیا، اور اہل سکونت پر آمادہ ہو کر لاہور چائیکا ارادہ کیا، اس  
 ارادہ کی اطلاع بھی ایک عرضی کے ذریعہ سے نواب امیر الدولہ بہادر کو دی جسکے جواب میں  
 ۲۶ جمادی الاول ۱۲۳۳ھ کا فرمان انکی طلبی میں پہنچا، اور یہ ٹونک آگئے، محاضری پر ذی الحجہ  
 ۱۲۳۵ھ میں مع جملہ ہمراہیوں کے نقد وظیفہ اور روزانہ جندی مقرر ہو گئی، ایک ہاتھی بھی دربار  
 امیری سے انکو ملا جسکے مصارف کے لئے موضع نزادہ ملا تھ ٹونک دیا گیا، اور ایک عالیشان  
 حویلی بھی پڑانے ٹونک میں سکونت کے لئے انکو دی گئی، جسے اب انکے پوتوں نے فروخت  
 کر دی ہے، ۱۲۵۲ھ میں غالیفن کے بہکانے سے صاحبزادہ عبدالکریم خاں (برادر خورد  
 نواب وزیر الدولہ بہادر) نے پرگنہ چھڑہ کو گور پر قبضہ کر نیلے ارادہ سے پیشقدمی کی، موافقت  
 کی کافی جمعیت ہمراہ تھی، گو مختار الدولہ محمود خاں انکی مدافعت کے لئے دربار وزیر سے مامور  
 ہوئے، لیکن بھائی کی بقاوت کی وجہ سے موقع نازک تھا، اسلئے اس مہم پر بذریعہ حکمائے  
 بلاتاریخی یہ بھی مقرر کئے گئے، مضمون فرمان کے دیکھنے سے یہ بھی واضح ہے کہ جس اعتماد کی نگاہ

سلطنت کی پیشانی پر یہ عبارت درج ہے (بحکمہ تعالیٰ ولجوبہ اعلا حکم است) برادر غلام حیدر خاں سلام سنون  
 راہ بداندیشی ارکان ریاست خرائی پیدا کرد و کسے دلسوز داریں موقع نظر فی آید ایچوں ریشہ انشخص کو دعایم  
 ہذا بجزو معائنہ حکم ہذا بدون عذر خود را بہ پرگنہ چھڑہ کو گور دیک شہانہ روز برساندہ خدا خواست کہ پرگنہ مذکور در  
 تسلط نہ کہ مال رو، ہچنانچہ حالیکہ ہاں رہیں ماندہ از اعزاز ہمراہ بیان کوتاہی نسا نہ و ہند ارادہ

سے نواب امیر الدولہ بہادر انکو دیکھتے تھے، اسی نظر سے نواب وزیر الدولہ بہادر نے بھی انکو دیکھا، غرض رسالہ دار موصوف بھی اپنی جماعت کو ہمراہ لئے ہوئے چھپڑہ پہنچے قلعہ سے یا ہر مخالفین سے مقابلہ ہوا، وزیر اقبال نے یاوری کی، جس سے رسالہ دار کامیاب ہوئے، محاربہ میں انکے قریبی رشتہ دار نہر پست سنگھ کام آئے، دیگر افسروں میں احمد علیاں اور محبت اللہ شاہ رسالہ داران افواج وزیر ی مارے گئے، خیر خواہی و جاں نثاری کھمدیں ٹھہری واجب <sup>لہ العفی</sup> مہری نواب امیر الدولہ بہادر پر نواب وزیر الدولہ بہادر نے اظہار خوشنودی فرماتے ہوئے چھپڑہ اور گور کے قلعوں کی قلعہ داری کا عہدہ بھی رسالہ دار موصوف کو دیا اور مزید انعام عطا کئے جانے کا بھی وعدہ فرمایا، چونکہ نہر پست سنگھ اس لطافت میں کام آچکے تھے، اسلئے انہوں نے سرکاری اجازت حاصل کرنے کے بعد نہر پست سنگھ کے بیٹے کو اپنا نائب مقرر کر کے قلعہ داری اسکے عوالمے کر دی، جسکی اولاد میں ایتک قلعہ داری کا سلسلہ گور میں قائم ہے، اسکے بعد اکثر پرگنات پر رسالہ دار موصوف عامل بھی رہے، سرسوج میں انکا انتقال ہوا،

وہندیلہ وغیرہ جج کثیر راہ واسطہ مقابلہ بر اطمینان ملازمت و داد و دہش پہ نہجیکہ توا تندر رفیق سازند کہ جمعیت مخالفین یک و نیم ہزار مسموع میشود، ہر نوع شمارا اختیار بر ہر امور دادہ شد، ہمیں موقع ترک حلالی و جاننا ترست، تاحیات ایں عامی الہی محمد وزیر خاں فراموش خواہ گردید در صورت تعویق و انکشاف حال روانگی خلش در راہ خواہند یافت، سپردم بخدا سے لادی و منصور و السلام ر جائے دستخط

نواب وزیر الدولہ بہادر

سے  
لہ حکم تعالیٰ و تقدس، بموجب فرمودہ حضور غفر اللہ تعالیٰ (مراد نواب امیر الدولہ) برادر غلام حیدر خاں، ازیں رہا خدا داد دماہ پشت بہ پشت یافتہ خواہر ماندہ چون بعنایت تعالیٰ عہدہ قلعہ داری چھپڑہ و گور یہ تقرری یک روپیہ سالانہ بردیہات پر گنہ چھپڑہ مع حقوق قدیمہ آں دایما بنام برادر مسطور فرمودم و ہم آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ بیشتر خواہم فرمود انکوں کو موی الیہ حفاظت و نگرانی دارا السلام ٹونک و میلہ قصیدہ مذکور از قطار الطریقان در غبت خانصاحب محمود خاں بکمال کوشش سعی انصرام داد ازیں باعث برستوری خاں مذکور بسیار خوشنود ہستیم، و ازیں دود بجمعی حضور بر آئندہ منصور شد، فقط

سرکاری کوٹ کے جنوبی دروازہ کے باہر زبردیوالہ کوٹ ایک احاطہ کے اندر انکی قبر ہے ،  
 انہوں نے حسب ذیل پانچ بیٹے یادگار بھجوڑے ، (۱) محمد دستگیر خاں (۲) عثمان خاں (۳)  
 عبداللہ خاں (۴) غازی الدین حیدر خاں (۵) بشیر محمد خاں ، عثمان خاں اور بشیر محمد خاں  
 لا ولد فوت ہوئے ، عبداللہ خاں کے دو بیٹے ، عبدالرزاق خاں اور عبدالمجید خاں ، یہ  
 دونوں بھی لا ولد گئے ، دو بیٹیاں بھی تھیں ایک روجہ اولیٰ احمد سعید خاں ابن محمد دستگیر خاں  
 اور دوسری زوجہ بخشی امیر محمد خاں ساکن نیما ہیٹھ ، غازی الدین خاں کے ایک پسر فتح جنگ  
 خاں ، انکی اولاد موضع زمانہ پرگنہ ٹونک میں موجود ہے ،

محمد دستگیر خاں سب میں بڑے تھے ، اسلئے باپ کی جگہ رسالہ دار ہوئے پھر پرگنہ میں  
 عامل بھی رہے ، پرگنہ نیما ہیٹھ میں ، ۲۲ سال حکومت کی ، اگرچہ ذی علم نہ تھے لیکن قوت انتظامیہ  
 خدا داد تھی ، باپ کی طرح ریاست کے یہ بھی خیر خواہ رہے ، ریاست نے بھی قدر افزائی میں کمی نہیں کی  
 نواب یحییٰ الدولہ محمد علی خاں بہادر نے اپنے عہد ریاست میں انکی اور ان کے باپ کی  
 وفادارانہ خدمات کا لحاظ کرتے ہوئے ذریعہ سندا ایشوال ۱۲۸۳ھ ذیل کے چار مواضعات پانچ  
 گھوڑوں کی چاکری کے اٹھارے ساتھ انکو جاگیر میں دیئے (۱) محمد پور سنوٹی (۲) اسلام پور سوری  
 (۳) احمد پور کوٹ (۴) رڈسایا رڈسیا ، اور یہ وہ دیہات ہیں جنکو رسالہ دار محمد دستگیر خاں نے  
 سروینج کے عہد نظامت میں آباد کیا تھا ، اور آبادی کے معاوضہ میں بطور حق زمینداری ذریعہ سند  
 ۱۲۵۴ھ دوسو پچاس بیکہ اراضی معافی بھی مل چکی تھی ، اس سلسلہ سے رسالہ دار موصوف نے  
 سروینج کی سکونت اختیار کی ،

رسالہ دار موصوف نے حسب ذیل چار بیٹے چھوڑ کر ۱۳۱۱ھ میں رحلت کی ، (۱) عبدالستار  
 خاں (۲) احمد سعید خاں (۳) محمد سعید خاں (۴) عبدالحیاء خاں ، ریاست نے اپنے معمول قدا  
 نوازی کے مطابق ذریعہ مکنہ مورخہ ۱۰ جولائی ۱۸۹۵ء چاروں کے نام ذیل کے چاروں دیہات  
 جاگیر میں منتقل کئے ، عبدالستار خاں کو موضع رڈسا ، احمد سعید خاں کو موضع سنوٹی ، محمد سعید خاں

کو موضع کوڑکا، مولوی عبد الجبار خاں موضع مسوری، عبدالستار خاں نے ۱۹۰۵ء میں بمقام حیدر دکن انتقال کیا، چار بیٹے یادگار رہے، عبدالصمد خاں، محمد ایوب خاں، محمد الیاس خاں، احمد مختار خاں، عبدالصمد خاں کے دو بیٹے صدیق احمد خاں، اور شفیق احمد خاں بقید حیات اور اپنے چہارم حصہ جاگیر سے گذر کر رہے ہیں، محمد الیاس خاں اور احمد مختار خاں لا ولد فوت ہوئے محمد ایوب خاں نرندہ اور اپنے حصہ جاگیر پر قابض ہیں۔

احمد سعید خان رسالہ دار محمد دستگیر خاں غرضہ تک ریاست کے محکمہ سائیں منضم رہے، ۱۹۲۰ء میں ذیل کے سات بیٹے چھوڑ کر وفات پائی، پہلی بیوی سے عبدالرشید خاں، احمد عزیز خاں، عبدالحمید خاں، عبدالعزیز خاں، دوسری بیوی سے احمد دستگیر خاں، محمد توصیف خاں، عنایت علی خاں، علاء احمد عزیز خاں کے جنہوں نے ۱۹۲۶ء میں لا ولد رحلت کی باقی سب بھائی حیات اور جاگیر سے مستفیض ہیں، محمد سعید خاں اور مولوی عبد الجبار خاں دونوں بھائی حیات اور اپنی اپنی جاگیر پر قابض ہیں۔

راجہ مان سنگھ دہلی کے باشندہ  
**خاندان راجہ مان سنگھ جاگیر دار دہری** قوم برہمن سے تھے، نواب امیر لدو

نے انکو اندور میں اپنے پاس ملازم رکھ کر ہر کاروبار میں بھرتی کیا، افواج کی نقل و حرکت کی خبریں لانے اور پہنچانے میں بڑے مشاق تھے، عمدہ خدمات کے صلہ میں نواب امیر الدولہ بہادر نے ۱۹۲۶ء میں انکو ہر کاروں کا جمعہ دار مقرر کر کے راجہ کا معزز خطاب بھی دیا، اور نشان و تقاریر بھی عطا کیا، ۱۹۳۲ء میں انکو مواضع دہری اور بیر کھٹری ۹ سواریوں کی چاکری کے شرائط کے ساتھ جاگیر میں دیے گئے، راجہ صاحب نے ۱۹۶۷ء میں انتقال کیا، چونکہ نرینہ اولاد انکی کوئی نہ تھی، اسلئے ریاست نے انکے نواسہ کلیان سنگھ کے نام جاگیر کا انتقال منظور کیا، اور خطاب و تقاریر بھی بدستور بحال رکھا، ۱۹۷۴ء میں نواب امیر لدو محمد علی خاں بہادر نے ان کو موضع ملوئی گھوڑوں کی چاکری میں مزید عنایت کیا،

۱۱ امیر نامہ مترجم میر احمد سعید صاحب ٹوکی صفحہ ۳، ۵، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱



مؤلف نے دیکھا ہے کہ عیدین کی سواری میں راجہ صاحب کا نشان و نقارہ گھوڑوں کی سواری پر سب سے آگے رہتا ہے، راجہ کلیان سنگھ جی نے ۸۰ برس کی عمر پاکر ۱۹۱۵ء میں اپنی کوچ کا بھی نقارہ بجایا، دو بیٹے یادگار رہے، پہلی بیوی سے راجہ چھپن سنگھ، دوسری بیوی سے چھوٹے سنگھ، آخر الذکر بیٹیا جوانی کی بہار دیکھنے سے قبل ۱۹۲۲ء میں فوت ہو گیا راجہ چھپن سنگھ حیات، اور دہری اور میر کھٹری مواضات جاگیر پر متصرف ہیں، موضع تلونی گھوڑوں کی چاکری معاف ہونے سے خالصہ ہو گیا،

خانہ دان مرزا مستیا بیگ کیانی | اس زمانہ میں اس خاندان کی یادگار تین حقیقی بھائی ہیں، میرزا سلیم بیگ، میرزا عبداللہ

بیگ، میرزا سراج بیگ، جبکہ سلسلہ نسب یہ ہے، میرزا سلیم بیگ ابن میرزا سکندر بیگ ..... ابن میرزا مستیا بیگ ابن میرزا غفور بیگ ابن میرزا لالہ زار بیگ مخاطب بہ خوشحال بیگ خاں، میرزا بابر کیانی اور خوشحال بیگ خاں باہم چچا زاد بھائی تھے، ناصر الدین محمد شاہ کے عہد میں یا اس سے قبل بابر کیانی ایران سے ہندوستان آئے اور شاہی ملازموں میں داخل ہوئے، انہی کے توسل سے لالہ زار بیگ بھی ہندوستان کے شاہی دربار میں پہنچ کر خوشحال بیگ خاں کے خطاب سے ممتاز ہوئے،

میرزا بابر کیانی شاہی حکم سے قطاع الطريق گروہ ہونے کے اسناد کے لئے مالوہ کی طرف آئے، سروج کی آب و ہوائ نے انکو ہمیشہ کیلئے یہیں رکھا، انواب امیر الدولہ بہادر نے والی ریاست کی حیثیت سے جس زمانہ میں ٹونک کی مسند کو رونق دی ہے، اس وقت سروج میں میرزا صفدر بیگ بن صالح بیگ بن میرزا جہا بیگ بن میرزا شیر بیگ بن میرزا بابر کیانی موجود تھے، اور دہلی میں میرزا لالہ زار بیگ، انکی اولاد سے میرزا مستیا بیگ اور محمد علی بیگ حقیقی بھائی یقید حیات تھے، میرزا صفدر بیگ کی دو لڑکیاں تھیں، ان دونوں کی شادیوں کے سلسلہ میں صفدر بیگ نے امیر الدولہ بہادر سے درخواست کی کہ مستیا بیگ و محمد علی بیگ کو اگر

دہلی سے سروج پہنچا دیا جائے تو انکو خانہ داما درکھرائی الماک اُنہی کے نام منتقل کر دوں، درخواست منظور ہوئی اور دونوں بھائی سروج پہنچے جنکی شادیوں کی رسمیں بھی ادا ہو گئیں، میرزا مستیا بیگ کو نواب امیر الدولہ بہادر نے چار سو سواروں پر افسر مقرر کیا انکا کام یہ تھا کہ تہمد و سرکش زمینداروں سے حاصل ریاست بکیر اور فوجی دباؤ سے وصول کرتے، چنانچہ زمینداران دینپا تکھیرہ اور انارسی کلاں سے اس سلسلہ میں جو معرکے ہوئے ہیں اُس نے ریس کی لگا ہوئیں انکی عزت اور بھی بڑھادی، اخیر عمر میں ریاست سے انکا وظیفہ ۶۰ روپیہ ماہوار کا مقرر ہو گیا، جو انکی زندگی تک برابر جاری رہا، انکے ایک بیٹے میرزا اسکندر بیگ تھے جو برسوں سروج کے کوتوال اور پھر محکمہ غلہ کے مہتمم رہ کر اخیر عمر میں خانہ نشین ہو گئے، انکو مولف نے بھی دیکھا ہے، رفتار، گفتار، لباس اور وضع داری میں اسلاف کے نوتہ تھے اسلئے میں انہوں نے دنیا کو اولاد کہا، متذکرہ مدت کے مین بیٹوں کے علاوہ ایک منجھلیٹے میرزا اسد اللہ بیگ بھی تھے جنکا انتقال ہو چکا ہے میرزا ترضی بیگ انکا ایک نو عمر لڑکا بقید حیات ہے، میرزا یلین بیگ مدتوں تھانہ دار رہے اب خانہ نشین ہیں، قوی الحافظہ مورخ ہیں، مولف کو زبانی روایتوں میں اسے بہت کچھ امداد ملی ہے، میرزا صندر بیگ فیل نشین اور صاحب جائیداد تھے جس مکان میں اس خاندان کی سکونت ہے وہ اتنی کا ہے پانچ قبل خانے پختہ بھی تھے، جنکو متہمدہ حالت میں مولف نے بھی دیکھا ہے، میرزا مستیا بیگ کی ایک حقیقی ہمیشہ اجمیری خانم مختار الدولہ محمود خاں بہادر بنزل افواج ریاست کو منسوب تھیں، جنکے بطن سے محمد علی خاں، انکے بیٹے کپتان سعادت علی خاں، انکے بیٹے عبدالعلی خاں اور امجد علی خاں ہوئے، امجد علی خاں وفات پا چکے، عبدالعلی خاں ٹونک میں بقید حیات ہیں، میرزا یلین بیگ جدا مجد لالہ زار بیگ کے دو حقیقی بھائی میرزا ہزارہ بیگ، اور میرزا سلیمان بیگ بھی تھے، میرزا ہزارہ بیگ کی اولاد جاوہرہ میں ہے، انکی ایک دختر سراج الدین بہادر شاہ آخری تاجدار دہلی کو، دوسری دختر، نواب عبدالغفور خاں والی جاوہرہ کو، تیسری اخوند محمد ایا ز خاں خسر نواب امیر الدولہ بہادر کو منسوب تھیں،

تمت بالخير

## تصنیف مؤلف کی سرگذشت

ہے مجھ کو نہ اپنی خوش بیانی سے غرض ہاں اسلاف کی ہے نہ مدح خوانی سے غرض  
یاروں کے لئے سبق ہو یا وجہ قلق ہے اپنی گزشتہ عمر کی کہانی سے غرض  
موجودہ زمانہ میں تصنیفات و تالیفات کی کمی نہیں ہے جو کچھ بھی کمی ہے وہ اس بات  
مہید کی ہے کہ مصنفین و مؤلفین کے نام یا تخلص یا دوسرے مشہور خطابات یا عرفیت  
کے سوا ان کے تصانیف و تالیفات سے اسکا پتہ نہیں چلتا کہ انکو کس خاندان سے نسبت ہے  
کہاں کی پیدائش ہے کس حد تک اور کہاں تعلیم پائی ہے، اساتذہ علوم کون کون بزرگ ہیں،  
زندگی کا کیا مشغلہ رہا، کس علم و فن سے انکو خاص دلچسپی رہی، قوم ملک اور ملت کی کیا خدمات  
انجام دیں، سلسلہ ملازمت کس صیغہ میں اور کہاں کہاں رہا، تجارت کی تو کس قسم کی مصنعت و  
حرفت میں کیا کمال پیدا کیا، زندگی میں مشہور واقعات کیا کیا پیش آئے، یہ چند ایسی ضروری  
باتیں ہیں کہ حتمی تکمیل سے اہل قلم کے سوا شجرہ کا باب خود اسنی کی تصنیفات و تالیفات سے  
قارئین کرام کو نظر آ سکتا ہے، اور اگر آئندہ کسی صاحب کلمہ کسی اہل علم و قلم کے سوانح حیات لکھنے  
مقصود ہوں تو خود صاحب کتاب کا قلمی مسودہ بہت زیادہ انداز و سہری کا باعث ہو سکتا ہے،  
آج اگر ہم چند معروف ترہستہیوں کے سوا (جنکے حالات منظر عام پر آچکے ہیں) باقی عام مؤلفین  
و مصنفین کے حالات ان کے تصانیف کو دیکھ کر معلوم کرنا چاہیں تو معلوم نہیں کر سکتے، اس کمی نے  
بڑے بڑے اہل علم و کمال کی قابلیت پر پردہ ڈال رکھا ہے، موجودہ دور سے قبل اکثر ایسی مایہ ناز  
ہستیاں خاک میں مل چکی ہیں جنہوں نے نام و نمود کو عیب سمجھ کر گناہی کو ترجیح دی، جس سے  
انکے علم و فضل کے مطلع اس قدر خراب آلود ہو گئے ہیں کہ مؤلفین و مورخین کے نگار آفرین  
قلم بھی ان کی صحیح و اصلی تصویر کھینچنے سے مجبور ہیں،

نہو کس طرح توصیف دہن میں دم بخود شاعر باجگہ کچھ بھی اگر پاتے تو کرتے گفتگو برسوں (ایرینیائی)

اس تمہیدی مضمون سے یہ ہرگز مقصود نہیں ہے کہ آثار مالوہ کا مولف

## عرض مطلب

بھی اپنی ذات کو علمی بام شہرت پر لانا چاہتا ہے، اگر وہ ایسا خیال بھی کرے تو اسکے اعمال نے، بے علمی کے افسانے اس قدر اوس کی بلند پروازی کے کب ضمانت دار ہو سکتے ہیں، اپنی سرگذشت کا عنوان قائم کرنے سے صرف اس قدر مقصود ہے کہ جب یہ تاریخی کتاب ناظرین کی نگاہوں سے گزرے اس وقت اگر ان کو مولف کے حالات معلوم کرنیکی ضرورت ہو تو بجائے اسکے کہ وہ غیروں سے دریافت کرنے کی تکلیف گوارہ کریں خود اس ضمیمہ کو دیکھ کر معلوم کر سکتے ہیں ورنہ بقول غالب مرعوم

میں کون، اور رنجیہ، ہاں اس سے تھا جز انبساط خاطر حضرت نہیں مجھے  
میں آج اگر اس کتاب کے لکھنے اور اشاعت کرنیکے قابل ہو سکا ہوں تو یہ محض پروردگار عالم کی  
اعانت آئینہ مہربانی، اور ذی علم دوستوں کی صحبتوں کا اثر ہے  
جمال ہنشیں درین اثر کرد وہ گرنہ من ہما خاکم کہ ہستم (سعدی)

مولف، حضرت امام حسن علیہ السلام کی اولاد میں ہونے سے

## مولف کا سلسلہ نسب

سید حسنی ہے، محمدی الشرب ہونے کے ساتھ فقہی احکام میں  
حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا پیرو، اور آثار صحابہ کا مقلد ہے، حسب ذیل واسطوں سے  
مولف کا سلسلہ علامہ سید ہدایت اللہ خاں بہادر فیروز جنگ، صدر الصدور اور وزیر اوقاف  
شاہجہانی سے ملتا ہے،

احمد مرتضیٰ بن احمد مجتبیٰ بن احمد مرتضیٰ بن محمد سلیم بن محمد امین بن محمد یقین بن محمد شامل

لہ عہد جہانگیری میں فدائی خاں خطاب تھا، بنگال میں صوبہ دار بھی رہے (ترک چانگیری) شاہجہاں کے عہد میں  
صدر الصدور اور وزیر اوقاف بھی ہوئے، خاں بہادر فیروز جنگ کا خطاب ملا شہزادہ میں شاہجہاں اور عالمگیری کی  
مصاحبت میں آپ نے بھی کوشش کی (تاریخ مہندوستان مولف مولوی ذکا واللہ، اور سفر نامہ ڈاکٹر برنیر) ۱۲

بن قاضی امین اللہ بن علامہ ہدایت اللہ آگے چلکر ذیل کے ۲ واسطوں سے مجاہد اعظم امیر کبیر  
سید قطب الدین احمد مدنی سے اس طرح سلسلہ ملتا ہے، علامہ ہدایت اللہ بن محمد اسحاق بن  
محمد معظم بن قاضی سید احمد بن قاضی سید محمود بن علامہ الدین بن قطب الدین ثانی بن صدر الدین  
ثانی بن رکن الدین ثانی بن احمد بن علمی بن قیام الدین بن صدر الدین اول بن رکن الدین  
اول بن نظام الدین بن امیر کبیر سید قطب الدین مدنی۔

اس سے آگے ۱۴ واسطوں سے حضرت امام حسن علیہ السلام سے اس طرح سلسلہ پہنچتا ہے، امیر کبیر  
سید قطب الدین بن علامہ رشید الدین مدنی بن یوسف بن عیسیٰ بن حسن الملک ثانی الحسن بن جعفر  
بن قاسم بن عبد الرحمن بن حسن الانوار بن سید محمد ثانی بن عبد اللہ بن حسن النفس الزکیہ بن عبد اللہ  
محض بن سید حسن بن سیدنا امام حسن علیہ السلام۔

جمادی الاولیٰ ۱۲۹۹ھ مولف کا سال ولادت ہے، مولد  
ٹونک۔ اور وطن قصہ نصیر آباد ضلع رائے بریلی ملک اودھ

## مولف کا سال ولادت

ٹونک میں پیدائش کا سبب، خاندانی اسلاف کے تعلقات، ملازمت ہیں، عمر کا پانچواں سال شروع  
تھا کہ والدہ نے ٹونک میں انتقال کیا، اور موتی باغ میں دفن ہوئیں، گویا بچپن کی غیر متفکرانہ زندگی  
نے اس وقت درد فراق کا احساس نہ ہونے دیا، تاہم ماوری محبتوں کی لذات سے عمر بھر کیلئے محروم

لے قاضی سید محمود سلطان الشرق ہو پور کی طرف سے ۱۲۹۹ھ میں نصیر آباد کے دارالقضا پر مامور ہو کر آئے  
۱۳۰۰ھ میں وفات پائی، ع یافت محمود مقام محمود، تاریخ وصال۔ ہے، آپ کی اولاد کا سلسلہ، نصیر آباد،  
قافلہ رٹونک، تیکہ شاہ علم اللہ رائے بریلی میں موجود ہے،

۱۳۰۰ھ آپ حضرت غوث الاعظم کے قریبی رشتہ دار تھے، حب بشارت نبوی صلعم مدینہ طیبہ سے سلطان غزنوی کی  
امداد کیلئے نکلے والے بعزم جہاد ہندوستان آئے، قطب الدین ٹیکہ کا زمانہ تھا، راجگان بنارس، کرۂ ہند، قنوج  
وغیرہ سے جہاد کیا، تبلیغ و اشاعت اسلام کی، اخیر عمر میں کفر میں سکونت اختیار کی، وہیں رحلت بھی کی، شاہ مجذوب  
کٹک کے حلیہ میں آپ کو مزار ہے، اس وقت سال ۱۳۰۰ھ ہے ۱۲۔

ہوتا ناگزیر ہوا، یہ وہ حسرتیں ہیں جنکی یاد سے دل تڑپ جاتا ہے، تصورات ارمانوں کی صورت میں  
متشکل ہو کر سامنے آتے ہیں۔ ۳۰ سال کی عمر میں مولف کو اپنی والدہ کی تاریخ وفات لکھنے کا خیال  
ہوا، اور خیال آتے ہی اشعار بھی موزوں کئے، مادہ بھی استخراج کیا، جو حسب ذیل ہیں، ان اشعار  
سے مولف کے سذولادت کا بھی سراغ چلتا ہے۔

سینہ پکھزار و دودھ شش بود بر نو	کا مد نشان من بجاں چوں ہلال عید
آغوش مادرم پئے من مہد عیش بود	شام و سحر عنایت و شفقت برآں مزید
قربان آں زمانہ کہ ہر ذوق شیر بود	فکر شب برباں و نہ احساس روز عید
چوں در رسید منزل عمر لبال پنج	ہیئات مادرم سے جام اجل چشید
گو شاق بود جسم اعتراف و اقربا	مرگش مگر بہ ٹونک و خاک وطن کشید
در سال سی رسید چو عمرم بہار غدل	ناگہ ہوائے فکر سینہ رھلتس وزید
اندیشہ مند دید چو ہالت مرا نظر	سال وفات گفت، بہ بیت خدا رسید

والدہ کے ارتحال کے بعد مولف اپنے والد کے ہمراہ وطن پہنچا، اسات  
آٹھ سال تک کا زمانہ خاکبازی میں گزرا، اسکے بعد کلام مجید پڑھنا شروع  
کیا جو دو سال کے اندر ختم ہو گیا، اُس زمانہ میں بوریا نشین استادوں کے جگہ جگہ خانگی مکاتب  
کھلے ہوئے تھے، مولف بھی اپنے خاندان کے استاد مولوی سید شمس الدین مرحوم کے مکتب  
میں داخل ہوا، انشا کی چند کتابیں، اسکے بعد گستاں و بوستاں کی بھی کچھ حکایات پڑھیں  
المانویسی کی بھی مشق جاری رہی، چودھواں سال قریب الاقتمام تھا کہ ۱۳۰۹ھ میں اپنے رشتہ  
کے چچا مولوی سید عبدالعبود مرحوم کے ہمراہ بنارس گیا، خلد مکان نواب عین الدولہ محمد علیخان  
بہادر مقزول رئیس ٹونک اسوقت چاہتے تھے، جبکا بنا کردہ مدرسہ عربی و فارسی علمی فیض رسانی  
میں مشہور عام تھا، مولف کا نام بھی طلبہ علم کی فہرست میں درج ہو گیا،  
مدرسہ کے صدر مدرس اسوقت، مدقن العلماء مولوی نور الحق صاحب فتنہ تھے جن سے مولف

اب مولوی خیر الدین شیر کوٹی، اہل سرورج کے بیٹے تھے عربی نقاد اور فارسی میں انکا جواب نہ تھا اکثر علوم (بقیہ صفحہ ۴۷۰)

نے قصائد عرفی، پنج رقم، مینا یا زار، فارسی میں، اور عربی میں ابتدائی صرف و سخن، مطلق، ثقہ کی کتابیں پڑھیں، غرض یہ مولف کا عقیدہ ہے کہ صرف حضرت استاد مرحوم ہی کی ایک سالہ فیض تعلیم کا نتیجہ ہے کہ مولف لکھنے پڑھنے کے قابل ہو سکا، شعر و سخن کا شوق بھی اسی علمی و ادبی دربار کے آثار و برکات سے ہے، چودھویں سال کے اختتام پر سب سے پہلا کلام موزوں (جو مولف کے دماغ و قلم سے نکلا) وہ ایک فارسی کا نعتیہ قصیدہ تھا، جس کا ایک شعر بطور نمونہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے،

لولاک شد در شان تو و اللیل در کیسوئے تو شمس الفصحی در روئے تو لے باعث ارض و سما  
مولانا مرحوم نے قصیدہ سکر دعائے خیر و برکت فرماتے ہوئے مولف کا حوصلہ بڑھایا، اسی زمانہ میں مولف نے ایک طرحی مصرع پر غزل بھی لکھی جس کا ایک یہ شعر یاد ہے -

بنارس کی لگی ایسی مجھے معلوم ہوتی ہے کہ مرغان چین کو جس طرح سے قید بھاری ہے  
امتحان کے سلسلہ میں چند باغابین الدولہ بہادر کے دربار میں حاضر ہونیکا بھی موقع ملا، ایک مرتبہ انعام میں چند کتابیں، دوسری مرتبہ ایک مندرجہ زرین حاصل کیں، علی مجاس کی جدائی، کسکو منظور تھی، لیکن کچھ ایسے اسباب ناگزیر پیدا ہوئے کہ ڈیڑھ سال بعد مولف کو اپنا ابتدائی درس ناتمام چھوڑ کر وطن واپس آنا پڑا، اور یہ واپسی تکمیل علوم سے دست برداری کا نتیجہ ثابت ہوئی، چند مہینے وطن میں کتب بینی کا مشغلہ رہا تھا، ایک دوسرے سفر کے لئے مولف کو پھرتیا رہنا پڑا، ۱۳۱۳ھ کے اخیر میں مولف اپنی ہمیشہ کے ساتھ سروج آیا جہاں چند رشتہ دار، اور مولف کے بہنوئی ملازمت کے سلسلہ سے مقیم تھے اس وقت سروج کی خانہ حکومت افضل الامار منتظم الملک صاحبزادہ عبدالرحیم خاں بہادر مظفر جنگ کے ہاتھ میں تھی،

(تقریباً گزشتہ) میں ماہر تھے، شعر و سخن سے بھی دلچسپی تھی نواب محمد علی خاں نے مدتی العلماء کا ایک خطاب دیا، او کی وفات پر ٹونک آئے اور عدالت شریعت میں مفتی کا عہدہ ملا، ان کے ایک بیٹے منشی بدر الدین صاحب وکیل ٹونک میں موجود ہیں، ۱۲  
لے موجودہ رئیس اعظم نواب امین الدولہ کے حقیقی چھوٹے بھائی تھے، بعد میں کونسل میمبر ہونیکا انٹ کے (تقریباً صفحہ آئندہ)

## کتب بینی اور اصحاب علم سے استفادہ | سروج کی آبادی مولف کیلئے ایک نئی دنیا تھی، آبادی کے باہر

جس طرف نظر اٹھتی، پہاڑ اور جھاڑیوں کا ایک غیرتناہی سلسلہ دکھائی دیتا، جیسے آنکھوں نے پہلے نہ دیکھا تھا، وحشت نے سیر و تفریح سے بھی معذور رکھا، مجبوراً کتب بینی کا مشغلہ اختیار کرنا پڑا، سید احمد مجتبیٰ جالسی، منشی واحد علی زار ملکانوی اور دیگر ارباب علم ہم مجلس تھے، مباحث علمی سے معلومات میں زیادہ وسعت ہوتی رہی، خوب یاد ہے کہ زار صاحب ملکانوی نے (جو اردو کے اچھے شاعر ہیں اور فارسی میں بھی جتنکواچھی استعداد ہے) ایک روز عباس اعظم شاہ ایران کا قطعہ، اور اسکے جواب میں اکبر اعظم کی طرف سے جو قطعہ لکھا گیا تھا پڑھ کر سنائے، جبکہ مصرع یہ ہے: <sup>۱</sup>عباس یہ ذو الفقار حیدر نازد،

مولف نے بھی اُسی ردیف و قافیہ کو زیر نظر لکھ کر قطعہ موزوں کیا جو یہ ہے -

عاشق لبیب وصال دہلر نازد حاجی بھول ج اکبر نازد

ناؤ بشیم مشک اذ فر نازد احمد یہ احد نظر بہ سرور نازد

کسی دہریان نے ان اشعار کو منشی نیاز علی خاں کے ملاحظہ تک پہنچا دیا، جو فارسی کے مسلم الثبوت

استاد، فن شاعری میں کامل، اور اس وقت صاحبزادہ عبدالسمیع خاں ابن صاحبزادہ عبدالرحیم خاں صاحب بہادر مظفر جنگ کے اتالیق تھے (موصوف نے مولف کو اپنی خدمت میں بلا کر اشعار کی موزونیت پر تحسین فرماتے ہوئے حوصلہ افزائی کے کلمات سے مخاطب کیا، چونکہ مولف

رقیب صفحہ گزشتہ) میر ہوئے ج سے واپس آنے کے بعد ۱۳۳۵ھ میں رحلت کی، مولف نے ذیل کی تاریخ وفات موزوں کی -

حیف صاحبزادہ عبدالرحیم، چوں ز دنیا سوئے عقبے تافتہ، وقت فکر سال فوٹش از نظر، گفت تافت، قمر خبت یافتہ، ۱۳۳۵ھ

ملہ پورا قطعہ یہ ہے - رنگی بسپاہ و خیل لشکر نازد، رومی لیثان و تیر و خیر نازد، عباس یہ ذو الفقار حیدر نازد،

جواب از اکبر اعظم - فردوس بسلسیل و کوثر نازد، دریا بہ گہر فلک بہ اختر نازد، عباس یہ ذو الفقار حیدر نازد،

کوین یہ ذات پاک اکبر نازد - اکبر یہ خرمینہ پراز زر نازد ۴۴



کو فارسی استاد کی ضرورت تھی، اسلئے اس مولف کو غنیمت سمجھ کر تکمیل فارسی کیلئے اپنا جیاں ظاہر کیا، منظوری حاصل کرنے کے بعد، خاقانی، حکیم انوری، اور سلمان ساوجی کے چند قصائد کا موصوف سے درس حاصل کیا،

مولف کا سولہواں سال شروع ہوا، ایک روز چیتان کے تذکرہ پر صاحبزادہ عبدالسمیع خان صاحب موصوف نے فرمایا کہ قدیم اساتذہ معاً لکھ گئے، اب اس استحداد کے اصحاب نہیں رہے جو تم لکھ سکیں، مولف اس وقت خاموش رہا، رات کو غور کر کے دو چیتان موزوں کئے، ایک کا جواب جتا تھا، اور دوسرے کا لالہ، صبح کو دونوں چیتان صاحبزادہ موصوف کے ملاحظہ میں لکھ کر پیش کیں، انشی نیاز علیخان استاد مرحوم نے بھی سنیں اور سنکر سید تعلیف کی، اشعار یہ ہیں

ماہ رویم ہمیں نشان دارد سید اش داغدار دق لب ہلاں

چیت آں شے بگو برادر من چہ قلب پرخوں و رنگ رخ سر سبز

اسی زمانہ میں تکمیل بندوبست کے بعد پرگنہ کے دیہات کی کتابوں کی اردو سے ہندی میں نقلیں ہو رہی تھیں جبکہ لئے ریاست سے مستقل

**سلسلہ ملازمت**

علمہ مقرر تھا، مجلس اجاب کے اصرار و ترغیب سے مولف نے ہندی لکھنے پڑھنے کی طرف توجہ کی، ایک مہینہ میں مہارت حاصل کرنے کے بعد مولف بھی سلسلہ ملازمت میں داخل ہو گیا، کام ختم ہونے پر ذریعہ سرٹیفکٹ مورخہ ۲۹ اگست ۱۹۰۹ء صاحبزادہ عبدالرحیم خان صاحب بہادر مظفر جنگ ناظم سروج نے مولف کے کام کے متعلق اپنی خوشنودی کا اظہار فرمانے ہوئے مستقل ملازمت کا وعدہ کیا،

اپریل ۱۹۰۹ء میں معتمد الملک معتمد خاص کپتان حافظ سید محمد خاں بہادر مظفر جنگ سروج کی حکومت

لے بخشی سید نور الہدیٰ خاں بہادر ہیبت جنگ کے چھوٹے بیٹے، مادات قطبیہ محلہ قافلہ سے تھے،

پر تشریف لائے، امیدوارانہ حیثیت سے مولف بھی صاحب موسوف کی خدمت میں پیش ہوا، تحصیل میں جگہ ملی، اور چند روز کے لئے پٹواری مقرر ہو گیا، دیہات میں پھرنے سے جنگ قطعاً کی وحشت، صحرائی جاوڑوں کی ہیبت نے مولف کو برواشتہ خاطر کیا، خاک پا لکھنو کا سبزہ زار بھوک اور امین آباد کے ہموار و مصفا بازاروں کا گلگشت یاد آیا، اُس وقت اپنے مستقر سے روانہ ہو کر سرویج پہنچا، اور ذیل کا قطعہ لکھ کر ظفر جنگ بہادر ناظم سرویج کی خدمت میں پیش کیا،

کیا بتاؤں تم کو میں اپنا نشان زاد و بوم      حال کیا تم سے کہوں بیداد بی صیاہ کا  
اتفاق آب و دانہ سے پھنسا اگر یہاں      قابل صحرا نہ تھا بلبل نصیر آباد کا  
ظفر جنگ بہادر نے شاعرانہ شکوہ آمیز مضمون کو سمجھ کر اکتوبر ۱۸۹۶ء میں راجپٹواری کی جگہ دی  
اس تقرر سے مولف کا قیام خاص سرویج میں رہا، ظفر جنگ بہادر علم دوست، اور مذاق سخن  
کے دلدادہ تھے، اسلئے مشارک بھی ہوتے رہے جنہیں مولف بھی استفادہ کی غرض سے شریک  
ہو کر مشق سخن کرتا رہا،

مئی ۱۸۹۵ء میں ممتاز الامراء معظم الملک صاحبزادہ محمد صدیق خاں بہادر در دلیہر جنگ سرویج

(بقیہ گذشتہ) نواب امین الدولہ بہادر کی نظر نہیں آ پکا پڑا اعزاز تھا اسی ششہ میں سرویج سے تبدیل ٹونک واپسے پڑا  
واپسے پرگنہ بنیا بیڑہ کی نظامت پر تبدیل ہوئے محمد ششہ ۱۸۹۵ء میں طاعون کے شکار ہو کر رہا اسی ملک بھا ہوئے مولف نے انتقال  
پر چوتاریخی قطعہ لکھا تھا وہ یہ ہے۔ حافظ سید محمد حیف، در محرم کوفت کو سفر، اعلیٰ از بہانہ طاعون، قافلہ را  
نمود زیروزہر، نتوانم کشید صورت غم، آچہ دیدم بفرقتش ز نظر، فخر سادات قطیبہ الحق، بود مرحوم با کمال ہنر،  
ناظم بود در زمان خلیل، بقبل و ہوشیار و دانشور، ہم ظفر جنگ و خاص معتمدش، خواند نواب با صفات ظفر،  
انقلاب زمانہ زو کنوں، سنگ بر شیشہ مئی و ساغر، جز خموشی و میرانیر رضا، چارہ نیست از قضا و قدر، مقدس باد  
جنت الفردوس، بہت تاریخ و ہم دعا ز نظر، — انکی اولاد میں حافظ سید محمد سیر، سید محمد عمر، مولوی طلحہ، سید ابوبکر  
سید علی نقی حیات ہیں ۱۲ لہ نواب امین الدولہ بہادر کے بھائی تھے، نظامت سرویج سے ششہ ۱۸۹۵ء میں ہوم میری  
کے اعلیٰ عہدہ پر ترقی کے ساتھ تبدیل ہوئے، ششہ ۱۸۹۵ء میں انتقال کیا — ۱۲

کی نظامت پر تشریف لائے، مولف نے ذیل کے قطعہ کے ساتھ خیر مقدم کیا -  
 اے درخیز شرف ناظم والا گوہر      پیش تاپ تو شدہ آب مصفا گوہر  
 مہر لطف چو شود عکس گلن در دریا      بجے نیست کہ گردید بیضا گوہر

ماہِ جزائے موصوف نے امتحانِ کامل کے بعد اول صیغہ مال کی المہدی پر اور دہائی سال کے بعد  
 جدید انتظام کے سلسلہ میں محیطی درجہ دوم کی سرشتہ داری پر حکمتانہ کم نومبر ۱۹۰۷ء کے ذریعہ سے مامور کیا  
 اس وقت مولف کی عمر ۲۲ سال کی ہو چکی تھی، اسی زمانہ میں مولف نے شاہانِ اسلام کی جدولِ معن و تاریخ  
 تحت نشینی، وفات، اور مختصر حالات کے ساتھ ترتیب دینی شروں کی، کی تیس خطہ دار بنی فاطمہ  
 تک ہونے پائی تھی کہ بعض احباب سے معلوم ہوا کہ اس قسم کی ایک کتاب شائع ہو چکی ہے اس اطلاع  
 نے مولف کی ہمت کو پست کر دیا، اور سلسلہ جدولِ نامکمل رہا جو اب تک مولف کے پاس محفوظ ہے  
 ایک طرف مولف اپنے طالب علمانہ جوش شبانہ میں آزادانہ علمی سیر تفریح کی

## خانہ آبادی

زندگی کا آرزو مند تھا، اور دوسری طرف اشتیاقِ پدری خانہ آبادی کے جیلہ  
 سے مولف کو اسیر دنیا کرنے کیلئے مائل تھے، ۱۳۱۹ھ کا زمانہ تھا کہ والد مرحوم نے وطن سے آکر  
 سرحد کے ایک فاروقی شیخ کے خاندان میں مولف کی شادی کر دی، رفتہ رفتہ علمی خیالات دل و دماغ  
 سے رخصت ہونے لگے، اور رات کی کتب بینی کا شوق شبِ عشرت میں مدغم ہو گیا، پھر غفقا، تخیل  
 کی نہ وہ بلند پروازیاں رہیں نہ بہارستانِ سخن کی جلوہ ریزیاں،

مصرفِ شغلِ عیش پرستی تھارت دن      دل میں نئی خیال کی دینا لے ہوئے

تاماگاہِ عالم کی نیرنگیاں بھی عجب عبرت خیز و حیرت انگیز ہیں ایک رخ  
 اسکا طرب خیزی کے ساتھ روح پرور ہے، تو دوسرا رخ یہ انگیزی کے

## باپ کی وفات

ساتھ قلب شکن ہے، اسکا روز، روزِ عید ہے، تو شام، شامِ ماتم بھی ہے، یہ وہ دن تھے، کہ  
 ہوائے سرورِ مکمل جو شِ عطریت کے ساتھ رنگ بار بھی ملے قلب پریش و مسرت کی بارشیں ہو رہی  
 تھیں، آنکھوں میں بہا تشبیب کا شمار چھایا ہوا تھا، کہ یکایک فراقِ پدری نے نرم عیش کو محسوس ماتم بنادیا

افسوس شادی کے جلوس کو ابھی ایک مہینہ پورا بھی نہ ہوا تھا کہ دوستوں نے اغلاص و محنت کے جوہار گلے میں ڈالے تھے وہ مرچھائے بھی نہ تھے، کہ مولف کے چمنستان عشرت کو نظر لگ گئی محرم ۱۳۲۲ء کی ۱۱م اور اپریل ۱۹۰۲ء کی ۲۳ تاریخ تھی کہ مولف سراپا پیکر ماتم بنا ہوا تھا جو دوستوں بڑی صبر و شکر کی تلقین سے بھی عرصہ تک تبدیل نہ ہو سکا، ع - اے بسا آرزو کہ خاک شد

ذیل کے اشعار جو مولف کے مجروح دل و دماغ سے نکلے ہیں، جذباتی غم کے صحیح ترجمان ہیں۔

آہ پدرم بشادمانی	چوں مقدم گلِ بباغ شادی
ہر سوئے کہ من نظارہ کردم	پڑ نور طرب چراغ شادی
دوراں کہ صد انقلاب دارد	ز ہر آہ کند ایام شادی
گفتا پدرم کہ میزنم کوس	زاں بعد کہ شد فراغ شادی
دلشاد نظر چکو نہ باشم	غمیدہ نمود، ایام شادی
اے خیر فلک بمن چہ دادی	چوں خاکِ بہم بباد دادی
ظل پدرم ز سر بودی	ظالم تو سرم بپا نہادی
ز نیکو نہ تو یاد داغ پدرم	ز انساں کہ منم ز داغ شادی

جب دو چار روز کے بعد ہوش آیا تو دل غمزدہ کی تسکین کیلئے ذیل کے اشعار قلم سے نکلے۔

من بودم از فراق پدر میکش غموم	کا درد دوش بر من غافل خوار غم
دستم بسر نہاد بزرگے بخواب و گفت	کایک عزیز جان تو کہے غم مدار غم
غمیدہ باش از غم روز حساب خویش	ایں نیست ایچ غم کہ ز خویش تبار غم
غناک شو کہ زاد رہم چسیت در سفر	میکن چو میکنی تو ز روز شمار غم
نیکو بود فرست پدرم دعاے خیر	وازار تھال او تو کہے غم مدار غم
غم خوار خویش باش اگر میتواں شدن	بر حالت زانہ مکن ز نہہار غم
خود را ز دام عشوہ دنیا نگاہدار	دارد نہاں ہزار الم صد ہزار غم

ایک بار گردہ شکرت می کند فریب  
 گل را بس که گرچه بگلشن شگفتہ است  
 خنفل دہد بکام و دہاں بار بار غم  
 دل خستہ داردش ہمہ از نوک خار غم  
 نیکو نگہ کنی کہ کند بزم تار غم  
 ناکامی ز شادی و دیگر ہزار غم  
 از دل می رود مگر ایں نیستد از غم  
 چون لالہ کرد سیدہ من داغدار غم  
 ہر دیدہ را نمود چنین اشکبار غم  
 من ہرچہ دارم از ستم روزگار غم  
 دو چار نیست بلکہ بد نیسا ہزار غم

بیوی کا انتقال | باپ کی دوا کی فرقت میں آنسو بہانے سے ابھی فرصت نہیں ملی تھی کہ

مونس خلوت نے بھی پوری مفارقت کے پورے ۱۵ ماہ بعد ۱۰ ربیع الاول ۱۳۲۱ھ کو ایک ماہہ شیر خوار
 لڑکی چھوڑ کر جدائی اختیار کی مہینوں یہ قطعہ (جو روم کی تاریخ میں موزوں ہوا تھا) زباں پر جاری رہا۔

از صدمہ یاد مہر گانی  
 در گوشہ نمکدہ نشاندہ  
 نے باغ طرب نہ زو بہارے  
 سے ولے موسم نگارے

۱۳۲۱ھ

نغمہ تعزیت

کچھ در زمانہ ہست ساقی  
 یک ساغر مے دہد بدستت  
 لے بادہ کش غرور ہشیار  
 در جام دگر ہلاہل مار  
 امروز اگر بدل رفیق است  
 تا کے ز قراق سینہ کو بی  
 تاکے تپ غم ز ہجر دلدلار  
 اور اتو دعائے خیر کن یار  
 ہر کس کہ گذشت باز ناید

آدم کہ دریں جهان فانی      از دست اہل نرست ز بہار  
امید کر کہ جاں ببرد      از چنبر این سپر دوار  
ایں آمد و شد ز دور اول      داری بہ نظر کتاب و آثار  
حرف ز وفا نظر نہ ماندہ      غدار بود زمانہ غدار

مؤلف اگرچہ عدالت مجسٹریٹ درجہ دوم میں سرشتہ دار تھا، لیکن صاحبزادہ دلیر جنگ بہادر محیط ریٹ اول اپنے سرشتہ دار کی علالت کی بنا پر اپنی پیشی کا کام بھی مؤلف سے لیتے رہے، ۱۹۰۳ء کی متحدہ کانفرنس گوالیار میں موصوت کے ساتھ مؤلف بھی شریک ہوا۔ جولائی ۱۹۰۳ء میں صدیقی عہد نظامت ختم ہو کر، بدرالامراضیاء الملک صاحبزادہ شیرعلیٰ بہادر سرور جنگ چھترہ سے تشریف لائے طبیعت میں مذاق سخن بھی تھا، مؤلف نے ذیل کے اشعار کے ساتھ خیر مقدم کیا۔

ایکہ بابا زوئے اقبال دلیر آمدہ      قطعہ زور مندی کہ زہر کس نہ بزیر آمدہ  
صلوت نام تو کردست پلنگا در کوہ      آرے، آرے کہ تو بر شیر چو شیر آمدہ

آمدی جوں از پے نظم سر و رخ      تیغ تہنیت گفتند از باب قلم  
کشت امید رعایہ سبز شد      گشت بستاں رشک گلزار ارام  
ہم نظر تاریخ خیر مقدمت      آمدہ شیرعلیٰ خاں، ز دم

اور بھی چند قطعات و قصائد مناسب مواقع پر لکھ کر پیش کئے گئے،

موصوف علم و ادب کے قدردان تھے اسلئے انکے عہد میں اکثر مشاعرے ہوتے رہے، علمی و تاریخی مضامین کی بھی انجمن قائم تھی، مؤلف جب کاسکرٹری تھا، مؤلف سرور جنگ بہادر کی علم دوستی کا شکر گزار ہے جسکے بہار آفریں عہد میں افسرہ دلی در ہو کر علمی و ادبی مشاغل کی طرف مؤلف کو از سر نو متوجہ ہونا پڑا، اول کا شکفتہ ہونا تھا کہ مضامین نگاری کی طرف طبیعت راغب ہوئی، علمی تاریخی اخلاقی مضامین مؤلف کے قلم سے پیشتر نکلے، اور وہ رسالوں، اخباروں میں بھی شائع

منہ سرداران ریاست میں سے حسین تر، وسیع الاخلاق اور مہذب ہستی کے انسان تھے، شریخی خوب کہنے شہر تخلص تھا،



یاشد مبارک قدمت چون مقدم گل در چمن ازاد اہل شہر ہا ہم از چمن ہم از صبا  
خوش ہو کر چند کا پیاں اٹھالیں، شاعر کو دریافت کیا تو ناظم سروخ بہادر نے مولف کو پیش  
کر دیا، چند ضروری سوالات کے بعد فقیر صاحب نے فرمایا، اگر تم لاہور جانا چاہو تو فی الحال چمن  
حمایت اسلام لاہور میں ایک سو روپیہ ماہوار پر سفارش کر سکتا ہوں، شک یہ ادا کر سکتے بعد مولف  
نے ریاست کے آب و نمک کو ترجیح دیتے ہوئے انکار کیا، ابھی ۱۹۰۷ء کے اختتام میں کچھ مہینے  
باقی تھے کہ مولوی سید علی اصغر صاحب مخاطب امیر الانشا دبیر الملک معتمد انخاص، اعتماد اختصاص  
سروخ کی نائب نظامت پر آئے، مولف کو بھی شرف نیاز حاصل ہوا، موصوف کی علمی نکتہ  
سنجیوں، ادبی نقش آرائیوں اور تقریر کی سحر طرازیوں نے سروخ کی بزم ادب میں ایک  
تازہ روح پھونک دی، بقدر استعداد مولف نے بھی استفادہ کیا،

۱۹۰۸ء میں مولف کا تبادلہ پرگنہ چھترہ کی عدالت محبٹر ٹی کا درجہ اول ہو گیا۔ سروخ وطن ثانی  
ہو چکا تھا، اسلئے اسکی جدائی شاق گذری، اور پونے دو سال عاشقیت مجبور کی طرح گذرا،  
وحشت اور درد جزائی کی حالت میں مولف نے فراق نامہ سروخ کے نام سے ایک نظم لکھی  
جسکے تین شعر بطور نمونہ درج ذیل ہیں۔

کہاں کوہ چھترہ کہاں لکھنؤ	قیمت میں پھر مردان سروخ
مقدر میں یہ دامن کوہ مہتا	کہ جس میں نہیں کچھ بھی شان سروخ
پہنچا ہے کب دیکھے مرغ شوق	ہے او پنا بہت آشیانہ سروخ

خوش قسمتی سے ۱۹۰۹ء کا سال مولف کے حق میں مبارک ثابت ہوا، نواب امین الدولہ  
بہادر جمع القابہ دورہ کے سلسلہ سے چھترہ رونق افروز ہوئے، مولانا مولوی سید احمد مغربی التوسی  
معروف مغربی تہا بھی ہمراہ تھے، جن سے مولف کو عقیدت تھی اور جو سرکار عالی کی نظروں میں  
معرز اور مقبول تھے، انکے ذریعہ سے مولف نے ایک دعائیہ قصیدہ استدعائے تبادلہ کی درخواست  
کے ساتھ دربار میں حاضر ہو کر پیش کیا، جو استاد ذوق مرحوم کے مشہور دعائیہ قصیدہ کی طرز پر



لکھا گیا تھا، جسکے دو بیت قارئین کرام کی تفریح طبع کی خاطر درج ذیل ہیں،  
 رہے تا حضرت صدیق کو شہرت صداقت کے رہے نام عمر کو تا شرف نظم و عدالت سے  
 ہو روشن نام عثمان تا جادو حلم و دولت سے علی کا نام ہو مشہور تا علم و شجاعت سے  
 صداقت تیرا شیوہ اور عدالت تیرا جوہر ہو تحمل تیرا غفر اور شجاعت تیرا خیر ہو  
 رہے معشوق کی عشاق کو تا جستجو باقی رہے ہجو و صالیاں کی تا گفتگو باقی  
 گہر ہائے مضامین کی رہے تا آبر و باقی رہے اہل زبان میں تا زبان لکھنؤ باقی  
 نظر مدحت سرا ہو اور تو محمد وح اکبر ہو شرف پر تیرا اقبال ہو تا بندہ اختر ہو  
 درخواست تبادلہ منظور ہوئی اور مولف سروج واپس آگیا،

۱۹۱۲ء میں نواب امین الدولہ بہادر دورہ کی تقریب سے سروج رونق افروز ہوئے  
 اس وقت ذیل کی رباعی سے مولف نے خیر مقدم کیا، پچاس روپیہ انعام میں ملے۔

ایکے باشوکت و اقبال و چشم آمدہ  
 غنچہ دل نشو و چوں طربا گنیز طیل  
 مر جبا خیر ز سر تا بقدم آمدہ  
 آئے آئے کہ سرا پا تو کرم آمدہ

فروری ۱۹۱۲ء کے انتظامی سلسلہ میں مولف دوبارہ چھپڑہ تبدیل ہوا، جہاں اس مرتبہ گیارہ  
 سال مقیم رہا، پر گنہ چھپڑہ میں کام کم تھا اسلئے فرصت کے اوقات سے فائدہ اٹھا کر اپنے منتشر  
 منظوم کلام کی ترتیب میں مصروف رہا، چونکہ اشعار کی تدوین کا خیال ابتدا میں نہ تھا اسلئے تمام  
 نظمیں محفوظ نہ رہ سکیں، تلاش سے جس قدر مسودات ہاتھ آئے انکو ترتیب دیکر دیوان کی صورت  
 میں جمع کر لیا جسکا نام تجلیات نظر ہے۔ لیکن منظوم کلام نہ مولف ہی کیلئے کارآمد ذخیرہ ہے  
 نہ آنیوالی نسلونکے لئے، اب پچاس سال کے بعد آنکھیں کھلیں تو افسوس کے ساتھ اسکا اعتراف ہے کہ  
 دماغی طاقت کے زمانہ میں کوئی ایسا مفید کام انجام نہ پاسکا جسکے صلہ میں مخلوق خدا سے دعاؤ  
 کے پھول اور پھل ملتے، چھپڑہ کے رہنے والے یا چھپڑہ میں گذر کر نیوے اصحاب

مؤلف کی دو یادگاریں وہاں دیکھیں گے، جامع مسجد میں جو لوگ نماز ادا کر کے صدر دروازہ کی طرف رخ کرینگے تو انکو ایک پتھر کی تختی پر هٰذَا اٰيَاتُ الْمَلِكِ الْقَوِيّ عربی خط میں کندہ نظر آئے گا، جو مسجد کی توسیع کی تاریخ ہے، دوسری یادگار ایوان نظامت کی تاریخ ہے جو سنگی لوح پر نقش ہو کر ایوان نظامت کے بالا خانہ پر وصل ہے، جسکے اشعار یہ ہیں۔

ایں قصر لا جواب بعبید دین <sup>۱۵</sup> با حسن وضع و زیب چو تعمیر شد نظر  
از نسبت تخلص فرما نروائے ٹونک <sup>۱۶</sup> شد خانہ بخلیل، چہ تاریخ مختصر  
۱۳۳۵ھ میں صاحبزادہ اسماعیل علیجاں کی ولادت پر نواب امین الدولہ بہادر نے بہت زیادہ مسرت کا اظہار فرمایا کئی روز جلسے رہے، قصائد وغیرہ شعرانے پیش کئے، مؤلف بھی ٹونک ہنچا سات تاریخیں اور ایک قصیدہ پیش کش کیا، ایک سو روپیہ انعام میں ملے۔

۱۹۲۰ء میں مولانا انوار الحق بجنوری پولیس سپرنٹنڈنٹ رحال وکیل ماموڑہ اچھٹی دیوٹی کی قانونی صحبت رہی، اس اثر سے مؤلف نے قانون دیکھنے اور اسکے سمجھنے کی طرف مزید کوشش کی، جب قوانین میں کچھ استعداد ہو گئی تو طبیعت نے قید ملازمت سے آزادی چاہی، اسی زمانہ میں مؤلف کے خلاف مالی لاوارث کے متعلق دربار عالی کو کچھ اطلاعات پہنچیں، مؤلف قبل تحقیقات معطل ہوا، عالیجناب صاحبزادہ عبدالوہاب خاں بہادر مدد رجنگ جوڈیشل ممبر کے سپرد تحقیقات ہوئی، نتیجہ میں مؤلف بری ہوا، ملازمت سے دل ہرواشتہ ہو گیا تھا، اسلئے جوڈیشل ممبر نے انہیں موصوف کے مشورہ اور سفارش سے سندوکالت باستثنائے امتحان دربار سے حاصل کے ملازمت سے سبکدوش ہو گیا، کچھ مدت چھبڑہ میں وکالت کی مشق کر کے ۲۲ جولائی ۱۹۲۲ء کو سروج آگیا، ریاست کے قدیم آب و نک نیز دارالاسلام کی پیرا من چار دیواری کے لحاظ سے آبائی وطن کو خیر باد کہتے ہوئے سروج میں مکان بنوا کر مستقل سکونت اختیار کر لی۔

ع۔ بلبل ہمیں کہ قافیہ گل شوویں است۔ اب عمر کے ۵۰ منازل طے ہو چکے ہیں، ادعا

ملے شیخ سعید الدین تامل، قصیدہ ہم ضلع رہنک کے باشندہ تھے، الٹا انتقال ہو چکا ہے ۱۲

ہے کہ زندگی کا باقی حصہ فارغ البالی اور خدا و رسول صلعم کے احکام کی اتباع میں بسر ہو۔

قصرِ حُبّت ہو جان کی سیر ہو ہے دعائیں خاتمہ بالخیر ہو

۲۰ سال کا زمانہ مولف نے ملازمت میں گزارا، خانگی زندگی سے قطع نظریہ سوال باقی رہتا ہے کہ مولف نے اس عرصہ میں فرائض منصبی کے لحاظ سے سرکاری خدمات کو کس پیمانہ پر انجام دیا، حکام کے کیا خیالات رہے، مولف اپنی زبان سے ان باتوں کا جواب دینا مناسب نہیں سمجھتا، اس میں خود ستانی کا شائبہ ہے، اسلئے قارئین کرام کی آگاہی کے لئے پچاسوں سرٹیفکیٹوں میں سے جوڈیشل لائن کے سب سے اعلیٰ اور معزز رکن ریاست کے صرف ایک سرٹیفکیٹ کے درج کرنے پر اکتفا کیجاتی ہے، مولف اپنی نااہلی کی بنا پر ان الفاظ سے شرمندہ ہے، جو اس کی نسبت ظاہر کئے گئے ہیں، لیکن تصدیق کرنے والا اس کا جواب دے سکتا ہے کہ الفاظ کی صداقت اور واقعیت کہاں تک ہے۔

{ نقل سرٹیفکیٹ از اجلاس عالیجناب نجم الامرا احتشام الملک حافظ حاجی، قاری، مولوی، صاحبزادہ عبدالوہاب خان قلعہ بہادر صفدر جنگ جوڈیشل ممبر ریاست ٹونک (رجسٹرڈ) }  
 ۱۳ جون ۱۹۱۶ء کمپ پھیڑہ - ہم نشی سید احمد نقوی سررشتہ دار محبشرٹی درج اول پھیڑہ کی کارگزاری و لیاقت کے بہت پہلے سے معترف ہیں، لیکن بلسلہ دورہ ۹ اور ۱۰ جون ۱۹۱۶ء کو جبکہ عدالت مذکور کے سیاسی و سبائی کاغذات کے معائنہ کا اتفاق ہوا تو واضح ہے کہ عدالت میں یہی تنہا ایک اہلکار ہے، خدمت سررشتہ داری کے علاوہ اہم دی تعمیل نگاری، روزنامہ نویسی، اور نظارت کی اہم ذمہ داری کا بار بھی اسی کے سر ہے، باوجود اس قدر مصروفیت کے اس کا تمام کام خصوصاً اسکے عہد کے نظارت کا کام اور حساب و کتاب نہایت صاف اور باقاعدہ دیکھا گیا، مثل کے معائنہ سے پتہ چلتا ہے کہ جب سے نظارت کا کام سررشتہ دار مذکور کے چارج میں آیا ہے بقابلہ عہد سابق ہر مدتی آمدنی میں خاص ترقی ہوئی ہے، جس سے سرکاری خیر خواہی اور امانت داری کا بھی اظہار ہوتا ہے، فوجداری میں معلومات وسیع ہے، تجربہ اور علمی لیاقت کے سوا اور دانش پر دازی

کالائق ادیب اہلکار ہے۔

استاد کے ملاحظہ سے واضح ہے کہ اس کی ملازمت کا سلسلہ ۱۹۱۳ء سے شروع ہو کر اکتوبر ۱۹۲۰ء تک صیغہ مال کی مختلف خدمات کی انجام دہی میں گذرا، اور اسکے بعد نومبر ۱۹۲۰ء سے فوجداری صیغہ میں مستقل سررشتہ دار ہے۔ ۱۹ مقامی افسروں نے اسکی قابلیت، ذہانت اور کارگزاری کی تصدیق کی ہے، بعض نے تحصیلداری کے عہدہ کی بھی سفارش کی، مگر اس نے اتنی اپنی لیاقت کے موافق ترقی نہیں پائی، اپریل ۱۹۱۶ء میں سررشتہ دار مذکور کے حاضری ٹونک کے موقع پر ہم نے اسکی ترقی کی سفارش میں عرضداشت سرکار والا جاہ میں پیش کی تھی، لیکن ہم کو افسوس رہا کہ کسی عہدہ کے خالی نہ ہونے کی وجہ سے ناکامی رہی، دیگر سررشتہ داروں کے مقابلہ میں اسکی علمی لیاقت اور مستعدانہ کارگزاری کو خاص امتیاز حاصل ہے، سررشتہ دار مذکور کے تمام اوصاف سے ہم نہایت درجہ خوش ہیں، اور ہم وعدہ کرتے ہیں کہ آئندہ کسی مناسب موقع پر ضرور ترقی عہدہ کی سفارش کریں گے، وہ عدالت نہایت خوش قسمت ہے کہ جہاں ایسا تجربہ کار، معاملہ فہم اور قابل اہلکار موجود ہو فقط ۱۳ جون ۱۹۱۶ء

اب کہ عمر ۵۰ سال سے تجاوز کر گئی ہے، قوے میں انحطاط شروع ہو گیا، دماغی طاقت جواب دے چکی، خانگی فکریں

تاریخ سرویج

بڑھ گئیں، وکالت کی ذمہ دارانہ مصروفیتوں نے تفریحی اوقات پر بھی قبضہ کر لیا، تو باسی کر اسی میں از سر نو ابال آیا، یعنی فرسودہ دماغ نے سرویج اور مالوہ کی تاریخ لکھنے کا ارادہ کیا جبکہ لئے صحیح الدماغ ہونے کی لازمی شرط ہے اور یہاں یہ حال ہے۔  
مضمحل ہو گئے قوی غالب

اب عناصر میں اعتدال کہاں

چونکہ ارادہ مصمم ہو چکا تھا، اس لئے کارساز حقیقی کے بھروسہ پر باجارت حضور نواب این الدولہ بہادریہ مجمع القابہ تاریخ کی ترتیب میں مصروف ہو گیا، خدا کا لاکھ لاکھ



## قطعاً تواریخ کتاب آثار مالوہ

تاریخ از رشحات قلم صاحبزادہ مولوی ضیاء اللہ خاں صاحب

افسر ایڈیٹڈ پرائیمری ریاست رامپور نمبر مولوی غلام جیلانی خاں بہادر

کچھ اس طرح نظر نے کئے جمع واقعات  
تاریخ کی اگر ہے تمہیں جستجو ضیا  
تصویر خط و خال بیاض سرو بخ ہے  
کہد و مورخوں سے ریاض سرو بخ ہے

۱۳۵۴ھ



تاریخ نتیجہ افکار جناب صاحبزادہ محمد الدین خان صاحب نمبر صاحبزادہ

رطب الدین خان صاحب جاگیر دار سرو بخ اولاد مولوی غلام جیلانی خاں بہادر

تاریخ لکھی نظر نے کیا خوب  
کوزہ میں کیا ہے بند دریا  
تجیق کی جان ہے سراپا  
تعدیل کا گویا اک مرتع  
شاہد ہے بہار روئے انشاء  
وحدی نے بھی سیر کی ہے اسکی  
کیا طبع رسا ہے کیا نظر ہے  
ارباب قلم کو کچھ خبر ہے  
تتقید کی روح جلوہ گر ہے  
تصویر درایت و خبر ہے  
گلزار ادب کا اک ثمر ہے  
تاریخ مفید و مختصر ہے

۱۳۵۴ھ

۱۳۵۴ھ



ولا

آتنا رمالوہ، ماکہ طاعت پذیر ہست  
تاریخ حضرت نظیر بنظیر ہست  
گر فکر سال ہست، گبود جدی حزین  
تاریخ وسط ہند سرور ضمیر ہست  
۱۳۵۲ھ

قطعہ تاریخ از خامہ گہر بارہنشی شیخ واحد علی صاحب زار انصاری ملکانوی  
گردا و بر قانون گوئے سر و نج

شکر خدا بہار رسید و خزاں گذشت  
صبح مسترت آمد و برگشت شام غم  
دیدم جمال چہرہ خورشید مدعا  
بیدار گشت طالع در روشن شد انترم  
یعنی کہ خامہ نظر داستان نگار  
صورت کشید روکش خال و خط ادم  
تالیف کرد نسخہ آتنا رمالوہ  
صد آفریں بحسن بیان و خیال فکر  
گوئی بہ انکشاف نظیر بہت جام جم  
صد مر جہاں شوکت و زیبائی رسم  
آراستہ سے شاہد تاریخ اینچنین  
مقبول شد کتاب بحیثیت رئیس ٹونک  
یارب نصیب زیور حسن قبول باد  
تاریخ طبع شد و در بیاد زار زار  
دہ

چن چن کے تانہ کلیاں ہر ایک گلستان سے  
دہ ذوق نظر کے خاطر باد نسیم لائی  
گلچین کا وہ فسانہ اور یہ نظر کی تاریخ  
اے عندلیب ناداں نغمہ چمی سرائی  
وہ غنچہ طرب ہے یہ غنچہ ادب ہے  
بھیکہت رنگ اسکا میں ہر روشنائی  
کلیاں ہیں رات بھر میں پر مژہ ہوتی  
تاریخ کی ہمیشہ قائم ہے رونمائی

آثارِ مالوہ نے زندہ کیا ہے اُنکو  
کیا شوخیاں بھری ہیں مضمون کی ساگوں  
ہر اک سطر کشش میں ہنسی کی کہکشاں ہے  
گوہر کی آبداری جہلوں سے ہر نمایاں  
دیکھیں کتاب لیکر کان ادب کے ریزے  
شاخِ قلم وہی ہے مضمون سے ہو جو شعر  
تقریظ ہو چکی بس تاریخ بھی ہو موزوں  
کہد وہوئی مکمل تاریخ وسط ہند اب  
۱۳۵ ۱۳۶

تام و نشاں سے جنگ و واقف نہ تھی خدائی  
طرزِ اراد ہے دلکش بندش میں ہے عفا  
ہر ایک لفظ اُسکا ہے نافہ خطائی  
ہے خال و خط سے پیدا اک شانِ درباری  
ہو ناقدانِ فن کو گر شوقِ آشنائی  
خوش رنگِ خوش مزہ ہو تحسین ہو رونائی  
دکھلاؤ ذرا اس میں کچھ طبع کی رسائی  
جسکا صفحہ صفحہ ۴۴ اک معجزہ نائی

### قطعی تاریخ از شاعرِ انشا نشی عرفان محمد خالصنا طوق الموسیٰ زبانی اہلکار تحصیل شرقی

جس طرح قطرہ ناچیز کی طغیانی سے  
یہ بھی حال اُن اربابِ نظر کا ناطق  
جب کسی شخص سے سنتے ہیں کوئی کام کی بات  
چاہتے ہیں کہ یہ بیکار نہ جائے پاک  
قطرہ قطرہ کو بصد سحر اکٹھا کر کے  
ایسے ہی لوگ سرمایہ عقل و دانش  
ایسے ہی اہل نظر میں ہے نظر کی ہستی  
شہرِ سیرنج کہ آہل بعض مقامات سے  
بارک اللہ کہ اُس قرینہ منامی کو  
اب وہ شخص کہ نسبت جو اس خاک سے ہو  
اب وہ شخص مری طرح سے ہو گا دلداد

بحرِ زخا میں ہوتا ہے تلاطم پیدا  
جتنی افسادِ طبیعت ہے بلست و بالا  
کان اُس بات پہ دھرتے ہیں ضرور سوہا  
راہ میں پاتے ہیں تنکا بھی اگر کوئی پڑا  
دوسروں کیلئے کرتے ہیں فراہم دیا  
ایسے ہی لوگ ہیں سرچشمہ فرہنگِ ذکا  
جس پہ تہنا بھی کیا جائے تفاخر ہی بجا  
جسکی زوداد پہ مدت سے پڑا تھا پردہ  
آپ نے خلعت جاوید عطا فرمایا  
ایسے اسلاف کے حالات سوداقت ہوگا  
مثل میری جو ہے گلزارِ وطن کا شیدا

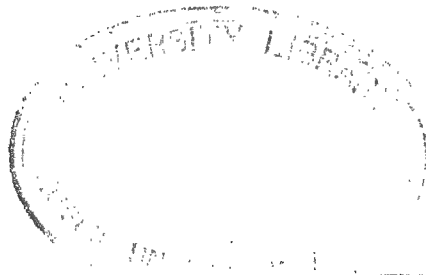


اب مری جسم میں پیدا ہوئی اک تازہ رو  
اب مری نسبتِ خاکی کو ہوئی نشو و نما  
لوگ سن سکے روایاتِ قدیم میری  
اب مری عظمتِ رفتہ کا کرینگے چرچا  
پوچھے ناطق جو کوئی تم سے وطن کی تاریخ  
کہد و بر جستہ کہ ہے نادر و لکش نسخہ



قطعی تاریخ از طبع نقاد منشی غلام شاہ خالصا منظر سرویجی ہستم کٹم مہجوریاں

غوب کی تصنیف تاریخ آپ نے  
سید احمد مرتضیٰ صاحب نظر  
اہل سیر و سنج اور اہل مالوہ  
منتظر حیکے تھے ہر شام دسھر  
بہوشی میں سب وہ حالات لگے  
عالمِ ظلمت میں تھے جو مستر  
جستہ جہتِ حقیقت تھے واقعات  
ہو گئے مجموع سب قرطاس پر  
دیکھ کر پاکیزگی تحریر کی  
خود بخود شرما گئے گلہائے تر  
کس قدر شدت ہے اندازِ بیاں  
اللہ اللہ خامر جا دواثر  
جملہ جملہ جو ہر کانِ ادب  
نقطہ نقطہ حاصل کسب ہنر  
جب ہوئی منتظر کو فکرِ سالِ طبع  
حب ارشادِ گرامی نظر  
ہاتھ غیبی نے خوش ہو کر کہا  
کیجیے جتنی صفت ہے مختصر





# اشتہار صورت شیر شاہی

یعنی

ہندوستان کے مشہور و معروف فرمانروا سلطان عادل شیر شاہ سوری رحمۃ اللہ علیہ کی مکمل و مفصل سوانح عمری ہے، اس عادل اور الو العزم فرمانروائے محض اپنی ہمت و شجاعت، اور حسن تدبیر سے بہت ہی معمولی حیثیت سے ترقی کر کے ہندوستان کی سلطنت حاصل کی، پھر اپنے پنج سالہ دور سلطنت میں جس قابلیت، سیاست، تدبیر، نظم و آئین، عدل و انصاف کے ساتھ حکمرانی کے فرائض ادا کئے، اس کی نظیر نہیں ملتی۔  
اب تک اس سلطان عادل کی کوئی مفصل لائف اردو زبان میں نہیں لکھی گئی تھی اس کی کو مؤلف آغا مالوہ جناب منشی سید احمد مراد نے صاحب نظر و کس عدالت ہائے ریاست ٹونک مقیم سرونج مالوہ نے نہایت قابلیت، محنت، اور اعلیٰ انشا پر داری کے ساتھ پورا کیا، اور مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ نے اس کی نشر و اشاعت کی۔  
اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان شیر شاہ عجیب دل و دماغ کا فرمانروا تھا، اور اسکے کارنامے، آئین حکومت کیسے حیرت انگیز و دلچسپ ہیں۔ مؤلف نے مورخین تیموریہ کے اعتراضات کے جوابات دیکر شیر شاہ کے اعمالِ حسنہ، اور سیرت و خصلت کو حسن و خوبی کے ساتھ نمایاں کیا ہے، کتاب قابل دید ہے۔

دفتر مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ (یو پی)

سے عرصہ قیمت میں مل سکتی ہو فقط



Kinn Bahr Sabana Collection:

۲۲۰  
(۲۱)

۹۱۵۵۲۸

DUE DATE

۲۲۵/۹۱

91052

91252A

NYU  
(PA)

ураат

[illegible]